معاشیاتِ پاکستان

کوڈ نمبر 406　　　بی اے　　　یونٹ 1-18

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ۔ اسلام آباد

معاشیاتِ پاکستان

یونٹ 1-18   بی۔اے   کوڈ نمبر 406

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

Revised ایڈیشن .... اول
اشاعت چوبیسویں.............................. 2021ء
موجودہ اشاعت 2023ء
تعداد اشاعت 12200
نگران طباعت .... ڈاکٹر سرمد اقبال
طابع .... پاکستان پوسٹ فاؤنڈیشن پریس، اسلام آباد
ناشر .... علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین	پروفیسر ڈاکٹر ثمینہ اعوان شعبہ معاشیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
رابطہ کار	ڈاکٹر فوزیہ جمشید
مصنفین	اقبال بخت عبدالرحیم نیر اسرار الحق خالد محمود ڈار عبدالحلیم خواجہ
نظر ثانی	ڈاکٹر فوزیہ جمشید، ڈاکٹر الیاس احمد
کورس ایڈیٹر	اقبال بخت
جنرل ایڈیٹر	پروفیسر جاوید اقبال سید بشیر محمود اختر انوار الحق
تدوین نظر ثانی ایڈیشن	داؤد رضوان

کورس کا تعارف

ہم سب کا وطن عزیز پاکستان ہے۔ ہمارا ہر فرد ملت کے مقدر کا روشن ستارہ ہے۔ ہر فرد اپنے انفرادی فلاح میں اضافہ کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ فلاح کے حصول پر مبنی انفرادی سرگرمیوں کے مجموعے کا نام قومی اقتصادی لائحہ عمل ہے جس کا نتیجہ قومی آمدنی میں اضافہ، روزگار کی سہولتوں میں توسیع اور مجموعی خوشحالی کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سعی و پیکار نے جہاں جہاں خوشحالی کے فیوض عام کیے ہیں ان کو مجتمع شکل میں آپ کی خدمت میں مطالعہ کے لیے پیش کرنا اس دور کا بنیادی مقصد ہے۔

اس کورس کی تجسیم، ترتیب اور پیشکش میں یہ خیال ہمارا رہنما اصول رہا ہے کہ اس کورس میں شمولیت سے پیشتر ہی آپ معاشیات سے واقف ہیں یا ہمارے نظری معاشیات کے کورس میں داخلہ لے کر کامیابی کر چکے ہیں۔ معاشیاتِ پاکستان کی تفہیم کی غرض سے ہم نے پہلے کچھ یونٹ اس طرح ترتیب دیے ہیں کہ ان کے ذریعے معاشی ترقی اور اقتصادی منصوبہ بندی کے نظریاتی مسائل واضح ہوسکیں اور پھر یہ تجزیہ ہو جائے کہ پاکستان نے کس کس شعبے میں کتنی کتنی ترقی حاصل کی ہے۔

اس کتاب میں پہلے معاشی ترقی اور معاشی منصوبہ بندی کے بنیادی تصورات کی وضاحت کی گئی ہے اور پھر ان کا اطلاق پاکستان پر کیا گیا ہے۔ پاکستان کے حوالے سے جن شعبوں کی ترقی اور منصوبہ بندی کا تذکرہ ایک تا نو یونٹوں میں کیا گیا ہے ان میں آبادی زراعت اور نظام نقل وحمل وخبر و رسائی شامل ہیں۔ جب کہ دس تا اٹھارہ یونٹوں میں دیگر شعبوں میں ترقی اور منصوبہ بندی کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اس کورس کا مقصد آپ کو صرف پاکستان کی معاشی تاریخ سے روشناس کرانا ہی نہیں ہے بلکہ ان کے مسائل کے اسباب سے آگاہ کرنا بھی ہے جن سے پاکستان کی معیشت آج کل دوچار ہے۔ اسباب وعلل کے ساتھ ساتھ ان اقدامات سے شناسائی بھی افادیت کی حامل ہے جو ماضی میں حکومتوں کی طرف سے منصوبہ بندی اور ترقیاتی پروگراموں کے لیے کیے گئے اقدامات کی اہمیت اس پس منظر میں اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ معیشت میں تبدیلی، معاشی ترقی کی شرح کو بڑھانے، صنعتی انقلاب برپا کرنے اور مالی خوشحالی کے ثمرات کی خوش آئند تقسیم کا پیش ہوتی ہے۔ اس کورس کے ذریعے آپ قومی معیشت میں تجارت، زراعت، صنعت اور دوسرے شعبوں کے کردار کا تعین کرنے کے لیے موزوں رہنمائی حاصل کر سکیں گے۔

کتاب 1 (یونٹ 1 تا 18) کے مندرجات

زیرنظر کتاب اٹھارہ یونٹوں پر مشتمل ہے۔

پہلے یونٹ کا موضوع ہے ''معاشی ترقی اور ترقیاتی رخنہ۔'' اس یونٹ میں اقتصادی ترقی کے نظریات کی وضاحت کی گئی ہے اور انہی نظریات کی روشنی میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کی خصوصیات کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس معاشی تفاوت کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو ترقی یافتہ اور ترقی پذیر معیشتوں کے مابین بڑھتا جا رہا ہے۔

دوسرے یونٹ کا عنوان ہے ''معاشی ترقی کے عوامل'' اس یونٹ میں معاشی ترقی کے لوازمات کا تذکرہ موجود ہے۔ لوازمات کے بعد معاشی ترقی کے ان عوامل کا احاطہ کیا گیا ہے جنہیں معاشی، سماجی و ثقافتی، سیاسی اور انتظامی عوامل کا نام دیا جاتا ہے۔

تیسرے یونٹ کا موضوع بحث ہے ''منصوبہ بندی کے مسائل'' اس یونٹ میں مؤثر منصوبہ بندی کے لوازمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

چوتھے یونٹ سے معاشی ترقی کے نظریات کا اطلاقی پہلو شروع ہو گیا ہے۔ اس یونٹ میں کولمبو پلان، پہلے، دوسرے، تیسرے پانچ سالہ منصوبوں اور سالانہ ترقیاتی پروگراموں کے تحت پاکستان میں ہونے والی فی الواقعہ معاشی ترقی پر بحث کی گئی ہے۔ اس یونٹ کے آخر میں پانچویں پانچ سالہ منصوبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

پانچویں یونٹ میں پاکستان کی آبادی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ معاشی ترقی پر آبادی کی تقسیم بلحاظ گنجانی، جنس، خواندگی، پیشہ اور شہری رہائش کے اثرات کو سپردِ قلم کیا گیا ہے۔

چھٹے یونٹ میں پاکستان کی اہم فصلوں، زمین کے استعمال، فی ایکڑ پیداوار کی کمی، خوراک کی کفالت اور مشینی کاشت کے مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ساتویں یونٹ کا موضوع ہے ''زرعی اصلاحات اور نظامِ اراضی'' اس یونٹ میں زرعی اصلاحات کی تفصیل اور موازنہ پیش کیا گیا ہے۔

آٹھویں یونٹ میں زرعی ترقی اور خود کفالت کے ضروری مداخل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کھاد، پانی اور بیج کی ضرورت، اہمیت اور فراہمی کے مسائل کا جائزہ بھی اسی یونٹ میں لیا گیا ہے۔ سندھ طاس کے معاہدہ اور اس کی عملی نفاذ کے علاوہ زرعی ترقیاتی بینک کے کردار پر بھی ملعومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

کتاب کے نویں یونٹ میں ذرائع نقل وحمل اور خبر رسانی کی جانب سے پاکستان کی معاشی ترقی میں ادا کیے جانے والے کردار پر بحث کی گئی ہے۔

یونٹ نمبر 10 کا موضوع ہے ''پاکستان کا صنعتی نظام۔'' اس یونٹ میں پاکستان کی صنعتی ترقی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان اداروں کی ساخت اور کارکردگی پر بھی بحث کی گئی ہے جو صنعتی ترقی کے ذمہ دار ہیں۔

یونٹ نمبر 11 کا عنوان ہے ''مزدوروں کے مسائل'' یہ یونٹ پاکستان میں روزگار کی کیفیت اور مسائل کی ترجمانی کرتا ہے۔ مزدوروں کے لیے اصلاحات اور کم از کم اُجرتوں کے مسائل پر بھی اسی یونٹ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ نمبر 12 کا تعلق پاکستان کی خارجہ تجارت سے ہے۔ اس میں پاکستان کی اہم درآمدات اور برآمدات پر معلومات فراہم کی گئی ہیں، نیز پاکستان کے توازن، ادائیگی کے مسائل اور انہیں حل کرنے کے طریقوں پر نکات اور معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

یونٹ نمبر 13 کا موضوع ہے ''پاکستان کی گھریلو تجارت۔'' اس یونٹ میں پاکستان کی زرعی، صنعتی اور سرمایہ کی منڈیوں کی خامیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان خامیوں پر کیسے قابو پایا جائے، اس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

یونٹ نمبر 14 ''زر اور بینکاری'' سے تعلق رکھتا ہے۔ اس یونٹ میں پاکستان کے مختلف بینکوں اور مالی اداروں کی کارکردگی کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیا گیا ہے اور افراطِ زر کے اسباب اور حل پر تفصیلی تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

یونٹ نمبر 15 میں پاکستان کی زرعی پالیسی پر بحث کی گئی ہے۔ اس یونٹ میں پاکستان کے مرکزی بنک کی ساخت اور کارکردگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زر کے غیر ضروری پھیلاؤ کو روکنے کے سلسلے میں جو کچھ ہوا ہے، اسے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔

یونٹ نمبر 16 کا عنوان ہے ''مالیاتی مسلک'' اس یونٹ میں مالیاتی پالیسی کی پاکستان میں اہمیت اور طریق کار پر بحث کرنے کے علاوہ بجٹ کی تیاری، ٹیکسوں کی حیثیت اور اخراجات کی مدات پر بات چیت کی گئی ہے۔

یونٹ نمبر 17 میں پاکستان کے سماجی شعبہ کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس میں صحت، تعلیم، ٹیکنالوجی اور روزگار کے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

آخری یونٹ میں پاکستان کی مجموعی معاشی حالت کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں پاکستان میں گزشتہ برسوں میں ہونے والی عشرہ وار ترقی کا جائزہ موجود ہے۔ یہ جائزہ زراعت، صنعت، بیرونی تجارت، افراطِ زر اور تقسیمِ دولت کے حوالے سے لیا گیا ہے۔

کتاب کا منفرد انداز

اس کتاب کو آسان زبان میں تحریر کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ طلبا آسانی سے اس کتاب کو سمجھ سکیں۔

کتاب ہذا کے ہر یونٹ کے اختتام پر اہم نکات خود آزمائیاں اور اس کے جوابات کا اندراج کیا گیا ہے۔

نوٹ:

عزیز طلباء و طالبات:

معاشیات پاکستان کا نیا کورس تکمیل کے مراحل میں ہے ۔موجودہ کتاب میں بہت حد تک زیادہ ترین اعدادوشمار شامل کر دیئے گئے ہیں لیکن بعض تکنیکی وجوہات کی بناء پر کلی طور پر تصحیح کرنا فوری طور پر مشکل ہے۔آپ تازہ ترین اعدادوشمار کے لیے مندرجہ ذیل ویب سائیٹ (website) پر جا کر اکنامکس سروے آف پاکستان کے مختلف Issues دیکھ سکتے ہیں۔

www.finance.gov.pk

Economic Survey of Pakistan (2018-19)

Federal Budget (2019-20)

فہرست

یونٹ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
یونٹ نمبر 1	معاشی ترقی اور ترقیاتی رخنہ	9
یونٹ نمبر 2	معاشی ترقی کے عوامل	47
یونٹ نمبر 3	منصوبہ بندی کے مسائل	81
یونٹ نمبر 4	پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی	115
یونٹ نمبر 5	مسئلہ آبادی	169
یونٹ نمبر 6	زرعی پیداوار	211
یونٹ نمبر 7	نظامِ اراضی اور اصلاحات	239
یونٹ نمبر 8	زراعت کے لوازمات	287
یونٹ نمبر 9	ذرائع نقل وحمل وخبر رسانی	311
یونٹ نمبر 10	پاکستان کا صنعتی نظام	319
یونٹ نمبر 11	مزدوروں کے مسائل	347
یونٹ نمبر 12	تجارت خارجہ	373
یونٹ نمبر 13	پاکستان کی گھریلو تجارت	403
یونٹ نمبر 14	زر اور بینکاری	429
یونٹ نمبر 15	زری پالیسی	459
یونٹ نمبر 16	مالیاتی مسلک	484
یونٹ نمبر 17	سماجی شعبہ	513
یونٹ نمبر 18	پاکستان کی معیشت کا جائزہ	543

یونٹ 1

معاشی ترقی اور ترقیاتی رخنہ

تحریر
اقبال بخت

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد 12

1۔معاشی ترقی اور ترقیاتی رخنہ 13

1.1 پس منظر 13

1.2 عام تصور 13

1.3 تین اصطلاحیں 13

1.4 مترادف 14

1.5 مختلف تعریفیں 14

1.6 عمل 14

1.7 طویل عرصہ 15

1.8 پہلا معیار 15

1.9 دوسرا معیار 17

1.10 تیسرا معیار 19

1.11 چوتھا معیار 20

1.12 پانچواں معیار 21

1.13 ماحصل 22

1.14 اہم نکات 22

1.15 خود آزمائی 25

1.16 جوابات 27

2۔ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کی خصوصیات 28

2.1 تعارف 28

2.2 معاشی بُعد 28

2.3 معاشی بُعد کے مظاہر 29

2.4 ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کی خصوصیات 30

2.4.1 قدرتی وسائل کی قلت 30
2.4.2 افراطِ آبادی 31
2.4.3 عمومی پسماندگی 32
2.4.4 سرمایہ کی قلت 35
2.4.5 فی کس آمدنی کی پس سطح 36
2.4.6 ابتدائی اشیاء کی پیدائش و برآمد 36
2.4.7 توازن ادائیگی کی ابتری 36
2.4.8 دولت کیغیر منصفانہ تقسیم 37
2.4.9 معاشرتی برائیاں 37
2.5 اہم نکات 38
2.6 خود آزمائی 39
2.7 جوابات 41

3۔ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان معاشی رخنہ 42
3.1 دشواری 42
3.2 مشاہدات 42
3.3 دنیا کی آبادی 42
3.4 آمدنی کا معیار 43
3.5 معاشی تفاوت 43
3.6 صنعتی و غیر صنعتی ممالک کی پیداوار 43
3.7 صنعتی ترقی کی وجہ 43
3.8 مستقبل میں امکانات 43
3.9 اقتصادی حربہ 44
3.10 تفاوت کا حجم 44
3.11 نتیجہ 45
3.12 اہم نکات 45
3.13 خود آزمائی 46
3.14 جوابات 46

یونٹ کے مقاصد

اُمید ہے معاشیاتِ پاکستان کے یونٹ نمبر 1 کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

الف: آپ میں یہ فہم و فراست پیدا ہو جائے کہ معاشی ترقی کا صحیح مفہوم کیا ہے اور مختلف معیشت دانوں کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔

ب: آپ ان خصوصیات سے بخوبی واقف ہو جائیں جن کی بنا پر ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ ممالک کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے۔

ج: آپ اس امر سے آشنا ہو جائیں کہ صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے درمیان معاشی رخنہ کس طرح وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور اس کا کیا حل ہے۔

1۔ معاشی ترقی اور ترقیاتی رخنہ

(Economic development & development Gap)

1.1 پس منظر

یوں تو معاشی ترقی کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے مگر اس موضوع نے بھرپور توجہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد حاصل کی۔ ویسے تو اٹھارویں (18) صدی سے ہی معیشت دانوں نے براہ راست یا بالواسطہ طور پر معاشی ترقی کے موضوع پر لکھنا شروع کر دیا تھا مگر جس قدر توجہ اس موضوع کو سنہ 1945ء کے بعد نصیب ہوئی، اتنی کبھی پہلے اس کے حصہ میں نہ آئی تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی معیشت دانوں نے کئی اسباب کی بنا پر اس موضوع کو اپنا ہدف قرار دیا اور دنیا کے ہر گوشے سے اس پر مضامین، تحقیقی مقالے، کتابچے اور اعلیٰ پایہ کی کتب سامنے آنا شروع ہوئیں۔

1.2 عام تصور

معاشی ترقی کا لفظ اب بہت زیادہ مستعمل ہو چکا ہے۔ شروع میں ایک عام آدمی اس سے مراد یہ لیتا تھا کہ ملک میں سڑکیں بن رہی ہوں، بسیں گاڑیاں حرکت کر رہی ہوں، کارخانے لگ رہے ہوں اور شہروں میں خوشحالی کا پھیلاؤ وجود میں آ رہا ہو تو ایسی کیفیت کو معاشی ترقی کا نام دیا جاتا تھا۔ مگر فنی طور پر معاشی ترقی کا اپنا ایک مخصوص مطلب ہے جس کی وضاحت آگے چل کر اس کورس میں کی گئی ہے۔

1.3 تین اصطلاحیں

معاشی ترقی سے متعلق جتنا بھی مواد دستیاب ہے اسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ معیشت دان تین اصطلاحوں کو ایک دوسرے کے ہم معنی قرار دے کر استعمال کرتے ہیں۔ یہ تین اصطلاحیں یہ ہیں: معاشی ترقی (Economic Developments) معاشی نشوونما (Economic Growth) اور معاشی ارتقا یا پیش رفت (Economic Progress) بنیادی طور پر ان تینوں اصطلاحوں میں فرق ہے۔ معاشی ارتقا یا پیش رفت سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ لوگوں کو روزمرہ استعمال میں آنے والی اشیا کی تعداد پہلے سے زیادہ دستیاب ہو۔ معاشی نشوونما کا مطلب معاشی ارتقا یا پیش رفت کافی مختلف ہے۔ معاشی نشوونما سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ ملک میں اشیا خدمات

کی پیداوار میں اضافہ واقع ہو۔ معاشی ترقی کا تصور ان دونوں تخیلات سے جدا ہے۔ معاشی ترقی سے مراد نہ صرف ملکی سطح پر اشیا خدمات کی پیداوار یا حجم میں اضافہ لی جاتی ہے بلکہ اس میں تکنیکی اور فنی ڈھانچے میں رونما ہونے والی وہ تبدیلیاں شامل ہیں جن کے ذریعے پیداواری عمل وجود میں آتا ہے۔

1.4 مترادف

تینوں اصطلاحوں میں فنی طور پر نازک سا فرق پایا جاتا ہے مگر یہ فرق اس قدر اہم تصور نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ معیشت دان ان تینوں اصطلاحوں کو ایک دوسرے کے ہم معنی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ اس یونٹ میں معاشی ترقی، معاشی نشوونما اور معاشی ارتقا کی اصطلاحیں باہم ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال کی جائیں گی۔

معیشت دنوں کی طرف سے معاشی ترقی کی متعدد تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔ آیئے ان تعریفوں میں سے چیدہ چیدہ تعریفوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں تا کہ ہم حتمی طور پر معاشی ترقی کے مفہوم کا تعین کر سکیں۔

1.5 مختلف تعریفیں

آرتھر لیوس (Arther Lewis) موجودہ زمانے کے ایک مشہور معیشت دان ہیں۔ انہوں نے معاشی ترقی کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ ''معاشی ترقی دراصل اسی اضافے کا نام ہے جو فی کس پیداوار میں رونما ہوتا ہے۔'' دوسری اہم تعریف ہیرالڈ ایف ولیم سن (Harold F. Williamson) نے پیش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''معاشی ترقی ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کسی ملک کے عوام اپنے دستیاب وسائل کو اشیا و خدمات کی فی کس پیداوار میں اضافے کے لیے بروئے کار لاتے ہیں۔'' ایک اور اہم تعریف بنجامن ہنگز (Benjamine Higgins) نے وضع کی ہے۔ ان کے بقول ''معاشی ترقی سے مراد ملکی پیداوار میں اضافے کی شرح کو بڑھانا ہے تا کہ فی کس آمدنی اور معیارِ زندگی کا بلند تر مقام حاصل کیا جا سکے۔'' یہ تو تھیں مختلف تعریفیں مگر جس تعریف کو قبولِ عام حاصل ہوا ہے وہ مائر اور بالڈون (Meier and Baldwin) نے پیش کی ہے۔ مائر اور بالڈون کے نزدیک ''معاشی ترقی وہ عمل ہے جس کی بدولت کسی معیشت کی حقیقی قومی آمدنی طویل عرصے تک بڑھتی جاتی ہے۔''

پیشتر اس سے کہ ہم مائر اور بالڈون کی تعریف کا تفصیلی جائزہ لیں، آیئے ان کی بیان کردہ تعریف کے مختلف بنیادی الفاظ پر غور کرتے چلیں۔ یہ الفاظ ''عمل'' اور ''طویل عرصہ'' ہیں۔

1.6 عمل (Process)

عمل سے مراد کسی تکنیکی، تنظیمی اور شعبہ جاتی ڈھانچے کی وہ کڑیاں ہیں جو باہم مربوط ہوں۔ دوسرے

لفظوں میں عمل سے مراد مختلف شعبوں کا باہمی تعلق اور ارتباط ہے کہ اس باہمی اتحاد اور اتفاق کی بدولت وہ شعبے ایک دوسرے کو پھیلانے، وسیع کرنے اور ترقی دینے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ کسی ایک شعبے کی موجودگی اور اس کی ذاتی پیداوار میں توسیع کو عمل سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ کئی شعبوں کی موجودگی اور ان میں باہمی یگانگت اور گہرے تعلق کو عمل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمل ایسی معیشتوں میں پایا جاتا ہے جو وسیع البنیاد ہوں۔ یہاں جاپان اور کویت کی مثالیں دینا مناسب ہوگا۔ کویت یقینی طور پر جاپان سے امیر تر ہے مگر وہاں عمل کا فقدان پایا جاتا ہے۔ کویت میں تمام تر دولت کا دارومدار تیل کی آمدنی پر ہے اور کوئی دوسرا شعبہ اس کے عشرِ عشیر بھی نہیں۔ جاپان اگرچہ کویت سے غریب ملک ہے مگر وہاں ''عمل'' ہر جگہ موجود ہے۔ جاپان کی معیشت متعدد شعبوں پر مشتمل ہے اور ہر شعبہ دوسروں سے وابستہ ہے۔ ایک ترقی کرتا ہے اور دوسرا شعبہ بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔ چنانچہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کویت میں زیادہ سے زیادہ تیل پیدا ہونا، جنوبی افریقہ میں زیادہ سے زیادہ سونا نکالنا اور برازیل میں زیادہ سے زیادہ کافی تیار کرنا ''عمل'' کے دائرے سے خارج ہیں۔ ''عمل'' کی موجودگی کے لیے ضروری ہے کہ بہت سے شعبے ہوں اور وہ ایک دوسرے سے منسلک ہوں۔

1.7 طویل عرصہ (Long Period)

مائر اور بالڈون صرف ایسے ہی ''عمل'' کو بابرکت تصور کرتے ہیں جو طویل عرصہ پر محیط ہو اور جس کی بدولت ملک کی حقیقی قومی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جائے۔ طویل عرصہ سے اکثر مراد 20 سے 25 سال کی مدت ہوتی ہے۔ اگر کوئی عمل کسی ملک کی حقیقی آمدنی میں عارضی اضافے کا باعث بنے تو حقیقی زندی میں ایسے اضافہ کو معاشی ترقی کا نام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ عمل کچھ دیر کے بعد ساکن ہو جائے اور حقیقی آمدنی میں اضافے کی بجائے کمی آنا شروع ہو جائے۔ یہاں تجارتی چکروں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ تجارتی چکروں کی ہر بلندی سابقہ بلندی سے زیادہ ہو تو معیشت کی ایسی پیش رفت معاشی ترقی کہلا سکتی ہے۔

اب ہم معاشی ترقی کے مختلف معیاروں کی طرف آتے ہیں۔ معیشت دانوں کے کئی گروہ ہیں۔ ہر گروہ نے ''عمل'' اور ''طویل عرصہ'' کی اہمیت سے اتفاق کیا ہے مگر جس امر سے معاشی ترقی کا مفہوم واضح ہوتا ہے، اس کی شناخت کے لیے انہوں نے مختلف امور کو قابلِ توجہ ٹھہرایا ہے۔ ان امور کو معاشی ترقی کے معیار کہتے ہیں۔

1.8 پہلا معیار: حقیقی آمدنی

معاشی ترقی کی پہچان کے لیے مائر اور بالڈون اور ان کے حامیوں نے جس لفظ پر زور دیا ہے وہ ''حقیقی قومی آمدنی'' ہے۔ حقیقی قومی آمدنی کسی ملک کی مجموعی یا خام قومی آمدنی سے مختلف چیز ہے۔

(i)وضاحت

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کسی ملک میں سال بھر میں پیدا ہونے والی پیداوار اور خدمات کی کل مقدار کو خام قومی پیداوار (GNP) کہتے ہیں۔ یہ پیداوار جن مشینوں اور دیگر آلات کے ذریعے پیدا ہوتی ہیں، ان کی ٹوٹ پھوٹ اور مرمت پر ہر سال اُٹھنے والے اخراجات کو قومی پیداوار کا حصہ تصور نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ اخراجات تو لازماً صرف ہو جاتے ہیں۔ اگر انہیں مشینوں وغیرہ کی درستی کے لیے مخصوص نہ کیا جائے تو پیدائش دولت کا عمل طویل عرصہ تک جاری نہیں رہ سکتا کیونکہ کچھ ہی مدت کے بعد مشینوں وغیرہ کی ٹوٹ پھوٹ اس عمل کو معطل کر دے گی۔

(ii) قیمتوں کا اثر

خام قومی آمدنی یا پیداوار میں سے ایک چیز اور بھی منہا کرنی پڑتی ہے اور وہ ہے ''افراطِ زر کا اثر۔'' بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کے طفیل قومی آمدنی کی سطح بہت بلند نظر آنے لگتی ہے۔ اس بلند سطح سے مرعوب ہونا خوش فہمی کی دلیل ہوتی ہے۔ حقیقت پسندی کا تقاضہ یہ ہے کہ خام قومی آمدنی میں سے بڑھی ہوئی قیمتوں کا اثر خارج کر دیا جائے۔ اس امر کی وضاحت ہم ایک مثال سے کر سکتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں اشیا کی تعداد 100 ہو اور ہر شے کی اوسط قیمت 40 روپے ہے تو کل قومی آمدنی (40x100) =4000 روپے کے برابر ہوگی۔ اگر اگلے سال قومی آمدنی کی سطح (60x150) =9000 روپے ہو جائے تو یہ اس قدر خوشی کا مقام نہیں ہوگا کہ یہ کہا جا سکے کہ ہماری قومی آمدنی دگنی سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اشیا کی تعداد 100 سے بڑھ کر 150 ہوگئی ہے۔ اگر قیمتوں میں اضافہ نہ ہوا ہوتا تو قومی آمدنی کی موجودہ سطح (40x150) =6000 روپے ہوتی ہے یعنی سابقہ سال سے صرف ڈیڑھ گنا۔ چنانچہ حقیقی قومی آمدنی میں 2000 روپے کا اضافہ ہوا ہے نہ کہ 5000 روپے کا۔ اس طرح ظاہر یہ ہوتا ہے کہ 9000 روپے کی قومی آمدنی میں 3000 روپے کا اضافہ اشیا کی بدولت ظاہر نہیں ہوا بلکہ یہ اضافہ افراطِ زر کے باعث رونما ہوا ہے۔

(iiii) نتیجہ

چنانچہ خام قومی آمدنی میں اخراجات فرسودگی (ٹوٹ پھوٹ کا خرچ) اور افراطِ زر کا اثر منہا کر کے جو باقی رہ جاتا ہے وہ خالص یا حقیقی قومی آمدنی کہلاتا ہے۔ اس حقیقی قومی آمدنی میں جو اضافہ ''عمل'' کی بدولت طویل عرصہ تک رونما ہوتا چلا جائے، اسے معاشی ترقی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تھا معاشی ترقی کی پیمائش یا پہچان کا پہلا معیار۔

1.9 دوسرا معیار: فی کس آمدنی

معیشت دانوں کا دوسرا گروہ معاشی ترقی کا اندازہ لگانے کے لیے ''عمل'' اور ''طویل عرصہ'' پر زور دینے سے تو اتفاق کرتا ہے مگر ''حقیقی قومی آمدنی میں اضافے'' کی بجائے ''فی کس آمدنی میں اضافہ'' کو قابلِ توجہ گردانتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک معاشی ترقی سے مراد ایسا ''عمل'' ہے جس کی بدولت کسی قوم کی ''فی کس آمدنی'' میں طویل عرصہ تک اضافہ رونما ہوتا چلا جائے۔ اس گروہ کے نزدیک معاشی ترقی کی بدولت جب تک فی کس آمدنی میں اضافہ رونما نہ ہو، وہ ترقی قابلِ قبول نہیں۔ ترقی کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ اوسطاً ہر فرد کے حصے میں پہلے سے زیادہ آمدنی آئے۔ یہ گروہ ایسی ترقی کو ترقی نہیں مانتا کہ جس میں پیداوار اور آبادی میں یکساں شرح سے پیش رفت ہو مگر اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ اوسطاً ہر فرد کے حصے میں وہی آمدنی آئے جو پہلے آتی تھی۔

مگر اس معیار پر کافی تنقید بھی کی گئی ہے۔ اگر فی کس آمدنی کے معیار کو معاشی ترقی کی شناخت کا مظہر مان لیا جائے تو کئی طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ ان پیچیدگیوں کو ہم تین حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

پہلی صورت:

ایک صورت تو یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے آبادی میں کمی واقع ہونے کی بنا پر کچھ دیر کے لیے فی کس آمدنی میں بظاہر اضافہ نظر آئے مثلاً سیلاب، قحط، جنگ یا نقل وطن کی بنا پر آبادی کم ہو جانے سے فی کس آمدنی کا معیار بلند نظر آئے گا مگر فی الحقیقت اسے معاشی ترقی کا نام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کچھ عرصے بعد آبادی کی مستقل کمی پیدائش دولت میں بھی کمی کا باعث بن جائے گی۔

دوسری صورت:

فی کس آمدنی کے معیار کو معاشی ترقی کا مظہر ماننے کی شکل میں ایک اور قباحت یہ بھی درپیش ہوتی ہے کہ اگر کسی ملک کی پیداوار اور آبادی میں یکساں شرح سے اضافہ ہو رہا ہو تو اس معیار کے نقطہ نظر سے اسے معاشی ترقی کا نام اس لیے نہیں دیا جا سکے گا کہ فی کس آمدنی میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پیداوار میں اضافہ تو ہوا ہے جو معاشی ترقی کی علامت ہے مگر وہ اضافہ آبادی میں اضافے کی نذر ہو گیا۔

تیسری صورت:

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ملک میں معاشی ترقی یعنی پیداوار میں اضافہ کی شرح آبادی میں اضافے کی شرح

سے کم ہو۔ اس طرح فی کس آمدنی میں کمی آ جانے کی بنا پر معیشت دانوں کا موجودہ گروہ یہ فیصلہ صادر کرے گا کہ ملک میں معاشی ترقی رونما نہیں ہوئی۔ حالانکہ معاشی ترقی تو پیدا ہوتی ہے مگر اس سے کہیں زیادہ اضافہ آبادی میں رونما ہو جانے کی بنا پر فی کس آمدنی پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔

فوقیت

فی کس آمدنی کو معاشی ترقی کی علامت سمجھنے کی صورت میں درج بالا قباحتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں اس لیے معیشت دانوں کا خیال یہ ہے کہ پہلے معیار یعنی حقیقی قومی آمدنی میں اضافے کو ہی معاشی ترقی کی شناخت قرار دیا جائے۔ ان لوگوں کے نزدیک پہلے معیار کو دوسرے معیار پر فوقیت حاصل ہے۔ فوقیت دلانے والے نکات درج ذیل ہیں:

(i) حقیقی فی کس آمدنی میں اس وقت تک اضافہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ پہلے حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ نہ ہو۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آخرالذکر، اوّل الذکر کا ماخذ ہے۔ اس بات کی اہمیت اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب ہم پسماندہ ممالک کی بات کرتے ہیں کہ جہاں معاشی نشوونما کی شرح کے مقابلے میں آبادی میں اضافے کی شرح زیادہ رہتی ہے اور فی کس آمدنی میں اضافہ کی نوبت نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک میں فی کس آمدنی کو قابلِ اعتماد اشاریہ (Index) تصور نہیں کیا جاتا۔

(ii) فی کس آمدنی کو معاشی ترقی کا مظہر سمجھ کر یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ جس ملک میں آبادی کی شرح افزائش، شرح ترقی سے زیادہ ہو، وہاں سرے سے معاشی ترقی ہی رونما نہیں ہوتی۔ یہاں یہ مثال دینا نامناسب نہ ہو گا کہ اگر دو مختلف ملکوں ''ا'' اور ''ب'' میں معاشی ترقی اور افزائش آبادی کی شرحیں مختلف ہوں تو ایسی صورت میں کیا فیصلہ کیا سنایا جائے گا کہ کون سا ملک ترقی کر رہا ہے؟ اگر ''ا'' ملک میں آبادی اور پیداوار دونوں دگنے اور ''ب'' ملک میں چار گنے ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ دونوں کی فی کس آمدنی یکساں ہی رہے گی حالانکہ ''ا'' ملک نے آہستہ رفتار سے ''ب'' ملک نے تیز رفتار کے ساتھ ترقی کی ہے۔

(iii) اگر فی کس آمدنی کے ذریعے معاشی ترقی کی پیمائش کی جائے تو مسئلہ آبادی کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم آبادی کو ایک علیحدہ مسئلہ سمجھ کر بحث کریں اور اسے حقیقی قومی آمدنی کا تقسیم کنندہ نہ بنا ڈالیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آبادی کی شرح افزائش سے معاشی ترقی کی شرح بلند تر ہونی چاہیے تاکہ فی کس آمدنی میں اضافہ نظر آ سکے۔

ان تین امور کی روشنی میں یہ بات صداقت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ فی کس آمدنی سے بڑھ کر حقیقی قومی آمدنی کا معیار زیادہ قابلِ قبول ہے۔

1.10 تیسرا معیار : معاشی فلاح

معاشی ترقی کی پیمائش کا تیسرا پیمانہ ''معاشی فلاح'' ہے۔ معاشی فلاح سے مراد تسکین اور تشفی کی وہ سطح ہے جو کسی شخص کو اشیا و خدمات کے کسی مخصوص مجموعے سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو ماضی کے مقابلے میں آج اشیا و خدمات کا زیادہ ذخیرہ دستیاب ہو تو وہ زیادہ معاشی فلاح و بہبود کا حامل ہوگا اشیا و خدمات کی زیادہ مقدار، زیادہ معاشی بہبود کی علامت ہوتی ہے اگر معاشی جدوجہد اور عمل کے نتیجے میں کسی ملک کے معاشی فلاح و بہبود میں طویل عرصے تک اضافہ ہوتا جائے تو ایسی کیفیت کو معاشی ترقی کا نام دیا جائے گا۔

مقداری اور وصفی معیار

اس تیسرے معیار کی روشنی میں یہ بات کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معاشی ترقی صرف ایک مقداری مسئلہ نہیں ہے بلکہ صفاتی بھی ہے۔ معاشی ترقی کی پہچان کے لیے یہاں دو معیاروں کو ''مقداری معیار'' کا نام دیا جائے گا تو تیسرے معیار کو ''صفاتی معیار'' کے نام سے یاد کیا جائے گا۔

تیسرے معیار یعنی معاشی فلاح و بہبود کے ذریعے معاشی ترقی کی پیمائش کافی حد تک موزوں معلوم ہوتی ہے کیونکہ قیمتوں، مکانوں، فرنیچر، کراکری، کتابوں اور دوسری اشیا و خدمات کی بڑی تعداد عوام کو زیادہ معاشی بہبود فراہ کرتے ہیں۔ اگر ان اشیا و خدمات کی تعداد میں معاشی جدوجہد کی بدولت اضافہ ہوتا جائے تو اسے معاشی ترقی سے تعبیر کیا جائے گا۔

بظاہر یہ تیسرا معیار معاشی ترقی کی پیمائش کا ایک قابلِ قبول پیمانہ نظر آتا ہے مگر اس معیار کے اپنانے میں بھی چند دشواریاں حائل ہیں جو درج ذیل ہیں:

(i) تقسیمِ دولت:

اس امر کی گنجائش موجود ہے کہ معاشی ترقی کے ہمراہ تقسیمِ دولت غیر منصفانہ ہوتی چلی جائے۔ ممکن ہے کہ معیشت اس طرح سرگرمِ عمل ہو کہ اشیا و خدمات کی زیادہ مقدار تیار ہو رہی ہو مگر اس میں سے بڑا حصہ محدود طبقے کو مل جاتا ہو اور غریب اکثریت ان فوائد سے محروم ہو۔ تقسیمِ دولت کے غیر منصفانہ ہونے پر غریب لوگ غریب تر اور

امیر لوگ امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ کہنا کہ معاشی بہبود میں اضافہ ہو رہا ہے، اس لیے اسے معاشی ترقی کا نام دے دیا جائے تو فلاح و بہبود کے حامی لوگ ایسی معاشی ترقی کو قابلِ حقارت سمجھیں گے کہ جس کی بدولت اوسطاً معیار فلاح میں تو اضافہ ہو رہا ہے مگر عملاً غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسی معاشی ترقی پر لوگ انگلیاں ہی اٹھائیں گے، خاموشی سے صاد نہیں کریں گے۔

(ii) اشیا کی نوعیت:

معاشی فلاح کے نقطہ نظر سے جب معاشی ترقی کو پرکھا جاتا ہے تو ایک غیر معاشی عامل سامنے آتا ہے۔ یہ صفاتی اعتراض یہ ہے کہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جو اشیا و خدمات پیدا ہو رہی ہیں وہ کس نوعیت کی ہیں۔ یعنی صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ چونکہ اشیا و خدمات کی زیادہ تعداد پیدا ہو رہی ہے، اس لیے اسے معاشی ترقی سے تعبیر کر دیا جائے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ہم اس امر پر بھی توجہ مرکوز کریں کہ اشیا کی نوعیت کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں معاشی سرگرمیوں کا رُخ نشہ آور اشیا کی تیاری، چرس، افیون، ایل ایس ڈی اور دیگر مضرِ صحت منشیات بنانے کی طرف ہو۔ اگر ایسی غیر پسندیدہ اشیا کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہو تو صاف عیاں ہے کہ اسے معاشی ترقی کا نام دینا زیادتی ہو گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جوہری ہتھیاروں، عسکری ساز و سامان اور بموں کی تیاری کی شکل میں اشیا ظہور پذیر ہو رہی ہوں۔ ایسے حالات کو بھی معاشی فلاح کا نام نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی معاشی ترقی کا۔

(iii) طریقہ پیدائش:

اشیا و خدمات کی مقدار میں اضافے کو معاشی فلاح کا نام دے کر معاشی ترقی کا پیمانہ بنانا اس لیے دشوار ہے کہ اس کام میں طریقہ پیدائش کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی گئی ہے۔ عملاً ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مزدوروں کا استحصال کر کے، حالات کار اور شرائط کو بدتر بنا کے، وسائل کو دن رات بری طرح استعمال کر کے، انتظامیہ اور محنت کشوں کے تعلقات کو خراب کر کے، الاؤنسوں وغیرہ میں کمی کر کے یا ماحول کو مخدوش بنا کر پیداوار میں اضافہ کر لیا جائے۔ ایسے ہتھکنڈوں کو طریقہ پیدائش کی ابتری کہا جا سکتا ہے۔ ان حربوں سے اگر اشیا و خدمات میں اضافہ رونما بھی ہو تو اسے کس طرح معاشی فلاح یا معاشی ترقی کا نام دیا جا سکتا ہے؟

1.11 چوتھا معیار: سماجی بہبود

معاشی ترقی کی پیمائش کے لیے معیشت دانوں کا ایک گروہ جس پیمانہ کو قابلِ استعمال سمجھتا ہے وہ ''سماجی بہبود'' کا پیمانہ ہے۔ اس گروپ کا کہنا ہے کہ معاشی ترقی کو صرف معاشی سرگرمیوں اور معاشی فلاح تک محدود نہیں

رکھنا چاہیے کیونکہ آخر معاشی سرگرمیوں کسی مخصوص سماجی حالات میں ہی جاری رہتی ہیں، اس لیے مناسب یہ ہو گا کہ (معاشی) فلاح کے تصور کو وسیع کر کے سماجی بہبود کا نام دیا جائے اور اس میں اضافے کو معاشی ترقی کی علامت گردانا جائے۔

اس نظریہ کے حامیوں کا کہنا ہے کہ معاشی ترقی کی تعریف یوں استوار کرنا پڑے گی کہ ''معاشی ترقی وہ عمل ہے جس کی بدولت کسی قوم کے سماجی بہبود میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جائے۔''

جہاں تک معاشرہ میں رہتے ہوئے معاشی سرگرمیوں کو جاری رکھ کر معاشی بہبود میں اضافے کا تعلق کا ہے تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ کتنے امور کا لحاظ رکھ کر ہی ہم ''معاشی بہبود'' کے پیمانے کو قابلِ قبول بنا سکتے ہیں۔ اگر معاشی بہبود کی جگہ ہم معاشرتی یا سماجی بہبود (Social Welfare) کو اپنا مطمع نظر بنا لیں تو ہمیں کتنے ہی زیادہ امور کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑے گا۔ سماجی بہبود کو بطور پیمانہ استعمال کرنے کی شکل میں ہمارا معاشی ترقی کی پیائش کا کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ترقیاتی عمل چونکہ کئی دیگر سیاسی، سماجی، تہذیبی اور اقداری عوامل سے عبارت ہے، اس لیے سماجی بہبود کو بنیاد بنانا معاشی بہبود کے مقابلے میں اور بھی دشوار ہو جائے گا۔ جب معاشی ترقی کا عمل وجود میں آئے گا تو ان تمام مذکورہ بالا اداروں اور تنظیمات میں تبدیلی بھی رونما ہو گی۔ یہ تبدیلی کہیں پسندیدہ اور کہیں غیر پسندیدہ کہلائے گی۔ اس طرح سماجی بہبود کے وسیع تصور کو سامنے رکھتے ہوئے معاشی ترقی کی بدولت ہم کئی الجھنوں کا شکار ہو جائیں گے کہ آیا ہم اپنی معاشی سرگرمیوں کو معاشی ترقی کا پیامبر سمجھیں یا نہ سمجھیں کیونکہ ایک طرف تو یہ سرگرمیاں پیداوار میں اضافہ کا موجب بن رہی ہوں گی مگر دوسری طرف سماجی سطح پر ایسی تبدیلیوں کا پیش خیمہ بھی بن رہی ہوں گی۔ جنہیں بہت سے لوگ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔ ایسے حالات میں عجب گومگو کی کیفیت ہو گی، یعنی معاشی بہبود تو بہتر ہو رہا ہو گا مگر سماجی بہبود کا یقین کرنا مشکل امر ہو گا۔

1.12 پانچواں معیار: انسانی بہبود

معاشرتی ترقی کی پیائش کا ایک نسبتاً کم اہم معیار انسانی بہبود کا تصور بھی ہے۔ انسانی بہبود کو معاشی ترقی کی منزل قرار دینے والے اسی بات کا اظہار کرتے ہیں کہ معاشی ترقی کی صحیح پہچان اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اس کی بدولت انسانی بہبود میں اضافہ واقع ہو۔ اس تصور کے حامی کُل دنیا کو ایک وحدت شمار کرتے ہیں اور اس بات کے خواہاں ہیں کہ معاشی ترقی جہاں بھی اور جس طرح بھی ہو، اس کا واحد مقصد نوع انسانی کی خدمت ہونا چاہیے۔ اس طرزِ فکر کے حامل معیشت دان یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں امن و امان مثالی حد تک قائم رہے اور کرۂ ارض کو ہم جنت نشان بنانے کا عہد اور کوشش کریں۔ اس عظیم مقصد کو سامنے رکھ کر جہاں کہیں بھی معاشی بھاگ دوڑ کا عمل وجود میں آئے گا، اس کے ذریعے کرۂ ارض کے تمام انسانوں کی خدمت ہوتی ہو تو ایسی معاشی سعی و کوشش کو مستحسن سمجھا

جائے گا۔ ایسی کوشش کا ثمرہ جو بھی حاصل ہوگا وہ معاشی ترقی کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ اس نقطہء نظر کی موجودگی میں معاشی ترقی کے مفہوم کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ اس کی حدود کا تعین ناممکن ہو جاتا ہے۔ حد نظر سے بھی پرے ہماری سعی و کوشش کے جو نتائج برآمد ہوں گے، ان کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنی سعی و پیکار کو کوئی نام دینا ہوگا۔ اگر ہماری کوشش کا ثمرہ ہمیں ذاتی یا قومی سطح پر فائدہ پہنچا بھی رہا ہو تو اسے ہم حاصل کرنے میں غیر مستحق قرار دیئے جائیں گے کیونکہ ممکن ہے ہمارے فائدہ کی بنیاد ہمارے ہمسایوں یا دور دراز کے ممالک کے باشندوں کے نقصان پر اُٹھائی گئی ہو۔

جب معاشی ترقی کو معاشی بہبود کے پیمانے سے ناپنے میں تین اہم دشواریاں حائل ہیں تو اس سے وسیع تر تصور یعنی ''سماجی بہبود'' میں سینکڑوں رکاوٹیں حائل ہوں گی۔ جب معاشی ترقی کی پیمائش کے لیے ہم سماجی بہبود سے ہزاروں گنا بڑے پیمانے ''انسانی فلاح'' کو استعمال کریں گے تو ہماری متوقع دشواریوں کی تعداد بھی کئی ہزار گنا بڑھ جائے گی۔

1.13 ماحصل

گذشتہ صفحات میں ہم نے معاشی ترقی کے پانچ مختلف پیمانوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ہر ایک پیمانے کی اپنی اپنی خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ ہمیں بہرحال یہ فیصلہ تو کرنا ہی ہے کہ ان میں سے ہم کس معیار کو معاشی ترقی کی پیمائش کے لیے اپنا رہنما تسلیم کریں۔ اس سلسلے میں معیشت دان متفق ہیں کہ حقیقی قومی آمدنی میں اضافے کا معیار دوسرے معیاروں پر بدرجہا فوقیت رکھتا ہے۔ حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ ایک مقداری پیمانہ ہے جو ازخود مستند نتائج کا اظہار کرنے سے قاصر ہے اس لیے اس معیار میں کچھ وصفی خواص بھی شامل کر دینے چاہئیں یعنی معاشی ترقی کو حقیقی آمدنی میں اضافے سے پہچاننے کے ساتھ ساتھ ہمیں تقسیمِ دولت، پیداوار کی کوالٹی، سماجی تبدیلیوں اور اخلاقی قدروں پر اثرات کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔ ان شرائط کے ساتھ ہماری عملی جدوجہد کے نتیجے میں حقیقی قومی آمدنی میں جو اضافہ طویل عرصے تک ظاہر ہوتا جائے گا، وہ صحیح معنوں میں معاشی ترقی کہلانے کا مستحق ہوگا۔

1.14 اہم نکات

1۔ معاشی ترقی کا موضوع ویسے تو کافی پرانا ہے مگر اس نے بھرپور توجہ 1945ء کے بعد حاصل کی۔
2۔ معاشی ترقی ایک جامع تصور ہے جو عوام الناس کے اسی تصور سے کافی مختلف ہے جو وہ معاشی ترقی کے بارے میں رکھتے ہیں۔

3۔ معاشی ترقی، معاشی نشوونما اور معاشی پیش رفت (معاشی ارتقا) کی اصطلاحیں ایک دوسرے کے ہم معنی قرار دی گئی ہیں، اگرچہ ان میں فنی اعتبار سے کافی فرق ہے۔

4۔ معاشی ترقی کی متعدد تعریفیں پیش کی گئی ہیں۔ آرتھر لیوس فی کس پیداوار میں اضافے کو، ولیم سن دستیاب وسائل کے بھرپور استعمال کو، بنجمن ھگنز پیداوار میں اضافے کی بڑھتی ہوئی شرح کو معاشی ترقی کی علامت قرار دیتے ہیں۔

5۔ سب سے زیادہ قابلِ قبول تعریف وہ ہے جو مائر یا بالڈون نے پیش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ معاشی ترقی وہ عمل ہے جس کی بدولت ملک کی حقیقی قومی آمدنی میں ایک طویل عرصے تک اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

6۔ ''عمل'' سے مراد معیشت کے مختلف شعبوں کا وہ باہمی تعلق ہے جس کے نتیجے میں ایک شعبے کی ترقی دوسرے شعبے کی ترقی کا باعث بنتی ہے یہ عمل جاپان میں موجود ہے مگر شاید کویت اس عمل سے خالی ہے۔

7۔ ''طویل عرصہ'' سے مراد 20 تا 25 سال کی مدت ہے۔ اگر معاشی عمل اس مدت تک جاری رہے اور حقیقی قومی آمدنی میں اضافے کا موجب بنے تو اتنی طویل مدت تک جاری رہنے والے عمل کو ترقی کا نام دیا جائے گا۔

8۔ معاشی ترقی کی پیمائش کے پانچ مختلف معیار پیش کیے گئے۔ ان میں حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ، فی کس آمدنی میں اضافہ، معاشی فلاح میں اضافہ، سماجی بہبود میں اضافہ اور انسانی فلاح میں اضافہ شامل ہیں۔

9۔ پہلے معیار کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں پیدا ہونے والی مجموعی پیدااور میں سے اخراجات، فرسودگی اور افراطِ زر کے اثر کو ذائل کرنے کے بعد جو آمدنی باقی بچتی ہے وہ خالص یا حقیقی قومی آمدنی ہوتی ہے۔ اس حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ سے ہی معاشی ترقی کی پہچان ہوتی ہے۔

10۔ معاشی ترقی کا دوسرا معیار فی کس آمدنی میں اضافہ کا ہے۔ حقیقی قومی آمدنی کو آبادی سے تقسیم کر کے فی کس آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ فی کس آمدنی میں اضافہ بھی کئی معیشت دانوں کے نزدیک معاشی ترقی کہلاتا ہے مگر فی کس آمدنی کے پیمانے سے معاشی ترقی کی جانچ پڑتال میں کئی خامیاں یا دشواریاں پائی جاتی ہیں۔

11۔ پہلی دشواری یہ ہے کہ فی کس آمدنی آبادی میں کمی کے سبب بھی رونما ہوسکتی ہے۔ دوسری

دشواری اس صورت میں نمودار ہوتی ہے کہ جب ملک کی آبادی اور پیداوار میں یکساں شرح سے اضافہ ہو رہا ہو۔ تیسری دشواری کی صورت یہ ہے کہ ملک میں آبادی تیزی سے اور پیداوار کم شرح سے بڑھ رہے ہوں۔

12۔ معیشت دانوں کا خیال ہے کہ فی کس آمدنی کے مقابلے میں بہرحال حقیقی قومی آمدنی کو برتری حاصل ہے۔ یہ فوقیت حقیقی قومی آمدنی کو اس لیے حاصل ہے کہ فی کس آمدنی کا مآخذ حقیقی قومی آمدنی ہے۔ فوقیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ فی کس آمدنی سے معاشی ترقی کی صحیح عکاسی نہیں ہوتی کیونکہ ہوسکتا ہے ''ا'' ملک میں آبادی اور پیداوار دگنے ہو جائیں اور ''ب'' ملک میں یہ دونوں چارگنا ہو جائیں تو دونوں ہی کی فی کس آمدنی تبدیل نہیں ہو گی۔ حالانکہ ''ب'' ملک زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ فوقیت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ فی کس آمدنی کو ملحوظ خاطر رکھ کر آبادی کے مسئلے کی اہمیت مسدود کر رہ جاتی ہے۔

13۔ معاشی ترقی کی پیمائش کا تیسری معیار ''معاشی فلاح'' ہے۔ معاشی فلاح سے مراد اشیا و خدمات کا کوئی مخصوص مجموعہ ہے جو صارف کو تسکین فراہم کرتا ہے۔ اس معیار کو اپنانے سے تقسیمِ دولت، اشیا کی نوعیت اور طریقہء پیدائش کے مسائل آنکھ سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور معاشی ترقی کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔

14۔ معاشی ترقی کا چوتھا معیار سماجی بہبود سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے مطابق اگر معاشی عمل کی بدولت سماج کے مکمل ڈھانچے کو فائدہ پہنچتا ہو تو یہ فائدہ معاشی ترقی کہلا سکتا ہے۔ اس نظریہ میں خرابی یہ ہے کہ ہمیں اخلاقی، سیاسی، اقداری، مذہبی روایات اور اعتقادات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے جو بذاتِ خود ایک مشکل کام ہے۔ معاشی ترقی کا ان میں سے کسی نہ کسی پر کچھ نہ کچھ اثر تو لازماً مرتب ہوگا۔ اس طرح معاشی ترقی کو بلاوجہ مطعون کیا جائے گا۔

15۔ معاشی ترقی پیمائش کا آخری اور پانچواں پیمانہ ''انسانی فلاح'' کا پیمانہ ہے یعنی معاشی سرگرمیاں ایسی ہوں جس سے کُل دنیا کے لوگوں کا بھلا ہو۔ عملاً اس قدر وسیع نظریہ ایک تخیل تو ہوسکتا ہے، قابلِ عمل نہیں ہوسکتا۔

16۔ معیشت دان اس بحث سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ معاشی ترقی کو حقیقی قومی آمدنی کے پیمانے سے تولا جائے مگر اس عمل کے دوران تقسیم دولت، سماجی ڈھانچے کی تبدیلیوں، اخلاق پر مرتب ہونے والے اثرات اور اعتقادات پر پڑنے والی ضرب کا ضرور خیال رکھا

جائے۔ ان امور کا دھیان رکھ کر معاشی عمل کے نتیجے میں حقیقی آمدنی میں جو اضافہ بیس یا پچیس سال تک نمودار ہوتا رہے گا وہ معاشی ترقی کی پہچان ہوگا۔

1.15 خود آزمائی

1۔ معاشی ترقی کا تصور سنہ 1945ء کے بعد بہت توجہ حاصل کر گیا۔ کیا یہ بیان درست ہے؟

نہیں	ہاں

2۔ معاشی ترقی، معاشی نشو ونما اور معاشی ارتقا (پیش رفت) فنی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تصورات ہیں۔ کیا آپ متفق ہیں؟

نہیں	ہاں

3۔ معاشیات کی کتابوں میں معاشی ترقی، معاشی نشو ونما اور ارتقا (پیش رفت) ایک معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟

نہیں	ہاں

4۔ معاشی ترقی کی صرف ایک ہی تعریف آج تک پیش کی گئی ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے؟

نہیں	ہاں

5۔ مائر اور بالڈون کی معاشی ترقی کے بارے میں پیش کردہ تعریف عموماً بہت زیادہ قابلِ قبول مانی جاتی ہے۔ کیا آپ اتفاق کرتے ہیں؟

نہیں	ہاں

6۔ مائر اور بالڈون کی تعریف میں عمل سے کیا مراد ہے؟

مختلف شعبوں کا باہمی تعلق
مختلف ملکوں کا باہمی تعلق
مختلف بینکوں کا باہمی تعلق

7۔ مائر اور بالڈون کی تعریف میں طویل عرصے سے کیا مراد ہے؟

10 تا 15 سال کا عرصہ
15 تا 20 سال کا عرصہ
20 تا 25 سال کا عرصہ

8۔ خام قومی آمدنی اور حقیقی قومی آمدنی میں کوئی فرق نہیں ہونا کیا یہ درست ہے؟

ہاں	نہیں

9۔ معاشی ترقی کو فی کس آمدنی کے پیمانے سے ناپنے میں کئی کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

ہاں	نہیں

10۔ معاشی بہبود سے مراد اشیا و خدمات کے ذخیرے سے ہے؟

ہاں	نہیں

11۔ معاشی بہبود دراصل سماجی بہبود کا ایک حصہ ہے۔

ہاں	نہیں

12۔ انسانی بہبود سماجی بہبود سے کہیں محدود تصور ہے۔

ہاں	نہیں

13 معاشی ترقی کی پیمائش کا زیادہ قابلِ قبول معیار کون سا ہے؟

حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ
فی کس آمدنی میں اضافہ
معاشی فلاح میں اضافہ
سماجی بہبود میں اضافہ
انسانی بہبود میں اضافہ

14۔ معاشی ترقی کے کسی دو وصفی معیاروں پر نوٹ لکھیے۔

(جواب کے لیے دیکھیے 1.10 ,1.11 ,1.12)

15۔ معاشی ترقی کے دو مقداری معیاروں پر روشنی ڈالیے۔

(جواب کے لیے دیکھیے 1.8 اور 1.9)

16۔ ''عمل'' ''طویل عرصہ'' اور ''حقیقی قومی آمدنی'' کے تصورات کی وضاحت کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے: 1.7 1.7, 1.8)

1.16 جوابات

1۔ہاں	2۔ہاں	3۔ ہاں
4۔نہیں	5۔ ہاں	6۔مختلف شعبوں کا باہمی تعلق
7۔ 20 تا 25 سال	8۔نہیں	9۔ ہاں
10۔ ہاں	11۔ ہاں	12۔نہیں

13۔ حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ

2۔ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کی خصوصیات

2.1 تعارف

دنیا میں اس وقت کم و بیش 180 ممالک ہیں۔ان کو بآسانی دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے۔اولاً ترقی یافتہ ممالک، ثانیاً غیر ترقی یافتہ ممالک۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد غیر ترقی یافتہ ممالک نے بھی ترقی یافتہ ممالک کی طرح اپنے ہاں ترقیاتی منصوبوں کا آغاز کر دیا ہے۔مسلسل کوشش کے طفیل اب ان کے ہاں جمود کی حالت باقی نہیں رہی۔اب وہ بھی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔یہی وجہ ہے کہ صحیح معنوں میں کسی بھی ملک کو پسماندہ یا مکمل طور پر غیر ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان ممالک کے لیے موزوں لفظ ''ترقی پذیر ممالک'' (Developing Countries) ہے۔ اسی طرح ہم ملکوں کو ترقی یافتہ ممالک یا ترقی پذیر ممالک کا نام دے سکتے ہیں۔آج کل ممالک کی شناخت کے لیے ایک اور طرح کی اصطلاح بھی مستعمل ہے اور وہ ہے زیادہ ترقی یافتہ یا کم ترقی یافتہ ممالک۔ہم اپنے اس یونٹ میں انہی الفاظ میں سے مختلف الفاظ استعمال کریں گے یعنی اگر کسی ملک کو ترقی پذیر یا کم ترقی یافتہ کہہ دیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ان کے مقابلے میں دوسرے ممالک کو ترقی یافتہ یا زیادہ ترقی یافتہ ممالک کے الفاظ دیئے جائیں گے۔

2.2 معاشی بُعد

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان فرق کا فوری اندازہ لگانے کے لیے عالمی سطح پر 1990ء کُل آمدنی اور کُل آبادی کے جو اعداد و شمار استعمال کیے جاتے ہیں ان کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا کی 83% آمدنی 23% آبادی کے تصرف میں ہے اور 17% آمدنی پر 77% آبادی کے حصے میں آتی ہے۔ ذیل میں دیئے گئے گوشوارہ سے اسی امر کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

گوشوارہ

	ممالک	دنیا کی کل آمدنی میں % حصہ	دنیا کی آبادی میں % حصہ
1۔	ترقی یافتہ ممالک (i) انتہائی ترقی یافتہ (ii) مناسب ترقی یافتہ	83	23
2۔	ترقی پذیر ممالک	17	77
	میزان	100	100

ترقی یافتہ ممالک خواہ وہ انتہائی ترقی یافتہ ہوں یا درمیانی حد تک بہرحال ترقی یافتہ ممالک کے گروہ میں شمار کیے جائیں گے ان دونوں طرح کے ممالک میں دنیا کی کل آبادی کا 23% حصہ رہائش پذیر ہے۔ یعنی ایک چوتھائی سے کم آبادی کا تعلق ترقی یافتہ ممالک سے ہے جبکہ دنیا کی کل آمدنی میں 83% ان کے پاس ہے۔ ان ممالک کے برعکس ترقی پذیر ممالک میں دنیا کی 17% آمدنی ہے۔ اگر سادہ سا اندازہ لگایا جائے تو 83 فیصد دولت کو 23% آبادی میں تقسیم کر کے فی کس آمدنی کا معیار معلوم ہوگا۔ اس طرح مجموعی طور پر ترقی پذیر ممالک کی فی کس آمدنی ترقی یافتہ ممالک کی فی کس آمدنی کے صرف 5 فیصد کے برابر ہے۔

2.3 معاشی بُعد کے مظاہر

آمدنی اور آبادی کا باہمی تعلق ایک عام مظہر ہے جس کے ذریعے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان فرق کو واضح کیا جا سکتا ہے مگر جدید دور میں آمدنی اور آبادی کے علاوہ اور بھی کئی دیگر معیار قائم کر لئے گے ہیں جن کے طفیل دونوں طرح کے ممالک کے معاشی تفاوت کو ظاہر کیا جا سکتا یہ۔ معاشی رخنہ (Development Gap) کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف معیشت دان متعدد مظاہر پر زور دیتے ہیں۔ آیئے ان مظاہر کا مختصر سا جائزہ لیتے چلیں۔

ا۔ اقوامِ متحدہ: کی رپورٹیں کہتی ہیں کہ ترقی پذیر ممالک وہ ہیں جن میں فی کس آمدنی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور مغربی یورپ سے کمتر ہو۔

ب۔ کولن کلارک Colin Clark : کے مطابق ترقی پذیر ممالک وہ ہیں جہاں ابتدائی صنعتوں کی بھرمار ہو۔

ج۔ نرکسے Nurkse : کے خیال میں ترقی پذیر ممالک وہ ہیں جو اپنے قدرتی وسائل اور آبادی کے مقابلے

میں سرمایہ کی مناسب مقدار نہ رکھتے ہوں۔

د۔ جے ایل فشر j.L. Fisher : اس امر کا حامی ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں مصنوعات کی فی کس پیداوار کی سطح ترقی یافتہ ممالک سے پست ہے۔

2.4 ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کی خصوصیات

آیئے اب ہم تفصیل سے ان خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی بنا پر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کا فرق واضح ہوتا ہے۔

2.4.1 قدرتی وسائل کی قلت Shortage of Natural Resources

کسی بھی ملک میں ترقی کے لیے قدرتی ذرائع کی موجودگی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ جس طرح ہم بس یا ہوائی جہاز کے بغیر سفر کا تصور نہیں کر سکتے، اسی طرح قدرتی وسائل کی عدم موجودگی میں ترقی کا سفر جاری رکھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ قدرتی وسائل میں جنگلات، معدنیات، دریا، موسم کی کیفیت اور آب و ہوا کا مزاج شامل ہے۔ معاشی ترقی کے لیے لکڑی، تیل، پٹرول، لوہا، تانبہ، ڈیم، بجلی اور مٹی کی زرخیزی وغیرہ نہایت لازمی امور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں ان وسائل کی کمی پائی جاتی ہے تو اس کے لیے تیز رفتاری سے ترقی کرنا آسانی سے ممکن نہیں ہوتا۔ ان وسائل کی بہتات ترقی کی رفتار کے لیے مہمیز کا کام انجام دیتی ہے۔ امریکہ، روس، برطانیہ، مغربی جرمنی اور جاپان وغیرہ کے پاس قدرتی وسائل مختلف شکلوں میں فراوانی کے ساتھ پائے جاتے ہیں جبکہ یوگنڈا، تنزانیہ، زمبابوے اور کینیا میں قدرتی وسائل کی عام قلت ہے۔

قدرتی وسائل کی قلت کا تصور بھی عجیب وغریب ہے۔ سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ قدرت نے ہر علاقے کو قدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہوا ہے۔ وسائل کی فراوانی تمام علاقوں میں کم و بیش ایک جیسی تھی اور آج بھی ہے۔ اب اگر کسی خطے میں قدرتی وسائل کی کمی پائی جاتی ہے تو اس کی وجہ ٹیکنالوجی کی پسماندگی تو ہوسکتی ہے، قدرت کی بخیلی نہیں۔ قدرتی وسائل ہر جگہ بکھرے پڑے ہوئے ہیں کہیں لوگوں نے ان کو دریافت کر لیا ہے اور کہیں ابھی تک یہ سربستہ راز ہیں۔ جن ملکوں نے علم و ہنر اور انجینئرنگ میں اپنی محنت کے جوہر دکھائے ہیں انہوں نے ٹیکنالوجی کا اعلیٰ معیار حاصل کر لیا ہے، جہاں کام چوری اور سستی کی بنا پر ٹیکنالوجی کی ترقی عمل میں نہیں آ سکی، وہ ممالک پسماندہ رہ گئے ہیں۔

اس دلیل کی بنیاد پر کوئی ملک اس لیے غریب یا پسماندہ نہیں ہے کہ اس کے پاس وسائل کی قلت ہے بلکہ وہ اس لیے ترقی سے دور ہے کہ اسے وہ ٹیکنالوجی دستیاب نہیں ہے جس کے بل بوتے پر وہ اپنے ہاں قدرتی

عطیات کو طشت از بام کر سکے۔

بہر حال کسی ملک میں خواہ وسائل قلیل مقدار میں پائے جاتے ہوں یا وہ موجود تو ہوں مگر ان کا بھرپور علم نہ ہو یا ان سے مستفید ہونے کی ٹیکنالوجی دستیاب نہ ہو...... بات وہی ہے کہ ایسے ممالک پسماندہ اور کم ترقی یافتہ رہتے ہیں۔ جن ممالک میں قدرتی وسائل کی تلاش اور ان سے استفادہ کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہو گیا ہے وہ ترقی کی دوڑ میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔

سوئی کے مقام سے نکلنے والی قدرتی گیس اور میال سے حاصل کیا جانے والا تیل پاکستان میں ہمیشہ سے موجود تھے مگر ایک مدت تک ہمیں ان کی موجودگی کا علم ہی نہیں تھا۔ انجینئرنگ اور علم وفن کی ترقی کے ساتھ ہم نے وہ ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے کہ اب ہم قدرت کی ان خفیہ نوازشات سے فائدہ اُٹھانے کے قابل ہو گئے ہیں۔

اگر کسی ملک میں قدرتی وسائل بکثرت پائے جاتے ہوں اور ان سے بھرپور استفادہ کرنے کے ذرائع یعنی ٹیکنالوجی بھی حاصل ہو تو وہ تیزی سے ترقی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

2.4.2 افراط آبادی Over Population

ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے بڑھنے کی شرح بہت زیادہ ہے جس کی بنا پر ان ممالک میں عام غربت پائی جاتی ہے۔ نہ صرف ان ممالک میں پہلے سے موجود آبادی بہت زیادہ ہے بلکہ اس میں افزائش کی شرح اور بھی زیادہ ہے۔ ان دونوں اسباب کی بنا پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل میں بھی یہ ممالک غربت کے منحوس چکر سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔ آبادی کے بڑھنے کا دباؤ تین مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے:

اول: کمانے والی آبادی پر نا کمانے والی آبادی کا بوجھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ کمانے والے ہاتھ کم اور کھانے والے منہ زیادہ ہو جانے سے غربت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔

دوئم: شرح ولادت زیادہ ہونے سے اور شرح اموات کم ہونے سے آبادی میں تیزی سے اضافہ رونما ہوتا ہے۔

سوئم: آبادی زیادہ ہونے سے دیہاتی لوگوں میں پوشیدہ بیروزگاری کا مسئلہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔

ترقی یافتہ ممالک میں آبادی اس قدر زیادہ نہیں ہے کہ وہ وسائل پر بوجھ بن جائے اور نہ ہی سالانہ شرح افزائش ہی اتنی زیادہ ہے کہ آبادی میں ہوشربا اضافہ واقع ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کے وسائل خوش اسلوبی کے ساتھ زیر استعمال آ رہے ہیں اور آبادی کی مناسب تعداد کے سبب وہاں ہر سال فی کس آمدنی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

ترقی پذیر ممالک میں جہاں آبادی بھی زیادہ ہے اور سالانہ شرح افزائش بھی، ان میں انڈونیشیا، بنگلہ دیش، مصر، پاکستان، انڈیا، یوگنڈا، برازیل، سوڈان وغیرہ شامل ہیں۔

افراط آبادی کی ایک وجہ شرح اموات میں کمی بھی ہے۔ سائنسی تحقیقات، طبی ایجادات، علاج معالجہ کی سہولتوں میں وسعت کے سبب شرح اموات کم ہوگئی ہے۔ شرح اموات کم ہو جانے کی وجہ سے بھی آبادی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

2.4.3 عمومی پسماندگی General Backwardness

پسماندہ ممالک کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں عام طور پر کارکردگی کا معیار بہت پسند ہے۔ افراد کی استعداد کار کسی طور قابلِ تحسین نہیں ہے۔ عمومی پسماندگی کی کئی وجوہات ہیں۔

(i) خوراک کی کمی:

پسماندہ ممالک میں ہر فرد کو حاصل ہونے والی اوسطاً خوراک بہت کم ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں فی کس خوراک کا معیار بلند ہے۔ پاکستان میں 2529 کیلوری خوراک فی کس حاصل ہوتی ہے اور اس میں 70 گرام پروٹین یومیہ شامل ہوتی ہے۔ جبکہ ڈنمارک جیسے ملک میں ہر فرد کو 3500 کیلوری خوراک مل جاتی ہے۔ پاکستان میں فی کس حاصل ہونے والی خوراک میں 70 گرام پروٹین یومیہ شامل ہوتی ہے جبکہ امریکہ میں ہر فرد کو 100 گرام سے زیادہ پروٹین روزانہ حاصل ہوتی ہے۔ خوراک کی کمی کارکردگی کو متاثر کرتی ہے۔

(ii) آب و ہوا:

اکثر و پیشتر پسماندہ ممالک کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے یعنی گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد۔ شدید موسمی حالات کی بنا پر لوگوں کی کارکردگی بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے ٹکنالوجی کی بنا پر ایسے حالات پیدا کر لیے ہیں کہ وہ موسم کی بے رحمیوں کا باآسانی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ان ممالک میں دفتروں اور گھروں کو سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا رکھنے کے وسیع تر انتظامات موجود ہیں۔ اس طرح ان ممالک کے لوگوں کی کارکردگی بلند رہتی ہے۔

(iii) طبی سہولتیں:

پسماندہ ممالک میں لوگ اکثر بیمار ہی رہتے ہیں۔ بیماری کے سبب لوگوں میں صلاحیت کار نہیں رہتی۔ بیماری میں اور بیماری کے بعد کا کافی عرصہ کام سے غیر حاضری کی نذر ہو جاتا ہے۔ بیماری کے دوران جو طبی سہولتیں اور ڈاکٹروں کی خدمات حاصل ہوتی ہیں وہ اس قدر کم ہیں کہ عام افراد سال کے زیادہ حصہ میں کمزور، لاغر، اپاہج اور بیمار رہتے ہیں۔ یہ مجبوریاں کام کی رفتار کو متاثر کرتی ہیں۔

(iv) اوسط عمر:

پسماندہ ممالک کے لوگوں کی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی اوسط عمر بہت کم ہے۔ ایک فرد اوسطاً جتنے سال زندہ رہتا ہے وہ کم ہیں۔ اوسط عمر جتنی لمبی ہو گی، افراد اتنی دیر کام کرتے رہتے ہیں، اپنے لیے اور دوسروں کے لیے اشیا پیدا کرتے ہیں اور قوم روبہ ترقی رہتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں عمروں کا اوسط بلند ہے۔ امریکہ میں ایک فرد کم و بیش 77 سال زندہ رہتا ہے جبکہ پاکستان میں یہ اوسط عمر 62 سال ہے۔ برطانیہ میں لوگوں کی اوسط عمر 76 سال ہے۔ سری لنکا میں 72 سال۔ پسماندہ ممالک میں اوسط عمر کم ہونے کی بنا پر ہر فرد کم مدت کام کرتا ہے اور جلد مر جانے کے باعث قومی آمدنی میں زیادہ اضافہ کا موجب نہیں بنتا۔

(v) بچوں کی بلند شرح اموات:

پسماندہ ممالک میں نہ صرف شرح پیدائش آبادی زیادہ ہے بلکہ بچوں میں شرح اموات بھی زیادہ ہے۔ یہ شرح اموات نقصان دہ ہوتی ہے۔ بچوں کی پیدائش اور پرورش پر کثیر سرمایہ خرچ ہوتا ہے اور ابھی وہ سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچتے کہ فوت ہو جاتے ہیں۔ سن بلوغت سے بہت پہلے اموات کے سبب ہمارے وسائل ان افراد یعنی بچوں پر خرچ ہو جاتے ہیں جن سے ان اخراجات کی وصولیات کی اُمید نہیں ہوتی۔ وسائل ضائع ہو جانے سے پسماندگی بڑھ جاتی ہے۔

(vi) پوشیدہ بیروزگاری:

پسماندہ ممالک میں روزگار کے مواقع کم ہونے کی بنا پر اکثر لوگ اپنی اصل محنت سے کم محنت کرتے ہیں۔ عام اندازہ یہ ہے کہ کھیتوں میں جتنے لوگوں کی ضرورت ہے، اس سے کہیں زیادہ لوگ کھیتوں میں موجود ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 20 تا 25 فیصد لوگ ایسے ہیں جو بظاہر تو کام کرتے ہیں مگر انہیں کھیتوں سے ہٹا لینے کے باوجود زرعی پیداوار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یہی لوگ ''پوشیدہ بیروزگاری'' میں شمار ہوتے ہیں یعنی جو بیکار ہیں مگر بیکار نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ بلاوجہ دوسروں کے اوقات میں کمی کر کے کچھ دیر کے لیے کھیتی باڑی کا کام خود سنبھال لیتے ہیں اور اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ ہم برسرِ روزگار ہیں۔ یہ پوشیدہ بیروزگاری مجموعی کارکردگی کو کم کر رہی ہے۔ ایک فرد کو جتنے گھنٹے کام کرنا چاہیے وہ اتنے گھنٹے کام نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک میں پوشیدہ بیروزگاری تو کجا، عام بیروزگاری بھی بہت کم پائی جاتی ہے۔

(vii) افرادی قوت کا ضیاع :

پسماندہ ممالک میں آبادی زیادہ ہونے کے باعث کام ہونا تو زیادہ چاہیے اور ترقی کی رفتار بھی تیز تر ہونی چاہیے مگر حالات اس کے برعکس ہیں۔ افرادی قوت موجود ہے مگر روزگار کے محدود ذرائع کے پیشِ نظر اس قوت کا اکثر حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ عام اندازہ یہ ہے کہ 100 افراد میں سے کام کے قابل افراد کی تعداد 30 ہے۔ ان میں سے 10 افراد کام کے مواقع کی تلاش میں ہیں مگر فی الحال بیکار ہیں۔ عملاً 20 فیصد افراد کام کر رہے ہیں۔ جنہیں 100 افراد کی کفالت کرنی پڑتی ہے۔ یہ صورت حال پاکستان کی ہے۔ باقی ترقی پذیر ممالک میں بھی صورت حال مختلف نہیں۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک میں ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے۔ نہ کوئی عمومی بیروزگار ہے نہ پوشیدہ۔ ہر فرد مکمل کام کرتا ہے اور پوری تندہی سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ وہاں کام کے قابل افراد کی تعداد 60 فیصد سے زیادہ ہے جبکہ اکثر پسماندہ ممالک میں یہ 20 تا 30 فیصد ہے۔

(viii) حرکت پذیری کا فقدان :

ترقی پذیر ممالک میں افرادی قوت دستیاب تو ہوتی ہے مگر اس میں حرکت پذیری کا فقدان ہوتا ہے۔ علاقے کی محبت، ماں باپ سے لگاؤ، برادری کے تعلقات، زبان سے عقیدت کی بنا پر محنت کش افراد اپنے وطن، صوبے یا ضلع کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ دوسرے علاقوں میں جا کر لباس، زبان، آب و ہوا اور دوسری کئی متوقع مشکلات کی بنا پر یہ لوگ کنویں کے مینڈک بن کر رہ جاتے ہیں۔ اپنے ہی علاقے میں کم تنخواہ یا بغیر تنخواہ کے زندگی گزار دیتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ لوگ ہر اچھے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ زیادہ تنخواہ، ترقی اور سہولتوں کی خاطر اپنی استعداد میں بھی اضافہ کرتے ہیں اور دوسرے علاقوں میں مستقل ہونے سے بھی نہیں گھبراتے۔ یہ حرکت پذیری ان کے لیے اور دوسروں کے لیے ترقی کا زینہ بن جاتی ہے۔

(ix) عمومی رویہ:

پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک میں لوگوں کا عمومی رویہ قدامت پرستی پر مبنی ہوتا ہے۔ نئے کاموں یا کاروبار میں ہاتھ ڈالنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ کسی نئے شعبے کو اختیار کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ حقیقت پسندی کی بجائے توہم پرست ہوتے ہیں، حالات کا مقابلہ کرنے کی جگہ راہِ فرار تلاش کرنے میں زیادہ مستعد ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ ملکوں میں لوگوں کا رویہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ ان میں واقعات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کو جذبات کی کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے عقل کے ترازو میں تولتے ہیں۔ یہی سائنٹفک رویہ ترقی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

(x) روایت پرستی :

ترقی پذیر ملکوں کے لوگ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ جو کچھ ان کے باپ دادا کرتے آئے ہیں، وہ اس سے انحراف کرنا پسند نہیں کرتے۔ ماضی کے حسین تصور میں گم رہ کر دن گزارتے ہیں۔ مستقبل کی فکر سے فارغ رہنا پسند کرتے ہیں۔ روایت کو جوں کا توں آگے بڑھا دینا ہی ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ترقی یافتہ ملکوں میں لوگ نئے تجربات کرتے ہیں۔ نئی روایات خود قام کرتے ہیں۔ پرانی روش کو ترک کر کے بہتری حاصل کرتے ہیں۔ روایات سے چمٹے رہنے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نئے زمانے کے تقاضوں کو سمجھ کر مبنی بر صداقت رویہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی طرزِ عمل ان کے لیے ترقی کے دروازے کھول دیتا ہے۔

(xi) ناظمانہ صلاحیتوں کا فقدان :

پسماندہ ممالک میں افراد کی استعداد کار اس لیے بھی پست ہے کہ وہاں کے لوگوں میں ناظمانہ صلاحیتوں کی کمی پائی جاتی ہے۔ زرعی، تجارتی، اور صنعتی اداروں کے قیام اور ان کو کامیابی سے چلانے کے لیے مطلوبہ عملہ، فنی ماہرین، اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اور ہنرمند مزدوروں کی شدید قلت پائی جاتی ہے۔ اس لیے زندگی کے نئے نئے شعبوں میں جدت اور اختراع کا عمل مسدود رہتا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں افراد اپنی تعلیم اور ہنرمندیوں میں اضافہ کر کے نئے اداروں اور نئے شعبوں کا قیام عمل میں لاتے ہیں۔ ہر میدان میں باصلاحیت قیادت فراہم کرتے ہیں اور پورے ملک کی ترقی کا سبب بنتے ہیں۔

(xii) سرکاری انتظامات کی خامیاں :

پسماندہ ممالک میں کافی شعبے سرکاری سرپرستی میں چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حکومت کے اداروں میں کئی طرح کی ابتدائی مشکلات رونما ہو جاتی ہیں۔ اعداد و شمار کی صحت، مختلف شعبوں میں تعاون، پالیسیوں میں ہم آہنگی، روپے پیسے کے جائز مصرف اور اختیارات کے صحیح استعمال کی کبھی نوبت نہیں آتی۔ ان شعبوں میں دھاندلی، اقربہ پروری، رشوت ستانی اور سرخ فیتہ کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ جبکہ ترقی یافتہ ملکوں میں سرکاری انتظامات، انصاف اور کارکردگی کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔ حکومتی ادارے عوام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھتے ہیں۔ اسی طرزِ عمل میں ان کی فلاح اور ملکی ترقی کا راز مضمر ہے۔

2.4.4 سرمایہ کی قلت Capital Deficiency

معاشی ترقی میں سرمایہ کی وہی اہمیت ہے جو انسانی بدن کے لیے خون کی ہے۔ خون کی کمی انسانی جسم کو

لاغر کر دیتی ہے۔ اسی طرح سرمایہ کی قلت معاشی ترقی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ پسماندہ یا ترقی پذیر ملکوں میں سرمایہ کی جس قدر ضرورت ہے یہ اسی قدر قلیل ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں سرمایہ بکثرت موجود ہے اور اس کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے۔

2.4.5 فی کس آمدنی کی پست سطح Low level of per Capital Income

ترقی پذیر ممالک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کل پیداوار کے اعتبار سے غریب اور آبادی کے لحاظ سے امیر واقع ہوئے ہیں۔ پیداوار کی کمی اور آبادی کی کثرت کے سبب لوگوں کا فی کس معیار زندگی بہت پست نظر آتا ہے۔ فی کس آمدنی اس قدر قلیل ہے کہ اس میں وہ بمشکل گزارہ کر سکتے ہیں۔

2.4.6 ابتدائی اشیا کی پیدائش و برآمد Primary Producer & Exporter

ترقی پذیر ممالک ترقی کی دوڑ میں اس قدر پسماندہ ہیں کہ ابھی ان کے ہاں صنعتوں، بھاری انجینئرنگ، جہاز سازی، پرزے بنانے، کیمیاوی اشیا اور ادویات سازی جیسے بڑے پیمانے کے کارخانے قائم نہیں ہوئے۔ یہ ممالک زیادہ تر زرعی ہیں یا پھر معاشی سرگرمیوں کے ابتدائی مرحلہ سے دوچار ہیں۔ گندم، چاول، پٹ سن، مچھلی، جنگلاتی لکڑی، تیل، معدنیات، چائے، کپاس اور پٹ سن وغیرہ ہی ان ممالک کی سب سے بڑی پیداوار ہیں۔ یہی اشیا زیادہ سے زیادہ تعداد اور مقدار میں برآمد بھی کی جاتی ہیں۔ معیشت کا ایک واضح بڑا حصہ زرعی پیداوار اور ان کی برآمد پر مبنی ہے۔ ان ممالک میں خود ان کے اپنے خام مال کو مصنوعات کی شکل دینے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ اس کام کے لیے جس مطلوبہ ہنرمندی اور صنعت سازی کی ضرورت ہے وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ مصر کپاس پیدا کرتا ہے اور کپاس خام حالت میں برآمد کرتا ہے۔ انڈونیشیا کی معیشت کا انحصار ربڑ کی پیداوار پر ہے جس کا زیادہ حصہ برآمد ہوتا ہے۔ برازیل گولڈ کوسٹ ''کوکو'' کی پیداوار کے لیے مشہور ہے اور وہ اس کو برآمد کرتا ہے۔

ترقی یافتہ ممالک مختلف اشیا خام مال کی شکل میں درآمد کرتے ہیں اور پھر انہیں مصنوعات کی شکل دے کر خود انہی ترقی پذیر ملکوں کو فروخت کر دیتے ہیں جہاں سے خام مال منگوایا گیا تھا۔ اگر کسی پسماندہ ملک میں صنعتی ترقی کا آغاز ہوا بھی ہے تو اس کا تعلق خام مال کو نیم مصنوعات میں ڈھالنے والی صنعتوں سے ہے اور ان میں سرمایہ بھی مقامی نہیں، غیر ملکیوں کا ہے۔

2.4.7 توازن کی ادائیگی کی ابتری Adverse Balance of Payments

پسماندہ ممالک کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا توازن ادائیگی اور توازن تجارت ہمیشہ ہی منفی

رہتا ہے۔ ان ممالک کی درآمدات ان کی برآمدات سے کہیں زیادہ ہیں۔ درآمدات کی برتری توازن ادائیگی میں خسارہ کا باعث بنتی ہے۔ پسماندہ ممالک اپنی ترقی کے لیے ترقی یافتہ ملکوں سے کئی طرح کی اشیا منگوانے پر مجبور ہیں۔ جبکہ خود ان کی اپنی اشیا کا معیار اتنا بلند نہیں ہے کہ وہ بین الاقوامی منڈی میں ممتاز مقام حاصل کر سکیں۔ چنانچہ ان کی درآمدات ان کی برآمدات سے بڑھ جاتی ہیں۔ اس طرح توازن ادائیگی میں جو خسارہ پیدا ہوتا ہے، اسے پورا کرنے کے لیے وہ سونے کے ذخائر استعمال کرتے ہیں یا پھر بیرونی ممالک سے قرض لے کر ادائیگیوں کا انتظام کرتے ہیں۔ پاکستان کا توازن ادائیگی بھی منفی ہی رہتا ہے۔

ترقی یافتہ ملکوں کے ساتھ یہ صورت حال نہیں ہے۔ ان کا توازن ادائیگی موافق رہتا ہے۔ وہ برآمدات سے بہت زرمبادلہ کماتے ہیں اور درآمدات تھوڑی ہونے کے باعث ان پر ان کا خرچ بھی کم ہوتا ہے۔

2.4.8 دولت کی غیر منصفانہ تقسیم Unfair Distribution of Wealth

ترقی پذیر ممالک میں دولت کی تقسیم کا مسئلہ شدت اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہاں دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہے۔ ایک طرف وہ دولت مند طبقہ ہے جو ملک کے بیشتر شعبوں پر حاوی ہے اور دوسری طرف وہ لاکھوں غریب ہیں جو روکھی سوکھی روٹی پر گزارہ کر رہے ہیں۔ دونوں طبقات کے درمیان بُعد بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ امیر طبقہ امیر تر اور غریب طبقہ غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ امیری اور غریبی کی دو انتہاؤں کی موجودگی میں ملکی ترقی کا امکان مسدود ہو جاتا ہے۔ غریب لوگ غربت کے باعث بچت کرنے سے قاصر ہیں اور امیر طبقہ اپنی فاضل آمدنی کو گلچھروں میں اُڑا دیتا ہے۔ اس طرح سرمایہ کاری کے لیے سرمایہ فراہم نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس ترقی یافتہ ملکوں میں یہ تقسیم دولت بہت منصفانہ ہے۔ وہاں امیری اور غریبی کے درمیان اس قدر وسیع فاصلہ موجود نہیں ہے ان ممالک میں درمیانی طبقہ بہت بڑی تعداد میں نمایاں ہے۔ اسی لیے یہاں سرمایہ کاری کے لیے وسائل مہیا کرنا دشوار نہیں ہوتا۔

2.4.9 معاشرتی برائیاں Social Evils

ترقی پذیر ممالک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں معاشی مسائل کی بھرمار کے ساتھ معاشرتی سطح پر بھی کئی برائیاں موجود ہیں۔ ان ممالک میں سے اکثر کے پاس آئین نہیں ہے، حکومتیں غیر مستحکم ہیں، سیاسی پارٹیاں برائے نام وجود رکھتی ہیں، حزبِ اختلاف کی اپنی کوئی قومی حیثیت نہیں ہے۔ انتظامی مشینری میں استعداد کار کا معیار بہت پست ہے، رشوت، اقربہ پروری، سرکاری پالیسیوں کا افشا اور مختلف محکموں میں عدم تعاون کی عام شکایات پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ سمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، قیمتوں میں ناجائز اضافہ اور ٹیکسوں کی چوری وغیرہ

جیسے معاشرتی مسائل معیشت کے لیے دردِسر بنے ہوئے ہیں۔

ان کے مقابلے میں ترقی یافتہ ممالک نے ان مسائل پر قابو پا لیا ہے۔ معاشی ترقی کے ابتدائی مرحلوں میں یہ ممالک بھی ایسے ہی پریشان کن مسائل سے دوچار رہے ہیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ان کو حل کر لیا گیا ہے۔

2.5 اہم نکات

1۔ آج کی دنیا میں کوئی بھی ملک پسماندہ نہیں ہے۔ پسماندہ ممالک کو پسماندہ کہنے کی بجائے ترقی پذیر کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں ترقی یافتہ ممالک ہیں۔

2۔ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان بہت زیادہ معاشی تفاوت پایا جاتا ہے۔ اس معاشی بُعد کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کل دنیا کی 83% آمدنی 23% آبادی کے قبضے میں ہے اور باقی 17 فیصد آمدنی کے حقدار 77% لوگ ہیں۔

3۔ مختلف معیشت دانوں نے معاشی فرق کی وضاحت کے لیے جدا جدا مظاہر پر زور دیا ہے۔

4۔ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کی خصوصیات میں پہلی خصوصیت قدرتی وسائل کے بارے میں ہے۔ پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک کے وسائل کم بھی ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے لیے مطلوبہ ٹیکنالوجی بھی انہیں دستیاب نہیں ہے جبکہ ترقی یافتہ ملکوں کو وسائل اور ٹکنالوجی دونوں حاصل ہیں۔

5۔ ترقی پذیر ممالک میں نہ صرف آبادی زیادہ ہے بلک ہر سال اس میں ہوش ربا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی آبادی بھی ان کے وسائل کے لحاظ سے مناسب ہے اور ان کی آبادی میں ہر سال رونما ہونے والا اضافہ بھی مناسب ہے۔

6۔ ترقی یافتہ ممالک میں کارکردگی کا معیار پست ہے۔ اس کی پستی کی اپنی کئی وجوہات ہیں جس میں خوراک کی قلت، آب و ہوا کا فرق، طبی سہولتوں کا فقدان، اوسط عمر کی کمی، بچوں میں اموات کی بلند شرح، پوشیدہ بے روزگاری، افرادی قوت کا ضیاع، حرکت پذیری کی مشکلات، لوگوں کا ناموافق رویہ، روایات پرستی، ناظمانہ صلاحیتوں کی کمی اور سرکاری انتظامات کی کوتاہیاں شامل ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں معاشی حالات ان کے برعکس پائے جاتے ہیں۔

7۔ ترقی پذیر ممالک کو سرمایہ کی قلت بھی پریشان رکھتی ہے۔ یہاں سرمایہ کاری کی کمی کے علاوہ بچتوں، سڑکوں، ریلوں، گاڑیوں، بجلی، تعلیم اور تحقیق کی بھی شدید کمی پائی جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں سرمایہ کی فراوانی ہے اور زندگی آرام سے گزرتی ہے۔

8۔ فی کس آمدنی کی پستی بھی ترقی پذیر ممالک کی خصوصیات میں شامل ہے۔ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں کی فی کس آمدنی کے ضمن میں کم وبیش 25 تا 30 گنا فرق پایا جاتا ہے۔

9۔ ترقی پذیر ممالک کا زیادہ تر انحصار زراعت پر ہے یا ایسے شعبوں پر جنہیں ابتدائی پیداوار کا شعبہ کہا جا سکتا ہے مثلاً تیل، مچھلی اور معدنیات۔ یہاں صنعتی ترقی کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ خام مال اپنی ابتدائی شکل ہی میں برآمد کر دیا جاتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک صنعتی میدان میں بہت آگے ہیں۔

10۔ دولت کی نامنصفانہ تقسیم کا مسئلہ بھی ترقی پذیر ممالک میں موجود ہے۔ ایک طبقہ بہت دولت مند اور دوسرا انتہائی غریب ہے۔ درمیانی طبقے سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اس طرح سرمایہ کاری کے لیے مطلوبہ وسائل دستیاب نہیں ہوتے۔

11۔ سمگلنگ، سرخ فیتہ، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور ہوشربا گرانی وغیرہ جیسے معاشرتی وسائل نے بھی ترقی پذیر ممالک کو گھیرا ہوا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک بھی کسی زمانے میں ایسے ہی مسائل سے دوچار تھے مگر اب وہ ان پر قابو پا چکے ہیں۔

2.6 خود آزمائی۔

1۔ پاکستان کو بحیثیت مجموعی آپ کن ممالک کی فہرست میں شمار کریں گے۔

پسماندہ ممالک
ترقی پذیر ممالک
ترقی یافتہ ممالک

2۔ کیا مختلف معیشت دانوں نے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان معاشی تفاوت کی پیمائش کے ایک ہی مظہر پر زور دیا ہے؟

ہاں	نہیں

3۔ ترقی پذیر ملک اس لیے غریب نہیں ہیں کہ ان کے پاس قدرتی وسائل کی شدید کمی ہے بلکہ وسائل تو ہیں مگر ان کو دریافت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے موزوں ٹکنالوجی انہیں دستیاب نہیں ہے۔ کیا یہ بیان درست ہے؟

ہاں	نہیں

4۔ کیا ترقی پذیر ملک میں وہ ہوتا ہے جس کی نہ صرف آبادی کثیر ہو بلکہ ہر سال اس میں سنگین اضافہ بھی رونما ہو جاتا ہو؟

نہیں	ہاں

5۔ کیا خوراک کی قلت، پوشیدہ بیروزگاری، ملازمتوں کے مواقع کی کمی کے باوجود کسی ملک کے لوگ کارکردگی کا اعلیٰ معیار پیش کر سکتے ہیں؟

نہیں	ہاں

6۔ کیا سرمایہ کی فراہمی معاشی ترقی کے لیے اتنی ہی ضروری خیال کی جاتی ہے جتنی انسانی جسم کے لیے خون کی ضرورت ہوتی ہے؟

نہیں	ہاں

7۔ کیا یہ کہنا درست ہے کہ فی کس آمدنی کے حوالے سے ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک سے 25 سے 30 گنا آگے ہیں؟

نہیں	ہاں

8۔ پاکستان کا توازن تجارت اکثر و بیشتر کیسا رہتا ہے؟

فاضل یا مثبت
متوازن
خسارہ والا یا منفی

9۔ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کی شناخت اس امر سے بھی ہو جاتی ہے کہ ان کے ہاں دولت کی تقسیم منصفانہ ہے یا نہیں۔ کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں؟

نہیں	ہاں

10۔ سمگلنگ، گرانی اور سرخ فیتے جیسے معاشرتی مسائل پر کس قسم کے ممالک نے قابو پا لیا ہے؟

پسماندہ ممالک
ترقی پذیر ممالک
ترقی یافتہ ممالک

11۔ ترقی پذیر ممالک میں افراد کی عمومی کارکردگی کی پستی کے اسباب کا جائزہ لیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھیے: 2.4.3۔ i تا xii)

12۔ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کی شناخت کے کسی چار اہم مظاہر پر روشنی ڈالیے۔

(جواب کے لیے دیکھیے : 2.4)

13۔ ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک میں سے کسی ایک کی خصوصیات پر مختصراً بحث کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے: 2.4)

2.7 جوابات (خود آزمائی)

1۔ترقی پذیر ممالک	2۔نہیں	3۔ ہاں
4۔ہاں	5۔نہیں	6۔ہاں
7۔ ہاں	8۔خسارہ والا یا منفی	9۔ ہاں
10۔ترقی یافتہ ممالک		

3۔ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان معاشی رخنہ

3.1 دشواری

ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان معاشی تفاوت بڑھتا جا رہا ہے۔ بڑھتے ہوئے معاشی فرق کو ہر جگہ ہر کوئی محسوس کر رہا ہے۔ اس حقیقت کی تائید کے لیے اعداد وشمار کا سہارا لیا جانا چاہیے مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہر طرح کے ملکوں کے بارے میں ماضی بعید کی معاشی حالت کی نشاندہی کرنے والے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ اعداد و شمار کی مدد سے مسائل پر غور وخوض کرنے اور حقائق کا اظہار کرنے کا طریقہ 1930ء کے لگ بھگ شروع ہوا۔ جب تک سو یا دو سو سال کے اعداد و شمار حاصل نہ ہوں، یہ کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ آیا ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان معاشی تفاوت بڑھ رہا ہے یا نہیں؟ البتہ کہیں کہیں ایسی بھرپور کوشش کی گئی ہیں کہ جن کے ذریعہ سابقہ 100 یا 110 سال کے اعداد و شمار بڑی جدوجہد سے حاصل کیے گئے ہیں اور ان کی روشنی میں کسی ملک کی سالانہ شرح ترقی کا اندازہ لگایا گیا۔ ان چند مخصوص کوششوں میں ایک کوشش محترمہ ایزنر (Mrs. Eisner) نے جمائیکا نامی ملک کے بارے میں انجام دی۔ انہوں نے 1870ء سے 1890ء پھر 1890ء سے 1910ء، پھر 1910ء سے 1930ء کے بیس بیس سالہ عرصے کے اعداد وشمار بذریعہ سروے اکٹھے کیے اور مطالعہ کے بعد اس امر کا اظہار کیا کہ جمائیکا میں 1870ء سے اب تک سالانہ شرح ترقی صرف 0.2% رہی۔ ایک اور ماہر معاشیات جناب ایساوی (Mr. Issewi) نے مصر کے بارے میں 1880ء سے 1930ء کے عرصے کے اعداد وشمار اکٹھے کیے اور تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مصر میں ترقی کی شرح 0.5% سالانہ رہی۔

3.2 مشاہدات

ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک میں معاشی رخنہ کا اندازہ مندرجہ ذیل حقائق سے لگایا جاسکتا ہے۔

3.3 دنیا کی آبادی

دنیا کی ساڑھے پانچ ارب آبادی میں سے تقریباً ایک چوتھائی لوگ ایسے ممالک میں آباد ہیں جنہیں گھر، آسائشیں، کھانے پینے کی وافر مقدار اور محنت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اس کے برعکس تقریباً تین چوتھائی سے زائد آبادی ایسے ممالک میں آباد ہے جہاں بیشتر لوگوں کو رہائش اور خوراک میسر نہیں ان کی صحت بھی اچھی نہیں اور

ناخواندہ ہیں۔

3.4 آمدنی کا معیار

ایسے ممالک جن میں فی کس حقیقی آمدنی امریکا، آسٹریلیا، برطانیہ، فرانس، کینیڈا اور مغربی یورپ کے دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت پست ہو ان ممالک کو کم ترقی پذیر ممالک کہتے ہیں۔ ان ممالک کی فی کس آمدنی ترقی یافتہ ممالک کی فی کس آمدنی کے ایک چوتھائی سے بھی پست ہے۔

3.5 معاشی تفاوت

جہاں تک معاشی رخنہ کا تعلق ہے تو یہ بات ایک سروے کے مطابق اور تحقیقی مطالعے سے ظاہر ہوتی ہے کہ صنعتی اور غیر صنعتی ملکوں کے درمیان اقتصادی بُعد پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔

3.6 ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کی پیداوار

ترقی یافتہ ملکوں کی آبادی تقریباً ڈھائی گنا بڑھی مگر یہ آبادی بوجھ بننے کی بجائے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ چونکہ ان ممالک کی پیداوار میں اسی مدت کے دوران 20 گنا اضافہ ہوا، اس لیے ان ممالک میں فی کس آمدنی گھٹنے کی بجائے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس کے برعکس ترقی پذیر ممالک کی آبادی تو ڈھائی گنا ضرور ہوئی مگر آمدنی یا پیداوار میں بہت کم اضافہ ہو سکا۔ جس کے سبب فی کس آمدنی کے معیار میں اس قدر معمولی اضافہ ہوا کہ اسے نظرانداز بھی کیا جا سکتا ہے۔

3.7 صنعتی ترقی کی وجہ

ایک سروے کے مطابق یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ صنعتی ممالک کی ترقی کی اصل وجہ ان کا سرمایہ، صنعتوں اور مشینوں پر انحصار کرتا ہے۔ مگر غیر صنعتی دنیا محض اس لیے ترقی کی نعمتوں سے ہمکنار نہ ہو سکی کہ یہاں وقت بہت آہستہ رفتار سے گردش کر رہا تھا اور مشینوں کا استعمال ممکن نہیں ہو سکا تھا۔

3.8 مستقبل میں امکانات

ایک سروے کے تفصیلی خاکوں کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مروجہ صورت حال کی موجودگی میں حالیہ عالمی نظام کے تحت اور حالیہ شرح ترقی کے ساتھ صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے درمیان پھیلے ہوئے فاصلوں کو کم

کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

3.9 اقتصادی حربہ

سروے کے مندرجہ بالا حقائق کے پس منظر میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سیاسی حکمت عملی کے ذریعے (اور وہ بھی عالمی سطح پر) یہ صنعتی اور غیر صنعتی ملکوں میں پائے جانے والے فرق کو مٹایا جا سکتا ہے وگرنہ معاشی حالات اور واقعات اس خلیج کو پاٹنے میں مدد نہیں دے سکیں گے۔

3.10 تفاوت کا حجم

دونوں طرح کے ملکوں کے درمیان موجود اقتصادی رخنہ کو بھرنے کے لیے اقتصادی اقدامات اس لیے ناکام ثابت ہونے کا خدشہ ہے کہ موجودہ دور میں دونوں طرح کے ملکوں کے درمیان کُل آمدنی اور فی کس آمدنی کا فرق بہت زیادہ ہے۔ اگر ایسے حالات میں ایک بلند شرح ترقی کا ہدف بھی مقرر کر لیا جائے تو بھی اقتصادی فاصلے کم ہونے کا امکان مسدود ہے۔

وضاحت بذریعہ مثال

اس امر کی وضاحت ایک مثال سے کی جا سکتی ہے۔ فرض کریں ''الف'' اور ''ب'' دو ملک ہیں۔ ''ا'' ملک صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہے اور ''ب'' ملک صنعتی میدان میں پسماندہ ہے۔ ''ا'' ملک کی موجودہ فی کس آمدنی 400 ڈالر ہے اور ''ب'' ملک کی فی کس آمدنی 200 ڈالر ہے۔ اگر ہم یہ ایک خلاف حقیقت سالانہ شرح ترقی کا مفروضہ بھی قائم کر لیں یعنی ''ا'' جیسا ترقی یافتہ ملک 2% کی شرح سے اور ''ب'' جیسا پسماندہ ملک 10% کی شرح سے ترقی کرے تو بھی مستقبل میں دونوں کا اقتصادی رخنہ بڑھتا چلا جائے گا۔ ایک سال بعد صورت حال یہ ہو گی۔ ''ا'' ملک 2% کی شرح کے ساتھ اپنی فی کس آمدنی میں 80 ڈالر کا اضافہ کر لے گا اور ''ب'' ملک 10% سالانہ شرح ترقی کے باوجود اپنی فی کس آمدنی میں صرف 20 ڈالر کا اضافہ کرنے کے قابل ہو گا۔ اس طرح موجودہ رخنہ مزید پھیل جائے گا۔ اگلے سال 'الف' ملک کی فی کس آمدنی 4080 ڈالر اور 'ب' ملک کی فی کس آمدنی 220 ڈالر ہو گی۔ سابقہ سال دونوں ملکوں میں اقتصادی رخنہ کی جسامت (4000-200)-3800 ڈالر تھی جو اس سال بڑھ کر (8040-220)-3860 ڈالر ہو گئی۔

3.11 نتیجہ

ماہرین کا خیال ہے اس عالمی اقتصادی مسئلہ سے نمٹنے کے لیے عالمی سطح پر بھی لائحہ عمل اختیار کئے جانے کی ضرورت ہے۔ یہ لائحہ عمل عالمی معاشی نظام میں تبدیلی لائے بغیر اور سیاسی حکمت عملی اختیار کیے بغیر مفید نتائج ظاہر کرنے سے قاصر رہے گا۔

3.12 اہم نکات

1۔ آج کل کا زمانہ اعداد و شمار کے ذریعے مسائل کا تجزیہ کرنے اور نتائج برآمد کرنے کا زمانہ ہے۔

2۔ جب ہم موجودہ دور میں کسی اقتصادی مسئلے پر غور کرنے لگتے ہیں تو اس کے تاریخی پس منظر سے آگاہی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تاریخی پس منظر کے لیے ماضی قریب اور ماضی بعید کے بہت سے اعداد و شمار کی ضرورت پڑتی ہے جو ماہرین کو دستیاب اس لیے نہیں ہوتے کہ ماضی میں اعداد و شمار اکٹھا کرنے کا رواج نہ تھا۔ یہ سلسلہ حال ہی میں شروع کیا ہے۔

3۔ مختلف ماہرین نے اعداد و شمار نہ ملنے کے باوجود اپنی سی کوشش کی ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں سروے کا کام انجام دیا ہے۔ ان ماہرین میں مسز اپزنر، جناب ایساوی اور سرینڈ جیسے پٹیل وغیرہ شامل ہیں۔

4۔ صنعتی ممالک کی آبادی 2-1/2 گنا بڑھنے کے باوجود پیداوار میں 20 گنا اضافہ کرنے کے قابل ہوگئی۔ یہ اضافہ مشینوں اور سرمایہ کی بدولت ممکن ہوا۔

5۔ مستقبل میں دونوں طرح کے ملکوں میں معاشی رخنہ سکڑنے کے امکانات محدود ہیں۔ مختلف پسماندہ علاقوں کو موجودہ شرح ترقی کے ساتھ 50 تا 150 سال کا عرصہ درکار ہے کہ جس کے دوران وہ اپنی موجودہ فی کس آمدنی کو صرف دگنا کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔

6۔ اگر پسماندہ ممالک ترقی یافتہ ممالک کی سالانہ شرح ترقی سے 5 گنا شرح کے ساتھ بھی ترقی کریں تو بھی اس بات کا امکان نہیں ہے کہ دونوں طرح کے ممالک میں اقتصادی بُعد کم ہو جائے گا۔اس بُعد کو کم کرنے کے لیے عالمی سطح پر اقتصادی اور سیاسی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

3.13 خود آزمائی

1۔ کیا اعداد و شمار کو بنیاد بنا کر اقتصادی صورت حال اور معاشی مسائل کو حل کرنے کا طریقہ بہت قدیم ہے۔

ہاں	نہیں

2۔ کیا صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے درمیان معاشی رخنہ وسیع ہو رہا ہے؟

ہاں	نہیں

3۔ کیا صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے درمیان پایا جانے والا اقتصادی فاصلہ صرف معاشی حربوں سے محدود ہو سکتا ہے؟

ہاں	نہیں

4۔ اگر ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ ممالک میں موجود اقتصادی بُعد معاشی حربوں سے دُور نہیں کیا جا سکتا تو کیا اس مقصد کے لیے عالمی سطح پر سیاسی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے؟

ہاں	نہیں

5۔ صنعتی اور غیر صنعتی ممالک کے مابین موجود اقتصادی رخنہ کی علامتوں کی نشاندہی کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے 3.3 تا 3.10)

6۔ کیا ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے درمیان پایا جانے والا معاشی بُعد پھیل رہا ہے؟ اگر جواب ''ہاں'' میں ہے تو اپنے نقطہء نظر کی وضاحت کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھیے 3.2 تا 3.10)

3.14 جوابات : خود آزمائی

1۔نہیں 2۔ ہاں 3 ۔نہیں 4۔ہاں

کتب برائے حوالہ جات

1. Leading Issues in Economic Development by ; G.M. MEIER
   Latest Edition: 2005,
   Oxford University Press.
2. Economic Development
   by: MEIER & BALDWIN
3. Modern Economic Theory
   by: Dr. K. K. DEWETT

۴۔ نظریاتی معاشیات، (پاکستان کی معاشی ترقی) باب نمبر 1 ,2 از ڈاکٹر محمد حسین چوہدری۔

یونٹ 2

معاشی ترقی کے عوامل

تحریر
اقبال بخت

فہرست مضامین

	یونٹ کے مقاصد	50
1۔	معاشی ترقی کی ضروری شرائط	51
1.1	تعارف	51
1.2	ضروری شرائط	51
1.3	عزمِ صمیم	52
1.4	منڈی کا نظام	53
1.5	سرمایہ کی فراہمی	55
1.6	سرمایہ کاری کے مواقع	55
1.7	معاشرتی ماحول	56
1.8	اہم نکات	57
1.9	خود آزمائی	58
1.10	جوابات	59
2۔	معاشی عوامل	60
2.1	قدرتی وسائل کا حجم	60
2.2	شرح سرمایہ و پیداوار	61
2.3	ٹیکنالوجی کی ترقی	61
2.4	سرمایہ کاری	62
2.5	تنظیمی صلاحیت	63
2.6	اضافہ آبادی	64
2.7	اہم نکات	66
2.8	خود آزمائی	67
2.9	جوابات	68

3۔	سیاسی عوامل	69
3.1	ترقی کی دلدادہ حکومت	69
3.2	جمہوری حکومت	67
3.3	مضبوط حزبِ اختلاف	70
3.4	مستعد انتظامیہ	70
3.5	امن و امان	71
4۔	انتظامی عوامل	72
4.1	اعلیٰ صلاحیت کار	72
4.2	مناسب شرائط ملازمت	72
4.3	احساسِ احتساب	73
4.4	بداعمالیاں	73
5۔	سماجی و ثقافتی عوامل	74
5.1	مذہب کا اثر	74
5.2	مشترکہ خاندان	74
5.3	قومی احساس برتری	75
5.4	سماجی طرزِ عمل	75
5.5	تعلیم و تربیت	75
5.6	اقدار اور ادارے	75
5.7	اہم نکات	76
5.8	خود آزمائی	77
5.9	جوابات	78

یونٹ کے مقاصد

معاشیات پاکستان کے اس یونٹ کو پڑھنے کے بعد اُمید ہے کہ آپ میں یہ استعداد پیدا ہو جائے گی کہ :

(i) آپ ان شرائط کو سمجھ سکیں جو معاشی ترقی کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔

(ii) آپ ان معاشی عوامل کا تجزیہ کر سکیں جو معاشی ترقی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

(iii) آپ ان سیاسی عوامل کا جائزہ لے سکیں جن کے بغیر معاشی پیش رفت محال ہوتی ہے۔

(iv) آپ ان انتظامی عوامل کا مشاہدہ کر سکیں جن سے معاشی ترقی کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔

(v) آپ ان سماجی و ثقافتی عوامل کا مطالعہ کر سکیں جن کی موجودگی معاشی ترقی کے لیے معاون کا کام کرتی ہے۔

1۔ معاشی ترقی کی ضروری شرائط

1.1 تعریف

معاشی ترقی ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے نتیجے میں کسی قوم کی خالص قومی آمدنی ایک طویل عرصے تک مسلسل بڑھتی جاتی ہے۔ معاشی ترقی کا عمل ایک بڑے سمندر کی حیثیت رکھتا ہے جس میں مختلف چھوٹے بڑے دریا آ کر گرتے ہیں۔ معاشی ترقی کا عمل بھی کئی اُمور سے ترتیب پاتا ہے جب تک کچھ بنیادی حالات پیدا نہ کیے جائیں، معاشی ترقی کی ہر کوشش رائیگاں جائے گی۔ جن بنیادی شرائط کی ضرورت معاشی ترقی کے لیے روز اول سے ہی محسوس کی جاتی ہے ان کا تذکرہ ہم اس یونٹ کے پہلے حصے میں کر رہے ہیں۔

1.2 ضروری شرائط

عزمِ صمیم	(Interest and Determination)
منڈی کا نظام	(Market System)
سرمایہ کی فراہمی	(Capital Availability)
سرمایہ کاری کے مواقع	(Investment Opportunities)
معاشرتی ماحول	(Social Environment)

آیئے ان شرائط کے بارے میں تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

1.3 عزمِ صمیم

کسی ملک کی معاشی ترقی کے حصول کی پہلی اور اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہاں کے لوگ ترقی پر آمادہ ہوں۔ معاشی ترقی کوئی اس قدر سہل کام نہیں کہ کوئی جب چاہے اور جس طرح چاہے اسے حاصل کر لے۔ معاشی ترقی کے لیے جہد مسلسل اور سعیٔ پیہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ معاشی ترقی بظاہر بہت خوش آئند منزل نظر آتی ہے مگر اس منزل تک پہنچنے کا راستہ بہت دشوار ہے اور صبر آزما بھی۔ اس منزل تک پہنچتے پہنچتے ملک کے باشندوں کو کئی صبر طلب مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف مرحلوں پر باشندوں کو طرح طرح کی قربانیاں بھی دینی پڑی ہیں۔ ’’نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا‘‘ معاشی ترقی کے حصول کے لیے عوام کا عزم اور ارادہ ہی مشعلِ راہ ہوتا ہے۔ اگر عوام ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرنے کا عزم کرلیں تو معاشی ترقی کا حصول مشکل نہیں رہتا۔

قدامت پرست ماحول اور گھٹے ہوئے معاشرہ میں معاشی ترقی دشوار ہو جاتی ہے۔ اگر قدامت پرستی اور تعصب کے بت توڑ کر عوام جدیدیت، عقلیت پسندی اور باہمت ہونے کا ثبوت دیں تو معاشی ترقی کی راہ کی دشواریاں بآسانی قابلِ عبور ہو جاتی ہیں۔ عزمِ راسخ کے سامنے مشکلات کے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ معاشی ترقی کے لیے عوام کا رضامند رہنا، قربانی دینے پر آمادہ رہنا اور نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے دلچسپی کا اظہار کرنا بنیادی اہمیت کے عوامل ہیں۔ عوام کی شرکت اور دلچسپی کے بغیر معاشی ترقی کا دشوار گزار صحرا عبور کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔

تیز تر معاشی ترقی کے لیے عوام کو باور کرانا چاہیے کہ جو قومیں آج ترقی یافتہ ہیں کبھی وہ بھی ہمارے جیسے حالات سے دوچار تھیں۔ وہاں کے عوام نے معاشی ترقی کے حصول کا عزم کیا اور اسے پا لیا۔ اگر دنیا کے کسی مخصوص خطے کی قومیں ترقی کے فیوض سے مستفید ہو سکتی ہیں تو یہ کام ہمارے لیے بھی مشکل نہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں کے عوام کی طرح ہم بھی عزمِ صمیم کر لیں، معاشی ترقی کو اپنی منزلِ مقصود قرار دیں، نئے طرزِ عمل اختیار کریں تو اساتذہ، محنت کشوں، وکیلوں، صحافیوں، سیاست دانوں، زمینداروں، بنکاروں کا قبض ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں قیمتوں میں من مانا اضافہ کر دیتے ہیں۔ قیمتوں میں بے ہنگم اضافہ کی بدولت وسائل کی تخصیص کا نظام بگڑ جاتا ہے اور استحصال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مؤثر منصوبہ بندی کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں منڈی کا اکمل نظام پایا جائے تاکہ وسائل کا صحیح استعمال ممکن ہو سکے۔ بچتوں اور سرمایہ کاری کی شرح اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کر سکے۔ منڈی کی خرابیاں مثلاً ذخیرہ اندوزی، ہوشربا گرانی، قلت، چور بازاری، ملاوٹ، اجارہ داری، عاملین کا استحصال یا غیر حرکت پذیری وغیرہ کی موجودگی میں منڈی کو نامکمل منڈی کہا جاتا ہے اور ایسی منڈی میں وسائل کا جائز اور مؤثر استعمال دیکھنے میں نہیں آتا۔

1.4 منڈی کا نظام

معاشی ترقی کے لیے ایک ضروری شرط یہ مقرر کی جاتی ہے کہ ترقی کے دلدادہ ملک میں منڈی کا کامل نظام موجود ہو۔ منڈی کے کامل نظام (Perfect Market System) سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ :

(i) منڈی میں خریداروں کی بہتات ہو۔
(ii) منڈی میں اشیاء فروخت کرنے والوں کی کثرت ہو۔
(iii) قیمتوں کا تعین طلب و رسد کی طاقتوں سے ہوتا ہو۔

(iv) عاملین پیدائش حرکت پذیر ہوں۔

(v) اشیاء کا معیار (Quality) عمدہ ہو۔

(vi) اشیاء کے نعم البدل موجود ہوں۔

(vii) عاملین پیدائش، صارفین، یافروخت کنندہ حضرات میں سے کسی کا بھی استحصال نہ ہوتا ہو۔

(ix) اشیاء کی قلت یا شدید گرانی جیسے مسائل موجود نہ ہوں۔

(x) وسائل کی تخصیص قیمتوں کے بل بوتے پر ہو رہی ہو۔

جس ملک میں منڈی کا نظام ان خصوصیات سے مزین ہو وہاں وسائل بہتر سے بہتر مقاصد کے لیے وقف ہوسکیں گے۔ وسائل کی موزوں تخصیص معاشی ترقی کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے۔

اس کے برعکس اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بے شمار ملکوں میں منڈی کا نظام درج بالا خصوصیات سے عاری ہوتا ہے۔ منڈی کے نظام میں کئی طرح کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ کسی ملک سے آزادانہ خرید وفروخت کرنے والوں کی بجائے تجارت اور پیدائش دولت کے شعبوں پر اجارہ داروں، تاجروں، مذہبی رہنماؤں اور دوسرے طبقوں کے مشترکہ جہاد سے معاشی ترقی کی مہم سر کی جا سکتی ہے۔

1.5 سرمایہ کی فراہمی

معاشی ترقی کے لیے کارخانوں اور پیداواری اداروں کا وجود میں آنا ضروری ہے۔ یہ ادارے سرمایہ کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے۔ چنانچہ سرمایہ کی فراہمی ایک لازمی امر کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔

سرمایہ کی مطلوبہ مقدار کا اندازہ لگانے کے لیے "شرح سرمایہ و پیداوار" (Capital output Ratio) کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ شرح سرمایہ و پیداوار کا مطلب ہے کہ پیداوار میں ایک فیصد اضافہ کرنے کے لیے مزید کتنے فیصد سرمایہ درکار ہے۔ اگر پیداوار میں 10 روپے کی مالیت کا اضافہ کرنے کے لیے مزید 30 روپے کی ضرورت پیش آتی ہو تو یہ کہا جائے گا کہ شرح سرمایہ و پیداوار 10:30 یا 1:3 ہے۔ اگر اس شرح کی موجودگی میں کوئی ملک کم از کم 5% معاشی ترقی کا پروگرام بناتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے پیداوار میں اس 5% اضافہ کے لیے 15% سرمایہ درکار ہوگا۔ اگر اس ملک میں 15% سرمایہ اکٹھا ہوسکتا ہے تو معاشی ترقی کا 5% کا ہدف باآسانی تکمیل پذیر ہوگا۔ لیکن اگر ملک میں بچتوں کی شرح 15% نہیں ہے تو پھر سرمایہ کی مطلوبہ فراہمی کے لیے کئی دوسرے وسائل پر بھی بھروسہ کرنا ہوگا۔

سرمایہ کی مطلوبہ فراہمی نہ ہونے کی صورت میں جن مزید ذرائع پر تکیہ کیا جائے گا وہ حسب ذیل ہیں۔

(i) صرف دولت میں کمی

(ii) بچتوں کا فروغ

(iii) ٹیکسوں میں اضافہ

(iv) عوام سے قرضہ

(v) درآمدات میں تخفیف

(vi) برآمدات کی حوصلہ افزائی

(vii) افراطِ زر

(viii) بیرونی سرمایہ کاری کا استعمال

(ix) بیرونی قرضوں پر انحصار

(x) دفینوں کا استعمال

ان تمام اقدامات کے ذریعے ملک کو سرمایہ کاری کرنے کے لیے مطلوبہ رقم فراہم ہو جائے گی۔ یہ تمام اقدامات اپنے اثرات کے لحاظ سے یکساں اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ مذکورہ بالا طریقوں سے سرمایہ اکٹھا کرتے وقت ان کے ممکنہ اثرات کا اندازہ لگا لینا چاہیے۔

(i) صرف دولت میں کمی انتہائی غریب معاشروں میں ممکن نہیں ہے البتہ قدرے ترقی یافتہ معیشتوں میں اس ذریعہ پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔ صرف دولت میں کمی کے لیے اشیائے صرف پر ٹیکس نافذ کر دیا جاتا ہے۔

(ii) بچتوں کے فروغ کے لیے شرح منافع کا دلکش بنایا جانا ضروری ہے یا لمبے عرصے کے سٹیفکیٹ جاری کر کے بھی عوام کی معمولی بچتوں کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

(iii) سرمایہ کی فراہمی کے لیے ٹیکسوں میں اضافہ کرنے کا راستہ حکومتوں کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ البتہ یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ ٹیکسوں کا بار عوام کی استطاعت سے زیادہ نہ ہو اور ان کا نفاذ عوام کی پیداواری صلاحیتوں میں اضافے کا موجب ہونا چاہیے۔

(iv) عوام کا وہ پیسہ جو معمولی معمولی مقداروں میں مختلف جگہ پر بکھرا ہوا ہوتا ہے، قرضوں کی صورت میں اکٹھا کر کے کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ عوام سے قرضہ لینا آسان رہتا ہے مگر اس کی واپسی قدرے تکلیف دہ ہوتی ہے۔

(v) تعیّشات زندگی اور غیر ضروری اشیاء کی درآمد کی حوصلہ شکنی کر کے یا ان کی درآمد پر بھاری ٹیکس لگا کر یا ان کا کوٹہ وغیرہ مقرر کر کے کافی سرمایہ خرچ ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس طرح بچنے والے سرمایہ کو معاشی ترقی کے منصوبوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(vi) برآمدی اشیا کی کوالٹی بہتر بنا کر، قیمت مناسب رکھ کر اور نئی منڈیاں تلاش کر کے کوئی بھی ملک برآمدات کے فروغ کا باعث بن سکتا ہے۔ اس طرح سے بیرونی وسائل دستیاب ہو جائیں گے جو معاشی ترقی میں استعمال ہو سکتے ہیں۔

(vii) کچھ حکومتیں افراطِ زر کا طریقہ بھی معاشی ترقی کے لیے اختیار کرتی ہیں۔ سرمایہ کی قلت دور کرنے کے لیے حکومتیں اپنے مرکزی بینک سے نئے نوٹ شائع کرنے کے لیے کہتی ہیں۔ کرنسی کی نئی اشاعت سے افراطِ زر کا مسئلہ تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن معاشی ترقی کے لیے سرمایہ کی فراہمی بھی ہو جاتی ہے۔

(viii) سرمایہ کی قلت دور کرنے کے لیے بیرونی دنیا کے سرمایہ کاروں کو اندرونِ ملک سرمایہ کاری کی دعوت دی جاتی ہے۔ بیرونی سرمایہ کی آمد کے ساتھ ہی سرمایہ کی قلت کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے مگر اس ذریعہ میں قباحت یہ ہے کہ بیرونی کمپنیاں منافع باہر لے جاتی ہیں۔

(ix) حکومتیں دوسری حکومتوں سے براہ راست قرضے حاصل کر کے بھی اندرونِ ملک سرمایہ کی قلت پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں۔ بیرونی قرضے ہر جگہ معاشی ترقی کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں مگر ان پر بھاری شرح سے سود ادا کرنا پڑتا ہے۔

(x) بہت سے ترقی پذیر ملکوں میں اکثر لوگوں کے پاس قیمتی دھاتیں، سونا، چاندی، زیورات وغیرہ دفینوں کی شکل میں محفوظ رہتے ہیں۔ اگر ان دفینوں کو باہر لانے کا اہتمام ہو جائے تو معاشی ترقی کے لیے بڑی مقدار میں وسائل دستیاب ہو جائیں گے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں میں قومی آمدنی کا کم از کم 10% سرمایہ دفینوں (Hoardings) کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

1.6 سرمایہ کاری کے مواقع

تیزی کے ساتھ معاشی ترقی حاصل کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس ملک میں سرمایہ کو استعمال کرنے کے کثیر مواقع بھی موجود ہوں۔ سرمایہ کاری کے مواقع کا انحصار دو امور پر ہوتا ہے۔

ا۔ دیگر مداخل کی موجودگی
۲۔ توازن ادائیگی

دیگر مداخل سے مراد ہے خام مال، مزدوروں کی فراہمی، محنت کش طبقے کی ہُنرمندی، حرکت پذیری کا رجحان اور ٹیکنالوجی کی دستیابی۔ اگر یہ مداخل (Inputs) کہ جن کے ساتھ مل کر سرمایہ نے کام کرنا ہے مفقود ہوں

تو سرمایہ کی کھپت کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں کثیر سرمایہ کی فراہمی بھی بے سود ہو گی۔

سرمایہ کاری کے مواقع کا انحصار توازن ادائیگی پر بھی ہے اگر حکومت نے توازن ادائیگی کو درست کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے تو سرمایہ کاری منافع پرور ہو گی ورگرنہ سرمایہ کاری کی گنجائش محدود ہو جائے گی۔ اگر حکومت کے پیش نظر ایسے کارخانے وجود میں لانا ہے کہ جو یا تو برآمدی اشیاء کی مقدار میں اضافہ کا باعث بنیں یا درآمدات کے متبادل تیار کریں تو یقیناً ایسے ماحول میں سرمایہ کاری کے وسیع امکانات موجود رہیں گے۔

سرمایہ کاری کے مواقع کثیر ہونے کی صورت میں نہ صرف اندرونی بلکہ بیرونی سرمایہ کار بھی ان مواقع سے مستفید ہونے کے لیے قدم آگے بڑھائیں گے۔ دونوں طرح کے سرمایہ کاروں کے طفیل نئے کارخانے اور ادارے وجود میں آئیں گے اور معاشی ترقی کا سلسلہ کامیابی سے ہمکنار ہو گا۔

1.7 معاشرتی ماحول

معاشی ترقی کے لیے معاشرتی ماحول کا سازگار ہونا بھی ایک ضروری شرط قرار دی جاتی ہے۔ معاشی ترقی کا آغاز کسی نہ کسی مخصوص شعبے سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ایک شعبہ کی معاشی ترقی ماحول میں اس طرح تبدیلی لا رہی ہو کہ لوگوں کے عقائد، روایات، رسومات، مزاج، فیشن اور عادات متاثر ہو رہے ہوں۔ اتنے بڑے پیمانے پر تبدیلی کے آثار دیکھ کر ممکن ہے کہ لوگ اس معاشی ترقی کے مخالف ہو جائیں۔ ایک صدی پیشتر جب ریلوے نئی نئی قائم ہو رہی تھی تو اکثر ملکوں کے قدامت پرست طبقے نے ریلوے لائن بچھانے کی سخت مخالفت کی۔ ان مخالفین کا کہنا تھا کہ اگر ان کے پرانے طرز کے محدود معاشروں میں ریلوے کا عمل دخل ہو گیا تو ان کے جاگیرداری پر مبنی زرعی نظام کو گزند پہنچے گی۔ چند سرداروں کا اپنے مزارعین پر اثر و رسوخ ختم ہو جائے گا۔ لوگوں کا باہر دنیا سے رابطہ قائم ہو گا تو جدید تہذیب کے ''گندے انڈے'' بھی دقیانوسی معاشرہ میں آ براجمان ہوں گے۔ تاریخ یہاں تک گواہ ہے کہ لوگوں نے ریلوے کی مخالفت میں جانوں کا نذرانہ تک پیش کیا۔ ایسے تنگ نظر معاشروں میں معاشی ترقی کا پودا پروان نہیں چڑھ سکتا۔

مذہبی عقائد بھی بعض اوقات معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ دنیا کے ایک مذہب میں سمندر پار جانا گناہ کبیرہ سمجھا جاتا رہا ہے ایسے معاشرہ میں بحری تجارتی بیڑہ بنانا اور تجارت کو ترقی دے کر معاشی پیش رفت حاصل کرنا خاصا دشوار امر ہوتا ہے۔

کئی ملکوں میں آبائی روایت کی اس قدر سختی سے پیروی کی جاتی ہے کہ معاشی ترقی اگر ان روایات کو بدلنے پر زور دے تو لوگ روایات کو بدلنے کی بجائے معاشی ترقی اور خوشحالی سے کنارہ کشی کو فوقیت دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح علاقے اور ماں باپ کی محبت، دوستوں کا حلقہ، علاقائی زبان سے پیار کی بدولت کئی ملکوں میں لوگ

خوشحالی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور باہر جانا پسند نہیں کرتے۔ وہ گھر میں رہ کر آدھی روٹی کھانا بہتر سمجھتے ہیں مگر باہر جا کر دو روٹیاں حاصل کرنا ان کے لیے کسی دلکشی یا ترغیب کا باعث نہیں ہوتا۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ معاشرہ میں اخلاقی تعلیم، آداب اور روایتی علم وفن کو قدر و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ جب معاشی ترقی ان میں تبدیلی کا تقاضہ کرتی ہے یعنی نئے علم و ہنر کے دروازے کھول دیتی ہے تو ماں باپ اپنے بچوں کو نئی روشنی سے جان بوجھ کر دور رکھتے ہیں کہ مبادا وہ بے ادب، بے مروت اور بے اخلاق نہ ہو جائیں۔ ''گلستان'' پر زور دیا جاتا ہے مگر انجینئرنگ اور پولی ٹیکنیک کالجوں سے فارغ التحصیل ہونے کو بُرا خیال کیا جاتا ہے۔

ضروری ہے کہ معاشرے میں قدامت پسندی کے بادل چھٹ رہے ہوں، پرانی نسل کے اعتقادات میں تبدیلی رونما ہو رہی، نئے علم و ہنر کو قدر وفضیلت کی نظر سے دیکھا جا رہا ہو، مذہبی احکامات حرکت پذیری کے راستے میں حائل نہ ہو رہے ہوں، تعلیم سے عمومی لگاؤ بڑھ رہا ہو، لوگوں کا طرزِ عمل جدیدیت اور نئے چیلنجوں کو قبول کرنے کی طرف مائل ہو اور لوگ لکیر کے فقیر بنے رہنے کو ترجیح نہ دیتے ہوں تو یہ کہا جائے گا کہ معاشرتی سطح پر معاشی ترقی کے لیے سازگار فضا موجود ہے۔ وگرنہ اس کے برعکس حالات میں معاشی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا۔

1.8 اہم نکات

1۔ معاشی ترقی خالص قومی آمدنی میں مسلسل اضافے کا نام ہے۔

2۔ معاشی ترقی کا سلسلہ اس وقت دراز ہوتا ہے کہ جب اس کے لیے ضروری شرائط پوری کر دی جائیں۔

3۔ معاشی ترقی کے لیے بنیادی شرائط میں عوام کا ارادہ، منڈی کا نظام، سرمایہ کی دستیابی، سرمایہ کی کھپت اور معاشرتی ماحول شامل ہیں۔

4۔ جب تک عوام معاشی ترقی کے لیے قربانی دینے پر آمادہ نہیں ہوں گے معاشی ترقی کا حصول دشوار ہوتا ہے۔

5۔ منڈی کے نظام کو کامل بنا کر معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو سکتی ہے کیونکہ جب قیمتوں کا تعین طلب و رسد کی طاقتوں کے حوالے کر دیا جائے تو وسائل کی تخصیص عمدہ طریقے سے عمل میں آنے لگتی ہے۔

6۔ معاشی ترقی کے لیے ایک اہم شرط سرمایہ کی فراہمی بھی ہے۔ سرمایہ کی مطلوبہ مقدار کا اندازہ شرح سرمایہ و پیداوار سے لگایا جاتا ہے۔ سرمایہ کی کمی پر قابو پانے کے لیے صرف دولت، درآمدات اور دفینوں کی مقدار میں تخفیف کرنی ضروری ہوتی ہے اور ٹیکسوں، عوامی قرضوں،

بیرونی قرضوں اور سرمایہ کاری، افراطِ زر، بچتوں اور برآمدات کی حوصلہ افزائی کرنی پڑتی ہے۔

7۔ معاشی ترقی کے لیے سرمایہ کی فراہمی کے علاوہ سرمایہ کی کھپت بھی اہم شرط ہے۔ اگر ملک میں خام مال، فنی ماہرین، جسمانی محنت کرنے والے مزدور، حرکت پذیری اور ٹیکنالوجی وغیرہ جیسے ضروری عوامل موجود ہوں تو سرمایہ باآسانی ان کے ساتھ مل کر معاشی ترقی کی دوڑ کو تیز کر دیتا ہے۔

8۔ سرمایہ کے کھپت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ملک میں ایسے کارخانے قائم کیے جانے کا امکان ہو جو یا تو درآمدی اشیاء کے متبادلات تیار کرنے والے ہوں یا برآمدی اشیاء کو فروغ دینے والے ہوں۔

9۔ معاشی ترقی کے لیے معاشرتی ماحول کا سازگار ہونا بھی ضروری ہے۔ معاشرتی ماحول اس وقت سازگار ہوتا ہے جب تعلیم کی اشاعت ہو رہی ہو، نئے فنون کے دروازے کھل رہے ہوں، عوام کا رویہ جدیدیت کی طرف مائل ہو اور لوگ قدامت پرستی کے اندھیروں سے نکلنا چاہتے ہوں۔

1.9 خود آزمائی

1۔ وہ معاشرہ جلد ترقی کرتا ہے جہاں عوام معاشی ترقی کے بہت دلدادہ ہوں۔ کیا یہ بیان درست ہے؟

ہاں	نہیں

2۔ معاشی ترقی کا حصول کسی قسم کی قربانی کا تقاضہ نہیں کرتا ہے۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

ہاں	نہیں

3۔ اگر ملک میں ہر شعبہ پر اجارہ داری کا غلبہ ہو اور قیمتوں کا تعین کارخانہ داروں کی مرضی کے تابع ہو تو آپ کا کیا خیال ہے کہ وسائل کی تخصیص مؤثر طور پر جاری رہے گی؟

ہاں	نہیں

4۔ معاشی ترقی کے لیے سرمایہ صرف بچتوں سے فراہم ہوتا ہے۔ کیا یہ امر عملی حقیقت ہے؟

ہاں	نہیں

5۔ کیا سونے چاندی اور زیورات کی شکل میں گھروں میں پوشیدہ رکھے ہوئے دفینوں کو باہر لا کر معاشی ترقی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

نہیں	ہاں

6۔ سرمایہ مختلف ذرائع سے فراہم کیا جاتا ہے۔ کیا ہر ذریعہ نتائج کے لحاظ سے یکساں طور پر کارآمد ہے؟

نہیں	ہاں

7۔ کیا کوئی غریب ملک کمپیوٹر، رنگین ٹیلیویژن، کاریں اور شاندار کراکری سیٹ کی درآمدات پر پابندی لگا کر معاشی ترقی کے لیے سرمایہ فراہم کرسکتا ہے؟

نہیں	ہاں

8۔ معاشی ترقی کے لیے صرف سرمایہ کی فراہمی ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ سرمایہ کی کھپت کے مواقع موجود ہونا اور بھی ضروری ہیں۔ کیا آپ اس بیان سے اتفاق کریں گے؟

نہیں	ہاں

9۔ جس معاشرہ کے لوگ لکیر کے فقیر ہوں اور جدیدیت کی طرف کوئی قدم کامیاب نہ ہوتا ہو۔ کیا اسی دقیانوسی معاشرہ میں معاشی ترقی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

نہیں	ہاں

10۔ معاشی ترقی کے لیے ضروری شرائط پر بحث کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھیے سیکشن 1.3 تا 1.7)

11۔ معاشی ترقی کے لیے سرمایہ سازی کے مختلف ذرائع کا جائزہ لیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے سیکشن 1.5)

1.10 جوابات

1۔ہاں	2۔نہیں	3۔نہیں۔	4۔نہیں	5۔ہاں

6۔نہیں	7۔ہاں۔	8۔ہاں۔	9۔نہیں

2 معاشی عوامل

اس یونٹ کے گذشتہ حصے میں ہم نے ان شرائط پر غور کیا تھا جو منصوبہ بندی کے لیے ضروری شمار کی جاتی ہیں۔ یونٹ کے اس حصے میں اور اس کے بعد آنے والے حصوں میں ہم ان عوامل کا جائزہ لیں گے جو معاشی ترقی کے براہ راست ذمہ دار ہیں ان عوامل میں معاشی، سیاسی، انتظامی اور سماجی وتہذیبی عوامل شامل ہیں۔ آیئے اس حصے میں سب سے پہلے معاشی عوامل پر بحث کرتے ہیں۔

کسی بھی ملک میں معاشی ترقی کی پہلی اور اہم ذمہ داری خود معاشی عوامل پر آتی ہے۔ معاشی عوامل کئی طرح کے ہوتے ہیں، ان میں قدرتی وسائل کا حجم، سرمایہ و پیداوار کی شرح، ٹیکنالوجی کی پیش رفت، سرمایہ کاری، تنظیمی صلاحیت، افزائش آبادی وغیرہ شامل ہیں۔

2.1 قدرتی وسائل کا حجم

کسی ملک کے قدرتی وسائل پر معاشی ترقی کا براہ راست دارومدار ہے۔ ان وسائل میں جنگلات، دریا، نہری نظام، معدنیات اور آب و ہوا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وسائل جس قدر وسیع ہوں گے اتنی ہی معاشی ترقی تیز تر ہو گی۔ گویا معاشی ترقی 'قدرتی وسائل کا تفاعل ہے۔ قدرتی وسائل کے بارے میں ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ ایک اضافی اصطلاح ہے۔ کم و بیش سبھی ممالک کسی نہ کسی قسم کے قدرتی وسائل سے مالامال ہیں۔ بنگلہ دیش کی آب و ہوا پٹ سن کے لیے انتہائی سازگار ہے۔ جنوبی افریقہ سے سونا کھود کر نکالا جاتا ہے۔ مشرق وسطیٰ تیل کی دولت سے امیر ہے۔ ان وسائل کی کثرت معاشی ترقی کے لیے معاون بن جاتی ہے جبکہ وسائل کی قلت اس ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔

قدرتی وسائل کبھی ایک جیسے نہیں رہتے۔ ان کا حجم کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ پرانے وسائل متواتر استعمال کی بدولت ختم ہوئے جاتے ہیں اور نئے وسائل ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ نئے وسائل کی دریافت صرف علم و ہنر میں توسیع کے سبب ممکن ہوتی ہے۔ جن قوموں کے پاس فنی مہارت اور جدید ٹیکنالوجی ہے وہ اپنے لیے نئے وسائل تلاش کرنے میں کامیاب رہتی ہیں۔ مغربی ممالک نے اپنی ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر مصنوعی ریشم، نائیلون، پولی تھین، شمسی توانائی وغیرہ جیسے نئے وسائل دریافت کر لیے ہیں۔ پاکستان میں قدرتی گیس اور تیل کی دریافت اسی ضمن میں شمار ہوتی ہے۔

2.2 شرح سرمایہ و پیداوار

معاشی ترقی کے لیے قدرتی وسائل کی موجودگی اور دریافت اہم مقام رکھتے ہیں مگر وسائل سے استفادہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب کسی قوم کے پاس سرمایہ موجود ہو۔ معاشی ترقی کے لیے کتنے سرمایہ کی ضرورت ہے؟ اس سوال کا جواب شرح سرمایہ و پیداوار (Capital output Ratio) کے حوالے سے دیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک روپے کی مالیت شے پیدا کرنے کے لیے مزید تین روپے کی سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرح سرمایہ و پیداوار 1.3 ہے اگر اس پس منظر میں کوئی معیشت 15% حصہ سرمایہ کی صورت میں درکار ہو گا۔ اگر بچتوں کے ذریعے 15% سرمایہ اکٹھا ہو جاتا ہے تو وہ ملک معاشی ترقی کے بارے میں اپنا ہدف پورا کر لے گا۔ اگر بچتوں کی شرح 15% فیصد سے بہت کم ہے (جیسا کہ اکثر ترقی پذیر ملکوں میں ہے) تو پھر سرمایہ سازی کے لیے اندرون ملک اور بیرون ملک ایسے وسائل تلاش کرنے پڑتے ہیں جو مطلوبہ سرمایہ فراہم کرسکیں۔

سرمایہ سازی کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے جن اقدامات کا سہارا لیا جا سکتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(i) فضول خرچی میں کمی کرنا　　(ii) دفینوں کا بروئے کار لانا

(iii) درآمدات میں کمی کرنا　　(iv) عوام سے قرضہ لینا

(v) بچتوں کی حوصلہ افزائی کرنا　　(vi) ٹیکسوں میں اضافہ کرنا

(vii) برآمدات کوفروغ دینا　　(viii) نئے نوٹ چھاپنا

(ix) بیرونی سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری کی دعوت دینا

(x) بیرونی ملکوں سے قرضے حاصل کرنا

اپنے اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ تمام اقدامات یکساں اہمیت اور افادیت کے علمبردار نہیں ہیں۔ موقع و محل کی نزاکت کے اعتبار سے ان میں سے ایک یا زیادہ اقدامات کا چناؤ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ کا تعلق اندرون ملک صورت حال سے ہے اور کچھ کا تعلق بیرون ملک حالات سے ہے۔ دونوں طرح کے اقدامات کی مدد سے ''مطلوبہ سرمایہ'' اور ''موجودہ سرمایہ'' کا فرق مٹایا جا سکتا ہے۔

2.3 ٹیکنالوجی کی ترقی

کسی زمانے میں وادی سندھ اپنی زرخیزی اور شادابی کے لیے دنیا میں مشہور تھی۔ یہاں کی امارت اور خوشحالی نے کئی ہمسایہ اور دور رہنے والی قوموں کو اپنی طرف راغب کیا۔ وادئ سندھ میں چونکہ وہ صنعتی ترقی عمل میں نہ آ سکی کہ جس کی بدولت زمینوں کی بتدریج گھٹتی ہوئی پیداوار کو بڑھایا جا سکتا چنانچہ آج وادئ مہران کا علاقہ بنجر ہو

چکا ہے۔ سرسبز کھیتوں کی جگہ ریگستانوں نے لے لی ہے۔

جو قومیں صنعتی طور پر جدید ٹیکنالوجی سے روشناس ہو جاتی ہیں وہ اسے زندگی کے مختلف شعبوں میں استعمال کر کے ترقی کی رفعتوں کو پا لیتی ہیں۔ صنعتی میدانوں میں جدید مشینوں کا استعمال نئی ہنرمندیوں کا ظہور، جدید فارمولوں کا زیرِ استعمال آنا، ٹیکنالوجی کی پیش رفت، وہ ضروری جزو ہیں کہ جن کے بغیر آج کے دور میں معاشی ترقی کا تصور ممکن نہیں۔

مغربی قومیں ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت آگے ہیں، ان سے مشرقی ملکوں کو سبق لینے کی ضرورت تو ہے مگر من وعن ان کی ٹیکنالوجی کا استعمال نہ پیداوار کے لحاظ سے سودمند ہے نہ لاگتوں کے اعتبار سے ٹیکنالوجی ایک جگہ سے دوسری جگہ ضرور منتقل ہونی چاہیے مگر اسے اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے ڈھالنا بھی بہت ضروری ہے۔ جب تک مشرقی اقوام ٹیکنالوجی کے میدان میں معتدبہ پیش رفت کا مظاہرہ نہیں کرتیں، ان کے وسائل کا بھرپور استعمال محال رہے گا۔ بیل گاڑیوں میں سفر کے بجائے جدید ٹرین ریل گاڑیوں کا اپنانا، بھاپ والے انجن کی بجائے مونو ریلوے کا انجن اور حیوانی طاقت کے بجائے شمسی توانائی کا استعمال ہی معاشی ترقی کے ثمرات کو عام کرنے کا سبب بنے گا۔

اگر کسی ملک کے پاس جدید ٹیکنالوجی نہ ہو تو وہ اپنے کثیر قدرتی وسائل کا بھرپور استعمال کرنے سے قاصر رہے گا مثلاً اگر کسی ملک میں تیل کے ذخائر تو موجود ہوں مگر اسے زیرِ زمین تیل کو باہر لانے کے وسائل دستیاب نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ اس قدرتی عطیہ سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکے گا۔

1952ء تک پاکستان کو بھی بلوچستان میں قدرتی گیس کا علم نہیں تھا۔ معدنیات کی کھدائی اور دریافت سے متعلق ٹیکنالوجی ملتے ہی پاکستان نے قدرتی گیس کا بہت بڑا ذخیرہ دریافت کر لیا اور اب یہ گیس کارخانوں اور گھروں میں مختلف معاشی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے استعمال کی جا رہی ہے۔

گویا معاشی ترقی کے لیے نہ صرف قدرتی وسائل موجود ہونے چاہئیں بلکہ ان سے استفادہ کر سکنے کی اہلیت بھی۔ یہ اہلیت ٹیکنالوجی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

2.4 سرمایہ کاری

کسی ملک کی معاشی ترقی کا دارومدار اس بات پر بھی ہے کہ اس کے ہاں سرمایہ لگانے کے کتنے مواقع موجود ہیں۔ سرمایہ کاری کے قلیل مواقع کے پیش نظر کوئی بھی صنعتکار یا کارخانہ دار اپنا سرمایہ ایسے ملک میں لگانا پسند نہیں کرے گا۔

سرمایہ کاری کے لیے سب سے پہلی شرط تو سرمایہ کی فراہمی کی ہے۔ جب سرمایہ کاری کرنے کے لیے

موزوں مقدار میں سرمایہ فراہم نہ ہو تو سرمایہ کاری کا عمل معطل رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کثیر دولت رکھنے کے باوجود مشرقِ وسطیٰ کے علاقے معاشی طور پر ترقی یافتہ نہیں ہو سکے۔ دولت مندی کی حالت معاشی ترقی کی حالت سے بہت مختلف چیز ہے۔ سرمایہ کی فراہمی تو ضرور ہونی چاہیے مگر اس رقم کو سلیقے سے استعمال کرنے کا قرینہ بھی آنا ضروری ہے۔ سرمایہ کاری کے لیے سرمایہ وہی حیثیت رکھتا ہے جو انسانی جسم کے لیے خون رکھتا ہے۔ مگر سرمایہ کی موجودگی کے علاوہ ان مواقع کی دستیابی بھی ضروری ہے کہ جہاں یہ سرمایہ استعمال کیا جا سکے۔ سرمایہ کے مواقع کارخانے کھولنے، اسکیمیں شروع کرنے، منصوبے بنانے اور نافذ کرنے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

سرمایہ کاری کے موقع ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی ملک میں سرمایہ کاری کے لیے سازگار ماحول موجود ہو۔ سازگار ماحول حکومت خود پیدا کرتی ہے۔ منڈیوں کا نظام طلب و رسد پر چھوڑ دینے سے صنعتوں کو قومی ملکیت میں نہ لینے سے، صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی سے اور کم سے کم سرکاری اور انتظامی مداخلت سے سرمایہ کاری کا ماحول سازگار بن جاتا ہے۔

2.5 تنظیمی صلاحیت

کسی زمانے میں سرمایہ دار سرمایہ کاری کے عمل میں کلیدی حیثیت کا حامل تھا مگر جدید زمانے میں اطوار بدلے گئے۔ اب پیدائش دولت کے عمل میں مرکزی حیثیت ناظم کو حاصل ہے۔

ناظم یا آجر کی صلاحیتوں پر معاشی ترقی کا براہ راست دارومدار ہے۔ یہ ناظم ہی ہوتا ہے جو مختلف جگہوں سے عاملین پیدائش کو اکٹھا کرتا ہے، کام پر لگاتا ہے، ان میں تنظیم اور وحدت فکر و عمل پیدا کرتا ہے۔ لاگتوں کو کم سے کم کرنے کی تدابیر سوچتا ہے، شے کی کوالٹی کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور ہر مرتبہ جدت اور اختراع کا سہارا لے کر اپنے لیے زیادہ سے زیادہ منافع کے مواقع پیدا کرتا ہے۔

ناظم کے یہ تمام امور روائتی فرائض ہیں مگر جدت اور اختراع نمائی بذاتِ خود وہ اہم پہلو ہے جس پر معاشی ترقی کا انحصار ہے۔ روائتی فرائض انجام دینے والے ناظم بھی پیدائش دولت کے ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ اپنے لیے منافع بھی پیدا کرتے ہیں مگر ان کی جس صلاحیت کا رشتہ معاشی ترقی سے وابستہ ہے وہ اختراع پسندی ہے۔

اختراع نمائی میں جو چیزیں شامل ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

(i) نئی شے بازار میں متعارف کرانا

(ii) شے کو نئے طریقے سے پیدا کرنا

(iii) شے کے لیے خام مال حاصل کرنے کا نیا ذریعہ تلاش کرنا

(iv) شے فروخت کرنے کے لیے نئی منڈی دریافت کرنا

(v) فرم یا صنعت کی از سرِ نو تنظیم کرنا۔

جو ناظم یہ فرائض انجام دیتا ہے وہ جدت پسند ناظم ہوتا ہے جو اس کی ریسرچ اور اختراع کی پیروی کرتے ہیں وہ نقال ناظم ہوتے ہیں۔ نقال ناظم سے نیچے اور بھی ناظم ہوتے ہیں جن کے لیے مناسب لفظ ''سست رو ناظم'' ہے۔ آخری قسم کے ناظم زمانے کے ساتھ ساتھ خود بالکل نہیں بدلتے۔ یہ پرانی لکیر کے فقیر ہوتے ہیں، ان کا مسلک قدامت پسندی اور روایت نباھنا ہوتی ہے۔ یہ لوگ وسائل کے ضیاع کا باعث بنتے ہیں۔ ان سے بہتر نقال ناظم ہوتے ہیں جو اس حد تک قابلِ برداشت ہوتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے ناظم کی اچھی چیز کی نقل کر لیتے ہیں۔ ان کی جیسی اشیاء بنا لیتے ہیں۔ یہ ناظم بھی معاشرہ کے لیے کچھ زیادہ سودمند نہیں ہوتے۔ البتہ جدت پسند ناظم ہی وہ واحد قسم ہے جو معاشرہ کو متحرک رکھتے ہیں۔ پیداوار، فارمولوں، مشینوں اور منڈیوں میں نئی نئی چیزوں کے تجربات کرتے ہیں اور وسائل کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

2.6 اضافہ، آبادی

آبادی میں ایک ایسا موضوع ہے جو معاشیات میں حد درجہ متنازعہ ہے۔ کچھ معیشت دانوں کے نزدیک اضافہ آبادی مستحسن سمجھا گیا ہے۔ جبکہ کئی دیگر معیشت دان اس اضافے کو غیر پسندیدہ شمار کرتے ہیں۔ بہرحال دونوں حیثیتوں میں آبادی کا اضافہ معاشی ترقی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔

جو گروہ اضافہ آبادی کو معاشی ترقی کے لیے رکاوٹ مانتا ہے، اس گروہ کا سربراہ رابرٹ مالتھس (Robert Maltuhs) ہے۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ آبادی معاشی ترقی میں معاون تو کجا، اُلٹا تخفیف کا سبب بنتی ہے۔ آبادی کی مثال ایسے کیڑوں مکوڑوں سے دی جاتی ہے جو فصل کو اندر ہی اندر کھا جاتے ہیں اور محنت کرنے والا دہقان اپنی محنت کے ثمرات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں سرمایہ سازی کے بڑھنے کی شرح آبادی میں اضافہ کی شرح سے زیادہ ہونی چاہیے تاکہ وسائل پر آبادی کا بار محسوس نہ ہو اور ملک معاشی ترقی کرتا چلا جائے۔

دوسرا گروہ جو آبادی کو معاشی ترقی کے لیے اہم محرک تسلیم کرتا ہے ان میں کولن کلارک (Colin Clark)، ہاروے لیبن سٹائن (Harvey Leiebenstein) اور کینن (Cannon) شامل ہیں۔ اس گروہ کا یہ خیال ہے کہ معاشی ترقی کا ایک اہم اقتصادی عامل ''اضافہ آبادی'' بھی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آبادی میں اضافہ اشیائے صرف میں اضافہ کا موجب بنتا ہے اور اس اضافے کو پورا کرنے پورا کرنے کے لیے اشیائے سرمایہ (Capital Goods) کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس طرح اشیائے صرف اور اشیائے سرمایہ دو ایسے میدان حاصل ہو جاتے ہیں جہاں نئی سرمایہ کاری کی جا سکتی ہے۔

امریکہ، یورپ اور کئی دیگر علاقوں کی تاریخ گواہ ہے کہ ان کی معاشی ترقی کے پیچھے سب سے بڑا عنصر آبادی کا تھا۔ آبادی ہی منڈی کو وسیع کرتی ہے اور پھر منڈی کی وسعت سرمایہ کاروں کو سرمایہ لگانے کی نوعیت مہیا کرتی ہے۔ اس طرح نئے کارخانے اور نئے روزگار کے مواقع وجود میں آ کر معاشی ترقی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

اس گروہ کا یہ بھی خیال ہے کہ آبادی میں جتنا بھی اضافہ ہوگا اتنے ہی کام کرنے والے ہاتھ بڑھ جائیں گے۔ قدرت نے ہر انسان کو کھانے کے لیے ایک منہ اور کام کرنے کے لیے دو ہاتھ عطا کیے ہیں اس طرح آبادی کا اضافہ کام کرنے والے کارکنوں کی تعداد میں اضافے کا موجب بنے گا۔ کارکنوں کی بڑھتی ہوئی تعداد پیداوار کے حجم کو وسیع کر کے معاشی ترقی کی بنیاد رکھ دے گی۔

اس گروہ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ انسانی وسائل کی تعداد ہی نہیں ان کی کوالٹی یعنی معیار بھی معاشی ترقی کے لیے زبردست محرک ہے۔ اگر انسان زیادہ تعلیم یافتہ ہو تو اس کی کوالٹی دوسروں سے بہتر ہو گی اس طرح اگر افرادی قوت تربیت یافتہ ہو، انسانوں کی اوسط عمر لمبی ہو یا ان کی روزانہ خوراک کا معیار بہتر ہو وغیرہ وغیرہ تو ان اوصاف سے مزین افرادی قوت معاشی ترقی کو مہمیز لگاتی ہے۔ آبادی میں اضافے کے ساتھ اگر انسانوں کی تعلیم، خوراک، صحت، عمر، صلاحیت اور دیانت داری کا بھی معقول انتظام ہو تو ایسا اضافہ آبادی ملک کے لیے باعث رحمت ثابت ہوتا ہے۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ بن کر چمکتا ہے اور معاشی ترقی میں اپنا مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔

اگر صرف اضافہ آبادی ہی عمل میں آئے، نئے بچوں کو مناسب خوراک میسر نہ آئے، صحت و صفائی کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو، اطفال میں شرح اموات بہت زیادہ ہو، اوسط عمر بہت گھٹ رہی ہو تو ایسا اضافہ آبادی ملکی وسائل پر گرانباری کا سبب بنے گا۔ آمدنی اور وسائل مانع ہوں گے مگر ان سے قوم کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

دونوں گروہوں کے خیالات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آبادی کی ایک ''معیاری سطح'' (Optimum Level) ہے۔ اس سطح تک آبادی کا بڑھنا باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے۔ ہر نیا فرد کم آمدنی صرف کرتا ہے اور زیادہ آمدنی پیدا کرتا ہے مگر معیاری سطح سے بلند تر ہو جانے والی آبادی سراسر باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ معیاری سطح گزر جانے کے بعد آبادی میں واقع ہونے والا ہر اضافہ صرف دولت تو کرتا ہے مگر پیدائش دولت نہیں کرتا اس لیے موجودہ وسائل استعمال میں آتے رہتے ہیں مگر ان کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔

چنانچہ ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ آبادی میں مناسب اضافہ قابلِ قدر ہے مگر بے تحاشہ اضافہ معاشی ترقی کو تحریک دینے کی بجائے اُلٹا معاشی زوال کا باعث بنتا ہے۔ آبادی میں جس رفتار سے اضافہ ہو، سرمایہ سازی اور سرمایہ کاری کی شرح اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہیے تاکہ معاشی ترقی کو تقسیم کرنے والے نئے حضرات کو ان کا حصہ دے کر بھی معاشرہ کے باقی افراد کا فی کس معیار زندگی بہتر ہو سکے۔

2.7 اہم نکات

1۔ معاشی ترقی کے عاملین میں قدرتی وسائل کی جسامت، شرح سرمایہ و پیداوار، ٹیکنالوجی کی سطح، سرمایہ کاری کے مواقع، انتظامی صلاحیت کار اور افزائش آبادی شامل ہیں۔

2۔ قدرتی وسائل ایک اضافی اصطلاح ہے۔ قدرتی وسائل کی وسعت کا دارومدار ٹیکنالوجی کی سطح پر ہے۔ اعلیٰ درجے کی ٹیکنالوجی قدرتی وسائل کی تلاش اور دریافت میں مددگار ہوتی ہے۔

3۔ معاشی ترقی کے لیے سرمایہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے مگر سرمایہ کی مطلوبہ مقدار کا اندازہ لگانے کے لیے شرح سرمایہ و پیداوار کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

4۔ شرح سرمایہ و پیداوار کا مطلب ہے کہ ایک فیصد دولت یا پیداوار پیدا کرنے کے لیے کتنے فیصد مزید سرمایہ درکار ہے۔

5۔ اگر کوئی قوم 5% ترقی کی متمنی ہو اور شرح سرمایہ و پیداوار 1:3 ہو تو اس معیشت کو اپنی قومی آمدنی کا 15 فیصد ضرور بچانا چاہیے۔

6۔ سرمایہ کی مطلوبہ مقدار کی دستیابی نہ ہونے کی صورت میں فضول خرچی، درآمدات اور دفینوں کی حوصلہ شکنی کر کے ٹیکسوں، برآمدات، بچت، افراطِ زر اور بیرونی سرمایہ کی آمد کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری ہوتا ہے۔

7۔ معاشی ترقی کے لیے تیسرا اہم عامل ٹیکنالوجی کی پیش رفت ہے۔ ٹیکنالوجی کی مدد سے نہ صرف حالیہ پیداوار کا حجم بڑھ جاتا ہے بلکہ نئے وسائل میں اضافہ بھی ممکن ہوتا ہے۔

8۔ معاشی ترقی کا چوتھا عامل ہے سرمایہ کاری کے مواقع۔ جب تک ملک میں نئے کارخانوں اور اداروں کا قیام عمل میں نہ آئے، کثیر سرمایہ بھی بیکار پڑا رہتا ہے۔ سرمایہ کاری کے موقعوں میں اضافے سے پیداوار بڑھانے میں براہ راست مدد ملتی ہے۔

9۔ معاشی ترقی کا پانچواں عامل منتظمین کی صلاحیتیں ہیں۔ جدت پسند ناظمین معاشی ترقی کو مہمیز لگتے ہیں۔ ''نقال ناظمین'' اور ''سست رو ناظمین'' معاشی ترقی میں بنیادی اہمیت کا کردار ادا نہیں کرتے۔

10۔ اضافہ آبادی کو اکثر معاشی ترقی پر گرانبار سمجھا جاتا ہے۔ مگر معیشت دانوں کا ایک گروہ اس اضافہ کو باعث رحمت سمجھتا ہے۔ اضافہ آبادی سے صرفی اشیا کی طلب میں اضافہ ہوگا جسے پورا کرنے کے لیے اشیائے سرمایہ کی پیداوار کو بڑھانا پڑتا ہے۔ اس مقصد کے لیے کثیر سرمایہ کاری

ناگزیر ہوتی ہے۔ سرمایہ کاری کی وسعت معاشی ترقی کی راہ ہموار کرتی ہے۔

11۔ معیاری آبادی کی سطح تک آبادی کا اضافہ معاشی ترقی کی دلیل ہے۔ اس سطح کے بعد آبادی میں اضافہ وسائل پر بوجھ اور فی کس آمدنی میں تخفیف کا باعث بن جاتا ہے۔

2.8 خود آزمائی

1۔ خالی جگہیں پُر کیجئے:

(i) قدرتی وسائل ایک .... اصطلاح ہے۔

(ii) معاشی ترقی کا مطلب کسی ملک کی خالص قومی آمدنی میں طویل عرصے تک واقع ہونے والا .... ہے۔

(iii) معاشی ترقی کے لیے سرمایہ کی وہی اہمیت ہے جو انسانی جسم کے لیے .... کی ہے۔

(iv) اگر کوئی معیشت 4% کی شرح سے ترقی کی متمنی ہو اور اس معیشت میں شرح سرمایہ و پیداوار 1.4 و تو مطلوبہ ہدف حاصل کرنے کے لیے قومی آمدنی کے .... فیصد سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔

(v) دفینوں کی حوصلہ .... سے معاشی ترقی کے سرمایہ فراہم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

2۔ کیا بیرونی ممالک سے غیر ملکی قرضے اور سرمایہ کاری کی آمد مقامی سرمایہ سازی کی رفتار کو تیز کر دیتی ہے۔

ہاں	نہیں

3۔ معاشی ترقی کے لیے کس قسم کے ناظمین سب سے زیادہ معاون ہوتے ہیں

جدت پسند ناظمین
نقال ناظمین
سست رو ناظمین

4۔ اضافہ، آبادی معاشی ترقی کے لیے معاون بھی ہے اور گرانبار بھی۔ کیا اضافہ، آبادی کے متنازعہ ہونے کے بارے میں یہ بیان درست ہے؟

ہاں	نہیں

5۔ پاکستان میں سوئی کے مقام پر قدرتی گیس کی دریافت ٹیکنالوجی کا کارنامہ ہے کیا آپ اس

بات سے متفق ہیں؟

نہیں	ہاں

6۔ جس ناظم نے پہلی بار صابن کی جگہ کپڑے دھونے کے لیے پاؤڈر تیار کیا ہوگا، کیا اسے جدت پسند ناظم کا نام دینا جائز ہے؟

نہیں	ہاں

7۔ کیا فضول خرچی کرنے سے سرمایہ سازی کا عمل تیز ہو جاتا ہے؟

نہیں	ہاں

8۔ اگر کسی ملک میں کثیر سرمایہ موجود ہو مگر سرمایہ کاری کے مواقع نہ ہوں تو کیا وہاں معاشی ترقی کا عمل تیز تر ہو سکے گا؟

نہیں	ہاں

9۔ معاشی ترقی کے عاملین پر بحث کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے: 2.1 تا 2.6)

10۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے:

(i) شرح سرمایہ و پیداوار اور معاشی ترقی (جواب کے لیے دیکھئے: 2.2)

(ii) ٹیکنالوجی کی پیش رفت اور معاشی ترقی (جواب کے لیے دیکھئے: 2.3)

(iii) اضافہ، آبادی اور معاشی ترقی (جواب کے لیے دیکھئے: 2.6)

2.9 جوابات

(1) (i) اضافی (ii) اضافہ (iii) خون (iv) 16 (v) شکنی

(2) ہاں (3) جدت پسند ناظمین (4) ہاں

(5) ہاں (6) ہاں (7) نہیں

(8) نہیں

3۔ سیاسی عوامل

اس یونٹ سے گزشتہ حصے میں ہم نے ان معاشی عوامل کا تذکرہ کیا تھا جن پر معاشی ترقی کا براہ راست انحصار ہے۔ اس حصے میں اب ہم ان مختلف عوامل پر بحث کریں گے جو سیاسی، انتظامی اور سماجی و ثقافتی عوامل کہلاتے ہیں۔ پہلے ہم سیاسی عوامل کو موضوع بحث بناتے ہیں:

معاشی ترقی کے لیے سیاسی عوامل کی اہمیت سے انکار محال ہے۔ سیاسی عوامل کی اہمیت ترقی پذیر ممالک میں اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ ترقی پذیر ممالک کو منڈی کی ناکاملیات، سرمایہ کی قلت، سرمایہ کاری کی ناسازگار فضا اور فنی مہارتوں کی کمی جیسے شدید مسائل کا سامنا ہے۔ ایسے حالات میں حکومت اور سیاسی عوامل کی طرف سے اقدامات اور بھی ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ سیاسی عوامل کئی قسم کے ہوتے ہیں:

3.1 ترقی کی دلدادہ حکومت

معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ جو حکومت برسرِ اقتدار ہو وہ معاشی ترقی کی طرف جھکاؤ رکھتی ہو۔ اقتصادی ترقی کے لیے منصوبہ بندی اہم مقام رکھتی ہے۔ اقتصادی منصوبہ بندی سرکاری سطح پر ہی کی جاتی ہے۔ ترقی کی دلدادہ حکومت معاشی ترقی کے لیے اقتصادی منصوبہ بندی کے عملی نفاذ کے لیے منصوبہ بندی کمیشن کا قیام عمل میں لاتی ہے۔ آج کل کے دور میں تو ویسے بھی کوئی حکومت معاشی ترقی سے کنارہ کشی کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ دیگر حکومتوں کی طرح پاکستان کی ہر حکومت 1947ء سے ہی معاشی ترقی کی واضح طرف دار رہی ہے۔ ہر حکومت ترقیاتی منصوبے تیار کرتی ہے۔ ان کے عملی نفاذ کا بندوبست کرتی ہے، پروگراموں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتی ہے۔ ان افعال کے ذریعے معاشی ترقی کے لیے سازگار ماحول بنانے میں مدد ملتی ہے۔

3.2 جمہوری حکومت

معاشی ترقی کے لیے نہ صرف ترقی کی دلدادہ حکومت کی موجودگی ضروری ہے بلکہ اس کا جمہوری ہونا بھی ازبس لازمی ہے۔ جمہوری طرز رکھنے والی حکومتوں کی زیرِنگرانی ترقی زیادہ تیز ہوتی ہے۔ جن معاشروں میں آمریت یا بادشاہت کا دور دورہ ہوتا ہے، وہاں معاشی ترقی کے تیز ترعمل کی ضمانت دینا کافی مشکل ہے۔ جمہوری معاشروں میں برسرِ اقتدار حکومتوں کو معاشی ترقی کے حصول کے لیے بہت کام انجام دینا پڑتا ہے۔ اگر ترقیاتی پروگراموں کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے تو جمہوری حکومتوں کو آئندہ انتخابات میں شکست کا احتمال ہوتا ہے۔ شکست سے بچنے کے لیے ہر

حکومت اپنی مقدور بھر کوشش کرتی ہے کہ ترقی کا عمل رواں دواں رہے بادشاہت یا آمریت میں حکمران انتخابات کے جھنجھٹ سے آزاد ہونے کے باعث معاشی ترقی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ انتخابات میں شکست وغیرہ کا خدشہ نہ ہونے کے باعث سخت گیر آمر معاشی ترقی کے پروگرام بنانے اور انہیں نافذ کرنے کے معاملات سے دلچسپی کا اظہار نہیں کرتے۔

جمہوریت معاشی ترقی کی رفتار کو بڑھانے کا کام کرتی ہے۔ جمہوری ملکوں میں ہر سیاسی پارٹی انتخاب کے وقت اپنے ووٹروں کے سامنے کوئی نہ کوئی منشور پیش کرتی ہے اور پھر برسرِ اقتدار آ کر اپنے وعدوں کی تکمیل کی کوشش کرتی ہے تاکہ اگلے انتخاب میں ان کا برسرِ اقتدار آنا یقینی ہو جائے۔ اکثر ممالک میں سیاسی جماعتیں تقسیم دولت کو منصفانہ بنانے کا وعدہ کرتی ہیں۔ حکومت میں آ کر یہ جماعتیں کسی نہ کسی حد تک دولت کی تقسیم کو بہتر بنانے کی حتی الوسع کوشش بھی کرتی ہیں۔ جس حد تک یہ تقسیم منصفانہ ہو جائے اتنی ہی معاشی ترقی کے لیے سرمایہ سازی ممکن ہو جاتی ہے۔

3.3 مضبوط حزبِ اختلاف

معاشی ترقی کے لیے جمہوری حکومتوں کی موجودگی کے علاوہ مضبوط حزبِ اختلاف کا قیام بھی اہم شرط ہے۔ کوئی حکومت خواہ کتنی بھی ذمہ دار کیوں نہ ہو، اس سے کسی نہ کسی قسم کی کوتاہی یا وسائل کی عام تخصیص کا جرم سرزد ہوسکتا ہے۔ ان کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کا کام حزبِ اختلاف کو انجام دینا چاہیے۔ حزب اختلاف کی غیر موجودگی یا کمزوری کی صورت میں، برسرِاقتدار حکومت نشہء اقتدار میں بدمست ہوسکتی ہے جس کے باعث قومی وسائل ملکی مفاد کی بجائے ذاتی اغراض پر خرچ ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

3.4 مستعد انتظامیہ

ایک باصلاحیت حکومت کی انتظامیہ بھی مستعد ہوتی ہے۔ مستعد انتظامیہ معاشی ترقی کے پروگراموں کو چار چاند لگا سکتی ہے۔ منصوبوں کی تشکیل، نفاذ اور عملی نتائج کے مرتب کرنے میں حکومتوں کو انتظامیہ پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ باصلاحیت انتظامیہ معاشی ترقی کے یہ سب کام بحسن وخوبی انجام دیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر انتظامیہ راشی ہو جائے، پروگراموں میں دلچسپی نہ دکھائے، سرخ فیتے کا استعمال زیادہ کرے تو ظاہر ہے ایسی انتظامیہ معاشی ترقی میں سدراہ بن جائے گی۔ ترقی پذیر ممالک کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ان کو کبھی کبھی باصلاحیت، ترقی کی دلدادہ حکومتیں نصیب بھی ہو جاتی ہیں مگر سست نااہل اور کام چور انتظامیہ کے ہاتھوں عوام کی طرف سے ان کو ہمیشہ بدنامی اور رُسوائی کا داغ بھی ملا۔

3.5 امن و امان

معاشی ترقی کے سیاسی عوامل کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ ملک کے طول و عرض میں امن و امان قائم ہو۔ پُرامن فضا میں معاشی جدوجہد زیادہ تیزی سے پروان چڑھتی ہے۔ اگر ہر طرف بدامنی ہو، لوٹ مار کا بازار گرم ہو، جلاؤ اور گھیراؤ کی مہم زوروں پر ہو، ہڑتالیں اور تالہ بندیاں عام ہوں، غبن، رشوت اور اقربہ پروری عام ہو اور طبقاتی خانہ جنگی عروج پر ہو تو ظاہر ہے کہ معاشی ترقی کے پروگرام شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکیں گے۔ سرمایہ کاری کی سرگرمیاں پُریقین ماحول کا تقاضہ کرتی ہیں۔ ذرا سی بے یقینی سرمایہ کاروں کو ہاتھ کھینچ لینے پر مائل کر دیتی ہے۔

4۔ انتظامی عوامل

معاشی ترقی کے لیے سیاسی عوامل کے کردار کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم انتظامی عوامل کی طرف توجہ مبذول کرتے ہیں۔ اچھی انتظامیہ وہی کہلاتی ہے جو عوام اور حکومت کے درمیان دیانتدار رابطہ کار کا فرض انجام دے۔ اسے یہ معلوم ہو کہ برسرِ اقتدار حکومت ترقیاتی میدان میں کیا کیا عزائم رکھتی ہے اور عوام کی اس بارے میں کیا کیا اُمیدیں ہیں۔ دونوں سمتوں کا خوبصورت سنگم بنانا مستعد انتظامیہ کا کام ہے باصلاحیت انتظامیہ مشنری معاشی ترقی کے کام کو کس طرح منزلِ عروج تک پہنچاتی ہے۔ اس کا ہم ذیل میں ذکر کر رہے ہیں۔

4.1 اعلیٰ صلاحیت کار

حکومت کی انتظامیہ ان افراد پر مشتمل ہونی چاہیے جو بہت زیادہ تعلیم یافتہ، تربیت یافتہ اور ذہین لوگ ہوں۔ ان افسران کا چناؤ کسی مناسب امتحانی اور تربیتی نظام کے ذریعے ہونا چاہیے جہاں ہر کوئی سخت آزمائش اور مسلسل جانچ پڑتال کے مرحلوں سے گزرے تاکہ جو کوئی بھی حکومت کی انتظامیہ کا رکن بنے۔ وہ بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ افسران کے چناؤ میں علاقائی تناسب کی تخصیص، سفارش اور اقربہ پروری جیسے نامسعود امور انتظامیہ کو نااہل اور کام چور بنانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ نااہل انتظامیہ، حکومت اور عوام کے درمیان گہرے رابطہ کا کام انجام نہیں دے سکتی۔

4.2 مناسب شرائط ملازمت

ملک کے ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کو حکومت کی انتظامیہ کا رکن بننے کی ترتیب دینے کا آسان راستہ یہ ہے کہ حکومت انتظامیہ کے افسران کی شرائط ملازمت کو بہت دلکش بنائے۔ دلآویز شرائط کار ذہین اور باصلاحیت افراد کو یقیناً انتظامیہ کا رکن بننے کی ترغیب دیتی ہیں۔ یہ لوگ ذمہ داری کا کام سنبھال کر دلجمعی کے ساتھ معاشی ترقیاتی پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ اگر شرائط ملازمت یا تنخواہ یا مراعات خاطر خواہ نہ ہوں تو باصلاحیت نوجوان کسی اور شعبے میں دل لگاتے ہیں۔ اس وجہ سے ذہانت کے اعتبار سے دوسرے تیسرے درجے کے ذہین افراد ہی حکومت کی انتظامیہ کے رکن بننے کے قابل رہ جاتے ہیں۔ کم تر درجے کے ذہین افراد کی بدولت معاشی ترقی کا کام اس حسن و خوبی سے انجام نہیں پاتا جس کا یہ متقاضی ہوتا ہے۔

4.3 احساس احتساب

حکومت آنی جانی چیز ہے مگر اس کی انتظامیہ مستقل ادارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اس مستقل ادارے کا نہ صرف احساسِ ذمہ داری سے سرشار ہونا ضروری ہے بلکہ ان کا احتساب بھی اسی قدر لازمی ہے۔ انتظامیہ کو بے لگام نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بااختیار مستقل ادارہ تو ہے مگر اس کا حساب کتاب خود حکومت کو لینا چاہیے کہ اس نے کیا کام اچھا کیا ہے اور کیا بُرا۔ انتظامیہ سے وقتاً فوقتاً جواب طلبی ہوتی رہنی چاہیے تاکہ انتظامیہ حکومت کی آلۂ کار رہے نہ کہ خود حاکم بن جائے۔ انتظامیہ کو کھلے اختیار دینا کسی طور مستحسن اقدام نہیں ہے مگر جس حد تک ان کو بااختیار بنایا جائے، اس کی ان سے جواب طلبی ضرور کی جائے۔ مادر پدر آزاد ہو جانے سے انتظامیہ خود حکمران جماعت کا کردار سنبھال لیتی ہے۔ ایسی ''نوکر شاہی'' ملک اور معاشی ترقی دونوں کے مستقبل کے لیے مہنگی ثابت ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں ایک اہم سبب انتظامیہ کا خود حاکم وقت بن جانا بھی بتایا جاتا ہے۔

4.4 بداعمالیاں

انتظامیہ چونکہ ایک مستقل ادارہ ہے اس لیے اکثر ملکوں میں یہی ادارہ سب سے زیادہ بااختیار نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں امورِ سلطنت پر حاکموں کی گرفت کمزور ہوتی ہے یا جمہوری حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا جاتا ہے تو یہ انتظامیہ ہی ہوتی ہے جو سیاسی خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرتی ہے سیاست سے لگاؤ رکھنے والی انتظامیہ میں رشوت، اقربہ پروری، سفارش صوبائیت اور فیصلوں میں تاخیر یا ناانصافی معمول بن جاتا ہے ہر صورت میں ان بداعمالیوں کا بُرا اثر معاشی ترقی کی رفتار پر پڑتا ہے۔ ان بداعمالیوں کا تدارک بہت ضروری ہوتا ہے۔

5۔ سماجی و ثقافتی عوامل

معاشی ترقی کہیں خلا میں جنم نہیں لیتی بلکہ اس کا ظہور معاشرہ کے سماجی اور ثقافتی ڈھانچے کے اندر ہی ہوتا ہے۔ اگر سماجی اور ثقافتی ڈھانچہ اسی اقدار اور قوموں سے عبارت ہے جو مثبت کردار ادا کرنے کی صلاحیتیں رکھتا ہے تو ایسے ڈھانچے کے تحت معاشی ترقی کی رفتار تیز تر ہوتی جائے گی۔ ان قوتوں کے منفی ہونے کی صورت میں معاشی ترقی کے امکانات محدود ہو جاتے ہیں۔ سماجی اور ثقافتی قوتوں کا تذکرہ درج ذیل حصے میں کیا گیا ہے۔

5.1 مذہب کا اثر

دنیا کا کم و بیش ہر ایک معاشرہ کسی نہ کسی مذہب کا پیروکار ہے۔ جو مذہب بدلتے وقت کا ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے پیروکار بہت جلد با آسانی معاشی ترقی حاصل کر لیتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس حالات اس مذہب کے سبب رونما ہوتے ہیں جہاں مذہب جامد ہو کر رہ گیا ہو۔ اگر کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو سمندری سفر پر جانے سے روکے تو ظاہر ہے کہ محنت کی حرکت پذیری مسدود ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں موثر معاشی ترقی جنم نہیں لے گی۔ اگر کوئی مذہب انسان کو ترک ذات، ترک دنیا اور مادی خوشحالی سے ماورا ہونے کی تلقین کرتا ہو تو ایسے حالات میں بھی معاشی ترقی کا حلقہ اثر محدود ہو جائے گا۔ جو مذہب یہ کہے کہ ''کھاؤ پیو مگر اعتدال کے ساتھ'' اور ساتھ ہی دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے کئی اقدامات بطور فرائض کے ہر کسی پر عائد کرتا ہو تو اس کے پیروکار معاشی ترقی کی دوڑ میں بازی لے جائیں گے۔

5.2 مشترکہ خاندان

لوگوں کا انفرادی خاندان یا مشترکہ خاندان کی صورت میں رہائش پذیر رہنا بھی معاشی ترقی کو متاثر کرتا ہے جس طرزِ زندگی میں کسی فرد کو یہ معلوم ہو کہ جو کچھ وہ کمائے گا وہ اسی کا ہے تو وہ زیادہ بچت کر کے سرمایہ کاری کرنے اور خطرہ مول لینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہا ہے۔ ایسے حالات میں محنت کی حرکت پذیری اور سرمایہ کی فراہمی خاطر خواہ طور پر مثبت کردار ادا کریں گے اس کے برعکس اگر کوئی ذہین فرد مشترکہ خاندانی نظام میں زندگی گزارتا ہو تو اس کے کمائی بڑھانے، زیادہ بچت کرنے اور کاروباری ذمہ داریاں قبول کرنے کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کمائے گا، وہ اس مشترکہ کھاتے میں جمع ہو جائے گا جہاں سے خاندان کے کم ذہین اور کم مستعد لوگوں کو بھی اس کے برابر حصہ ملے گا۔ زیادہ اور کم مستعد، زیادہ

اور کم محنتی دونوں طرح کے اراکین خاندان کے ساتھ آمدنی کی تقسیم میں یکساں سلوک کارکردگی اور ترقی کے جذبہ و احساس کو زنگ لگا دیتا ہے۔ انسان کے سامنے کارکردگی کو بہتر کرنے کا کوئی محرک موجود نہیں ہوتا۔ اس طرح معاشی ترقی بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔

5.3 قومی احساسِ برتری

قومی احساسِ تفاخر نے معاشی ترقی کے لیے مہمیز کا کام انجام دیا ہے۔ جاپان نے 1868ء کے بعد محض اسی قومی جذبہ کے تحت جدید طرز کی ترقی حاصل کی۔ یونان والے سکندرِاعظم کے دور کو سنہری دور مان کر اسی شان و شوکت کے دوبارہ حصول کو اپنا قومی اعزاز سمجھتے ہیں۔ مسلمان حضرت عمرؓ کے زمانے میں مروج اسلامی نظام کو اپنا آئیڈیل تصور کر کے معاشی سرگرمیوں کو اس نہج پر استوار کرتے ہیں کہ جلد سے جلد نشاۃ ثانیہ کی منزل قریب آ جائے۔ قومی احساس برتری نے ہی چین کو 1949ء کے بعد شاہراہ ترقی پر ڈالا۔ یہی جذبہ سنہ 1776ء سے امریکہ میں کارفرما ہے کہ جس کی بدولت آج وہ ترقی کی انتہائی رفعتوں سے ہمکنار ہے۔

5.4 سماجی طرزِعمل

کچھ معاشروں میں یہ رسم ہے کہ آدمی کی قدر و منزلت کا تعین اس کے کام کی بجائے اس بات سے کرتے ہیں کہ وہ کس خاندان یا قبیلے سے تعلق رکھتا ہے کہیں کہیں اس کے برعکس طرزِعمل بھی پایا جاتا ہے۔ جہاں کہیں آدمی کی وقعت کا تعین اس کی کارکردگی سے کیا جائے گا وہاں معاشی ترقی سہل تر اور جلد تر رونما ہو گی۔ جہاں آدمی کو اُس کی ذات یا برادری کے حوالے سے شناخت کیا جائے وہاں جوہر قابل دم توڑ دیتا ہے اور معاشی ترقی روبہ زوال ہو جاتی ہے۔

5.5 تعلیم و تربیت

جس ملک میں تعلیمی سطح بلند ہو گی، فنی ماہرین کی تعداد زیادہ ہو گی اور تربیتی ادارے مستعد ہوں گے تو وہاں ڈاکٹروں، نرسوں، پروفیسروں، منتظمین، افسروں، کارندوں، ہنرمندوں اور کاریگروں کی بھرمار ہونے کے باعث معاشی ترقی کی رفتار تیز ہو گی۔ جہاں اس کے برعکس جہالت سایہ فگن ہو گی وہاں معاشی تنزل کے آثار نمایاں ہوں گے۔

5.6 اقدار اور ادارے

کسی معاشرہ کی اقدار اور ادارے جن پر اس کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، بھی معاشی ترقی میں بنیادی کردار ادا

کرتے ہیں۔ کچھ قوموں کے نوجوانوں میں ہوٹلوں اور سینماؤں میں وقت ضائع کرنے کا فیشن ہے۔ سیاست اور مذہبی باریکیوں پر بحث کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ جذباتی نعرے لگانا، جلسہ اور جلوس میں شرکت کرنا ان کا روزمرہ کا معمول ہے۔ ایسے معاشروں میں معاشی ترقی کے امکانات محدود ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں لوگ وقت کی قدر جانتے ہیں، جذباتیت سے مبرا رہتے ہیں، جلسے، جلوسوں اور ہنگاموں سے پرہیز کرتے ہیں وہ بہت جلد عقلیت پسندی کے راستے پر چل کر معاشی ترقی کی رفعتوں کو پا لیتے ہیں۔

5.7 اہم نکات

1۔ معاشی ترقی کا دارومدار سیاسی، انتظامی اور سماجی و ثقافتی عوامل پر بھی ہوتا ہے۔

2۔ سیاسی عوامل کے مفید یا مضر ہونے کی پہچان اس بات سے کی جاتی ہے کہ آیا حکومت ترقی کی جھکاؤ رکھتی ہے یا نہیں۔ ترقی کی دلدادہ حکومت معاشی ترقی میں معاون ہوتی ہے۔

3۔ جمہوری حکومت عوام سے کئے ہوئے وعدوں کا پاس نباہنے کے لیے معاشی ترقی کی رفتار تیز رکھتی ہے جبکہ آمریت میں ایسا نہیں ہوتا۔

4۔ پائیدار حزبِ اختلاف حکومت کو صراطِ مستقیم سے بھٹکنے پر ٹوکتی ہے جس کی وجہ سے وہ معاشی ترقی کا پروگرام درست انداز میں چلاتی رہتی ہے۔

5۔ مستعد انتظامیہ، معاشی منصوبوں کی تیاری، نفاذ اور عملی نتائج کے سلسلے میں بہت معاون ثابت ہوتی ہے۔

6۔ معاشی سرگرمیاں پُرامن حالات میں ہی نشوونما پاتی ہیں۔

7۔ معاشی ترقی کے لیے سرکاری انتظامیہ کا باصلاحیت ہونا ضروری ہے۔ مستعد انتظامیہ کی ضمانت اس وقت دی جا سکتی ہے جب لائق ترین لوگوں کو انتظامیہ کا رکن بننے کے مراحل سے گزارا جائے۔

8۔ مستعد انتظامیہ اپنے فرائض اسی وقت خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہے جب اس کی شرائط ملازمت بہتر ہوں۔

9۔ انتظامیہ کا احتساب بہت ضروری ہے وگرنہ وہ بے قابو ہو کر نوکر شاہی کی راہ ہموار کر دیتی ہے جو خود ایک لعنت ہے۔

10۔ انتظامیہ میں دراڑیں پیدا کرنے والی بداعمالیوں کا تدارک بہت ضروری ہے ورنہ یہ اعمال حسنِ کارکردگی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔

11۔ سماجی و ثقافتی عوامل میں مذہب سب سے اہم عامل ہے۔ جو مذہب ہر کام اعتدال سے کرنے کی تلقین کرتا ہے وہ معاشی ترقی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

12۔ مشترکہ خاندانی نظام جو ہر قابل کی صلاحیتوں کے اظہار اور استعمال میں سدِّ راہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اسے اپنی محنت کا صحیح ثمر ملنے کی توقع نہیں ہوتی۔

13۔ قومی احساسِ تفاخر نے جاپان، چین اور امریکہ میں معاشی ترقی کو تیز کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

14۔ جہاں آدمی کی قدر پیسے، ذات یا برادری سے ہوتی ہے وہاں معاشی ترقی کے امکانات محدود ہوتے ہیں۔

15۔ تعلیم و تربیت کی توسیع اور لوگوں کی عادات و مزاج بھی معاشی ترقی میں معاون بنتے ہیں۔

5.8 خود آزمائی

1۔ خالی جگہیں پُر کیجیے۔

(i) جو حکومت معاشی ترقی کی شوقین ہوتی ہے، اس کے زیر اثر معاشی ترقی کی رفتار.......... ہوتی ہے۔

(ii) آمریت میں معاشی ترقی کی رفتار .... ہو جاتی ہے۔

(iii) مضبوط حزبِ اختلاف کی موجودگی معاشی ترقی کی رفتار کو......................... رکھنے میں بالواسطہ طور پر مؤثر ہوتی ہے۔

(iv) غیر مستعد انتظامیہ کے سبب معاشی ترقی کی رفتار .... ہو جاتی ہے۔

(v) بہتر شرائط ملازمت کی بنا پر انتظامیہ معاشی ترقی کی رفتار .... رکھ سکتی ہے۔

2۔ معاشی ترقی میں مؤثر حصہ ادا کرنے کے لیے کیا انتظامیہ کا احتساب بے حد ضروری ہے۔

ہاں	نہیں

3۔ جو مذہب سمندر پار جانے کو گناہ تصور کرتا ہو وہ معاشی ترقی میں معاون ہوتا ہے یا رکاوٹ۔

معاون	رکاوٹ

4۔ مشترکہ خاندانی نظام جو ہر قابل کی ترقی کی راہ میں دشواریاں حائل کرتا ہے یا آسانیاں۔

دشواریاں	آسانیاں

5۔ جہاں آدمی پیسے کے حوالے سے پہچانا جائے یا اپنی برادری کے ناطے سے وہاں معاشی ترقی تیز ہوگی یا آہستہ۔

تیز	آہستہ

6۔ جہاں لوگ عقل کے بجائے جذباتیت کو اپنا رہنما سمجھیں، شاہراہ ترقی پر وہ جلد گامزن ہوں گے یا بدیر۔

جلد	بدیر

7۔ کیا احساسِ قومیت نے مختلف قوموں کو معاشی ترقی کے ثمرات سے بہرہ ور کیا ہے؟

ہاں	نہیں

8۔ معاشی ترقی میں سیاسی عوامل کا کیا کردار ہے، اُجاگر کیجئے۔

جواب کے لیے دیکھئے (3.1 تا 3.5)

9۔ انتظامی عوامل کا معاشی ترقی میں مقام تلاش کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے (4.1 تا 4.4)

10۔ سماجی اور ثقافتی عوامل کا معاشی ترقی میں کیا حصہ ہے بحث کیجئے۔

جواب کے لیے دیکھئے (5.1 تا 5.6)

5.9 جوابات

(1) (i) تیز (ii) آہستہ (iii) تیز (iv) آہستہ (v) تیز

(2) ہاں   (3) رکاوٹ   (4) دشواریاں

(5) آہستہ   (6) جلد   (7) ہاں

فرہنگ

1۔ جدت پسند ناظم (Innovating Enterpreneur) — ایسا ناظم جو کوئی نئی چیز بازار میں متعارف کرائے یا اسے نئے طریقے سے پیدا کرے وغیرہ۔

2۔ سست رو ناظم (Drone Enterpreneur) — ایسا ناظم جو تبدیلی پر آمادہ نہ ہو

3۔ شرح سرمایہ و پیداوار (Capital output ratio) — پیداوار میں ایک فیصد اضافہ کرنے کے لیے جتنے فیصد سرمایہ درکار ہو۔

4۔ مداخل (Input) — کسی شے کی تیاری یا پیدائش کے لیے ضروری سامان اور خام مال وغیرہ۔

5۔ مکمل منڈی (Perfect Market) — ایسی منڈی جس میں قیمتوں کا تعین صرف اور صرف طلب و رسد سے ہوتا ہے۔

6۔ نقال ناظم (Imitative Enterpreneur) — ایسا ناظم جو جدت پسند ناظم کی ہر شعبہ میں نقل کرتا ہو۔

کتب برائے مطالعہ

1. Economic Development
   by: Meier & Baldwin
2. Economic Development
   (Patterns & Principles)
   by: Williamson & Butterick)

3۔ معاشیات پاکستان از منظور علی شیخ

4. Economic Development of Pakistan
   by: Dr. S. M. Akhtar

5۔ نظریاتی معاشیات (پاکستان کی معاشی ترقی)
باب نمبر 3 ۔ از ڈاکٹر محمد حسین چوہدری

یونٹ 3

منصوبہ بندی کے مسائل

تحریر
اقبال بخت

فہرست

	مقاصد	84
1۔	منصوبہ بندی کی ضرورت	85
1.1	تعارف	85
1.2	مثال	85
1.3	مختلف آرا	85
1.4	تقابل	86
1.5	قیمتوں کی میکانیت	86
1.6	منصوبہ بندی کی ضرورت	87
1.7	ملی جلی معیشت	91
1.8	اہم نکات	91
1.9	خود آزمائی	92
1.10	جوابات	94
2۔	منصوبہ بندی کے لوازمات	95
2.1	تعارف	95
2.2	منصوبہ ساز ادارہ	95
2.3	منصوبہ کی نوعیت	96
2.4	منصوبہ کی مدت	98
2.5	اہداف کا تعین	99
2.6	وسائل کی فراہمی	99
2.7	ترجیحات کا فیصلہ	100

2.8	عملدرآمد	101
2.9	اہم نکات	102
2.10	خود آزمائی	103
2.11	جوابات	105

3۔ مؤثر منصوبہ بندی میں موانع عوامل 106

3.1	تمہید	106
3.2	سرمایہ کی قلت	106
3.3	زرعی مجبوریاں	107
3.4	افراطِ آبادی	107
3.5	اعداد و شمار کی قلت	108
3.6	ماہرین کی کمی	108
3.7	منصوبہ سازوں کی قلت	109
3.8	کوتاہیاں اور بے انتظامیاں	109
3.9	افراطِ زر	110
3.10	محدود برآمدات	110
3.11	اجتماعی لائحہ عمل	111
3.12	اہم نکات	111
3.13	خود آزمائی	112
3.14	جوابات	113
	فرہنگ	113
	کتب برائے مطالعہ	114

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کو پڑھنے کے بعد آپ پر واضح ہو جانا چاہیے کہ:

1۔ کسی ملک میں منصوبہ بندی کی ضرورت کیوں محسوس کی جاتی ہے؟

2۔ منصوبہ بندی کرنے سے کسی معیشت کو کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

3۔ منصوبہ سازی کے وقت ماہرین کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

4۔ وہ کیا ممکنہ موانعات ہیں کہ جن کے سبب کسی ملک میں مؤثر منصوبہ بندی کا کام متاثر ہوجاتا ہے۔

1۔ منصوبہ بندی کی ضرورت

1.1 تعارف

بیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی سے منصوبہ بندی کے تصورات اور نظریات نے اہمیت حاصل کرنا شروع کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد تو اس کی افادیت سے کسی کو بھی انکار نہ رہا۔ 90-1980ء کی دہائی میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں معاشی منصوبہ بندی پر عمل نہ کیا جاتا ہو۔ مختلف ممالک نے معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے معاشی ترقی کے وہ عظیم فائدے حاصل کیے ہیں کہ جن کو دیکھ کر پسماندہ ممالک کے لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔ ویسے بھی کثیر فائدوں کا حصول اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب معاشی ترقی کے پروگراموں کو باقاعدہ کسی نظم وضبط کے تحت شروع کیا جائے۔ یونہی بے خیالی میں شروع کیا ہوا کام مفید نتائج کا حامل نہیں ہوتا۔

1.2 مثال

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں بہت سے کام ٹائم ٹیبل بنا کر، باقاعدگی اور نظم وضبط کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اسی طرزِ عمل کو اگر معاشی ترقی کے حصول کے لیے اختیار کر لیا جائے تو سادہ الفاظ میں اسے معاشی منصوبہ بندی کہا جا سکتا ہے۔فنی طور پر تو معیشت دانوں نے معاشی منصوبہ بندی کی جدا جدا تعریفیں پیش کی ہیں، آیئے ذرا مختصر سا جائزہ ان تعریفوں کا لے لیا جائے جو کم وبیش مستند مانی جاتی ہیں۔

1.3 مختلف آرا

1۔ پروفیسر آرتھر لیوس (Arthur Lewis) کے مطابق ایسا معاشی ضابطہ جس میں ملک کے معاشی مسائل کا خاکہ، سرکاری اخراجات کی فہرست اور نجی شعبہ کی کارکردگی کو باہم مربوط کر دیا جائے، معاشی منصوبہ بندی کہلاتا ہے۔

2۔ ڈسکنسن (Diskenson) کے بقول معاشی منصوبہ بندی سے مراد ملک کے کسی بااختیار ادارے کے وہ معاشی فیصلے ہیں جن کا تعلق اُن امور سے ہے کہ کیا پیدا کیا جائے، کیسے پیدا کیا جائے، کس کے لیے پیدا کیا جائے اور کتنی مقدار میں پیدا کیا جائے۔

3۔ پروفیسر ایل جے ویلنسکائی (L. J. Walinsky) کے مطابق معاشی منصوبہ بندی وہ ضابطہ

ہے جس میں ذرائع کا صحیح جائزہ لے کر ہدف مقرر کیے جاتے ہیں اور پھر ان کے حصول کے لیے معاشی پالیسیاں وضع کی جاتی ہیں جنہیں مختلف ادارے عملی جامہ پہناتے ہیں۔

4۔ ڈاکٹر بنجمن ھگنز (Dr. Benjamine Higgins) کا کہنا ہے کہ معاشی منصوبہ بندی سرکاری پراجیکٹوں، نجی شعبے کی کاروباری سرگرمیوں اور معاشرتی بہبود کے پروگراموں پر مشتمل ایک منضبط خاکہ ہے۔

1.4 تقابل

معاشی منصوبہ بندی کی ان تعریفوں کے تقابل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پروفسر ایل جے ویلن سکائی کی بیان کردہ تعریف زیادہ قابلِ قبول ہے ہم اپنی تمام زندگی میں بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی مسئل درپیش ہوتو ہم پہلے اس کا تجزیہ کرتے ہیں، اسے حل کرنے کے لیے اپنے وسائل پر غور کرتے ہیں اور پھر منزلِ مقصود تک رسائی کے لیے ان وسائل کا سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں۔اسی طرزِ عمل کو ذرا پھیلا کر اگر کل ملک پر محیط کر دیا جائے تو یہ کام معاشی منصوبہ بندی کے نام سے موسوم ہوگا۔ معاشی منصوبہ بندی میں ہم پہلے ترقی کا ہدف مقرر کر لیتے ہیں، پھر اسی کے حصول کے لیے وسائل جمع کرتے ہیں اور آخر میں ان وسائل کو مقصد کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔
معاشی منصوبہ بندی کی مختلف تعریفوں اور حتمی تعریف کے چناؤ کے بعد ان امور کا جائزہ لیں کہ جن کی روشنی میں منصوبہ بندی کی ضرورت اہم قرار پاتی ہے۔

1.5 قیمتوں کی میکانیت

سرمایہ داری کے نظام میں وسائل کی تخصیص کا کام ''قیمتوں کی میکانیت'' کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔طلب و رسد کی قوتیں وسائل کو ایک شعبے سے دوسرے شعبے میں منتقل کرتی رہتی ہیں۔ ہر فرد کو چونکہ ذاتی منفعت کے حصول کی آزادی ہوتی ہے اس لیے ہر فرد اس شعبے میں سرمایہ کاری کرتا ہے جہاں منافع کی شرح زیادہ ہو۔ ایسے حالات میں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کم منافع دینے والے مگر قومی افادیت کے لحاظ سے اہم ترین شعبوں میں سرمایہ کاری نہیں ہوتی۔ سرمایہ کار ان شعبوں سے دست کش ہو جاتے ہیں۔بعض اوقات نجی سرمایہ نہایت قلیل المدت شعبوں میں استعمال ہونے لگتا ہے اور طویل مدت کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اس پس منظر میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ سرکاری سطح پر ایسے اقدامات کیے جائیں کہ قومی تقاضے پورے ہوں اور معاشی ترقی کا عمل جاری رہ سکے۔ یہاں معاشی منصوبہ بندی کی ضرورت و افادیت کا احساس دامن گیر ہوتا ہے۔

1.6 منصوبہ بندی کی ضرورت

معاشی منصوبہ بندی جن امور کے پیش نظر ضروری ہوتی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(1) معاشی ترقی کی تیز رفتاری

ہر معیشت میں کئی ایسے شعبے ہوتے ہیں جہاں کئی مجبوریوں کے پیش نظر نجی افراد سرمایہ کاری کرنا پسند نہیں کرتے۔ پاکستان میں ایسے شعبوں میں تربیلہ بند، قاسم پورٹ اور نہروں کی تعمیر وغیرہ شامل ہیں۔ یہ شعبے بنیادی طور پر طویل مدت ہوتے ہیں۔نجی شعبے طویل عرصے تک منافع کا انتظار نہیں کر سکتے۔اس لیے وہ ایسے شعبوں سے دست کش ہو جاتے ہیں۔اگر حکومت ان شعبوں کے لیے منصوبہ بندی نہ کرے تو یقیناً ملک میں معاشی ترقی کی رفتار سست پڑ جائے گی۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی ملک تیز تر معاشی ترقی کا خواہاں ہوتو اسے ایسی ترقی کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت پیش آتی ہے۔نجی شعبوں کی ترقی کے ساتھ منصوبہ بند شعبے بھی روبہ ترقی ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ادھوری ترقی معیشت کے لیے مفید رہتی ہے۔

(2) وسائل کا صحیح استعمال

اگر پیدائش دولت کا کام صرف نجی شعبے کے سپرد کر دیا جائے تو ممکن ہے وہ ایسی اشیاء کی پیدائش میں دلچسپی کا اظہار شروع کر دیں جو قومی مفاد میں نہ ہوں یا جنہیں ضروریاتِ زندگی میں شمار نہ کیا جاتا ہو۔ منڈی کو طلب و رسد کی قوتوں کے حوالے سے اس امر کا امکان رہتا ہے کہ نجی افراد چرس، بھنگ، افیم جیسی منشیات کی پیدائش، تجارت اور فروخت سے وابستہ ہونے کو اس لیے ترجیح دیں کہ ان شعبوں میں شرح منافع زیادہ ہے۔ ان اشیا کی پیدائش اور کھلی تجارت صحت عامہ کے خلاف ہے۔ ان چیزوں پر پابندی لگا کر حکومت منصوبہ بندی کے ذریعے وسائل کا رُخ دودھ، روٹی، مکھن، آئس کریم اور دوسری صحت افزا اشیا کی پیدائش کی طرف موڑ سکتی ہے۔ منصوبہ بندی کے ذریعے ہی عیاشی اور زیبائش کے سامان کی پیدائش کی حوصلہ شکنی ممکن ہے۔ غیر پسندیدہ اشیاء کی روک تھام کر کے حکومت وسائل کے بہتر مصرف کی ضمانت دے سکتی ہے۔

(3) بیروزگاری کا تدارک

قیمتوں کے نظام پر مکمل طور پر بھروسہ کر کے آزاد معیشت میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا جا سکتا کہ بیروزگاری کا مسئلہ سر نہ اُٹھائے۔ 1929ء سے شروع ہونے والے عالمی کساد بازاری اور بیروزگاری کے دور نے

سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی کا پول کھول دیا کہ اس نظام میں وسائل کے خوب تر استعمال کی بدولت روزگار کے مواقع بڑھتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ 1929ء جیسی کساد بازاری اور بیروزگاری کو روکنا نجی کارخانہ داروں کے بس کی بات ہے بھی نہیں۔ اس عظیم مقصد کے لیے حکومت ہی منصوبے بنا سکتی ہے۔ وہ لوگوں کو برسرِ روزگار کرنے کے لیے ایسے قلیل اور طویل مدت منصوبے بنا سکتی ہے جن کی بنیادی غرض و غایت روزگار کے مواقع میں اضافہ ہو۔

(4) علاقائی عدم مساوات کی بیخ کنی

معاشی ترقی کے لحاظ سے اور قدرتی وسائل کے دستیابی کے اعتبار سے کسی بھی ملک کے تمام علاقے یا صوبے یا شہر یکساں طور پر بہرہ ورنہیں ہیں۔کہیں آبادی گنجان ہے، کہیں تیل کے کنویں ہیں، کہیں صنعتی کارخانے زیادہ ہیں۔ چنانچہ ہرصوبہ یا علاقہ معاشی ترقی کے لحاظ سے علیحدہ مرتبہ و مقام رکھتا ہے۔ قیمتوں کے آزادانہ نظام کی بدولت علاقائی تفاوت میں اضافہ رونما ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ علاقے مزید ترقی سے ہمکنار ہونے لگتے ہیں اورغریب علاقے غریب ہی رہ جاتے ہیں۔ اس علاقائی عدم مساوات کومنصوبہ بندی کے ذریعے ہی سے دور کیا جا سکتا ہ۔ حکومت اپنی نگرانی میں قائم ہونے والے اداروں اور کارخانوں کا قیام ان علاقوں میں عمل میں لاتی ہے جونسبتاً زیادہ غریب اور پسماندہ ہوتے ہیں۔حکومت کی پیروی کرتے ہوئے نجی سرمایہ دار بھی ان علاقوں میں سرمایہ کاری شروع کرتے ہیں۔ اس طرح پسماندہ علاقوں پر بھرپور اور دوہری توجہ ہو جانے کے باعث علاقائی معاشی تفاوت سکڑنے لگتا ہے۔

(5) منصفانہ تقسیم دولت

معاشی منصوبہ بندی اس لیے بھی کسی ملک کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہاں تقسیم دولت غیر منصفانہ ہوتو اس کا باآسانی تدارک کیا جا سکتا ہو۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں قومی دولت یا پیداوار پر چند گھرانے قابض ہوتے ہیں۔ یہ امیر طبقہ وقت گزرنے کے ساتھ امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب لوگ غریب تر۔ منڈی کے نظام کوطلب و رسد کی خودکارقوتوں کے حوالے کر کے نامنصفانہ تقسیم دولت کے مسئلے کا حل تلاش نہیں کیا جا سکتا بلکہ ماہرین تو یہ کہتے ہیں کہ تقسیم دولت کا غیر منصفانہ ہونا ہی سرمایہ داری کے نظام کا ایک منطقی تقاضا ہے۔ انسانی ہمدردی اور قومی تقاضوں کے پیش نظر ضروری ہے کہ حکومت اس مسئلے سے نمٹنے کے اسباب کرے۔ حکومت منصوبہ بندی کے تحت ٹیکسوں کے نظام میں رد و بدل کر کے غریب طبقے کونسبتاً زیادہ فائدہ پہنچا کر دونوں طبقوں کے

مابین پایا جانے والا تفاوت دور کر سکتی ہے۔

(6) توازن ادائیگی کی بہتری

منصوبہ بندی کے ذریعے اس بات کا بھی اہتمام کیا جا سکتا ہے کہ ملک کے توازن ادائیگی کی اصلاح ہو سکے۔ بیشتر ترقی پذیر ممالک اس مسئلے سے دوچار ہیں کہ ان کی درآمدات زیادہ اور برآمدات کم ہیں۔ غیر مرئی حسابات میں بھی ملک کی وصولیات کم اور واجبات کثیر ہیں۔ اس قسم کے غیر موافق توازن کی ادائیگی کو منڈی کی طلب و رسد والی قوتوں کی وساطت سے درست نہیں کیا جا سکتا۔ اس قدر اہم مسئلے سے نبرد آزما ہونے کے لیے حکومت کی مداخلت ضروری ہوتی ہے۔ حکومت منصوبہ بندی کے تحت درآمدات پر فی الفور پابندی لگا کر، برآمدات کو فروغ دے کر، درآمدات کے متبادلات اندرون ملک تیار کر کے توازن ادائیگی کی حالت کو بہتر بنا سکتی ہے۔ اکثر ملکوں میں حکومتوں نے غیر ملکی تجارتی پالیسی کے تحت توازن ادائیگی میں اصلاح کی۔

(7) حقوق کی نگہداشت

نجی شعبہ چونکہ ذاتی منفعت سے تحریک پاتا ہے اس لیے وہ مزدوروں کے استحصال سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اگر ملکی معاشی ترقی کا سارا کام کھلی منڈی کی قوتوں کے سپرد کر دیا جائے تو استحصال میں مزید شدت پیدا ہو جائے گی۔ استحصال، دولت کی تقسیم کو غیر منصفانہ بنا دیتا ہے۔ نجی شعبہ ازخود استحصال کے خاتمے کے لیے کوئی قدم نہیں اُٹھاتا، تاآنکہ حکومت منصوبہ بندی کے زمرے میں ''کم از کم اُجرتوں'' کا قانون نافذ نہ کر دے اس کے علاوہ عالمی کساد بازاری کے دوران حکومت منصوبہ بندی کے تحت مزدوروں کو ''بیروزگاری الائنس'' دے کر ان کے حقوق کی نگہداشت کا فرض انجام دیتی ہے۔ تالہ بندی کی صورتوں میں بھی حکومت مصالحتی بورڈوں کے ذریعے مداخلت کرتی ہے اور مزدوروں کو ان کا جائز حق دلوانے کی کوشش کرتی ہے۔

(8) صائب فیصلے

کسی بھی نجی فرد یا گروہوں کے مقابلے میں حکومت کے وسائل زیادہ کثیر ہوتے ہیں۔ سرمایہ کاری، بچت، صنعت کاری یا تعلیم و تربیت کے بارے میں بہتر فیصلے کرنے کی جو صلاحیت حکومت کی ہے وہ نجی شعبے میں نہیں ہوتی۔ حکومت، ماہرین کی خدمات لے کر منصوبہ سازی کرتی ہے اور دُور اندیشی پر مبنی جو ماہرانہ فیصلے وہ کرتی ہے، اس کی توقع نجی شعبے سے نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ حکومت کے پیش نظر انفرادی کی بجائے قومی مفاد ہوتا ہے، اس کا مطمح نظر موجودہ کی بجائے آئندہ نسلوں تک پھیلا ہوا ہوتا ہے، اس لیے اس کے فیصلے زیادہ مفید، کارآمد، دیرپا اور صائب

ہوتے ہیں۔ دانش مندانہ فیصلوں تک پہنچنے کے لیے مؤثر منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر ماہرین منصوبہ بندی کے جواز میں دانشمندانہ فیصلوں کے حوالے سے یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ ''پہاڑی پر موجود سپہ سالار میدان میں صف آرا سپاہیوں کے مقابلے میں زیادہ دور تک دیکھ سکتا ہے۔''

(9) ہم آہنگی

معاشی جدوجہد کے ضمن میں سرمایہ داری کے نظام کا ہر رکن آزادانہ طور پر نقل وحرکت کرسکتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سبھی افراد ایک جیسا کام شروع کر دیتے ہیں اور غیر ضروری طور پر ایک ہی شعبہ میں دھڑا دھڑ سرمایہ کاری ہونے لگتی ہے۔ بے تحاشا سرمایہ کاری کی بدولت اس شعبہ کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے جبکہ دیگر شعبے تشنہ رہ جاتے ہیں۔ اس بے ہنگم کیفیت کو قیمتوں کی میکانیت ازخود درست کرنے سے قاصر ہے۔ اس بے ترتیبی اور انتشار کے انسداد کے لیے منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ سرمایہ کے غیر ضروری مصرف کو روکا جا سکے۔ معاشی جدوجہد میں ہم آہنگی، یگانگت اور حسنِ ترتیب دراصل معاشی منصوبہ بندی کا ہی مرہونِ منت ہے۔ بے جگہ اور غیر ضروری شعبوں میں اندھادھند سرمایہ کاری کے رجحان کی حوصلہ شکنی کے لیے ضروری ہے کہ معیشت کے تمام شعبوں کی منصوبہ بندی کی جائے۔ پروگراموں کی موافقت، شعبوں کا اتصال، پروجیکٹوں کی ہم آہنگی اور معاشی جدوجہد کی باہمی رفاقت نتائج کے اعتبار سے بہت افادیت کی حامل ہیں۔

(10) کثیر سرمایہ سازی

معاشی ترقی کا دارومدار سرمایہ کی فراہمی پر ہوتا ہے۔ معاشی جدوجہد ہرنئی مرتبہ یا ہرنئے سال سرمایہ سازی میں اضافہ کا موجب بنتی ہے۔ اگر معاشی جدوجہد کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو عام لوگ ہر سال جو نیا سرمایہ پیدا کریں گے اسے ذاتی صرفی مقاصد یا عیاشی کی نذر کر دیں گے جبکہ منصوبہ بندی کے تحت ایسا نہیں ہوتا۔ ہر نئے سال جو نیا سرمایہ پیدا ہوتا ہے وہ حکومت ٹیکسوں یا قرضوں کی شکل میں چھین سکتی ہے۔ منصوبہ بندی کے تحت نئے سرمایہ کا نجی افراد سے سرکاری ملکیت میں منتقل ہونا ایک خوش آئند قدم تصور کیا جاتا ہے۔ حکومت جو سرمایہ اکٹھا کرتی ہے اسے مزید سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرسکتی ہے۔ اس طرح سرمایہ کی کثیر فراہمی کی بدولت معاشی ترقی کی شرح پہلے سے بڑھ جاتی ہے جو فرد اور قوم دونوں کے لیے سودمند کہلاتی ہے۔

(11) غیر مکمل مقابلہ کی خامیوں سے نجات

منصوبہ بندی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے غیر مکمل مقابلہ کی کئی بے جا خرابیوں سے نجات کا

راستہ مل جاتا ہے۔ غیر مکمل مقابلہ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں کم و بیش ایک جیسی اشیا کو فروخت کرنے کے لیے ناظمین بے جا طور پر کثیر سرمایہ، پبلسٹی اور اشتہار بازی پر خرچ کر دیتے ہیں۔ منصوبہ بندی کی ضرورت اس لیے بھی محسوس ہوتی ہے کہ ان کثیر اخراجات سے خلاصی مل جائے۔ حکومت منصوبہ بندی کے تحت ان اشیا کی قیمت مقرر کرسکتی ہے، اشتہار بازی پر اخراجات کا کوٹہ معین کرسکتی ہے، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر ایک مخصوص یعنی زیادہ سے زیادہ وقت اشتہار بازی کے لیے وقف کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اشتہار بازی سے بچنے والا پیسہ نجی کمپنیاں اشیا کی اصلاح کے لیے استعمال کرسکتی ہیں۔

1.7 ملی جلی معیشت

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر موجودہ زمانے میں تقریباً ہر ایک ملک نے منصوبہ بندی کو اپنایا ہوا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ منصوبہ بند شعبوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ خالص سرمایہ داراہ نظام اپنی ساخت اور ہیئت بدل رہا ہے۔ اب اسی نظام میں نجی شعبے کے ہمراہ منصوبہ بند شعبے بھی کام کر رہے ہیں اور اسی وجہ سے اب اس طرز کی معیشت کا نام ''ملی جلی معیشت'' (Mixed Economy) رکھا گیا ہے۔

1.8 اہم نکات

1۔ بیسویں (20) صدی کے تیسرے حصے سے معاشی منصوبہ بندی کے تصور نے اہمیت اختیار کی۔
2۔ منصوبہ بندی کی وساطت سے کئی ملکوں نے معاشی ترقی کے کثیر فائدے حاصل کیے۔
3۔ معیشت دانوں نے منصوبہ بندی کے تصور کی مختلف انداز میں وضاحتیں کی ہیں۔ آرتھر لیوس، ڈکنسن، ویلنسکائی اور ڈاکٹر ھگنز نے علیحدہ علیحدہ طور پر منصوبہ بندی کے تصور کو واضح کیا ہے۔ البتہ ویلنسکائی کی تعریف حقیقت کے زیادہ نزدیک ہے۔
4۔ سرمایہ داری کے نظام میں وسائل کی تخصیص کا بنیادی فیصلہ ''قیمتوں کی میکانیت'' کرتی ہے۔ کئی امور ایسے ہیں جہاں قیمتوں کا نظام مطلوبہ نتائج دکھانے سے قاصر رہتا ہے، یہاں منصوبہ بندی کی ضرورت پیش آتی ہے۔
5۔ جن شعبوں میں نجی سرمایہ کار شریک ہونا نہ چاہتے ہوں، ان کو منصوبہ بندی کے ذریعے حکومت خود سنبھال سکتی ہے۔
6۔ وسائل کے درست استعمال کی ضمانت منصوبہ بندی ہی کے ذریعے دی جا سکتی ہے۔

7۔ بیروزگاری جیسے اہم مسئلہ کا حل منصوبہ بندی میں مضمر ہے۔

8۔ معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے ہی علاقائی معاشی بُعد کو کم کیا جا سکتا ہے۔

9۔ امیر اور غریب طبقوں کے درمیان دولت کی غیر مستحسن تقسیم کا مسئلہ قیمتوں کے ذریعے حل نہیں ہوسکتا، معاشی منصوبہ بندی ہی اس کا حل ہے۔

10۔ اگر ملک کا توازن ادائیگی غیر موافق ہو تو اس کی درستی کا کام منصوبہ بندی انجام دے سکتی ہے جبکہ طلب و رسد کا منڈی والا نظام اس مسئلہ پر قابو نہیں پا سکتا۔

11۔ مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت معاشی منصوبہ بندی کے ذریعے دی جا سکتی ہے۔

12۔ حکومت منصوبہ سازی کے ذریعے دانش مندانہ اور صائب فیصلے کرتی ہے جبکہ نجی افراد کے فیصلے اتنے ٹھوس اور دُوراندیش نہیں ہوتے۔

13۔ مختلف شعبوں میں باہمی یگانگت کا مظاہرہ کر کے فضول قسم کی لاگتوں کو کم کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام منصوبہ بندی کی وساطت سے ممکن ہے۔

14۔ اگر منصوبہ بندی نہ ہو تو ہر سال نیا وجود میں آنے والا سرمایہ عیاشی کی نذر ہوسکتا ہے مگر منصوبہ بندی کے ذریعے اسے مفید تر کاموں کے لیے حاصل کر لیا جاتا ہے۔

15۔ منصوبہ بندی کی ضرورت اس لیے بھی پیش آتی ہے کہ غیر مکمل مقابلہ کی خامیوں سے چھٹکارا مل سکے۔

1.9 خود آزمائی

1۔ کس ماہر معاشیات کی منصوبہ بندی کے بارے میں بیان کردہ تعریف عموماً زیادہ قابلِ قبول مانی گئی ہے۔

آرتھر لیوس
ڈاکٹر ھگنز
ویلن سکائی

2۔ سرمایہ داری کے نظام میں وسائل کی تخصیص کا فیصلہ کون کرتا ہے؟

قیمتوں کی میکانیت

موٹروں کی میکانیت
صوبائی حکومت

3۔ کیا ''قیمتوں کی میکانیت'' کے ذریعے معیشت کو درپیش ہر قسم کے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

ہاں	نہیں

4۔ بیروزگاری جیسے بڑے مسئلے کا حل کس چیز کے ذریعے جلد اور باآسانی ممکن ہے؟

قیمتوں کا نظام
منصوبہ بندی

5۔ 1929ء میں رونما ہونے والی عالمی کساد بازاری نے سرمایہ داری کے نظام کو بنیادوں سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کیا یہ بیان درست ہے؟

ہاں	نہیں

6۔ اگر معیشت کو طلب و رسد کی قوتوں کے سپرد کر دیا جائے تو علاقائی معاشی بُعد بڑھے گا یا گھٹے گا؟

بڑھے گا
گھٹے گا

7۔ قومی دولت کو امیر اور غریب طبقوں میں ازسرِ نو تقسیم کرنے کے لیے معاشی منصوبہ بندی کی ضرورت پڑتی ہے، کیا آپ متفق ہیں؟

ہاں	نہیں

8۔ توازن ادائیگی کا خسارہ تو قیمتوں کی میکانیت پیدا کرتا ہے مگر اس کے حل کے لیے منصوبہ بندی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کیا یہ بیان درست ہے؟

ہاں	نہیں

9۔ پہاڑی پر کھڑے ہوئے سپہ سالار کی طرح حکومت وسیع النظر ہوتی ہے جبکہ نجی شعبہ میدان میں صف آرا سپاہی کی طرح محدود نقطہ نظر کا حامل ہوتا ہے۔ کیا آپ اس بیان کی حمایت کریں گے؟

ہاں	نہیں

10۔ معیشت کے مختلف شعبوں کی باہمی یگانگت اور ہم آہنگی قیمتوں کے نظام میں ممکن ہے یا منصوبہ

بندی کے تحت۔

قیمتوں کے نظام میں
منصوبہ بندی کے تحت

11۔ معاشی منصوبہ بندی کی ضرورت پر بحث کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے: 6-1 کے تحت تمام نکات)

12۔ معاشی منصوبہ بندی کی افادیت واضح کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے 6-1 کے تحت تمام نکات)

13۔ قیمتوں کے نظام یا قیمتوں کی میکانیت کے نقصانات پر روشنی ڈالیے۔ اس سوال کے جواب کے لیے کچھ دیر ذہن پر زور ڈالیے۔ آپ نے ابھی ابھی جو کچھ پڑھا ہے وہ بظاہر معاشی منصوبہ بندی کے فائدے یا ضرورت کے بارے میں متعلقہ مواد ہے مگر یہی مواد دراصل قیمتوں کی میکانیت کے نقصانات واضح کرنے کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔

1.10 جوابات

1۔ ویلین سکائی	2۔ قیمتوں کی میکانیت	3۔ نہیں۔
4۔ منصوبہ بندی	5۔ ہاں	6۔ بڑھے گا
7۔ ہاں۔	8۔ ہاں۔	9۔ ہاں
10۔ منصوبہ بندی کے تحت		

2۔ منصوبہ بندی کے لوازمات

Requirements of a Plan

2.1 تعارف

اس یونٹ کے گذشتہ حصے میں ہم نے ان امور پر روشنی ڈالی ہے کہ جن سے منصوبہ بندی کی ضرورت اُجاگر ہوتی ہے۔ اس حصے میں اب ہم ان ضروری شرائط کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو کسی منصوبہ کی تشکیل کے لیے لوازمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ منصوبہ بندی کے لیے درج ذیل شرائط کا پورا کیا جانا ضروری ہے:

(i)	منصوبہ ساز ادارے کا قیام	(Planning Authority)
(ii)	منصوبہ کی نوعیت کا فیصلہ	(Nature of Planning)
(iii)	منصوبہ کی مدت کا تقرر	(Fixation of Plan Period)
(iv)	منصوبہ کے اہداف کا تعین	(Determinatin of Targets)
(v)	منصوبہ کے لیے وسائل کی فراہمی	(Financial Resources)
(vi)	ترجیحات کا فیصلہ	(Allocation of Priorities)
(vii)	منصوبہ پر عمل درآمد	(Implementation of Plan)

لوازمات

آیئے اب ان لوازمات کا باری باری جائزہ لیتے ہیں۔

2.2 منصوبہ ساز ادارہ

منصوبہ سازی کا پہلا زینہ منصوبہ ساز اداروں کا قیام ہے۔ منصوبہ بندی اور اس پر عملدرآمد کوئی چند روزہ یا عارضی سا کام نہیں ہے بلکہ یہ کام مستقل بنیادوں پر انجام دیا جاتا ہے۔ مستقل بنیادوں پر منصوبہ بندی کے کام کو جاری و ساری رکھنے کے لیے ایک مستقل اور بااختیار ادارہ کی ضرورت پیش آتی ہے کہ منصوبہ سازی کے لیے منصوبہ

بندی بورڈ یا منصوبہ بندی کمیشن قائم کرنے کا عام رواج ہے۔ بورڈ یا کمیشن مختلف معاشی پہلوؤں کے ماہرین کو دلکش شرائط ملازمت پر اپنے ہاں بھرتی کر سکتا ہے تاکہ کسی بھی وقت کسی بھی معاملے میں ان کی ماہرانہ رائے اور تجربے سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ ان ماہرین کو منصوبے کے مختلف پہلوؤں سے متعلق کام مستقل طور پر تفویض کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اپنے اپنے دائرہ کار میں تحقیق اور جستجو کا فریضہ بااحسن ادا کر سکیں۔ کمیشن مختلف نوعیت کے مسائل کو نمٹانے کے لیے علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں تجویز کر سکتا ہے مثلاً تجارتی کمیٹی، صنعتی کمیٹی، زراعتی یا تعلیمی کمیٹی۔

اختیارات

بورڈ یا کمیشن کا مکمل طور پر بااختیار ہونا ضروری امر ہے۔ بااختیار بنانے کی غرض سے اسے وزارت مالیات کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے آزاد ادارہ کی حیثیت حاصل ہو اور اس کا الحاق صرف کابینہ سے کیا جائے تاکہ اس کا سربراہ یا تو وزیراعظم ہو یا صدر۔ وزیراعظم یا صدر اس کا مستقل سربراہ بن سکتا ہے اور روزمرہ کے کاموں کے سلسلے میں نائب سربراہ کو کلی اختیار دیئے جا سکتے ہیں۔ صدر یا وزیراعظم کا سربراہ ہونا اس لیے بھی مفید رہا ہے کہ عوام سے انتخابی مہم کے دوران کئے گئے وعدوں کے مطابق وہ جب چاہیں منصوبہ میں تغیر و تبدل کر سکیں۔

ماہرین

بورڈ یا کمیشن کے ارکان صرف ماہرین سے لئے جانے چاہئیں نہ کہ انتظامی مشینری کے کُل پُرزوں کو ہر مرض کی دوا سمجھ کر کمیشن کے ساتھ منسلک کر دیا جائے۔ ماہرین کا کام صرف منصوبہ بنانا ہی نہ ہو بلکہ وہ ملکی شرح ترقی اور ہمسایہ ملکوں میں ہونے والی ترقی کی رفتار کا جائزہ بھی لیتے رہیں۔ یہ جائزہ اس لیے سودمند رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمسایہ ملکوں میں شرح ترقی بہت تیز ہو اور وہ ملک آہستہ روی کے چکر میں گرفتار رہے۔ دوسروں کے معاشی تجربات سے باخبر رہنا اور اپنے اور ان کے معاشی پروگراموں کا تقابلی جائزہ لینا اس لیے فائدہ مند ہوتا ہے کہ اس طرح ان ممکنہ غلطیوں اور کوتاہیوں سے جو دوسروں سے سرزد ہوتی ہیں، پہلوتہی کی جا سکے۔ دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھنا خود ملکی مفاد میں ہوتا ہے۔

2.3 منصوبہ کی نوعیت

منصوبہ ساز ادارے کی تشکیل کے بعد یہ ضروری ہوتا ہے کہ منصوبہ کی نوعیت کا فیصلہ کر لیا جائے۔ منصوبہ بندی کئی طرح کی ہوتی ہے۔

i) جزوی بمقابلہ عمومی منصوبہ بندی
ii) تفاعلی بمقابلہ ہیئتی منصوبہ بندی
iii) راغبانہ بمقابلہ تحکمانہ منصوبہ بندی
iv) مرتکز بمقابلہ غیر مرتکز منصوبہ بندی

جزوی بمقابلہ عمومی:

جزوی منصوبہ بندی سے مراد، منصوبہ بندی کی وہ قسم ہے کہ جس میں معیشت کے کسی خاص ایک یا چند شعبوں کو منصوبہ بندی کے لیے چُن لیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں عمومی منصوبہ بندی وہ ہوتی ہے جس میں کُلی معیشت کو پیش نظر رکھ کر تمام شعبوں کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

تفاعلی بمقابلہ ہیئتی:

تفاعلی منصوبہ بندی کا مطلب ایسی منصوبہ بندی ہے جس کے نتیجے میں مختلف شعبوں کا باہمی تناسب تبدیل نہ ہو جبکہ ہیئتی منصوبہ بندی سے مراد ایسی منصوبہ بندی ہوتی ہے جس پر عملدرآمد کے بعد معیشت کے ڈھانچے میں بنیادی ساخت کی تبدیلیاں ہوں۔

راغبانہ بمقابلہ تحکمانہ:

راغبانہ منصوبہ بندی کے معنی قیمتوں کے نظام کے ذریعے وسائل کی تخصیص کا بندوبست کرنا ہے۔ تحکمانہ منصوبہ بندی میں منصوبہ سازی کا کام کسی بااختیار سرکاری ادارے کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو حکومت کی مرضی و منشا کے مطابق منصوبہ سازی کا فرض انجام دیتا ہے۔

مرتکز بمقابلہ غیر مرتکز

مرتکز منصوبہ بندی میں منصوبہ سازی کے تمام اختیارات ایک مرکزی ادارے کے سپرد ہوتے ہیں، حتیٰ کہ نجی شعبے کو بھی اسی کی ہدایات کے مطابق من وعن کام کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ غیر مرتکز منصوبہ بندی میں صوبوں، ریاستوں اور انتظامی یونٹوں کو بھی منصوبہ سازی کے کام میں شریک کیا جاتا ہے۔ غیر مرتکز منصوبہ میں منصوبہ بندی کا کام نیچے سے اوپر کی طرف چلتا ہے اور مرتکز منصوبہ بندی میں منصوبہ سازی کا کام اوپر سے نیچے کی جانب آتا ہے۔

پاکستان میں طرز منصوبہ بندی:

مؤثر منصوبہ بندی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ان آٹھ قسموں میں سے کسی ایک قسم کا انتخاب کر لیا جائے۔ پاکستان میں منصوبہ بندی جزوی کی بجائے عمومی طرز کی ہوتی ہے۔ تفاعلی کی بجائے ہیئتی منصوبہ بندی کا پاکستان نے چناؤ کیا ہے۔ تحکمانہ طرز سے کنارہ کش رہ کر ہمارے ہاں راغبانہ منصوبہ بندی کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مرتکز کی بجائے غیر مرتکز منصوبہ بندی کا مسلک ہمارا شعار ہے۔

2.4 منصوبہ کی مدت

منصوبہ ساز ادارہ اس بات کا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے کہ منصوبہ کتنی مدت کا ہونا چاہیے۔ منصوبہ کی کوئی بھی مدت طے کی جا سکتی ہے۔ دنیا میں ایک سالہ مدت سے لے کر 20 سالہ مدت کے منصوبے رائج العمل رہے ہیں۔ کئی ملکوں میں 10 سالہ منصوبے کا رواج ہے، کہیں کہیں چھ سالہ منصوبے نافذ کیے گئے ہیں۔ مگر سب سے مقبول مدت پانچ سالہ مدت ہے۔

موزوں مدت

منصوبہ کی مدت کا تعین کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ مدت نہ تو بہت طویل ہو اور نہ ہی قلیل۔ منصوبے کی مدت اتنی قلیل بھی نہیں ہونی چاہیے کہ ابھی منصوبہ پر بھرپور عملدرآمد بھی نہیں ہوا کہ مدت ختم ہو گئی، نہ ہی مدت اتنی طویل ہو کہ عوام، تاجر، افسران، حکومت، مزدور، کسان اور کارکن منصوبے سے لاتعلقی کا اظہار شروع کر دیں۔ ان دونوں باتوں کا دھیان رکھتے ہوئے پانچ سالہ مدت کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔

پاکستان کے منصوبے

پاکستان نے 1951ء میں جس منصوبے کو اپنایا، وہ کولمبو پلان تھا جس کی مدت 6 سال تھی۔ روس میں دس سالہ منصوبے بھی مروج رہے ہیں۔ 1955ء اور 1960ء سے 1965ء تک پاکستان میں پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبے رائج رہے۔ 1965ء سے 1985ء کے لیے پاکستان نے ایک 20 سالہ تناظری منصوبہ بھی اپنایا تھا۔ 1972ء سے 1978ء تک پاکستان میں ایک سالہ ترقیاتی پروگراموں کا سلسلہ رواں دواں رہا۔ آج کل پاکستان میں بھی متوسط مدت یعنی پنجسالہ منصوبوں کے لیے فنڈز کی منظوری یک سالہ ترقیاتی منصوبوں کی صورت میں دی جاتی ہے۔ اس وقت دس سالہ تناظری ترقیاتی منصوبہ (2011-2001) پاکستان اپنائے ہوئے ہے۔

مدت کا مقصد

اگر کسی ملک کا اہم مسئلہ پیداوار میں فوری اضافہ ہو تو قلیل المدت منصوبے بنانا سودمند رہتے ہیں۔ معاشی ترقی کی مضبوط ضمانت کے لیے دیرپا اور بڑے پیمانے کے منصوبے بنانا بھی ضروری ہوتا ہے تا کہ ان کی بنیاد پر معاشی سرگرمیاں استوار ہوسکیں۔ ایسے منصوبوں کے لیے طویل المدت منصوبے قابلِ ترجیح رہتے ہیں۔

2.5 اہداف کا تعین

موثر منصوبہ بندی کے لیے چوتھا کام اہداف کا تعین اور پانچویں شرط وسائل کی فراہمی ہے۔ ان دونوں میں کسی ایک کا نام پہلے لینا اور دوسرے کا بعد میں، ذرا مشکل امر ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی ملک میں اہداف کا تعین پہلے کیا جاتا ہے اور پھر اس کے مطابق وسائل اکٹھے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں یہ رواج ہے کہ پہلے وسائل کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور پھر اس کے مطابق اہداف مقرر کئے جاتے ہیں۔

موزوں ہدف

کسی بھی ترقی پذیر ملک میں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ %5 تا %6 شرح ترقی موزوں تصور کی جاتی ہے۔ اہداف مقرر کرتے ہوئے %5 تا %6 شرح ترقی نہ بہت بلند ہے اور نہ ہی بہت پست۔ اہداف مقرر کرتے ہوئے اس بات کا یقینی بنانا ضروری ہے کہ اہداف خوش فہمی کے تحت بہت بلند نہیں ہونے چاہئیں کہ جن کو عملاً کبھی بھی حاصل نہ کیا جا سکے نہ ہی اہداف اس قدر پست متعین ہونے چاہئیں کہ ان کا حصول بچوں کا کھیل دکھائی دے۔

ہم آہنگی

مجموعی اہداف مقرر کرنے کے علاوہ شعبہ وار اہداف بھی طے کر لینے چاہئیں کیونکہ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے۔ مجموعی اور شعبہ وار اہداف کا بھی آپس میں مربوط ہونا ضروری ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کلی اہداف بلند اور جزوی اہداف بہت پست مقرر کر لیے جائیں نہ ہی اس کے برعکس صورت حال خوش آئند کہلاتی ہے۔

2.6 وسائل کی فراہمی

دنیا میں ایسے بھی مما لک ہیں جہاں وسائل کا تخمینہ لگا کر اہداف مقرر کئے جاتے ہیں۔ مگر زیادہ تر رواج یوں ہے کہ پہلے اہداف کا تقرر کر لیا جاتا ہے اور پھر ان کے حصول کے لیے ذرائع کی تلاش کی جاتی ہے۔

شرح سرمایہ و پیداوار

وسائل کی فراہمی کا تعلق ''شرح سرمایہ و پیداوار'' یعنی (Capital-output Ratio) سے ہے۔ اس شرح سے مراد یہ ہے کہ ایک فیصد مزید پیداوار پیدا کرنے کے لیے مزید کتنے فیصد سرمایہ درکار ہے۔ اگر ایک روپے مالیت کی اشیا بنانے کے لیے 3 روپے کی سرمایہ کاری درکار ہو تو شرح سرمایہ و پیداوار 1:3 ہو گی اگر شرح سرمایہ و پیداوار 1:3 ہو اور ترقی کا ہدف 5 فیصد طے پائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا %5 پیداوار بڑھانے کے لیے 15 فیصد سرمایہ مطلوب ہے۔ اس سے کم سرمایہ سے کام نہیں چلے گا۔

بچتی رخنہ

ممکن ہے کہ %15 بچت اس ملک میں پہلے سے ہی موجود ہو مگر اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ ترقی پذیر ممالک میں شرح بچت %4 تا %6 ہوتی ہے۔ اسطرح ایک بچتی رخنہ (Saving Gap) معرضِ وجود میں آ تا ہے۔ اس رخنہ کو پُر کرنے کے لیے کئی طرح کے ذرائع اختیار کئے جا سکتے ہیں مثلاً اندرون ملک ٹیکسوں میں اضافہ کر کے مطلوبہ رقم حاصل کی جا سکتی ہے۔ لوگوں کو بچت کی مزید ترغیب دی جا سکتی ہے۔ نئے کرنسی نوٹ چھاپ کر پروجیکٹوں کے لیے سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔ بیکار افرادی قوت کو کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ عوام سے قرضے مانگے جا سکتے ہیں۔ غیر ممالک سے سرمایہ کاری یا قرضوں کا خیر مقدم کیا جا سکتا ہے۔ درآمدات میں کمی اور برآمدات میں اضافے کے ذریعے بھی منصوبے کے لیے مطلوبہ سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2.7 ترجیحات کا فیصلہ

ملک خواہ امیر ہو یا غریب، اس کے وسائل بہرحال محدود ہی رہتے ہیں۔ محدود وسائل کے بہتر استعمال کی خاطر منصوبہ میں ترجیحات کا تعین کیا جاتا ہے۔ کسی بھی منصوبے کے تحت تمام شعبوں کو یکساں سلوک کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا، چنانچہ ''رد و قبول'' کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ ماضی کی ترقی، مستقبل کے ہدف، وسائل کی فراہمی کے پیش نظر مختلف شعبوں میں سے کسی ایک یا دو کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ منتخب کردہ شعبوں کو نسبتاً زیادہ سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے اور باقی کو کم رقم دی جاتی ہے۔

ترجیحات کے میدان:

کسی منصوبے میں ترجیحات کا فیصلہ جن شعبوں کے مابین کیا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(i) اشیائے صرف تیار کی جائیں یا اشیائے سرمایہ۔
(ii) زراعت کو قابلِ ترجیح سمجھا جائے یا صنعت کو۔
(iii) زراعت میں خوراک والی اجناس کو فوقیت دی جائے یا نقد آور اجناس کو۔
(iv) زراعت کو دقیانوس طریقوں سے اپنایا جائے یا مشینی کاشت متعارف کرائی جائے۔
(v) چھوٹی صنعتوں کا انتخاب کیا جائے یا بڑی صنعتوں کا۔
(vi) ہلکی صنعتوں کو چُنا جائے یا بھاری صنعتوں کو۔
(vii) معاشرتی خدمات کو ترقی دی جائے یا مادی سرمایہ کی پیداوار کو۔
(viii) پیداواری کاموں کو بڑھایا جائے یا رفاعہ عامہ کے منصوبوں کو۔
(ix) ملکی ضرورت کے لیے اشیاء تیار کی جائیں یا برآمدات کے لیے۔
(x) پیداواری منصوبوں پر توجہ دی جائے یا افرادی قوت کے استعمال والے پروجیکٹوں پر۔

ترجیحات کی تبدیلی

ان مذکورہ بالا سوالات میں سے کسی ایک کا چناؤ کر کے ترجیح کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔جس شعبے یا طریق کار کو ترجیح دی جائے اسے مجموعی مالیات میں سے سرمایہ فراہم ہونا چاہیے۔ جب ایک منصوبے کے تحت ترجیحی شعبہ ترقی کر جائے تو دوسرے منصوبے میں کسی دوسرے شعبے کو خصوصی توجہ اور ترجیح کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

2.8 عمل درآمد

منصوبہ کی آخری شرط اس پر عملدرآمد ہے۔منصوبہ بنا لینا، ترجیحات کا تعین کر لینا یا سرمایہ فراہم کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل کام تو منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا ہے۔منصوبہ کو عملی شکل دینے کے لیے مختلف امور سے متعلق حکمت عملی (Strategies) اختیار کرنی پڑتی ہیں۔حکمت عملی کا اظہار ان پالیسیوں سے ہوتا ہے جو مختلف شعبوں میں اپنائی جاتی ہیں۔ یہ پالیسیاں درج ذیل ہیں:

(i) افرادی قوت کی پالیسی: ہر منصوبہ میں افرادی قوت کے استعمال کے بارے میں کوئی نہ کوئی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔کوشش اس بات کی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم کیا جائے اور ان کی استعداد کار کے مطابق ان کی اُجرتیں طے کی جائیں۔

(ii) مالی پالیسی: ہر منصوبہ میں افراط زر یا تفریط زر کی پالیسی میں سے کسی ایک حکمت عملی پر انحصار کیا

جاتا ہے۔ اگر پیداوار بڑھانا مقصود ہو تو افراطِ زر کی پالیسی سودمند ثابت ہوتی ہے۔

(iii) تجارتی پالیسی: تجارت کے بارے میں کوئی منصوبہ جو حکمت عملی اختیار کرتا ہے اسے تجارتی مسلک یا پالیسی کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت یا تو برآمدات کو جلد از جلد فروغ دینے کی پالیسی اختیار کی جاتی ہے یا درآمدات کے متبادلات تیار کرنے کی راہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

(iv) ٹیکسوں کی پالیسی: منصوبہ کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے ٹیکسوں کی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔ کبھی متزائد کبھی متناسب اور کبھی مراجعی ٹیکسوں کا طریقہ کار اپنایا جاتا ہے اور کبھی براہ راست یا بالواسطہ ٹیکسوں کے ذریعے بھی مالیات فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(v) صنعتی پالیسی : ہر منصوبہ میں صنعت کو ترقی دینے سے متعلق جو اقدامات تجویز کیے جاتے ہیں، ان کو صنعتی پالیسی کہا جاتا ہے۔ ہلکی درمیانے درجے کی یا بھاری صنعتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے اس مقصد کے حصول کے لیے عملی قدم اُٹھایا جاتا ہے۔

(vi) زرعی مسلک:

زراعت کے شعبے میں خوراک والی اجناس یا نقد آور اجناس میں سے کسی ایک پر بھرپور توجہ دینے کا عزم ظاہر کیا جاتا ہے کبھی زرعی اجناس کی بازاری قیمت کو معین کر کے کسانوں کو اعانہ (Subsidy) دے دیا جاتا ہے اور کبھی ان کو کھاد، بیج اور پانی کے معاملے میں رعایات فراہم کی جاتی ہیں۔

مذکوہ بالا پالیسیوں کے توسط سے منصوبہ عملی سانچوں میں ڈھل جاتا ہے اور کچھ دیر کے بعد اپنے نتائج ظاہر کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اگر نتائج اپنے اہداف سے بڑھ کر ہوں تو منصوبہ کو کامیاب وگرنہ ناکام منصوبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

2.9 اہم نکات

1۔ منصوبہ سازی کے کئی اہم اجزاء ہیں جن کو لوازمات کا نام دیا جاتا ہے۔

2۔ منصوبہ کے لوازمات میں منصوبہ ساز ادارے کا قیام، نوعیت کا فیصلہ، مدت کا تقرر، اہداف کا تعین، ترجیحات کا فیصلہ اور منصوبہ پر عمل درآمد شامل ہیں۔

3۔ منصوبہ ساز ادارہ آزاد اور بااختیار ہونا چاہیے جس میں کثیر تعداد میں ماہرین شامل کیے جائیں تاکہ وہ بہتر نتائج کے اظہار کے لیے بھرپور انداز میں کام کرسکیں۔

4۔ منصوبے کی دوسری شرط یہ ہے کہ نوعیت اور ماہیت کا فیصلہ کرلیا جائے۔ منصوبہ نوعیت کے لحاظ سے یا تو جزوی ہوتا ہے یا عمومی۔ تفاعلی ہوتا ہے یا ہیئتی۔ راغبانہ ہوتا ہے یا تحکمانہ۔ یا پھر مرتکز ہوتا ہے یا غیر مرتکز۔ ان میں سے کسی ایک قسم کا چناؤ ضروری ہے۔

5۔ منصوبے کی تیسری شرط مدت کا فیصلہ ہے۔ ایک سے 20 سال کے منصوبے دنیا میں رائج رہے ہیں مگر سب سے مقبول مدت 5 سال ہے۔ منصوبہ نہ تو بہت طویل ہونا چاہیے اور نہ ہی بہت قلیل۔

6۔ اہداف کا تعین منصوبے کی چوتھی ضرورت ہے۔ پہلے اہداف مقرر کئے جاتے ہیں۔ تجربہ کی روشنی میں 5 تا 6% شرح ترقی موزوں خیال کی جاتی ہے۔

7۔ وسائل کی فراہمی منصوبہ کی پانچویں شرط ہے۔ اہداف کے حصول کے لیے وسائل کی فراہمی اہمیت رکھتی ہے۔ وسائل کا تعین شرح سرمایہ و پیداوار کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اگر ملکی سرمایہ میسر نہ آئے تو غیر ملکی ذرائع پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

8۔ تمام شعبوں کو محدود وسائل کے سبب یکساں اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے ترجیحات کے تعین کا مسئلہ منصوبہ کی ایک اور شرط ہے۔ زراعت اور صنعت، درآمدات اور برآمدات، معاشرتی اور سرمایا جاتی خدمات اشیائے صرف اور اشیائے سرمایہ کے علاوہ اور بھی کئی ایسے مقامات ہوتے ہیں جن میں چناؤ کی کیفیت موجود ہوتی ہے۔

9۔ منصوبہ پر عملدرآمد منصوبہ سازی کی ساتویں اور آخری شرط ہے۔ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے افرادی قوت کی پالیسی، مالی پالیسی، تجارتی پالیسی، ٹیکسوں کی پالیسی، صنعتی پالیسی اور زرعی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔

2.10 خود آزمائی

1۔ کیا منصوبہ ساز ادارہ کو ضلعی حکام کے تحت ہونا چاہیے یا وفاقی حکام کے تاکہ مؤثر نتائج برآمد ہوں۔

ضلعی حکام کے

وفاقی حکام کے

2۔ منصوبہ ساز ادارے میں فنی اور معاشی ماہرین کو شمولیت دینی چاہیے یا سول انتظامیہ کے افسران کو۔

سول افسران کو
فنی اور معاشی ماہرین کو

3۔ پاکستان میں جزوی منصوبہ بندی اپنائی جاتی ہے یا عمومی منصوبہ بندی

جزوی
عمومی

4۔ منصوبہ بندی کی کس قسم سے معیشت کے ڈھانچے میں تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں؟

تفاعلی سے
ہیئتی سے

5۔ منصوبہ بندی میں کون سی مدت کے منصوبے زیادہ مقبول ہیں۔

5 سال کے
10 سال کے
15 سال کے

6۔ ترقی پذیر ملکوں میں عموماً کتنے فیصد ترقی کو موزوں قرار دیا جاتا ہے۔

5 تا 6 %
15 تا 16 %
25 تا 26 %

7۔ وسائل کا تعین ''شرح سرمایہ و پیداوار'' کے حوالے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ کیا آپ اس بیان سے متفق ہیں؟

ہاں	نہیں

8۔ محدود وسائل کی موجودگی میں تمام شعبوں کو یکساں رویہ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا، اسی لیے ترجیحات کا مسئلہ رونما ہوتا ہے کیا یہ بات درست ہے؟

ہاں	نہیں

9۔ منصوبہ سازی تو مشکل مرحلہ ہے مگر اسے عملی جامہ پہنانا اس سے بھی مشکل کام ہے، اسی لیے اس مقصد کی خاطر کئی پالیسیاں وضع کرنی پڑتی ہیں۔ کیا آپ اس بیان سے اتفاق کرتے ہیں؟

ہاں	نہیں

10۔ منصوبہ سازی کے اہم لوازمات پر بحث کیجئے۔

(جواب کے لیے دیکھئے: 2.1 تا 2.9)

11۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیے۔

(i) منصوبہ ساز ادارہ (جواب کے لیے دیکھئے : 2.2)

(ii) منصوبہ کی نوعیت (جواب کے لیے دیکھئے : 2.3)

(iii) ترجیحات کا فیصلہ (جواب کے لیے دیکھئے : 2.7)

(iv) منصوبہ پر عملدرآمد (جواب کے لیے دیکھئے : 2.8)

2.11 جوابات

1۔ وفاقی حکام کے

2۔ فنی اور معاشی ماہرین کو

3۔ عمومی

4۔ ہیئتی سے

5۔ 5 سال

6۔ 5 تا 6%

7۔ ہاں

8۔ ہاں

9۔ ہاں

3 مؤثر منصوبہ بندی میں مانع عوامل

3.1 تمہید

اس یونٹ کے گذشتہ حصے میں ہم نے منصوبہ بندی کے لوازمات کا جائزہ لیا تھا۔ اس حصے میں ہم ان عوامل پر بحث کریں گے جو کسی ملک میں مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ ان کو ہم مانع عوامل بھی کہہ سکتے ہیں۔ مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں جو عوامل مانع ہیں، ہم ان کا تذکرہ اگلے چند صفحات میں کر رہے ہیں۔ پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک میں مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں یہ مانع عوامل مشترک ہیں۔

موانعات

آیئے ان مشترک کے مانع عوامل کا جائزہ لیتے ہیں:

3.2 سرمایہ کی قلت

کوئی بھی ملک ہو، اپنی جدوجہد کے ذریعے خوشحالی کا خواستگار ہوتا ہے۔ معاشی خوشحالی کے لیے منصوبہ سازی ضروری ہے۔ مگر منصوبہ بندی کے مؤثر ہونے میں بڑی دقت یہ ہے کہ بے شمار ترقی پذیر ملکوں کو سرمایہ کی قلت کا سامنا ہے۔ یہ ممالک عاجزانہ سی شرح ترقی یعنی صرف 5% کے حصول کو اپنا ہدف بناتے ہیں۔ پیداوار میں 5% اضافے کے لیے انہیں تقریباً 15% فیصد سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ مگر ان ممالک میں شرح بچت 15 فیصد بھی نہیں ہے۔ فی کس آمدنی کی سطح اس قدر پست ہے کہ افراد جو کچھ کماتے ہیں اسے ضروریات زندگی پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ان ممالک میں بمشکل 5 تا 7 فیصد سرمایہ بچتوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ بچتوں کا مطلوبہ معیار (15%) حاصل کرنے کے لیے ان ممالک کی حکومتوں کو کئی جتن کرنے پڑتے ہیں۔ سرمایہ کی فراہمی ان ممالک کے لیے دردِ سر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو اقدامات اٹھائے جاتے ہیں ان میں سے بیشتر ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں سرمایہ کی معقول فراہمی نہ ہوسکنے کی صورت میں ان ممالک میں مؤثر منصوبہ بندی کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

سرمایہ کے ذرائع

سرمایہ کی کمی کا مسئلہ پاکستان کو بھی درپیش ہے۔ سرمایہ کاری کے لیے مطلوبہ بچت ہمارے ہاں نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ حکومت نئے ٹیکس لگانے، افراطِ زر پیدا کرنے اور غیرملکی قرضوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہے۔ ٹیکسوں، تمویل خاسر اور غیرملکی قرضوں کے اپنے اثرات اور مجبوریاں ہیں۔ ایک طرف ٹیکسوں میں چوری عام ہے اور تمویل خاسر کے سبب گرانی بڑھتی جا رہی ہے اور دوسری طرف غیرملکی قرضوں کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے کہ اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

3.3 زرعی مجبوریاں

پاکستان سمیت بیشتر ترقی پذیر ممالک بنیادی طور پر زرعی ملک ہیں۔ ان کی آبادی کا تقریباً 65% حصہ دیہاتوں میں آباد ہے۔ 50% سے زائد لوگ براہ راست زراعت سے منسلک ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ ممالک زرعی میدان میں بھی خودکفیل نہیں ہیں۔ زرعی ملک ہونے کے باوجود ان ممالک کو خوراک والی اجناس بھی دوسرے ملکوں سے درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ ان کی درآمدات کے لیے ان کے پاس زرمبادلہ موجود نہیں ہوتا۔ چنانچہ زرعی شعبے کو ترقی دینے کے سلسلے میں یہ ممالک مؤثر منصوبہ بندی کرنے سے قاصر ہیں۔

سیم وتھور

یہی نہیں بلکہ سیم اور تھور جیسے مہلک مسائل بھی ترقی پذیر ممالک کی معیشتوں کا حصہ بن چکے ہیں۔ موسم کی ناہمواریاں، سیلاب، ٹڈی دل، کیRوں مکوڑوں کی یورش اور فصلی بیماریاں زرعی منصوبہ بندی میں اہم رکاوٹیں ہیں۔ کیسا ہی منصوبہ بنا لیا جائے، وہ ان زرعی مسائل کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

خوراک کی درآمد

پاکستان کے حالات بھی کم وبیش ایسے ہی رہے ہیں۔ ایک طویل عرصے تک ہم خوراک والی اجناس میں بھی دوسروں کے محتاج رہے ہیں۔ سیلاب اور موسم کی خرابیاں ہماری زرعی معیشت کا جزو لاینفک ہیں۔ زرمبادلہ کی کمائی کا ایک معتدبہ حصہ خوراک والی اجناس کی درآمد پر صرف کرنا پڑا۔ جب زرمبادلہ کا بڑا حصہ خوراک منگوانے پر صرف ہو جائے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ترقیاتی منصوبہ بندی کے لیے کتنے وسائل دستیاب ہوں گے۔

3.4 افراطِ آبادی

مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں ایک بڑی چٹان افراط آبادی بھی ہے۔ پاکستان کے بارے میں یہ اعداد و شمار سامنے آئے ہیں کہ افزائش آبادی کی سالانہ شرح 1.8% سے بھی زیادہ ہے۔ آبادی میں اس کثیر اضافے کی

موجودگی میں مؤثر منصوبہ بندی کا احتمال باقی نہیں رہتا کیونکہ وسائل کی وافر مقدار نئی آبادی کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنے پر خرچ ہو جاتی ہے۔

پاکستان میں افزائش آبادی

پاکستان میں بھی آبادی کی شرح افزائش 1.8% سالانہ ہے۔ اتنی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو بنیادی ضروریات فراہم کرنے پر کافی وسائل، وقت اور سرمایہ صرف ہو جاتا ہے۔ طویل المدت ترقیاتی منصوبوں کے لیے اس طرح کم وسائل باقی بچتے ہیں۔

3.5 اعداد و شمار کی قلت

ترقی پذیر ممالک پسماندگی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکل آئے ہیں اور جدیدیت کی راہ پر گامزن ہیں مگر اس کے باوجود ابھی تک ان کی معیشتوں کا بڑا حصہ غیر زرعی شعبہ ہے یعنی اب بھی ان ممالک میں کاروباری سرگرمیاں بغیر زر کی مدد کے جاری ہیں۔ براہ راست مبادلہ کا عام رواج ہے جس کی بدولت صحیح طور پر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ان ملکوں میں بچت سرمایہ کاری، روزگار اور دوسرے امور کے بارے میں کتنی ترقی ہو رہی ہے یا ان کی موجودہ حالت کیا ہے۔ ان تمام شعبوں کے بارے میں اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ اعداد و شمار کی قلت کے پیش نظر منصوبہ بندی کے لیے نہ ہدف کا تعین کیا جا سکتا ہے نہ موجودہ حالت کا۔ اس طرح منصوبہ سازوں کا کام کافی دشوار ہو جاتا ہے۔

پاکستان کی کیفیت

پاکستان میں اعداد و شمار کی کافی کمی ہے۔ اگرچہ سابقہ 62 سالوں میں کئی سرکاری اور غیر سرکاری ادارے وجود میں آ گئے ہیں جن کا کام اعداد و شمار فراہم اور اکٹھا کرنا ہے۔ مگر اب بھی کئی شعبے ایسے ہیں جن کے بارے میں مستند اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ دوسری دقت یہ ہے کہ مختلف اداروں نے ایک ہی مسئلہ یا شعبے کے بارے میں مختلف اعداد و شمار اکٹھے کئے ہوئے ہیں۔ اس طرح بے یقینی اور بداعتمادی کا عنصر جڑ پکڑتا ہے اور مؤثر منصوبہ بندی کا کام تعطل کا شکار ہو جاتا ہے۔

3.6 ماہرین کی کمی

مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں ایک مشکل یہ بھی درپیش ہے کہ اعداد و شمار اکٹھا کرنے، ان کی جمع بندی کرنے، انہیں ترتیب دینے اور ان سے نتائج اخذ کرنے والے ماہرین ترقی پذیر ممالک میں بہت کم ہیں۔ ان

ماہرین کی کمی سے منصوبہ سازوں کا کام متاثر ہو رہا ہے۔ ماہرین کی کمی کی اصل وجہ تو شرح خواندگی کا پست اور تعلیمی انحطاط ہے۔

پاکستان میں کمی

پاکستان میں اب ماہرین کی اتنی قلت نہیں رہی جتنی پہلے تھی، مگر ماہرین کی کا مسئلہ آج بھی موجود ہے۔ اب بھی ہمارے ہاں کوئی ایسا ادارہ نہیں جو مختلف شعبوں کے جمع کردہ اعداد و شمار کو مستند قرار دے یا ان کو مربوط اور جامع صورت میں پیش کر سکے۔ اس کی وجہ بھی وہی اعداد و شمار کے ماہرین کی کمی ہے۔

3.7 منصوبہ سازوں کی قلت

ترقی پذیر ممالک کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں جس قدر منصوبہ بندی کا ذوق وشوق پایا جاتا ہے اسی قدر منصوبہ سازوں کی قلت انہیں درپیش ہے۔ ان کے ہاں جو چند منصوبہ ساز ہیں وہ اپنے ملک میں کام کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ بیرونی ممالک میں خدمات انجام دے رہے ہیں یا پھر بین الاقوامی اداروں سے وابستہ ہیں۔ ان ماہرین کی قلت کے سبب مؤثر منصوبہ سازی کا کام متاثر ہو رہا ہے۔

ہمارے ماہرین

پاکستان میں ابھی ان ماہرین کی کمی ہے، اگرچہ اب یہ کمی ختم ہو رہی ہے۔ ہمارے بہت سے ماہرین کو اعلیٰ تنخواہوں کی کشش باہر نوکری کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ملک کے وسائل ان کو بھاری تنخواہیں ادا کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس طرح قابل ماہرین کی خدمات سے ملک محروم رہ جاتا ہے۔

3.8 کوتاہیاں اور بے انتظامیاں

ترقی پذیر ممالک میں خود منصوبہ ساز ادارے اور انتظامیہ سے بہت سی ایسی کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں کہ وہ مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ مختلف شعبوں میں رابطہ کمزور ہے۔ کئی محکموں میں باہمی تعاون کا فقدان ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی طرح کا کام کئی محکمے انجام دیتے ہیں۔ اس طرح لاگتوں میں اضافہ اور پیداوار میں کمی ہو جاتی ہے۔

ہماری کوتاہیاں

پاکستان میں بھی انتظامیہ کی کوتاہیاں عام رہی ہیں۔ رشوت، اختیارات کا مرتکز ہونا، سرخ فیتہ اور قابل افراد کی جگہ کم اہلیت والے لوگ اور کوٹے کی بنیاد پر بھرتی کا عام رواج رہا ہے۔ ان کوتاہیوں کی ضرب منصوبہ بندی کے کام پر پڑتی ہے۔

3.9 افراطِ زر

پسماندہ ملک میں آئے دن گرانی کا زور بڑھ رہا ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی قوتوں کے سبب قیمتوں کی سطح بلند ہو رہی ہے اس کے علاوہ سیلاب، آندھی، طوفان، ہڑتالوں اور تالہ بندیوں کے سبب بھی پیداوار متاثر ہو رہی ہے۔ پیداوار میں کمی، قیمتوں میں اضافہ کا باعث ہو رہی ہے۔ افراطِ زر بہرصورت منصوبہ سازوں کے کام میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ انہوں نے جن منصوبوں کے لیے رقومات فراہم کی ہوتی ہیں، مہنگائی کے سبب وہ منصوبے سرمایہ کی قلت کا شکار ہو کر تشنۂ تکمیل رہ جاتے ہیں۔

پاکستان میں مہنگائی

مہنگائی اور افراطِ زر کے مسائل پاکستان کو بھی درپیش ہیں۔ مہنگائی کے سبب منصوبہ سازوں کو اپنے تخمینوں پر نظرثانی کرنی پڑتی ہے۔ منصوبوں کی تکمیل کے نئے نئے وسائل اور ٹیکس کے ذرائع ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔ اس طرح منصوبہ بندی کا کام رواں دواں نہیں رہت۔

3.10 محدود برآمدات

کسی بھی ملک کے لیے برآمدات، سرمایہ سازی کا اہم ذریع ہوتی ہے۔ مگر موجودہ زمانے کے ترقی پذیر ملکوں کو بین الاقوامی سطح پر محدود منڈیاں حاصل ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک نے ترقی پذیر ممالک سے تجارت پر کئی قسم کی پابندیاں نافذ کر رکھی ہیں۔ دنیا میں کرنسی بلاک بنے ہوئے ہیں، علاقائی معاشی انجمنیں تشکیل پا چکی ہیں۔ ان اسباب کی بنا پر بین الاقوامی تجارت میں ترقی پذیر ممالک کا حصہ بڑھ نہیں رہا۔ اس طرح ان ممالک کو وسائل کی کمی کا سامنا ہے جو منصوبہ سازوں کو مؤثر منصوبہ بندی سے روکتی ہے۔

پاکستان کی تجارت

پاکستان کو اگرچہ اب منڈی کی قلت کا اتنا شدید سامنا نہیں ہے جتنا کہ پہلے کبھی تھا۔ آر سی ڈی، دہرے تعلقات کے معاہدے اور اسلامی دنیا سے وابستگی کے سبب ہماری برآمدات کی منڈی کافی وسیع ہے مگر ہماری ضروریات کے پیش نظر اب بھی یہ بین الاقوامی منڈی بہت محدود ہے۔ محدود منڈی کے سبب زرمبادلہ کی کمائی مختصر

ہوتی ہے جو منصوبہ سازوں کو مؤثر منصوبہ بندی سے روک لیتی ہے۔ مؤثر منصوبہ بندی کے ذرائع کا مطالعہ کرنے کے بعد آیئے اب ذرا ان مسائل کے حل کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔

3.11 اجتماعی لائحہ عمل

منصوبہ بندی کی راہ میں حائل دشواریوں کو حل کرنے کے لیے ماہرین ایک اجتماعی لائحہ عمل تجویز کرتے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر ان دشواریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اجتماعی لائحہ عمل کے نکات درج ذیل ہیں :

1۔ تعلیم و تربیت کی بھرپور اشاعت کی جائے۔
2۔ شرح خواندگی کو جلد از جلد بلند کیا جائے۔
3۔ برآمدات کے لئے نئی منڈیاں تلاش کی جائیں۔
4۔ زراعت میں مشینی کاشت کو رواج دیا جائے۔
5۔ خاندانی منصوبہ بندی کو مقبول بنایا جائے۔
6۔ اعداد شمار جمع کر کے انہیں مستند بنانے کا ادارہ قائم کیا جائے۔
7۔ منصوبہ سازی کے کام کو غیر مرتکز کر دیا جائے۔
8۔ محکموں میں تعاون، ہم آہنگی اور رابطہ کو فروغ دیا جائے۔
9۔ پیداوار میں اضافے کی بھرپور کوشش کی جائے۔
10۔ معاشی ترقی کو مستحسن منزل سمجھ کر اس کے حصول کے لیے جہاد کے جذبہ سے کام کیا جائے۔

3.12 اہم نکات

1۔ مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں کئی رکاوٹیں ہیں۔
2۔ سرمایہ کی قلت کے سبب معاشی ترقی کا پروگرام تشنہ رہ جاتا ہے۔
3۔ زرعی پیداوار کی کمی، موسم کا خراب ہونا اور سیلاب وغیرہ کے ہاتھوں زرعی خود کفالت کی منزل دور ہو جاتی ہے۔ خوراک باہر سے منگوائی جاتی ہے جس پر زرِ کثیر خرچ ہوتا ہے۔
4۔ افراطِ آبادی کے سبب قومی وسائل کا بڑا حصہ آبادی کا پیٹ بھرنے پر وقف ہو جاتا ہے۔ باقی پروگرام یقیناً متاثر ہوتے ہیں۔
5۔ اعداد و شمار کی قلت سے صحیح معنوں میں جاندار اور مؤثر منصوبہ بندی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔
6۔ ترقی پذیر ممالک میں اعداد و شمار کا کام کرنے والے عملہ کی شدید کمی ہے جس کی بنا پر منصوبہ

بندی کا کام مؤخر ہو جاتا ہے۔

7۔ خود منصوبہ سازوں کی کمی بھی منصوبہ بندی کے کام میں حارج ہوتی ہے اور اول تو بہت کم ماہرین ترقی پذیر ملکوں میں موجود ہیں اور جو ہیں ان کی بیشتر تعداد غیر ملکی اداروں میں بھاری مشاہروں پر کام کرنا پسند کرتی ہے، نہ کہ ملک کے لیے۔

8۔ محکمانہ بے ضابطگیاں، کوتاہیاں، عدم تعاون، اختیار کا ارتکاز، سرخ فیتہ وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن کے سبب مؤثر منصوبہ بندی کا کام تعطل کا شکار ہو جاتا ہے۔

9۔ گرانی کے سبب منصوبوں کی اصل لاگتیں زیادہ ہو جاتی ہیں، پہلے سے وقف کردہ رقومات محدود نظر آتی ہیں اور منصوبہ پر نظر ثانی کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔

10۔ برآمدات کا محدود ہونا بھی منصوبہ سازوں کے لیے دشواری پیدا کرتا ہے کہ اس طرح بہت کم زرمبادلہ دستیاب ہوتا ہے جنہیں ہر قسم کے منصوبوں کے لیے قلیل تصور کیا جاتا ہے۔

11۔ ان مسائل پر قابو پانے کے لیے اجتماعی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

3.13 خود آزمائی

درج ذیل سوالوں کے صحیح جواب پر نشان لگائیے۔

1۔ سرمایہ کی قلت کے سبب مؤثر منصوبہ بندی کا کام متاثر ہوتا ہے

ہاں	نہیں

2۔ اگر ملک زرعی طور پر خود کفیل ہو جائے تو منصوبہ سازوں کا کام آسان ہو جائے گا یا دشوار۔

ہاں	نہیں

3۔ افراط آبادی مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں مددگار ثابت ہوتی ہے یا مانع۔

مددگار	مانع

4۔ اعداد و شمار کے بغیر بھی منصوبہ بندی کا کام باآسانی چل سکتا ہے۔

ہاں	نہیں

5۔ سرخ فیتہ کی دفتری بیماری منصوبہ سازوں کی کارکردگی کو متاثر کرتی ہے۔

ہاں	نہیں

6۔ افراط زر منصوبہ سازوں کو منصوبوں کی لاگتوں پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

نہیں	ہاں

7۔ اگر پاکستان کی برآمدات ہر سال بڑھتی چلی جائیں تو یہ امر منصوبہ بندی کو مؤثر بنائے گا یا ناقص۔

ناقص	موثر

8۔ کسی ترقی پذیر ملک میں مؤثر منصوبہ بندی کی راہ میں مانع عوامل پر بحث کیجئے۔
(جواب کے لیے دیکھئے 3.2 تا 3.10)

9۔ پاکستان میں کون سے عوامل منصوبہ بندی کو مؤثر ہونے سے روکتے ہیں؟ وضاحت کیجئے۔
(جواب کے لیے دیکھئے 3.2 تا 3.10)

3.14 ۔ جوابات

1۔ہاں	2۔آسان	3۔ مانع
4۔نہیں	5۔ ہاں	6۔ ہاں
7۔مؤثر		

فرہنگ :

1۔بچتی رخنہ (Saving Gap)	بچت کی مطلوبہ اور موجودہ شرح کے درمیان فرق۔
2۔تحکمانہ منصوبہ	مرکزی حکومت کی ہدایت کے مطابق ذیلی اداروں کا منصوبہ بندی کرنا۔
3۔ترجیحات	منصوبوں میں اہم شعبوں کو زیادہ رقومات فراہم کرنا۔
4۔تفاعلی منصوبہ بندی	ایسی منصوبہ بندی جس کے نتیجے میں شعبوں کا باہمی تناسب تبدیل نہ ہو۔
5۔جزوی منصوبہ بندی	معیشت کے کسی ایک شعبہ کے لیے منصوبہ بنانا
6۔راغبانہ منصوبہ بندی	قیمتوں کے نظام کے تحت نجی شعبہ کو منصوبہ بندی کی طرف توجہ دلانا
7۔سرمایہ سازی	سرمایہ کاری کے مقصد کی خاطر مختلف ذرائع سے سرمایہ اکٹھا کرنا۔
8۔عمومی منصوبہ بندی	پوری معیشت کو پیش نظر رکھ کر منصوبہ بنانا
9۔غیر مرتکز منصوبہ بندی	صوبوں اور ریاستوں کا منصوبہ بندی کے کام میں شریک ہونا
10۔قیمتوں کی میکانیت	طلب و رسد کے ذریعے معیشت کا کام کرنا
11۔مرتکز منصوبہ بندی	مرکزی ادارے کی طرف سے پوری معیشت کے لیے منصوبہ بندی کرنا۔

12۔معاشی ترقی	قومی خالص آمدنی میں مسلسل اضافہ
13۔ وسائل کی تخصیص	قومی سرمایہ اور دیگر عاملین کا کسی کام یا شعبہ کے لیے وقف ہونا۔
14۔ ہدف	ترقی کی منزل مقصود
15۔ ہیئتی منصوبہ بندی	ایسی منصوبہ بندی جس کے نتیجے میں شعبوں کا باہمی تناسب بدل جائے۔

کتب برائے مطالعہ

نظریاتی معاشیات ۔ پاکستان کی معاشی ترقی (باب نمبر 6) از ڈاکٹر محمد حسین چوہدری

2۔معاشیات (402) بی اے (یونٹ 9 تا 12)

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

3. Economic Development of Pakistan
by: Dr. S. M. Akhtar

4. Modern Economic Theory
by: Dr. K. K. Dewett

یونٹ 4

پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی

تحریر
عبدالرحیم نیر

فہرست

یونٹ کے مقاصد 119

1۔ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی 120

1.1 منصوبہ بندی کی نوعیت 120

1.2 منصوبوں کی تیاری 121

1.3 اہم نکات 122

1.4 خود آزمائی 123

2۔ کولمبو پلان 125

2.1 پس منظر 125

2.2 مالی وسائل اور شعبہ وار تقسیم 125

2.3 کولمبو منصوبے کے نتائج اور تنقیدی جائزہ 126

2.4 اہم نکات 127

2.5 خود آزمائی 127

3۔ پہلا دوسرا اور تیسرا منصوبہ 129

3.1 پہلے منصوبے کی جسامت 129

3.2 دوسرے منصوبے کی جسامت اور مالی وسائل 130

3.3 تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کی جسامت اور مالیات کی فراہمی 131

3.4 تینوں منصوبوں کا موازنہ بلحاظ جسامت اور مالی وسائل 132

3.5 اہم نکات 134

3.6 خود آزمائی 135

4۔ پہلے، دوسرے اور تیسرے منصوبے کا موازنہ بلحاظ اہداف، ترجیحات، حکمت عملی 136

4.1 تینوں منصوبوں کے مقاصد 136

4.2 تینوں منصوبوں کے اہداف 137

4.3 تناظری منصوبہ (85-1965) 139

4.4 تینوں منصوبوں کا موازنہ 140

4.5 اہم نکات 144

4.6 خود آزمائی 145

5۔ پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کے نتائج 147

5.1 تمہید 147

5.2 اہم نتائج 147

5.3 اہم نکات 150

5.4 خود آزمائی 150

6۔سقوط ڈھاکہ کے بعد کا دور 152

6.1 پس منظر چوتھا پانچ سالہ منصوبہ 152

6.2 سالانہ ترقیاتی پروگرام 152

6.3 اہم نکات 155

6.4 خود آزمائی 155

7۔ پاکستان کا پانچواں پانچ سالہ منصوبہ 157

7.1 پس منظر 157

7.2 جسامت اور مالی وسائل 157

7.3 مقاصد اور اہداف 157

7.4 حکمت عملی 158

7.5 منصوبے کے پہلے دو سال کے نتائج 159

7.6 اہم نکات 160

7.7 خودآزمائی 161

8۔ خودآزمائی کے جوابات 163

9۔ فرہنگ اصطلاحات 165

10۔ فہرست کتب 168

مقاصد

اُمید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ یہ معلوم کر سکیں کہ :

(i) پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کی نوعیت کیا ہے اور معاشی منصوبے کیسے تیار کیے جاتے ہیں؟

(ii) کولمبو پلان کے تحت پاکستان کی معاشی ترقی کا کیا پروگرام مرتب کیا گیا تھا اور وہ کس حد تک کامیاب رہا۔

(iii) پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کی جسامت، مقاصد اور اہداف، مالی وسائل، ترجیحات اور نتائج کے لحاظ سے موازنہ کر سکیں۔

(iv) مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد سالانہ ترقیاتی پروگراموں کے تحت ملک کی معاشی ترقی کا جائزہ لے سکیں۔

(v) پاکستان کے پانچویں پانچ سالہ منصوبے کی جسامت، مقاصد اہداف اور مالی وسائل کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔

1۔ پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی

1.1 معاشی منصوبہ بندی کی نوعیت

دور حاضر میں دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی معاشی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ملک کو معاشی میدان میں آگے بڑھانے کے لیے تین قسم کے طریقہ کار اختیار کیے گئے ہیں۔

(الف) تمام معاشی فیصلوں کے لیے کلیتہً منڈی کی میکانیت پر دار و مدار یعنی آزاد معاشی نظام کا طریقہ

(ب) مکمل طور پر منصوبہ بندی معیشت یعنی ایسی صورت حال جس میں تمام اہم معاشی فیصلے ایک مرکزی بااختیار ادارہ کرے اور نجی افراد کو کاروبار کی آزادی نہ ہو۔

(ج) مخلوط معیشت یعنی ایسا نظام جس میں حکومت اور عوام دونوں ملکوں کی معاشی نشوونما میں حصہ لیں۔ ایسی حیثیت میں سرکاری شعبہ اور نجی شعبہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کچھ معاشی سرگرمیاں سرکاری شعبے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں اور کچھ نجی شعبے میں۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ اور مغربی یورپ کے بیشتر ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام یا آزاد معاشی نظام غالب ہے یعنی ان ممالک میں تمام بنیادی معاشی فیصلے قیمتوں کی میکانیت کے واسطے سے ہی طے پاتے ہیں تاہم ان ممالک میں بھی سرکاری شعبہ یقیناً موجود ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نجی افراد کے معاشی معاملات میں حکومت کی مداخلت بڑھتی جا رہی ہے۔ دوسری انتہا پر روس، چین اور مشرقی یورپ کے ممالک ہیں جنھیں ہم اشراکی ممالک کہتے ہیں۔ ان ممالک میں بنیادی معاشی فیصلے (یعنی کیا شے پیدا کی جائے کیسے بنائی جائے اور کس کے لیے بنائی جائے) نجی افراد کی بجائے حکومت یا حکومت کا مقرر کردہ کوئی مرکزی بااختیار ادارہ کرتا ہے گویا ایسی معیشتوں میں سرکاری شعبہ ہی غالب ہوتا ہے اور نجی شعبہ کو کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اس قسم کے ملک اوپر 'ب' شق کے تحت بیان کردہ ممالک کی فہرست میں شامل ہوتے ہیں۔

لیکن دنیا میں زیادہ تر ممالک ایسے ہیں جو 'ج' شق کے تحت بیان کردہ ملکوں کے زمرہ میں شامل ہیں یعنی ان ممالک کی معیشتیں مخلوط نوعیت کی ہیں۔ ان میں سرکاری شعبہ اور نجی شعبہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وہ کام جن کا تعلق براہ راست عوام کی فلاح و بہبود سے ہے یعنی مفاد عامہ سے متعلق صنعتیں اور کاروبار، سرکاری شعبہ میں چلائے جاتے ہیں، مثلاً دفاع سے متعلق صنعت وتجارت، ریلوے کی خدمات، روڈ ٹرانسپورٹ کا ایک حصہ، ڈاک و تار اور ٹیلیفون سے متعلق خدمات کی بہم رسانی، پانی اور بجلی کی سہولتوں کی فراہمی وغیرہ، یہ سب کام سرکاری شعبہ سرانجام

دیتا ہے اور دیگر سب صنعتی اور زراعتی کاروبار نجی شعبہ چلاتا ہے، کیونکہ اس شعبہ میں نفع کا محرک بیشتر نتائج پیدا کرسکتا ہے۔ پاکستان بھی ایک مخلوط معاشی نظام کے تحت معاشی ترقی کے سفر پر رواں دواں ہے۔ پاکستان میں اب تک جو منصوبہ بندی عمل میں لائی گئی ہے، اس میں سرکاری شعبہ اور نجی شعبہ دونوں نے کافی مؤثر کردار ادا کیا ہے تاکہ ملک کم سے کم عرصہ میں ایک فلاحی مملکت کی صورت اختیار کرے۔ ہمارا ملک نہ تو اس بات کے حق میں ہے کہ نجی کاروبار کا یکسر گلا گھونٹ دیا جائے اور نہ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ نجی شعبہ اس قدر غالب آ جائے کہ اس کی بے لگام سرگرمیوں سے مفاد عامہ کو ضرب کاری لگے، بلکہ ہم ایک ایسے متوازن مخلوط نظام کے حق میں ہیں جو سرکاری اور نجی کاروبار کا ایک ایسا عمدہ امتزاج ہو جو سماجی کشیدگی پیدا کئے بغیر قومی دولت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کا موجب بنے۔ ماضی کی حکومت نے ملک کو اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لیے چند اہم اقدامات کئے ہیں جس میں نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ ایک قابلِ ذکر پیش رفت ہے۔ حکومت یہ بھی ارادہ رکھتی ہے کہ بتدریج سودی نظام کو ختم کر کے شراکت کی بنیاد پر ایک ایسا اسلامی اقتصادی نظام قائم کیا جائے جو ایک استحصال سے پاک اور مطمئن معاشرہ کے قیام کا ضامن ہو۔ لیکن اس سلسلہ میں ابھی تجرباتی طور پر کام جاری ہے اور جب تک ایک مکمل اسلامی اقتصادی نظام وجود میں نہیں آ جاتا، اس وقت تک ہمیں ایک مخلوط معاشی نظام کے تحت معاشی ترقی کا سفر طے کرنا ہوگا۔

پاکستان قوم ایک ایسی معاشی منصوبہ بندی پر یقین رکھتی ہے جو ملک کا سیاسی اور اقتصادی نظام بدلے بغیر اور مذہبی اور تمدنی روایات برقرار رکھتے ہوئے اور جائداد کی نجی ملکیت کا حق بدستور قائم رکھتے ہوئے عمل میں لائی جائے۔ اس قسم کی منصوبہ بندی کو ماہرین معاشیات تفاعلی منصوبہ بندی کا نام دیتے ہیں۔

1.2 منصوبوں کی تیاری

اگرچہ پاکستان نے کولمبو پلان کے تحت بھی 57-1951ء کی چھ سالہ مدت کے لیے ایک ترقیاتی پروگرام بنایا تھا لیکن ملک میں باقاعدہ معاشی منصوبہ بندی کا آغاز پاکستان کے پہلے پانچ سالہ منصوبہ سے ہوا۔ اس سے پہلے حکومت پاکستان نے جولائی 1953 میں ایک قومی منصوبہ بندی بورڈ قائم کر دیا۔ پاکستان کے لیے معاشی منصوبے

تیار کرنا اور ان پر عمل درآمد کے لیے ضروری اقدامات کرنا اس کمیشن کی ذمہ داری ہے۔ یہ کمیشن ملک کے تمام انسانی اور قدرتی وسائل کا بھرپور جائزہ لے کر عام طور پر پانچ سال کے مدت کے معاشی منصوبے تیار کرتا ہے، ہر چند کہ حالات کے مطابق اس مدت سے زیادہ اور کم کے منصوبے بھی تیار کرتا رہا ہے، قومی منصوبہ بندی کا چیئرمین، صدر مملکت ہوتا ہے لیکن عملی طور پر اصل ذمہ دار اتھارٹی منصوبہ بندی کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین ہوتا ہے، جس کا درج ایک مرکزی وزیر کے برابر ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی کے بارہ میں تمام اہم فیصلوں کی منظوری قومی اقتصادی کونسل دیتی ہے۔ اس کونسل کے اراکین میں ڈپٹی چیئرمین کے علاوہ تمام مرکزی وزرا اور چاروں صوبوں کے گورنر شامل ہوتے ہیں۔ صوبائی سطح پر ہر صوبے میں ایک صوبائی منصوبہ بندی بورڈ اور صوبائی منصوبہ بندی اور ترقی کے محکمے موجود ہیں جو قومی منصوبہ بندی بورڈ کے زیرنگرانی اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ صوبائی بورڈ اپنے اپنے صوبوں کے لیے ترقیاتی منصوبے تیار کر کے قومی منصوبہ بندی کمیشن کو بھیجتے ہیں جو ان کی چھان بین کر کے انہیں قومی منصوبہ میں شامل کرتی ہے۔

منصوبوں کی جزئیات پر عمل درآمد کے لیے مرکزی، علاقائی اور مقامی سطح پر مناسب اور مطلوبہ مشینری مقرر کی گئی ہے۔ کیونکہ معاشی منصوبہ بندی کا عمل ایک پیچیدہ عمل ہے۔ اس لیے اس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے بہت بڑی تعداد میں مستعد، دیانتدار اور حب الوطنی کا جذبہ رکھنے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ منصوبوں کی کامیابی کا بڑی حد تک دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ مقامی سطح سے لے کر مرکزی سطح تک تمام سرکاری و نیم سرکاری اور نجی ادارے پوری توجہ اور لگن کے ساتھ کام کریں تاکہ منصوبے کی ہر چیز پر مکمل طور پر عمل درآمد ہو جائے۔

منصوبہ بندی کمیشن دو حصوں میں منقسم ہے۔ (الف) ٹیکنیکل سیکشن (ب) معاشی سیکشن۔ ان میں سے ہر ایک پھر آگے کئی چھوٹے سیکشنوں میں منقسم ہے۔ ہر چھوٹے سیکشن کا نگران اعلیٰ ایک سینئر سرکاری افسر ہوتا ہے جو سیکشن کا چیف بھی کہلاتا ہے۔ معاشی سیکشن پہلے سے طے شدہ حکمت عملی کے مطابق معاشی منصوبہ تیار کرتا ہے اور ٹیکنیکل سیکشن اسکی ماہرانہ چھان بین کر کے اس کو آخری شکل دیتا ہے جو بالآخر قومی کونسل کے پاس منظوری کے لیے پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس کی منظوری کے بعد اس پر عمل درآمد شروع ہو جاتا ہے۔

1.3 اہم نکات

(i) گو کہ سب ممالک میں معاشی منصوبہ بندی کے ذریعہ ترقی کرنے کا جذبہ موجود ہے۔ تاہم پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں یہ طریقہ اور بھی زیادہ مقبول ہے۔

(ii) قیام پاکستان کے بعد 1951ء سے لے کر آج تک کے دور کو معاشی منصوبہ بندی کا دور کہا جا سکتا ہے خواہ اس دور میں پانچ چھ سالہ ترقیاتی منصوبے بنائے گئے اور خواہ سال بہ سال ترقیاتی پروگرام بنتے رہے۔

(iii) ماضی میں دنیا کے مختلف ممالک نے معاشی ترقی کے لیے تین قسم کے طرزِ عمل اختیار کئے۔ (الف) آزاد معاشی نظام یا منڈی کی میکانیت کا نظام (ب) مکمل منصوبہ بندی معیشت یا اشتراکی نظام (ج) مخلوط معاشی نظام جو اول الذکر دونوں معاشی نظاموں کے خدوخال پر مشتمل ہے۔

(iv) پاکستان ایک مخلوط معاشی نظام کی خصوصیات رکھتا ہے۔ اس میں سرکاری اور نجی شعبہ دونوں موجود ہیں اور معاشی منصوبہ بندی تفاعلی نوعیت کی ہے یعنی اپنی سماجی، مذہبی اور تمدنی اقدار برقرار رکھتے ہوئے اور معاشی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی لائے بغیر معاشی ترقی کے پروگرام تیار کئے جاتے رہے ہیں۔

(v) پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی قومی منصوبہ بندی بورڈ کی ذمہ داری ہے۔ یہ بورڈ یا کمیشن 1953 میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کا چیئرمین صدر مملکت ہوتا ہے اور ڈپٹی چیئرمین ایک ایسا بااختیار شخص ہوتا ہے جسے وزیر کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ عملی طور پر تمام امور کا نگرانِ اعلیٰ ہوتا ہے۔

(vi) صوبائی اور مقامی سطح پر بھی ایسی مشینری موجود ہے جو معاشی منصوبوں کی تیاری اور ان کو عملی جامہ پہنانے میں قومی منصوبہ بندی بورڈ کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔

(vii) پاکستان میں اسلامی اقتصادی نظام کے قیام کے سلسلہ میں بعض اہم اقدامات کئے گئے ہیں جن میں نظام زکوٰۃ کا نفاذ ایک اہم پیش رفت ہے۔

1.4 خود آزمائی

سوال نمبر 1۔ اب تک آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اس پر 300 الفاظ پر مشتمل ایک نوٹ لکھیے۔

سوال نمبر 2۔ خالی جگہیں پُر کیجئے۔

(i) معاشی منصوبہ بندی کے ذریعہ معاشی ترقی حاصل کرنے کا طریقہ دنیا کے ترقی پذیر ملکوں میں

بہت .... ہے۔

(ii) 1951ء سے لے کر اب تک کے دور کو پاکستان میں...................... کا دور کہا جا سکتا ہے۔

(iii) ایک آزاد معاشی نظام کو .... کا نظام بھی کہا جا سکتا ہے۔

(iv) پاکستان ایک .... نظام پر یقین رکھتا ہے۔

(جوابات کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 3۔ درست ہے یا غلط

(i) چونکہ منڈی کی میکانیت کا نظام ہر قسم کی خامیوں سے پاک ہے لہٰذا کسی قسم کی منصوبہ بندی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(ii) پاکستان تفاعلی منصوبہ بندی کی حکمت عملی اختیار کئے ہوئے ہے۔

(iii) روس اور چین کی معیشتیں مکمل طور پر منصوبہ بند ہیں۔

(iv) دنیا کے زیادہ تر ممالک میں مخلوط معاشی نظام پایا جاتا ہے۔

(v) پاکستان میں مؤثر معاشی منصوبہ بندی کے لیے کوئی مشینری موجود نہیں ہے۔

(vi) ہمارے ملک میں اسلامی اقتصادی نظام کے قیام کے لیے بعض اہم اقدامات کا اعلان کیا گیا ہے۔

(جواب کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 4۔ معاشی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قومی منصوبہ بندی کمیشن کے زیر نگرانی جو مشینری کام کرتی ہے اس پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ کولمبو پلان

2.1 پس منظر

اگرچہ باضابطہ طور پر پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کا آغاز پہلے پانچ سالہ منصوبہ (جو 60-1955ء تک کی مدت کے لیے تیار کیا گیا تھا) سے ہوا تاہم اس سے قبل بھی جنوب مشرقی ایشیاء کی معاشی ترقی کے تعاونی پروگرام کے تحت بھی ایک تجربہ کیا گیا تھا جو کولمبو پلان کے نام سے مشہور ہے۔ یہ منصوبہ دراصل دولت مشترکہ کے وزرائے خارجہ کی اس کانفرنس کے نتیجہ میں وجود میں آیا تھا جو 1950ء کے اوائل میں سری لنکا کے دارالخلافہ کولمبو میں منعقد ہوئی تھی۔ یہ ترقیاتی منصوبہ پاکستان، بھارت، سری لنکا، ملایا، سنگاپور، جنوبی بورنیو، شمالی بورنیو اور سروک کے لیے اجتماعی طور پر تیار کیا گیا تھا۔ اس کی مدت 57-1951ء کے چھ سال مقرر کئے گئے تھے۔ یہ منصوبہ درحقیقت جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کی معاشی ترقی کے لیے ایک ایسی کوشش تھی جو دولت مشترک کی مشاورتی کمیٹی کے تعارف سے عمل میں لائی گئی۔

2.2 مالی وسائل اور شعبہ وار تقسیم

اس منصوبہ کی مدت کے دوران پاکستان میں دو ارب 60 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس مجموعی رقم میں سے ایک ارب ستر کروڑ روپے اندرون ملک سے حاصل کیے جانے تھے اور 90 کروڑ روپے بیرونی ذرائع سے حاصل ہوئے تھے۔ ایک ارب ستر کروڑ روپے کے اندرونی وسائل میں نجی بچتوں کی شکل میں ایک ارب بیس کروڑ روپے اور سرکاری بچتوں کی شکل میں 50 کروڑ روپے حاصل کئے جانے تھے۔ بیرونی ذرائع سے حاصل کی جانے والی 90 کروڑ روپے کی رقم کا ایک حصہ سٹرلنگ کے بقایا جات سے حاصل ہونا تھا اور دوسرا حصہ برآمدات سے کمائے جانے والے زرمبادلہ کی صورت میں۔ جن ملکوں نے اس منصوبہ کو مالی وسائل فراہم کرنے میں حصہ لیا ان میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور کینیڈا شامل ہیں۔

کولمبو پلان کے تحت ملک میں خرچ کی جانے والی کل رقم کی شعبہ وار تقسیم کچھ اس طرح مقرر کی گئی تھی:

گوشوارہ

شعبہ	کل رقم کا فیصد حصہ
زراعت	32 فیصد
صنعت	19 فیصد
ذرائع حمل ونقل اور رسل و رسائل	20 فیصد
ایندھن اور طاقت	18 فیصد
سماجی فلاح و بہبود	11 فیصد

2.3 کولمبو منصوبے کے نتائج اور تنقیدی جائزہ

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ ایک برائے نام منصوبہ تھا کیونکہ یہ چند انفرادی پروجیکٹوں کی تکمیل کا نام تھا۔ نہ تو اس میں قومی وسائل کا صحیح تعین کیا گیا تھا اور نہ ہی اس میں واضح اہداف متعین کئے گئے تھے۔ پاکستان منصوبہ بندی بورڈ کے الفاظ میں:

> ''یہ چھ سالہ منصوبہ ایسے حالات میں تیار کیا گیا تھا جبکہ بعض انتہائی اہم معلومات موجود نہ تھیں۔ پاکستان کی معیشت کے بارے میں بعض اہم اعداد و شمار مثلاً آبادی، قدرتی وسائل اور مالی وسائل کے اعداد و شمار کی کمی تھی۔'' ظاہر ہے ان حالات میں جو بھی پروگرام بنایا جاتا اس میں اصلاح کی گنجائش موجود ہوتی۔''

حکومت پاکستان نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک معاشی کونسل اور منصوبہ بندی کمیشن بنا دیا۔ حالات میں تبدیلی کے سبب اس منصوبہ میں رد و بدل کرنا پڑا کیونکہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ حکومت نے ایک دو سالہ ترجیحی پروگرام بنایا تا کہ بعض اشد ضرورت کی چیزیں ملک کے اندر ہی بنائی جا سکیں۔ اگست 1953 ء میں کل خرچ کا دوبارہ اندازہ لگایا گیا اور یہ خرچ دو ارب 60 کروڑ سے بڑھ کر 3 ارب 62 کروڑ کر دیا گیا۔ 1956ء کے آغاز میں اس میں مزید اضافہ ہو کر یہ پانچ ارب چونسٹھ کروڑ روپے تک پہنچ گیا۔

ان حقائق کے باوجود اس منصوبے کے تحت بعض اہم کامیابیاں نصیب ہوئیں:

(ا) صنعتی پیداوار کا اعشاری عدد 1950ء میں 100 سے بڑھ کر 1951ء میں 285 ہو گیا۔

(ب) سیمنٹ کی سالانہ پیداوار 1948ء میں 3.2 لاکھ ٹن سے بڑھ کر 1954ء میں 6.73 لاکھ ٹن

ہو گئی۔

(ج) پاکستان صنعتی ترقی کارپوریشن نے 19 منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا اور بارہ پروجیکٹوں پر کام شروع کر دیا۔

(د) بجلی کی پیداواری گنجائش 48-1947ء میں دو لاکھ اسی ہزار کلوواٹ تک پہنچ گئی۔

(ذ) ہوائی سفر، بحری سفر، بندرگاہوں کی سہولتوں، روڈ ٹرانسپورٹ، ٹیلی مواصلات اور سماجی خدمات کے شعبوں میں بھی بہتری کے آثار دیکھنے میں آئے۔

کولمبو منصوبہ کے تحت پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی، عام منصوبہ بندی نہ تھی بلکہ جزوی منصوبہ بندی کا درجہ رکھتی تھی، تاہم اس منصوبہ کے تحت جو جزوی کامیابیاں نصیب ہوئیں انہوں نے آئندہ زیادہ جامع اور مؤثر منصوبہ بندی کے لیے راہ ہموار کر دی۔ یہ منصوبہ ابھی مکمل نہ ہونے پایا تھا کہ پاکستان نے ایک جامع منصوبہ 60-1955ء کی مدت کے لیے چالو کر دیا جو پاکستان کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ کہلاتا ہے۔

2.4 اہم نکات

(i) پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کا آغاز کولمبو منصوبہ سے ہوا۔ یہ منصوبہ 57-1951ء تک کی مدت کے لیے دولت مشترکہ کی مشاورتی کمیٹی کے زیرنگرانی تیار ہوا تھا۔

(ii) اس منصوبہ کی مدت میں مجموعی طور پر دو ارب ساٹھ کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا لیکن اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کے سبب اس پر نظرثانی کر کے اسے تین ارب 62 کروڑ روپے کر دیا گیا۔

(iii) اس منصوبہ میں مختلف صنعتوں کی پیداوار اور بجلی کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا۔ معیشت کے بعض دوسرے شعبوں میں بہتری کے آثار نہ دکھائی دیئے۔

(iv) کولمبو منصوبہ ایک جامع منصوبہ کی بجائے ایک جزوی منصوبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس منصوبہ کی تیاری ایک ایسے وقت میں ہوئی جبکہ نہ تو ملک کی معیشت کے بارہ میں ضروری اعداد وشمار موجود تھے اور نہ ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مؤثر مشینری مقرر کی گئی تھی۔

2.5 خود آزمائی

سوال نمبر 5۔ پاکستان کی معاشی ترقی کے لیے کولمبو منصوبہ کے تحت جو ترقیاتی پروگرام بنایا گیا تھا اس پر 500 الفاظ پر مشتمل ایک تبصرہ کیجئے۔

سوال نمبر 6۔ مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہیں پُر کیجئے :

(i) کولمبو منصوبہ .... کی مدت کے لیے بنایا گیا تھا۔

(ii) کولمبو منصوبہ کے تحت پاکستان کے لیے ترقیاتی پروگرام پر .... رقم خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا جسے 1953ء میں بڑھا کر .... کر دیا گیا۔

(iii) کولمبو پلان کے تحت پاکستان کی زرعی ترقی پر کل رقم کا .... فیصد، صنعتی ترقی پر .... فیصد ذرائع حمل ونقل اور رسل و رسائل پر .... فیصد، ایندھن اور طاقت پر .... فیصد اور سماجی فلاح و بہبود پر .... فیصد خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

(iv) کولمبو منصوبہ پر عمل درآمد کے نتیجہ میں پاکستان میں صنعتی پیداوار کا اشاری عدد 1950ء میں .... سے بڑھ کر 1954ء میں .... ہو گیا۔ سیمنٹ کی سالانہ پیداوار 1948ء میں .... لاکھ ٹن سے بڑھ کر 1954ء میں .... ٹن ہوگئی۔ پاکستان صنعتی کارپوریشن .... منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا۔ بجلی کی پیداواری گنجائش 48-1947ء میں .... لاکھ کلوواٹ سے بڑھ کر 55-1954ء میں .... کلوواٹ ہوگئی۔

(جواب کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 7۔ درست ہے یا غلط

(ا) کولمبو پلان ایک جامع منصوبہ نہ تھا بلکہ جزوی منصوبہ تھا۔

(ب) کولمبو منصوبہ انتہائی سازگار حالات میں تیار کیا گیا تھا۔

(ج) جن ملکوں نے کولمبو پلان کے لیے مالی امداد فراہم کی ان میں کینیڈا، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

(د) پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کے لیے کوئی مشینری موجود نہیں ہے۔

(ر) کولمبو منصوبہ میں جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا کے آٹھ ممالک شامل تھے۔

(جواب کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

3۔ پہلا دوسرا اور تیسرا منصوبہ

3.1 پہلے منصوبے کی جسامت

ابتدا میں پہلے منصوبہ کی مدت کے دوران 11 ارب 60 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا لیکن بعد میں اس پر نظر ثانی کر کے اس کی جسامت گھٹا کر 10 ارب 80 کروڑ روپے کر دی گئی۔ جس میں سے 7 ارب 50 کروڑ روپے سرکاری شعبہ میں اور 3 ارب 30 کروڑ روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونے قرار پائے۔ مجموعی خرچ میں کمی کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

(ا) منصوبہ پر عمل درآمد کے فیصلہ میں تاخیر ہوگئی۔

(ب) سرکاری آمدنی میں حسبِ توقع اضافہ نہ ہو سکا۔

(ج) حکومت کے غیر ترقیاتی اخراجات میں اضافہ ہوگا۔

10 روپے 80 کروڑ روپے کی مجموعی رقم میں سے 6 ارب 60 کروڑ روپے اندرون ذرائع سے حاصل کئے جانے تھے اور 4ارب 26 کروڑ روپے بیرونِ ملک سے۔

ان وسائل کی مزید تقسیم اس طرح تھی:

گوشوارہ

(ا)	اندرونی ذرائع	رقم (کروڑ روپے میں)
(ا)	سرکاری بچتیں	100
	نجی بچتیں	560
	کل بچتیں	660
	بیرونی ذرائع	
(ب)	غیر ملکی قرضے اور امداد	380
	غیر ملکی سرمایہ کاری	40
		420
ا اور ب کا مجموعہ = 660 + 420 = 1080 کروڑ روپے		

3.2 دوسرے پانچ سالہ منصوبہ (1960-65ء) کی جسامت اور مالی وسائل

جسامت

ابتداء میں دوسرے منصوبہ کی مدت کے دوران 19 ارب روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا جسے 1961ء میں نظرثانی کر کے 23 ارب روپے کر دیا گیا۔ اس میں سے 12 ارب 40 کروڑ روپے سرکاری شعبہ میں، 3 ارب 80 کروڑ روپے نیم سرکاری شعبہ میں اور 6 ارب 80 کروڑ روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونا قرار پائے۔ نیم سرکاری شعبہ دوسرے منصوبہ کی مدت کے دوران پہلی مرتبہ معیشت میں متعارف کرایا گیا۔ اس سے مراد وہ تمام خودمختار کارپوریشنیں ہیں جو حکومت کی طرف سے دیئے گئے عطیات اور قرضوں پر چلتی ہیں لیکن کسی حد تک نجی مالیات سے بھی سہارا حاصل کرتی ہیں۔ منصوبہ کی جسامت پر نظرثانی کر کے اس کے خرچ میں اضافہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ :

(i) اندرون ملک اور بیرون ملک اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔

(ii) معلومات میں کمی کے سبب منصوبہ کی تیاری کے وقت لاگت کا صحیح اندازہ نہ ہو پایا تھا۔

(iii) دریائے سندھ کے طاس کے منصوبہ پر عمل درآمد کے لیے زائد رقم کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

(iv) کئی نئے کام بھی منصوبہ میں شامل کر لئے گئے جو پہلے نہ کئے گئے تھے۔

مالی وسائل

23 ارب روپے کی کل رقم کے وسائل ذیل کے گوشوارہ کے مطابق حاصل کئے جانے تھے:

گوشوارہ

ذرائع	کروڑ روپے	استعمال خرچ	کروڑ روپے
اندرونی ذرائع			
(ا) نجی بچتیں	618.00	سرکاری شعبہ	1240.00
(ب) سرکاری بچت	587.00		
	1205	نیم سرکاری شعبہ	380.00
بیرونی ذرائع			

(ا) غیر ملکی قرضے	685.00		
(ب) غیر ملکی سرمایہ کاری	60.00	نجی شعبہ	680.00
(ج) اشیائی امداد	350.00		
	1095		
	2300		2300.00

اس گوشوارہ سے واضح ہے کہ اس منصوبہ میں معاشی ترقی کے وسائل حاصل کرنے کے لیے بیرونی امداد پر بہت زیادہ انحصار کیا گیا تھا۔کل وسائل کا 44 فیصد حصہ بیرونی وسائل سے حاصل کیا جانا تھا۔ دراصل یہ وہ دور تھا جب پاکستان معاشی ترقی کے اہم دور میں داخل ہو چکا تھا اور معاشی منصوبہ بندی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بھاری مقدار میں اشیائے سرمایہ اور صنعتی خام مال درآمد کرنے کی ضرورت تھی۔

3.3 تیسرے پانچ سالہ منصوبہ (70-1965) کی جسامت اور مالی وسائل

جسامت

تیسرے منصوبہ کی مدت کے دوران 52 ارب روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔اس میں سے 30 ارب روپے سرکاری شعبہ میں اور 22 ارب روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونا قرار پائے تھے۔ 1965ء میں بھارت کے ساتھ جنگ کے نتیجہ میں بیرونی امداد کے حصول میں نہ صرف تاخیر ہوگئی بلکہ یہ غیر یقینی ہوگئی جس کے نتیجہ میں وسائل کی شعبہ وار تقسیم میں رد و بدل کرنا پڑا تاہم منصوبے کی مجموعی جسامت 52 ارب روپے ہی برقرار رکھی گئی۔

مالی وسائل

تیسرے منصوبہ کی مدت کے دوران خرچ کی جانے والی 52 ارب روپے کی رقم کے لیے وسائل کا حصول اور استعمال ذیل کے گوشوارہ کے مطابق ہونا تھا۔

گوشوارہ
تیسرے پانچ سالہ منصوبہ (70-1965) کے لیے مالی وسائل

ذریعہ	سرکاری شعبہ	نجی شعبہ	کل رقم	کل رقم کا فیصد
اندرونی وسائل	1650.00	1900.00	3550.00	68 فیصد
بیرونی وسائل	1350.00	300.00	1650.00	32 فیصد
میزان	3000.00	2200.00	5200.00	100 فیصد

اس گوشوارہ سے پتہ چلتا ہے کہ تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے لیے 68 فیصد مالی وسائل ملک کے اندر سے ہی حاصل کئے جانے تھے اور 32 فیصد وسائل غیر ملکی امداد سے۔ گویا دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی نسبت تیسرے منصوبہ میں غیر ملکی امداد پر انحصار کافی گھٹ گیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران قومی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا تھا

3.4 تینوں منصوبوں کا موازنہ بلحاظ جسامت اور مالی وسائل

ذیل میں ایک ایسا جامع گوشوارہ پیش کیا گیا ہے جس میں آپ ایک ہی نظر میں پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کا تقابلی جائزہ بلحاظ جسامت اور مالی وسائل لے سکتے ہیں۔

گوشوارہ

پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کا موازنہ بلحاظ جسامت اور مالی وسائل ایک نظر میں

منصوبہ	ذرائع	کروڑ روپے	ذرائع	کروڑ روپے
پہلا پانچ سالہ منصوبہ	(الف) اندرونی ذرائع سرکاری بچتیں نجی بچتیں (ب) بیرونی ذرائع غیر ملکی قرضے اور امداد غیر ملکی سرمایہ کاری	100.00 560.00 660.00 380.00 40.00 420.00	سرکاری شعبہ نجی شعبہ	750.00 330.00
	میزان	1080.00	میزان	1080.00
دوسرا پانچ سالہ منصوبہ	(الف) اندرونی ذرائع نجی بچتیں سرکاری بچتیں (ب) بیرونی ذرائع غیر ملکی قرضے غیر ملکی سرمایہ کاری اشیائی امداد	618.00 587.00 1205.00 685.00 60.00 350.00 1095.00	سرکاری شعبہ نیم سرکاری شعبہ نجی شعبہ	1240.00 380.00 680.00
	میزان	2300.00	میزان	2300.00

تیسرا پانچ سالہ منصوبہ	(الف) اندرونی وسائل			
	سرکاری بچتیں	1400.00		
	نجی بچتیں	2000.00		
	تمویل خاسہ	250.00		
		3650.00	سرکاری شعبہ	3000.00
	(ب) بیرونی وسائل			
	غیرملکی قرضے	1480.30	نجی شعبہ	2300.00
	غیرملکی نجی سرمایہ کاری	70.00		
		1550.00		
	میزان	5200.00	میزان	5200.00

مندرجہ بالا جامع گوشوارہ کے بنظر غور مطالعہ کے بعد آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ :

(i) دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی مجموعی جسامت پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی نسبت دگنے سے بھی زیادہ تھی۔ یوں بھی کہ جا سکتا ہے کہ پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران پہلے پانچ سالہ منصوبہ کے مقابلہ میں 100 فیصد سے بھی زیادہ رقم خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا اور تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی نسبت 100 فیصد بھی زیادہ رقم خرچ کرنے کا پروگرام مرتب کیا گیا تھا یعنی ہر بعد میں آنے والے منصوبہ کی جسامت میں سو فیصد سے بھی زیادہ کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔

(ii) پہلے پانچ سالہ منصوبہ میں بیرونی وسائل یا غیرملکی امداد کل مالی وسائل کا 39 فیصد تھی۔ دوسرے منصوبہ میں یہ بڑھ کر 44 فیصد ہو گئی لیکن تیسرے منصوبہ میں یہ گھٹ کر 32 فیصد رہ گئی۔

(iii) پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران سرکاری شعبہ میں کل رقم کا 60 فیصد، دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں 70 فیصد (بشرطیکہ نیم سرکاری شعبہ کو بھی سرکاری شعبہ میں شامل کر لیا جائے) اور تیسرے منصوبہ کی مدت کے دوران 58 فیصد خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

(iv) دوسرے منصوبہ میں نیم سرکاری شعبہ میں بھی متعارف کرایا گیا لیکن تیسرے منصوبہ میں اسے بھی سرکاری شعبہ میں مدغم کر دیا گیا۔

(v) غیرملکی امداد کا زیادہ تر حصہ غیرملکی قرضوں پر مشتمل تھا اور غیرملکی نجی سرمایہ کاری اور عطیات کا حصہ کافی کم تھا۔

(vi) پہلے پانچ سالہ منصوبہ میں ملک کے اندرونی وسائل میں سرکاری بچتوں کا حصہ بہت کم تھا لیکن دوسرے اور تیسرے منصوبہ میں یہ کل اندرونی وسائل کا 43 سے 49 فیصد تھیں۔

3.5 اہم نکات

(i) معاشی منصوبے کی جسامت سے مراد وہ مجموعی رقم ہے جو منصوبے کی مدت کے دوران خرچ کرنے کا پروگرام بنایا جاتا ہے۔

(ii) کسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مالی وسائل دو بڑے ذرائع سے حاصل کئے جاتے ہیں۔(الف) اندرونی ذرائع (ب) بیرونی ذرائع۔ اندرونی ذرائع میں نجی بچتیں، سرکاری بچتیں اورتمویل خاسر سے حاصل ہونے والی رقمیں شامل ہوتی ہیں جبکہ بیرونی وسائل میں غیرملکی قرضے، غیرملکی نجی سرمایہ کاری اور غیرملکی عطیات شامل ہوتے ہیں۔

(iii) پاکستان کے پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مجموعی جسامت 10 ارب 80 کروڑ روپے تھی جس میں سے 7 ارب 50 کروڑ روپے سرکاری شعبہ میں اور 3 ارب 30 کروڑ روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونا قرار پائے تھے۔ مجموعی رقم میں سے 6 ارب 60 کروڑ روپے اندرونی ذرائع سے اور 4 ارب 20 کروڑ روپے بیرونی ذرائع سے حاصل کیے جانے تھے۔

(iv) دوسرے پانچ سالہ مدت کے دوران 23 ارب روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا (یعنی پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی نسبت دگنے سے بھی زیادہ)

(v) دوسرے منصوبہ کی 23 ارب روپے کی کل رقم میں سے سرکاری شعبہ میں 12 ارب 40 کروڑ روپے، نیم سرکاری شعبہ میں 3 ارب 80 کروڑ روپے اور نجی شعبہ میں 6 ارب 80 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ مجموعی رقم میں سے 12 ارب 5 کروڑ روپے اندرونی وسائل سے اور 10 ارب 95 کروڑ روپے بیرونی وسائل سے حاصل کئے جانے تھے۔

(vi) تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں 52 ارب روپے کی رقم خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس رقم میں 30 ارب روپے سرکاری شعبہ اور 22 ارب روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونا قرار پائے۔ مجموعی رقم میں 36 ارب 50 کروڑ روپے (68 فیصد) اندرونی وسائل سے اور 15 ارب 50 کروڑ روپے (32 فیصد) بیرونی وسائل سے حاصل کیا جانا تھے۔

(vii) پہلے منصوبہ کی مدت میں ابتدائی خرچ کا تخمینہ 11 ارب 60 کروڑ روپے تھا لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر اسے کم کر کے 10 ارب 80 کروڑ کر دیا گیا۔ اس کے برعکس دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں ابتدائی خرچ کا تخمینہ 19 ارب روپے لگایا گیا تھا جسے بعد میں نظرثانی کر کے بڑھا کر 23 ارب روپے کر دیا گیا۔

(viii) تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کے آغاز میں پاک بھارت جنگ چھڑ گئی جس کے نتیجہ میں وسائل کی

شعبہ وار تقسیم میں رد و بدل کرنا پڑا تاہم منصوبہ کی مجموعی جسامت 52 ارب روپے ہی برقرار رکھی گئی۔

3.6 خود آزمائی

سوال نمبر 8 سیکشن 3.6 میں دیئے گئے جامع گوشوارہ کا مطالعہ کر کے اپنے تاثرات 500 الفاظ پر مشتمل ایک نوٹ کی صورت میں تحریر کیجئے۔

سوال نمبر 9 مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہیں پُر کیجئے۔

(i) پاکستان کے پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران مجموعی طور پر .... روپے کی رقم خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا جس میں سے .... روپے کی رقم اندرونی وسائل سے اور .... روپے کی رقم بیرونی وسائل سے حاصل کی جانا تھی۔

(ii) پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی جسامت .... تھی جس میں سے .... روپے سرکاری شعبہ میں .... روپے نیم سرکاری شعبہ میں اور .... روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونا قرار پائے تھے۔

(iii) پاکستان کے تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کی جسامت .... روپے تھی جس میں سے .... روپے بیرونی وسائل سے اور .... روپے اندرونی وسائل سے حاصل کئے جانے تھے۔

(جواب کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 10۔ درست ہے یا غلط

(i) پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی جسامت پہلے پانچ سالہ کی نسبت دگنے سے بھی زیادہ اور تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کی جسامت دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی نسبت دگنے سے بھی زیادہ تھی۔

(ii) پاکستان کے تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے مالی وسائل میں غیر ملکی امداد کا حصہ کافی نمایاں ہے۔

(iii) پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں پر نظر ثانی کی کوئی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔

(iv) پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ منصوبوں میں نجی شعبہ میں، سرکاری شعبہ کی نسبت زیادہ رقم خرچ کی گئی۔

(v) غیر ملکی امداد میں سب سے زیادہ حصہ غیر ملکی قرضوں کا ہوتا ہے۔

(vi) اندرونی مالی وسائل کا زیادہ حصہ نجی بچتوں سے حاصل ہوتا ہے۔

4۔ پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کا موازنہ بلحاظ
مقاصد، اہداف، ترجیحات اور حکمت عملی

4.1 ۔تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے مقاصد

تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے مقاصد کم وبیش ایک جیسے تھے۔

(i) قومی آمدنی میں اضافہ

قومی پیداوار میں اضافہ کی رفتار آبادی میں اضافہ کی رفتار سے زیادہ رکھنا تاکہ فی کس آمدنی بڑھے اور لوگوں کا معیارِ زندگی بہتر ہو۔

(ii) قومی اور زرعی پیداوار میں اضافہ

منصوبہ کے وسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک کی زرعی اور صنعتی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا۔

(iii) برآمدات میں نمایاں اضافہ کر کے ادائیگیوں کے توازن میں اصلاح کرنا کیونکہ صنعتی اور زرعی پیداوار میں اضافہ کے لیے کثیر مقدار میں اشیائے سرمایہ اور صنعتی خام مال درآمد کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے جس کے لیے وافر زرمبادلہ درکار ہوتا ہے۔

(iv) روزگار کے مواقع میں اضافہ

روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کرنا کیونکہ پاکستان میں آبادی میں تیزی سے اضافہ کے نتیجہ میں افرادی قوت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ہر سال جمعیت محنت میں 6 لاکھ افراد کا اضافہ ہو جاتا ہے جنہیں روزگار کے مواقع مہیا کرنا ہوتے ہیں۔

(v) سماجی فلاح و بہبود میں اضافہ

سماجی خدمات کی فراہمی کو تیز سے تیز تر کرنا کیونکہ بالآخر ساری معاشی سرگرمی کا منتہائے مقصود یہی ہے کہ انسان کی خوشحالی میں اضافہ ہو۔

سماجی خدمات میں تعلیم، صحت، رہائش اور تفریح کی سہولتیں شامل ہیں۔

(vi) ملک کے مختلف حصوں میں معاشی فرق کو دور کرنا

ملک کے پسماندہ علاقوں کی معاشی ترقی کی رفتار کو زیادہ تیز رکھنا تاکہ وہ کم سے کم عرصہ میں ملک کے زیادہ ترقی یافتہ علاقوں کے ہم پلہ ہو جائیں۔ سقوط مشرقی پاکستان سے پہلے مشرقی پاکستان مغربی حصے کی نسبت زیادہ

پسماندہ تھا اس لیے اس حصے کو زیادہ تیز رفتار سے ترقی دے کر ملک کے دونوں حصوں کے درمیان معاشی تفاوت کو دور کرنا بڑا مقصد تھا۔ لیکن سقوط ڈھاکہ کے بعد موجودہ پاکستان کے مختلف علاقوں کے درمیان معاشی فرق کو دور کرنا منصوبہ بندی کا ایک اہم مقصد ہے۔ بلوچستان کا صوبہ باقی صوبوں کے مقابلہ میں زیادہ پسماندہ ہے۔

(vii) ملک کو کم سے کم عرصہ میں خوراک کے معاملہ میں خود کفیل بنانا

قیامِ پاکستان کے بعد سوائے ابتدائی چند سالوں کے ملک میں خوراک کی قلت کم و بیش برقرار رہی ہے اور خوراک کی درآمد پر ہزاروں روپے کا قیمتی زرمبادلہ خرچ ہوتا رہا ہے۔ پاکستان جیسے زرعی ملک کے لیے یہ امر باعثِ پریشانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے سارے منصوبوں میں زرعی ترقی اور بالخصوص خوراک کی پیداوار بڑھانے اور اس معاملہ میں ملک کو خود کفیل بنانے کا مقصد شامل رہا ہے۔

(viii) اوسط بچت اور تخمینہ بچت میں اضافہ کرنا

سرمایہ کاری کو معاشی ترقی میں ایک ستون کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ آمدنی اس وقت تک نہیں بڑھ سکتی جب تک سرمایہ موجود نہ ہو اور سرمایہ کی تشکیل بچت کی مرہونِ منت ہے۔ بچت کے بغیر سرمائے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان میں اوسط قومی بچت بہت کم ہے کیونکہ پسماندہ ملک ہونے کی وجہ سے لوگوں کی آمدنیاں کم ہیں لہٰذا منصوبہ بندی کے ذریعے سے قوم کی تخمینہ بچت (تخمینہ بچت سے مراد وہ بچت ہے جو ہر منصوبہ کی مدت کے دوران بڑھی ہوئی آمدنی میں سے بچائی جائے) میں اضافہ کر کے اوسط بچت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا تینوں منصوبوں کا ایک اہم مقصد رہا ہے۔

(ix) شرح ولادت میں کمی کرنا

پاکستان کی آبادی میں ہر سال تین فیصد سالانہ کی شرح سے ماضی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ماہرین آبادی کا کہنا تھا کہ آبادی اگر اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو بیسویں (20) صدی کے آخر تک ہماری آبادی 13 کروڑ افراد سے تجاوز کر جائے گی۔ اس وقت پاکستان کی آبادی تقریباً 16 کروڑ سے زیادہ ہے۔ اس کے باوجود ملک کی فی کس آمدنی صرف 1085 ڈالر سالانہ ہے جو بہت ہی کم ہے، لہٰذا لوگوں کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے جہاں قومی پیداوار میں اضافہ بہت ضروری ہے وہاں شرح ولادت کو کم کرنا بھی مناسب ہے۔ پس پاکستان کی منصوبہ بندی کا ایک اور اہم مقصد آبادی میں تیزی سے اضافہ کے رجحان کو کم کرنا بھی رہا ہے۔

4.2 تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے اہداف

'اہداف' عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ 'ہدف' کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں نشانہ یا وہ منزل جہاں تک ہم پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سیکشن 4.1 میں تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے مقاصد کا ذکر آپ نے پڑھا۔ ان مقاصد کی روشنی میں تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے اہداف یا نشانے مقرر کیے گئے تھے۔ ذیل کا گوشوارہ ان کا ایک تقابلی جائزہ پیش کرتا ہے۔

پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کے اہداف

1	2	3	4	5	6	7	8	9
منصوبہ	قومی آمدنی میں اضافہ کی شرح	فی کس آمدنی میں اضافہ کی شرح	زرعی پیداوار میں اضافہ کی شرح	صنعتی پیداوار میں اضافہ کی شرح	روزگار کے مواقع میں اضافہ	برآمدات میں اضافہ کی شرح	بچتوں میں اضافہ کی شرح	سماجی خدمات میں اضافہ اور متفرق مقاصد
پہلا پانچ سالہ منصوبہ	15فیصد یا3فیصد سالانہ	7فیصد یا1.4 فیصد سالانہ	5فیصد اور خوراک کی پیداوار میں 9فیصد اضافہ	75فیصد یا5فیصد سالانہ	20 لاکھ	15فیصد یا3فیصد سالانہ	5فیصد سے بڑھا کر 7 فیصد سالانہ کرنا	تعلیم، صحت اور رہائش کی سہولتوں میں اضافہ کرنا
دوسرا پانچ سالہ منصوبہ	24فیصد یا4.8فیصد سالانہ	12فیصد یا2.4 فیصد سالانہ	14فیصد یا2.8فیصد سالانہ خوراک کی پیداوار میں 21 فیصد یا4.2فیصد اضافہ	60فیصد یا2فیصد سالانہ	25 لاکھ	15فیصد یا3فیصد سالانہ	بڑھا کر قومی آمدنی کے 10فیصد سالانہ تک پہنچانا	تعلیم، صحت اور رہائش کی سہولتوں میں اضافہ کرنا اور آبادی کی منصوبہ بندی کرنا، مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان معاشی تفاوت کم کرنا
تیسرا پانچ سالہ منصوبہ	37فیصد یا7.4فیصد سالانہ	22فیصد یا4.4فیصد سالانہ	25فیصد یا5فیصد سالانہ	65فیصد یا3فیصد سالانہ	55 لاکھ	48فیصد یا9-1/2 فیصد سالانہ	بڑھا کر قومی آمدنی کے 13.5فیصد سالانہ تک پہنچانا	تعلیم، صحت اور رہائش کی سہولتوں میں اضافہ اور آبادی کی منصوبہ بندی ملک کے دونوں حصوں میں معاشی تفاوت کم کرنا

اس گوشوارہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ :

(i) ہر بعد میں آنے والے منصوبہ کے لیے قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ کی شرح کا پروگرام بڑھتا چلا گیا۔

(ii) زرعی پیداوار میں اضافے کا ہدف بھی بڑھتا چلا گیا۔

(iii) صنعتی پیداوار میں اضافہ کی سالانہ شرح کا پروگرام ہر منصوبہ میں 12 فیصد کے لگ بھگ ہی رہا۔

(iv) ملک میں بیروزگاری کو دور کرنے کے لیے اور بڑھتی ہوئی جمعیت محنت کو روزگار کے مواقع مہیا کرنے کے لیے ہر بعد میں آنے والے منصوبہ میں روزگار کے مواقع میں اضافہ کا ہدف بھی برابر بڑھتا چلا گیا۔

(v) زرمبادلہ کے حصول کی غرض سے برآمدات میں اضافہ کی شرح کا پروگرام پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں تقریباً ایک جتنا ہی رہا البتہ تیسرے منصوبہ کی مدت میں اس میں نمایاں اضافہ کا پروگرام بنایا گیا۔

(vi) ملک کے اندرونی مالی وسائل میں اضافہ کرنے کی غرض سے ہر بعد میں آنے والے منصوبہ میں اوسط قومی بچت کی شرح میں اضافہ کا پروگرام بڑھتا چلا گیا۔

(vii) ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو سماجی فلا و بہبود فراہم کرنے کے لیے ہر بعد میں آنے والے منصوبہ میں تعلیم، صحت اور رہائش کی سہولتیں بڑھانے کا پروگرام ترقی کرتا چلا گیا

4.3 تناظری منصوبہ (85-1965ء)

پہلے دو پانچ سالہ منصوبوں پرعمل درآمد کے نتیجہ میں جو تجربات حاصل ہوئے ان کی روشنی میں ماہرین منصوبہ بندی نے یہ ضرورت محسوس کی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ملک کی قلیل مدت معاشی منصوبہ بندی، کو طویل مدت منصوبہ بندی کے ایک لازمی جزو کی حیثیت دے دی جائے کیونکہ معاشی ترقی کا عمل ایک لمبا، پیچیدہ اور سفر ہے۔ قوم کی زندگی ایک فرد کی زندگی سے بہت لمبی ہوتی ہے لہٰذا ائندہ آنے والی نسلوں کی فلاح و بہبود بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی موجودہ نسل کی۔ چنانچہ تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کو ماہرین منصوبہ بندی نے ایک 20 سالہ تناظری (لمبی مدت کا) منصوبہ کا حصہ بنا دیا، جس کے اہم مقاصد اور اہداف یہ تھے:

(i) 1985ء تک کی 20 سالہ مدت میں قومی پیداوار میں چار گنا اضافہ کرنا۔

(ii) مکمل روزگار کی سطح حاصل کرنا یعنی اس عرصے کے اختتام پر ملک میں کوئی شخص بھی اپنی مرضی کے بغیر بیروزگار نہ رہے۔

(iii) مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان معاشی تفاوت کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔

(iv) ملک سے جہالت اور ناخواندگی کا قلع قمع کرنا۔

(v) غیر ملکی امداد سے یکسر چھٹکارا حاصل کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا۔

تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں معاشی ترقی کا جو پروگرام مرتب کیا گیا تھا، وہ درحقیقت انہی بڑے مقاصد کے حصول کی ایک کڑی تھی۔ تیسرے منصوبے کے اہداف کی تفصیل اوپر گوشوارہ میں بیان ہو چکی ہے۔

4.4 تینوں منصوبوں کا موازنہ بلحاظ ترجیحات اور حکمت عملی

ترجیحات کا مفہوم

ترجیحات کا مطلب یہ ہے کہ کسی معاشی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے دوران کس بات کو اور کس شعبے کی ترقی کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور کس کو کم۔ یعنی زرعی شعبہ کو زیادہ اہمیت دی جائے گی یا صنعتی شعبہ کو، اشیائے صرف کی پیداوار کو ترجیح حاصل ہو گی یا اشیائے سرمایہ کی پیداوار کو۔ ظاہر ہے کہ وہی مقصد اور ہدف زیادہ ترجیح کا مستحق ہو گا جو ملک کی معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے میں زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

حکمت عملی کا مفہوم

کسی معاشی منصوبہ کی حکمت عملی سے مراد وہ طریقہ یا اسلوب ہے جو منصوبہ کے مقاصد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ کسی مقصد کے حصول کے لیے عام طور پر ایک سے زیادہ طریقے ہو سکتے ہیں۔ ملک کے محدود ذرائع اور سماجی حالات کے پیش نظر ان میں سے بہترین طریقے کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔

درحقیقت کسی معاشی منصوبہ کی ترجیحات اور حکمت عملی آپس میں گہرے طور پر مربوط ہیں۔ ذیل میں مختلف پہلوؤں سے تینوں پانچ سالہ منصوبوں کی حکمت عملی اور ترجیحات کا ذکر کیا گیا ہے۔

(i) شرح افزائش کی حکمت عملی

پہلے پانچ سالہ منصوبہ میں قومی پیداوار میں 15 فیصد اضافہ کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ چونکہ اسی مدت کے دوران آبادی میں 7.5 فیصد اضافہ متوقع تھا لہٰذا فی کس آمدنی میں 7 فی صد اضافہ ہونے کی اُمید کی گئی تھی۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران قومی پیداوار میں 24 فیصد اضافہ متوقع تھا اور اسی مدت میں آبادی میں 2.5 فیصد متوقع سالانہ اضافہ کے پیش نظر فی کس آمدنی میں 12 فیصد اضافہ کی اُمید کی گئی تھی۔ چونکہ دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں قومی پیداوار میں افزائش کی شرح توقع سے بھی بڑھ گئی یعنی 24 فیصد کی بجائے 30 فیصد حاصل ہوئی اس لیے اس کامیابی کے پیش نظر تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں قومی آمدنی میں اضافہ کا ہدف اور بھی بڑھا دیا گیا یعنی 37 فیصد۔

(ii) سرمایہ کاری کی حکمت عملی

پہلے پانچ سالہ منصوبہ میں سرمایہ کاری کی حکمت عملی یہ تھی کہ معیشت کے معاشی تحتی ڈھانچ یعنی ذرائع حمل ونقل اور رسل و رسائل، پانی، بجلی اور معدنی وسائل کو ترقی دی جائے کیونکہ انہی ذرائع کی ترقی بالآخر ملک کی تیز تر زرعی اور صنعتی ترقی کے لیے مددگار ثابت ہوگی۔ دوسرے منصوبہ میں بھی معاشی تجارتی ڈھانچہ کے شعبہ میں سرمایہ کاری کو کافی اہمیت دی گئی۔ علاوہ ازیں دوسرے منصوبہ میں زرعی ترقی کو بھی بجا طور پر اہمیت ملی۔ جہاں تک صنعتی شعبے کا تعلق ہے پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبوں میں اشیائے صرفی کی پیداوار کو بجاطور پر اہمیت دی گئی کیونکہ ابتدائی دور میں ملک میں اشیائے صرفی کی بہت قلت تھی اور یہ وافر مقدار میں باہر کے ملکوں سے درآمد کی جاتی تھیں۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں اشیائے صرفی کی پیداوار کے ساتھ ساتھ اشیائے سرمایہ کی پیداوار کو بھی اہمیت دی گئی کیونکہ اب ملک میں اشیائے صرفی کی صنعت کافی ترقی کر چکی تھی اور اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ اب ملک کو بھاری صنعت کی طرف بھی توجہ کرنا چاہیے لیکن منصوبے کی ابتداء میں ہی پاک بھارت جنگ کے نتیجہ میں وسائل کی قلت پیدا ہوگئی لہٰذا وسائل کی شعبہ وار تقسیم میں رد و بدل کرنا پڑا۔ ملک کو خوراک کے معاملہ میں خودکفیل بنانے کا مقصد اس لیے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا کہ 1966ء میں خشک سالی کے سبب ملک سخت غذائی بحران کی لپیٹ میں آ گیا۔

(iii) بچت کی حکمت عملی

پہلے پانچ سالہ منصوبہ میں اس بات کو تسلیم کیا گیا کہ لوگوں کی آمدنی بہت کم ہونے کی وجہ سے گھریلو بچت میں نمایاں اضافہ ممکن نہیں۔ اس منصوبہ کی مدت کے دوران ملک میں بچت کی اوسط شرح قومی پیداوار کا 6 فیصد رہی۔ اس کی روشنی میں دوسرے منصوبہ میں بچت کی اوسط شرح کا ہدف قومی پیداوار کا 7 فیصد سالانہ مقرر کر دیا گیا۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ اگر تخمینہ سالانہ بچت میں 15 فیصد کا اضافہ ہو۔ درحقیقت دوسرے

پانچ سالہ منصوبہ میں قومی بچت میں مختتم اضافہ اس سے بھی زیادہ ہوا یعنی 22 فیصد۔ اس کے نتیجہ میں ملک کی اوسط قومی بچت کی شرح قومی پیداوار کا 10 فیصد ہوگئی۔ اس کامیابی کو دیکھتے ہوئے تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت میں بھی مختتم بچت میں اضافہ کی شرح 22 فیصد اور اوسط بچت میں اضافہ کی شرح 13.6% حاصل ہونے کی توقع تھی۔

(iv) ادائیگیوں کے توازن کی حکمت عملی

ملک میں اندرونی وسائل کی کمی کو بیرونی وسائل کی مدد سے پورا کرنا پڑتا ہے۔لیکن غیرملکی قرضوں کی واپسی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہماری برآمدات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے تینوں منصوبوں میں برآمدات میں معتد بہ اضافہ کے مقصد کو بہت اہمیت حاصل رہی۔ ادائیگیوں کے توازن کو درست کرنے کی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ :

(ا) زیادہ سے زیادہ اشیاء و خدمات برآمد کر کے غیرملکی زرمبادلہ کمایا جائے۔

(ب) درآمدات کے بدل ملک میں تیار کر کے نیز غیرضروری درآمدات میں کمی کر کے زرمبادلہ میں زیادہ سے زیادہ بچت کی جائے۔

(v) علاقائی حکمت عملی

قیام پاکستان کے وقت مشرقی اور مغربی پاکستان کے لوگوں کے معیارِ زندگی میں نمایاں فرق تھا۔ ملک کے مشرقی حصہ کے لوگوں کی فی کس آمدنی مغربہ حصہ کے لوگوں کی نسبت تقریباً 25 فیصد کم تھی۔ لہٰذا تینوں پانچ سالہ منصوبوں میں اس معاشی تفاوت کو دور کرنا ایک اہم مقصد رہا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مشرقی پاکستان کی معاشی ترقی کے لیے مغربی پاکستان کی نسبت زیادہ رقمیں مختص کی جاتی رہیں۔

(iv) روزگار کی حکمت عملی

ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی افرادی قوت کو روزگار کے مواقع مہیا کرنا، ملک کے تینوں پانچ سالہ منصوبوں کی حکمت عملی کا اہم حصہ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حکمت عملی یہ رہی ہے کہ دیہی علاقوں میں گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کا قیام عمل میں لایا جائے اور ملک کی زرعی اور صنعتی ترقی کے لیے مؤثر اقدامات کئے جائیں کیونکہ اسی صورت میں روزگار کے مواقع میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکتا ہے۔

ترجیحات

جیسا کہ اس سیکشن کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ معاشی منصوبہ بندی کی حکمت عملی اور اس کی ترجیحات کا آپس میں بہت قریبی تعلق ہے۔ اوپر منصوبوں کی حکمت عملی بیان کرتے ہوئے ترجیحات کا بھی ذکر ہوا ہے تاہم ذیل میں تینوں پانچ سالہ منصوبوں کی ترجیحات کے ضمن میں کچھ اور باتیں درج کی گئی ہیں۔

(i) زرعی ترقی بمقابلہ صنعتی ترقی

اگرچہ پاکستان کے تینوں پانچ سالہ منصوبوں میں زراعت اور صنعت دونوں شعبوں کو اہمیت دی گئی لیکن بنیادی طور پر ملک کی زرعی معیشت کا تقاضہ یہی تھا کہ زراعت کی ترقی پر زیادہ توجہ دی جائے تاکہ ملک جلد سے جلد خوراک کے معاملہ میں خودکفیل ہو جائے۔ صنعتوں کے لیے زیادہ سے زیادہ خام مال میسر ہو اور برآمدات کے لیے وافر مقدار میں مال بچ سکے، چنانچہ تینوں پانچ سالہ منصوبوں میں زراعت کو خاص اہمیت دی گئی۔

(ii) اشیائے صرفی کی صنعت بمقابلہ اشیائے سرمایہ کی صنعت یا بھاری صنعت

تقسیم برصغیر کے بعد پاکستان کو بہت کم صنعتی ورثہ ملا۔ شروع میں ہی اشیائے صرفی کی سخت قلت کا سامنا کرنا پڑا، لہٰذا ابتدائی منصوبوں میں اشیائے صرفی کی صنعت کو ترقی دے کر خود کفالتی حاصل کرنے کا مقصد اولین اہمیت کا حامل رہا۔ دوسرے منصوبے کی تکمیل کے بعد ملک بڑی حد تک اس معاملہ میں خودکفیل ہو چکا تھا بلکہ بعض اشیاء کی برآمد بھی ہونے لگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تیسرے منصوبہ میں ملک میں بھاری صنعت کے قیام کے مقصد کو بھی ترجیحی سلوک حاصل ہوا لیکن پاک بھارت جنگ کے نتیجہ میں وسائل کی قلت نے اس مقصد کو پھر پسِ پشت ڈال دیا۔

(iii) برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی

معاشی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بہت بڑی مقدار میں اشیائے سرمایہ اور صنعتی خام مال کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ پاکستان میں نہیں بنتا تھا۔ اس لیے بیرونی ممالک سے درآمد کرنا پڑتا تھا جس کے لیے بھاری مقدار میں زرمبادلہ کی ضرورت تھی، جسے حاصل کرنے کے لیے تینوں منصوبوں میں برآمدات کے اضافہ کی طرف خاصی توجہ دی گئی۔ شروع میں پاکستان زیادہ تر زرعی خام مال (خام پٹ سن، خام کپاس وغیرہ) برآمد کرتا تھا، لیکن عالمی منڈی میں زرعی اجناس کی قیمتیں بہت کم تھیں جس کے نتیجہ میں نسبت درآمد و برآمد پاکستان کے

حلاف تھی، لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ زرعی خام مال کی بجائے زیادہ سے زیادہ مصنوعات تیار کر کے برآمد کی جائیں اور ایسی صنعتوں کو زیادہ اہمیت دی جائے جو برآمد کے لیے مال تیار کریں اور درآمدات کا بدل تیار کر کے زرمبادلہ کو بچائیں۔ اس لیے تینوں پانچ سالہ منصوبوں میں برآمدات میں اضافہ کے مقصد کو ترجیح حاصل رہی۔

(iv) آبادی کی منصوبہ بندی

دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں میں آبادی کی منصوبہ بندی کے ذریعے شرح ولادت کو گھٹانے کے مقصد کو بھی ترجیح دی گئی، کیونکہ ماہرین کی رائے میں قومی پیداوار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آبادی کو کنٹرول کرنا بھی ضروری ہے۔

4.5 اہم نکات

(i) پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کے اہم مقاصد میں قومی آمدنی میں اضافہ کرنا، صنعتی اور زرعی پیداوار میں اضافہ کرنا، روزگار کے مواقع میں اضافہ کرنا، سماجی فلاح و بہبود میں اضافہ کرنا، ملک کے مختلف حصوں میں معاشی تفاوت دور کرنا، برآمدات میں اضافہ کرنا، خوراک کے معاملہ میں ملک کو خودکفیل بنانا، اوسط اور مختتم بچت میں اضافہ کرنا اور شرح ولادت میں کمی کرنا شامل تھے۔

(ii) پاکستان کے پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت میں قومی پیداوار میں 15 فیصد فی کس آمدنی میں 7 فیصد، زرعی پیداوار میں 9 فیصد صنعتی پیداوار میں 60 فیصد، برآمدات میں 15 فیصد اضافہ کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں 20 لاکھ افراد کے لیے روزگار کے مواقع مہیا کیے جانے تھے اور قومی بچت کی اوسط شرح کو 5 فیصد سے بڑھا کر 7 فیصد کرنا تھا۔

(iii) دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت میں قومی پیداوار میں 24 فیصد، فی کس آمدنی میں 12 فیصد، زرعی پیداوار میں 14 فیصد، صنعتی پیداوار میں 60 فیصد، برآمدات میں 15 فیصد اضافہ کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں 25 لاکھ افراد کو روزگار کے مواقع مہیا کیا جانا تھے اور قومی بچت کی اوسط شرح 7 فیصد سے بڑھا کر 10 فیصد تک پہنچانا تھی۔

(iv) تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں قومی پیداوار میں 37 فیصد، فی کس آمدنی میں 22 فیصد، زرعی پیداوار میں 25 فیصد، صنعتی پیداوار میں 65 فیصد اور برآمدات میں 48 فیصد اضافہ کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں 55 لاکھ افراد کو روزگار کے مواقع مہیا کیا جانے تھے اور اوسط بچت کی شرح 10 فیصد سے بڑھا کر 13.5 فیصد کی جانا تھی۔

(v) تیسرا پانچ سالہ منصوبہ درحقیقت ایک بیس سالہ تناظری منصوبہ کا حصہ تھا جو 85-1965 کی مدت کے لیے تیار کیا گیا تھا اور جس کے طویل المدت مقاصد میں قومی پیداوار میں چار گنا اضافہ، مکمل روزگار کی سطح کا حصول، مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان معاشی تفاوت کو دور کرنا، ملک سے جہالت اور ناخواندگی کا قلع قمع کرنا اور غیرملکی امداد پر انحصار سے چھٹکارا حاصل کرنا شامل تھے۔

(vi) تینوں منصوبوں کی حکمت عملی کا مطالعہ بلحاظ شرح افزائش، سرمایہ کاری، بچت، ادائیگیوں کا توازن، علاقائی معاشی تفاوت اور روزگار کیا جا سکتا ہے۔

(vii) پاکستان کے تینوں پانچ سالہ منصوبوں میں صنعت کے مقابلہ میں زراعت کی ترقی کو ترجیح دی گئی تھی۔ اشیائے سرمایہ کی نسبت اشیائے صرف کی پیداوار کو فوقیت حاصل رہی اور برآمدات میں اضافہ کے مقصد کو فوقیت حاصل رہی۔

4.6 خود آزمائی

سوال نمبر 11۔ آپ نے پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کا موازنہ بلحاظ مقاصد، اہداف، حکمت عملی اور ترجیحات کیا ہے۔ اپنے تاثرات کو ایک ہزار الفاظ پر مشتمل ایک مضمون کی صورت میں قلمبند کیجئے۔

سوال نمبر 12۔ مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہیں پُر کیجئے۔

(i) پاکستان کے پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت میں قومی پیداوار میں .... فیصد، فی کس آمدنی میں................ فیصد، زرعی پیداوار میں................ فیصد، صنعتی پیداوار میں................ فیصد، برآمدات میں................ فیصد اور .... روزگار کے مواقع پیدا کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

(ii) پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت میں قومی پیداوار میں.................. فیصد، فی کس آمدنی میں.................. فیصد، زرعی پیداوار میں.................. فیصد، صنعتی پیداوار میں.................. فیصد، برآمدات میں.................. فیصد اور .... روزگار کے مواقع پیدا کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

(iii) تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت میں قومی پیداوار میں .... فیصد، فی کس آمدنی میں.................. فیصد، برامدات میں.................. فیصد، زرعی پیداوار میں.................. فیصد، صنعتی پیداوار میں.................. فیصد، برآمدات میں.................. فیصد، اور .... روزگار کے مواقع پیدا کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

(جوابات کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 13۔ درست ہے یا غلط

(i) پہلے اور دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں معاشی تحتی ڈھانچہ کی ترقی کو زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔

(ii) تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کا بیس سالہ تناظری منصوبہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(iii) خوراک کے معاملہ میں خودکفالتی کے مقصد کو تینوں منصوبوں میں ترجیح حاصل رہی۔

(iv) تینوں منصوبوں میں اشیائے سرمایہ کی صنعت کو اشیائے صرفی کی نسبت زیادہ اہمیت دی گئی۔

(v) زرمبادلہ کمانے کی غرض سے برآمد میں نمایاں اضافہ کا مقصد تینوں منصوبوں میں غالب رہا۔

(vi) مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان معاشی تفاوت کو دور کرنے کے لیے کسی منصوبہ میں بھی کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا۔

(vii) ملک کی اوسط اور مختتم بچت میں اضافہ کے مقصد کو تینوں پانچ سالہ منصوبوں میں ایک اہم مقصد قرار دیا گیا۔

(viii) تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں روزگار کے مواقع کا ہدف دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی نسبت دگنے سے بھی زیادہ تھا۔

5۔ پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کے نتائج

5.1 تمہید

کسی معاشی منصوبے کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ منصوبہ معینہ اہداف تک پہنچنے میں کس حد تک کامیاب ہوا۔ پاکستان کے تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے نتائج کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا منصوبہ مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔ دوسرا پانچ سالہ منصوبہ بڑی حد تک کامیاب رہا لیکن تیسرا پانچ سالہ منصوبہ اپنے اہداف تک پہنچنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ ذیل میں ایک جامع گوشوارہ کی مدد سے تینوں پانچ سالہ منصوبوں کا ان کے نتائج کے لحاظ سے ایک تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے آپ ایک نظر میں یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کسی منصوبے کا ہدف کیا تھا اور وہ کس حد تک پورا ہو پایا۔

5.2 اہم نتائج

اس گوشوارہ سے مندرجہ ذیل اہم نتائج اخذ ہوتے ہیں:

(i) پاکستان کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ بحیثیت مجموعی متوقع کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا تاہم صنعتی شعبہ میں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی، نیز معاشی تحتی ڈھانچہ کے شعبہ میں بھی قابلِ ذکر پیش رفت ہوئی جس سے آئندہ معاشی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کافی مدد ملی۔ اگر اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ منصوبہ کی منظوری دیر سے ملی اور اس پر عمل درآمد میں دو سال کی تاخیر ہوگئی نیز منصوبہ کی مدت کے دوران ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار رہا تو ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستان کے پہلے پانچ منصوبوں میں جو بھی کامیابیاں نصیب ہوئیں وہ توقع سے زیادہ تھیں جیسا کہ ڈاکٹر انوار اقبال قریشی نے اپنی کتاب ''پاکستان کی معاشی تاریخ'' میں لکھا ہے کہ تعجب اس بات پر نہیں ہے کہ پہلا منصوبہ اپنے نشانے تک پہنچنے میں کیوں ناکام رہا بلکہ حیرانی تو اس بات پر ہے کہ اتنے نامساعد حالات کے باوجود یہ اس قدر کامیابی سے بھی کیسے ہمکنار ہوا۔

(ii) پاکستان کا دوسرا پانچ سالہ منصوبہ توقع سے بھی زیادہ کامیاب رہا۔ اوپر کا گوشوارہ ہمیں واضح طور پر بتاتا ہے کہ معیشت کے ہر شعبہ نے توقع سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔ اس منصوبہ کی کامیابی

کے اسباب میں اس عرصہ کے دوران ملک میں سیاسی استحکام، منصوبہ کی بروقت منظوری، موسمی حالات کا سازگار رہنا، غیرملکی امداد کا مطلوبہ مقدار میں میسر آنا اور منصوبہ پر عمل درآمد کی مؤثر پالیسی شامل ہیں۔

(iii) پاکستان کا تیسرا پانچ سالہ منصوبہ بھی پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی طرح اپنے اہداف حاصل کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہ ہوسکا اس کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

(ا) منصوبے کے آغاز میں بھارت کے ساتھ جنگ کے نتیجہ میں دفاعی اخراجات میں بہت اضافہ کرنا پڑا۔

(ب) بیرونی امداد حسبِ توقع اور بروقت میسر نہ آئی۔

(ج) موسمی حالات ناسازگار رہے۔

(د) 1968-69ء کے دوران ملک شدید سیاسی اور معاشرتی ہنگاموں کی زد میں آ گیا۔ صنعتی پیداوار رک گئی اور معاشی حالات کو نازک بحران سے گزرنا پڑا۔

(iv) ان حقائق کے علاوہ جو کہ پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کے بارے میں گوشوارہ میں درج کئے گئے ہیں، مندرجہ ذیل باتیں بھی اہمیت کی حامل ہیں:

(ا) مالی اعتبار سے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت میں کل مجوزہ رقم کا 90 فیصد خرچ ہوا، یعنی 1080 کروڑ روپے کی کل رقم میں سے 970 کروڑ کے قریب خرچ ہو پائے۔ دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں 23 ارب روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا لیکن فی الواقع خرچ 27 ارب کے لگ بھگ ہوا یعنی ہدف سے بھی زیادہ۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں کل 52 ارب روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا لیکن فی الحقیقت صرف 39 ارب روپے کی رقم خرچ ہو پائی۔

(ب) مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان معاشی تفاوت کو دور کرنا، معاشی منصوبہ بندی کا ایک بہت اہم مقصد رہا ہے بلکہ 1962ء کے آئین میں تو اس عدم توازن کو ختم کرنا ایک آئینی ذمہ داری قرار دی گئی۔ گو کہ پہلے پانچ سالہ منصوبہ میں مشرقی پاکستان کے لیے نسبتاً تیز معاشی ترقی کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا تاہم اس منصوبہ میں ملک کے دونوں حصوں میں معاشی تفاوت کو ختم کرنے میں کوئی قابل ذکر کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں مجموعی رقم کا زیادہ حصہ مشرقی پاکستان میں خرچ ہوا جس کے نتیجہ میں دوحصوں کے درمیان معاشی تفاوت کو کم کرنے میں کافی مدد ملی۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبے میں بھی کل رقم کا زیادہ حصہ مشرقی

گوشوارہ پاکستان کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کا موازنہ بلحاظ نتائج

منصوبہ	قومی آمدنی میں اضافہ		فی کس آمدنی میں اضافہ		زرعی پیداوار میں اضافہ		صنعتی پیداوار میں اضافہ		روزگار کے مواقع میں اضافہ		برآمدات میں اضافہ		بچتوں میں اضافہ		سماجی خدمات اور متفرق مقاصد
	ہدف	نتیجہ	ہدف	نتیجہ	ہدف	نتیجہ	ہدف	نتیجہ	ہدف	نتیجہ	ہدف	نتیجہ	ہدف	نتیجہ	
پہلا پانچ سالہ منصوبہ 1955-60ء	15 فیصد یا 3 فیصد سالانہ	11 فیصد یا 2.2 فیصد سالانہ	7 فیصد یا 1.4 فیصد سالانہ	3 فیصد یا 0.6 فیصد سالانہ	خوارک کی پیداوار میں 9 فیصد یا 1.8 فیصد سالانہ اضافہ	خوارک کی پیداوار میں 4 فیصد یا 0.8 فیصد سالانہ اضافہ	75 فیصد یا 5 1 فیصد سالانہ	75 فیصد یا 5 1 فیصد سالانہ	20 لاکھ	ہدف پورا نہ ہوسکا۔	15 فیصد یا 3 فیصد سالانہ	ہدف پورا نہ ہوسکا۔	5 فیصد سے بڑھا کر 7 فیصد سالانہ کرنا	قومی پیداوار کا 6 فیصد	تعلیم، صحت اور رہائش کی سہولتوں میں اضافہ توقع سے بہت کم رہا۔
دوسرا پانچ سالہ منصوبہ 1960-65ء	24 فیصد یا 4.8 فیصد سالانہ	30 فیصد یا 6 فیصد سالانہ	12 فیصد یا 2.4 فیصد سالانہ	12.5 فیصد یا 2.5 فیصد سالانہ	14 فیصد یا 2.8 فیصد سالانہ خوارک کی پیداوار میں 21 فیصد یا 4.2 فیصد سالانہ	17.5 فیصد یا 3.5 فیصد سالانہ	60 فیصد یا 12 فیصد سالانہ	60 فیصد یا 12 فیصد سالانہ	25 لاکھ	36 لاکھ	15 فیصد یا 3 فیصد سالانہ	35 فیصد یا 7 فیصد سالانہ	بڑھا کر قومی آمدنی کے 10 فیصد سالانہ تک پہنچانا	قومی پیداوار کا 10 فیصد	تعلیم، صحت اور رہائش کی سہولتوں میں اضافہ حسب توقع رہا۔
تیسرا پانچ سالہ منصوبہ 1965-70ء	37 فیصد یا 5.7 فیصد سالانہ	28.5 فیصد یا 7.4 فیصد سالانہ	22 فیصد یا 4.4 فیصد سالانہ	12.5 فیصد یا 2.5 فیصد سالانہ	25 فیصد یا 5 فیصد سالانہ	21 فیصد یا 4.2 فیصد سالانہ	65 فیصد یا 43 فیصد سالانہ	43 فیصد یا 8.6 فیصد سالانہ	55 لاکھ	42 لاکھ	48 فیصد یا 9-1/2 فیصد سالانہ	35 فیصد یا 7 فیصد سالانہ	بڑھا کر قومی آمدنی کے 13.5 فیصد سالانہ تک پہنچانا	قومی پیداوار کا 9.8 فیصد	حسب توقع اضافہ نہ ہوسکا۔

پاکستان میں خرچ ہوا جس سے معاشی تفاوت کی رفتار کو مزید کم کرنے میں مدد ملی تاہم یہ مقصد ابھی پورے طور پر حاصل نہ ہوا تھا کہ ملک کا مشرقی حصہ الگ ہو گیا۔

(ج) دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں میں خاندانی منصوبہ بندی کو بھی مناسب اہمیت دی گئی تاکہ شرح ولادت کو کم کیا جائے گو کہ اس سلسلہ میں بہت محدود کامیابی ہوئی۔

5.3 اہم نکات

(i) پہلا پانچ سالہ منصوبہ زیادہ تر اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہا تاہم اس سے حاصل شدہ تجربہ نے آئندہ معاشی منصوبہ بندی کی راہ ہموار کر دی۔

(ii) دوسرا پانچ سالہ منصوبہ مالی اعتبار سے بھی اور شعبہ وار اہداف کے حصول کے اعتبار سے بھی توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔

(iii) تیسرا پانچ سالہ منصوبہ بھی پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی طرح مالی اور حقیقی دونوں اعتبار سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔

(iv) پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران قومی پیداوار میں 15 فیصد اضافہ کا پروگرام بنایا گیا تھا لیکن درحقیقت صرف 11 فیصد اضافہ ہو پایا۔ دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کا یہ ہدف 24 فیصد تھا لیکن منصوبے کی تکمیل پر قومی پیداوار میں اس سے بھی زیادہ یعنی 30 فیصد اضافہ ہوا۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران قومی پیداوار میں 37 فیصد اضافہ متوقع تھا لیکن دراصل یہ اضافہ صرف 28.5 فیصد ہوا۔

5.4 خود آزمائی

سوال نمبر 14۔ مذکورہ بالا گوشوارہ میں جو اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے تینوں پانچ سالہ منصوبوں کے نتائج پر 1000 الفاظ پر مشتمل ایک تبصرہ کیجئے۔

سوال نمبر 15۔ خالی جگہوں کو پُر کیجئے۔

(i) پہلے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران قومی پیداوار میں .... فیصد اضافہ، دوسرے منصوبہ کی مدت میں .... فیصد اضافہ اور تیسرے منصوبہ کی مدت میں................ فیصد اضافہ ہوا۔

(ii) پہلے منصوبہ کی مدت میں زرعی پیداوار میں .... فیصد سالانہ اور صنعتی پیداوار میں

.... فیصد سالانہ اور صنعتی پیداوار میں .... فیصد سالانہ اضافہ ہوا۔ تیسرے منصوبہ کے اختتام پر زرعی پیداوار میں .... فیصد سالانہ اور صنعتی پیداوار میں .... فیصد سالانہ اضافہ ہوا۔

(iii) دوسرے منصوبے کی مدت میں .... فیصد سالانہ اضافہ کے ہدف کے بالمقابل برآمدات میں فی الحقیقت .... فیصد سالانہ اضافہ ہوا اور تیسرے منصوبہ میں .... فیصد سالانہ اضافہ کے بالمقابل برآمدات میں .... فیصد سالانہ اضافہ ہوا۔

(جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 16۔ درست ہے یا غلط

(i) پاکستان کا پہلا پانچ سالہ منصوبہ مکمل طور پر ناکام ہوا۔

(ii) دوسرا پانچ سالہ منصوبہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔

(iii) تیسرا پانچ سالہ منصوبہ بحیثیت مجموعی ناکام رہا۔

(iv) علاقائی معاشی تفاوت کو دور کرنا دوسرے اور تیسرے منصوبے کا ایک اہم ترین مقصد تھا۔

(v) دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں میں آبادی کی منصوبہ بندی کے پروگرام پر عمل درآمد کے نتیجہ میں شرح ولادت میں نمایاں کمی ہوگئی۔

(vi) تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے اختتام پر ملک میں بیروزگاری کا مکمل طور پر قلع قمع ہو چکا تھا۔

(vii) دوسرے منصوبہ کی مدت میں اوسط قومی بچت اور مختتم قومی بچت میں نمایاں اضافہ ہوا۔

(viii) پہلے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں میں مجوزہ رقم خرچ ہوئی۔

(جوابات کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

6۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد کا دور

6.1 پس منظر...... چوتھا پانچ سالہ منصوبہ (75-1970ء)

تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کی تکمیل کے بعد 1970ء میں چوتھا پانچ سالہ منصوبہ منظرِ عام پر آیا۔ اس منصوبہ کی جسامت 75 ارب روپے مقرر کی گئی تھی۔ خام قومی پیداوار میں 6.5 فیصد سالانہ اضافہ متوقع تھا۔ مشرقی پاکستان کی شرح افزائش 7.5 فیصد اور مغربی پاکستان کی 5.5 فیصد مقرر کی گئی تھی تاکہ بین الصوبائی معاشی تفاوت میں مزید کمی کی جا سکے۔ 75 لاکھ افراد کو روزگار مہیا کیا جانا تھا۔ برآمدات میں ہر سال 8.5 فیصد اضافہ متوقع تھا اور غذائی اجناس کی پیداوار میں 85 لاکھ ٹن کا اضافہ مقصود تھا۔

لیکن اس منصوبہ پر ابھی عمل درآمد شروع نہ ہو پایا تھا کہ مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف سیاسی کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ 1970ء کے انتخابات کے نتیجہ میں ملک کے مشرقی حصے میں عوامی لیگ برسرِ اقتدار آ گئی جس نے ایک منظّم سیاسی تحریک چلا کر مشرقی حصہ کو خود مختاری دلا کر ایک الگ ملک کی حیثیت دے دی۔ دسمبر 1971ء میں مشرقی بازو کے کٹ جانے کے بعد ملک کے معاشی ڈھانچہ میں بھی انقلابی تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے ملک کے دونوں حصوں کی معیشتیں ایک دوسرے سے گہرے طور پر مربوط تھیں اور بین الصوبائی تجارت کے ذریعہ ملک کا ایک حصہ دوسرے حصے کی ضروریات پوری کرتا تھا لیکن اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی۔ مغربی حصہ، مشرقی حصہ کو جو مال بھیجتا تھا، اب اس کے لیے نئی منڈیاں تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اسی طرح جو اشیاء مشرقی حصے سے درآمد کی جاتی تھیں اب ان کے حصول کے بھی متبادل ذرائع ڈھونڈنا پڑے۔

اس مشرقی بازو کے الگ ہو جانے کے بعد پانچ سالہ منصوبہ پر (جو متحدہ پاکستان کے لیے بنایا گیا تھا) عمل درآمد ممکن نہ رہا چنانچہ اسے ملتوی کر دیا گیا اور اس کی بجائے قلیل مدت کے سالانہ ترقیاتی پروگرام بنتے رہے۔ یہاں تک کہ 1978ء میں پانچویں پانچ سالہ منصوبہ پر عملدرآمد شروع ہوا۔

6.2 سالانہ ترقیاتی پروگرام

(i) 72-1971ء

یہ ایک غیر معمولی سال تھا کیونکہ مشرقی پاکستان میں سیاسی کشیدگی اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اس حصہ کے لوگ ہندوستان کی مدد سے فوج کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ ان حالات میں دفاعی

اخراجات میں معتدبہ اضافہ کرنا پڑا، اس لئے حکومت کے ترقیاتی اخراجات 73 کروڑ سے گھٹا کر 52 کروڑ کر دیئے گئے بالآخر دسمبر 1971ء میں مشرقی حصہ الگ ہوگیا اور اب نئے تقاضوں کے مطابق معیشت کو ڈھالنے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

(ii) 1972-73ء

اس مالی سال کے ترقیاتی پروگرام کے تحت 470 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا جس کے نتیجہ میں قومی پیداوار میں 7.6 فیصد اضافہ ہوا۔ زرعی پیداوار میں 3.1 فیصد اضافہ ہوا جبکہ ترقیاتی پروگرام کا ہدف 5.1 فیصد تھا۔ صنعتی پیداوار میں 12 فیصد اضافہ ہوا۔ تعمیرات اور دیگر کئی شعبوں میں اہداف سے بھی زیادہ ترقی ہوئی۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں بے روزگاری کے مسئلہ کے حل کے لیے قومی ترقیاتی رضا کارانہ پروگرام زیرعمل لایا گیا۔ پیپلز ورکس پروگرام، مربوط دیہی ترقیاتی پروگرام اور ایگرو ولز (Agrovilles) کے تحت دیہی ترقی کے لیے کئی اسکیموں پرعمل درآمد ہوا۔

(iii) 1973-74ء

اس سال اگست/ستمبر میں شدید سیلابوں نے زرعی اجناس، مویشیوں اور دیہی آبادیوں کو سخت نقصان پہنچایا جس سے پوری معیشت متاثر ہوئی لیکن اس کے باوجود قومی پیداوار میں اضافہ کی رفتار 5.6 فیصد رہی۔ صنعتی پیداوار میں 7.5 فیصد اضافہ ہوا، زرعی پیداوار میں 5 فیصد اضافہ ہوا۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کی رفتار خاصی تسلی بخش رہی اس حقیقت کے باوجود اس سال سیلاب سے کپاس اور چاول کی فصلوں کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ زرعی پیداوار میں یہ اضافہ زیادہ تر گندم اور چاول اور گنے کی پیداوار میں اضافہ سے حاصل ہوا۔ گندم کی پیداوار 1972-73ء میں 73.25 لاکھ ٹن سے بڑھ کر 1973-74ء میں 85 لاکھ ٹن ہوگئی۔ چاول کی پیداوار 1972-73ء میں 22.93 لاکھ سے بڑھ کر 1973-74ء میں 24.05 لاکھ ٹن ہوگئی۔ گنے کی پیداوار 1972-73ء میں 196 لاکھ ٹن سے بڑھ کر 227 لاکھ ٹن ہوگئی۔ تاہم قیمتوں کی صورت حال بدستور خراب رہی اور اس سال افراطِ زر میں 30 فیصد اضافہ ہوا۔

(iv) 1974-75

اس سال کے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت 884 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا جس میں سے 557 کروڑ روپے بیرونی ذرائع سے اور 327 کروڑ روپے اندرونی ذرائع سے حاصل کیے جانے تھے۔ اس سال قومی پیداوار میں صرف 2.6 فیصد کا اضافہ ہوا یعنی آبادی

میں 3 فیصد اضافہ سے بھی کم، جس کے نتیجہ میں فی کس آمدنی کم ہو گئی۔ اس کا بڑا سبب دریاؤں میں پانی کی شدید قلت اور بارشوں میں تاخیر تھی جس کے نتیجہ میں اس سال زرعی پیداوار میں اضافہ کی بجائے 2 فیصد کی کمی ہو گئی۔ صنعتی پیداوار میں 3 فیصد کا معمولی اضافہ ہوا۔ تاہم خدمات کے شعبہ (بالخصوص تعمیرات) میں خاصا اضافہ ہوا۔ کھاد، سیمنٹ اور بناسپتی گھی کی پیداوار میں بھی اضافہ ہوا۔ صنعتی پیداوار میں کمی کا بڑا سبب اس سال رونما ہونے والا بین الاقوامی منڈی میں مندے کا رجحان ہے۔ سب سے زیادہ کمی کپڑے کی پیداوار میں ہوئی جو ملک کی سب سے بڑی صنعت ہے۔ اس سال افراطِ زر میں 25 فیصد اضافہ ہوا۔

(v) 1975.76

قومی پیداوار میں اضافہ کی رفتار 4.3 فیصد رہی۔

(vi) 1976-77

اس سال کے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت 28 ارب روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا جس میں سے 12 ارب 25 کروڑ روپے بیرونی ذرائع سے اور 15 ارب 75 کروڑ روپے اندرونی ذرائع سے حاصل کئے جانے تھے۔ اس سال بعض غیر معمولی حالات نے معیشت پر غیر موافق اثر ڈالا۔ ان میں قدرتی آفاق مثلاً سیلاب اور ملک میں سیاسی کشیدگی وغیرہ شامل ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا قومی پیداوار میں 4.3 فیصد اضافہ کا ہدف پورا نہ ہوا بلکہ اس سال قومی پیداوار میں صرف 2.5 کا اضافہ ہوا، زرعی پیداوار میں 2.2 فیصد اضافہ ہوا لیکن صنعتی پیداوار بڑھنے کی بجائے 0.8 فیصد کم ہوگئی۔ صنعتی شعبے میں پیداوار کی کمی کا بڑا سبب نجی سرمایہ کاری کی کمی اور مزدوروں اور مالکوں کے تعلقات کی کشیدگی ہے۔

(vii) 1977-78

اس سال کے سالانہ ترقیاتی پروگرام پر 28 ارب 50 کروڑ روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا جس میں سے 21 ارب روپے سرکاری شعبہ میں خرچ کئے جانا تھے اور 7 ارب 50 کروڑ روپے نجی شعبہ میں۔ اس کے نتیجہ میں خام گھریلو پیداوار میں 7 فیصد کا اضافہ ہوا جبکہ 1976-77ء میں یہ اضافہ صرف 2.5 فیصد تھا۔ خام قومی پیداوار میں اضافہ اس سے بھی زیادہ رہا یعنی 10 فیصد۔ یہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ اس سال بیرون ملک کام کرنے والوں کی ترسیلات میں نمایاں اضافہ ہوا۔ زرعی پیداوار میں 2.5 فیصد اور صنعتی پیداوار میں 9.2 فیصد کا اضافہ ہوا۔ برآمدات میں 15 فیصد کا اضافہ ہوا باہم درآمدات میں اس سے بھی زیادہ

اضافہ ہوا یعنی 21 فیصد، اس لیے ادائیگیوں کے توازن پر دباؤ میں کوئی خاص کمی واقع نہ ہو پائی۔

6.3 اہم نکات

(i) مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سبب چوتھے پانچ سالہ منصوبہ پر عملدرآمد نہ ہو سکا اور 72-1971ء کے مالی سال کے بعد 78-1977ء تک صرف سالانہ ترقیاتی پروگراموں کے تحت معاشی ترقی کی اسکیموں پر عمل درآمد ہوتا رہا۔

(ii) مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سبب معاشی ڈھانچہ میں بنیادی تبدیلی واقع ہو چکی تھی اس لیے 72-1971ء کے لیے کوئی قابلِ ذکر ترقیاتی پروگرام نہ بن سکا۔

(iii) 73-1972ء کے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت قومی پیداوار میں 7.6 فیصد، زرعی پیداوار میں 3.1 فیصد اور صنعتی پیداوار میں 12 فیصد اضافہ ہوا۔

(iv) 74-1973ء کے پروگرام کے تحت شدید سیلابوں کے باوجود قومی پیداوار میں 5.6 فیصد، صنعتی پیداوار میں 7.5 فیصد اور زرعی پیداوار میں 5 فیصد اضافہ ہوا۔ تاہم افراطِ زر کی شرح 30 فیصد رہی۔

(v) 75-1974 ء کے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت قومی پیداوار میں صرف 2.6 فیصد اضافہ ہوا جو آبادی میں 3 فیصد اضافہ سے بھی کم ہے۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کی بجائے 2 فیصد کمی ہوئی اور صنعتی پیداوار میں صرف 2 فیصد اضافہ ہوا۔

(vi) 56-1975ء میں قومی پیداوار میں اضافہ کی رفتار 4.3 فیصد رہی۔

(vii) 77-1976ء کے سالانہ پروگرام کے تحت قومی پیداوار میں صرف 2.5 فیصد اضافہ ہوا۔ زرعی پیداوار میں 2.2 فیصد اور صنعتی پیداوار بڑھنے کی بجائے 0.8 فیصد کم ہوگئی۔

(viii) 78-1977ء کے سالانہ ترقیاتی پروگرام کے تحت قومی پیداوار میں 10 فیصد، زرعی پیداوار میں 2.5 فیصد اور صنعتی پیداوار میں 9.2 فیصد اضافہ ہوا نیز برآمدات میں 15 فیصد اضافہ ہوا۔

6.4 خود آزمائی

سوال نمبر 17۔ 73-1972ء سے لے کر پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کے آغاز تک کے دور کے سالانہ ترقیاتی پروگراموں کے نتائج پر 100 الفاظ پر مشتمل ایک جامع تبصرہ کیجئے۔

سوال نمبر 18۔ 1972-73ء میں قومی پیداوار میں

(i) .... فیصد، 1973-74ء میں................ فیصد، 1976-77ء میں .... فیصد اور 1977-78ء میں .... فیصد اضافہ ہوا۔

(ii) 1973-74ء میں شدید سیلابوں کے باوجود زرعی پیداوار میں .... فیصد اضافہ ہوا۔

(iii) 1976-77ء میں صنعتی پیداوار بڑھنے کی بجائے .... فیصد کم ہوگئی تھی۔

(جوابات کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 19۔ درست ہے یا غلط؟

(i) مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے موجودہ پاکستان کے معاشی ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔

(ii) 1970-77ء تک کا دور پاکستان کی معاشی تاریخ میں غیر معمولی حالات کا دور سمجھا جا سکتا ہے۔

(iii) 1972-73ء سے لے کر 1977-78ء تک پاکستان کی معیشت نے غیر معمولی معاشی ترقی کی۔

(iv) 1972-73ء سے لے کر 1977-78 تک پاکستان میں اشیاء کی قیمتیں کافی مستحکم رہیں۔

(جوابات کے لیے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

7- پاکستان کا پانچواں سالہ منصوبہ 1978-83

7.1 پس منظر

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد سے لیکر 1978ء تک ملک کی سیاسی سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات کافی اتار چڑھاؤ سے دو چار رہے اور بحیثیت مجموعی فضا سرمایہ کاری اور تیز تر معاشی ترقی کے لئے سازگار نہ رہی۔ ایک طرف قدرتی آفات نے زرعی پیداوار پر برا اثر ڈالا تو دوسری طرف مزدوروں اور مالکوں کے درمیان کشیدگی اور نجی سرمایہ کاری کے تقریباً ختم ہو جانے سے صنعتی پیداوار مایوس کن حد تک گھٹ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ 1970-77ء کے درمیان قومی پیداوار میں اضافہ کی اوسط شرح صرف 4 فیصد سالانہ رہی جو کہ بمشکل ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کا ساتھ دے سکی اور فی کس آمدنی میں اس عرصہ کے دوران کوئی قابل ذکر اضافہ نہ ہو پایا۔ 1977ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ملک میں امن و امان کی صورتحال بہتر ہوگئی نیز موجودہ حکومت نے نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لئے جو اقدامات کئے اس سے ایک بار پھر معاشی بحالی کا دور شروع ہو چکا ہے اور 1978-79ء کے مالی سال سے پاکستان کے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کا آغاز ہو چکا ہے۔

7.2 جسامت اور مالی وسائل

پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران 210 ارب روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس میں سے 148 ارب روپے سرکاری شعبہ میں اور 62 ارب روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونے قرار پائے۔ اس منصوبہ میں زیادہ سے زیادہ مالی وسائل ملک کے اندر سے حاصل کرنے کا پروگرام بنایا گیا تا کہ غیر ملکی امداد پر انحصار کم کیا جا سکے یہ طے پایا کہ 75 فیصد مالی وسائل گھریلو بچوں سے حاصل کئے جائینگے اور صرف 25 فیصد غیر ملکی امداد سے جہاں تک وسائل کی شعبہ وار تقسیم کا تعلق ہے مجموعی رقم کا 12.37 فیصد زراعت، 8.14 فیصد آبپاشی، 20.22 فیصد صنعت اور کانکی 15.94 فیصد ایندھن اور طاقت، 18.36 فیصد ذرائع حمل ونقل اور رسل و رسائل، 10.94 فیصد فزیکل پلاننگ اور مکانات کے لئے اور 14.03 فیصد سماجی فلاح و بہبود اور دیگر شعبوں کے لئے متعین کیا گیا۔

7.3 مقاصد اور اہداف

یہ طے پایا کہ منصوبہ کی مدت کے دوران:۔

(الف) خام قومی

(ب) پیداوار میں 7.2 فیصد سالانہ کا اضافہ ہو گا فی کس آمدنی میں سالانہ 4.2 فیصد اضافہ ہو گا کیونکہ اس مدت میں آبادی میں تین فیصد سالانہ اضافہ متوقع ہے۔

(ج) زرعی پیداوار میں 6 فیصد سالانہ اضافہ کیا جائیگا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے گندم کی پیداوار 88 لاکھ ٹن سے بڑھ کر ایک کروڑ 30 لاکھ ٹن تک پہنچ جائیگی۔ چاول کی پیداوار 29 لاکھ ٹن سے بڑھ کر 29 لاکھ ٹن تک پہنچ جائیگی گنے کی پیداوار دو کروڑ 84 لاکھ ٹن سے بڑھ کر تین کروڑ 48 لاکھ ٹن تک پہنچ جائیگی۔ خام روئی کی پیداوار 33 لاکھ گانٹھوں سے بڑھ کر 50 لاکھ گانٹھ تک پہنچ جائیگی۔

(د) صنعتی پیداوار میں بحیثیت مجموعی 10 فیصد سالانہ اضافہ متوقع ہے۔

(ذ) نجی بچتیں گھریلو قومی پیداوار کا 7.8 فیصد سے بڑھ کر 12.5 فیصد تک پہنچ جائیگی۔ اور قومی بچتیں 12.5 فیصد سے بڑھکر منصوبہ کی تکمیل پر 16 فیصد ہو جانے کی توقع کی جاتی ہے۔

(ر) برآمدات میں سالانہ 11 فیصد اضافہ متوقع ہے جبکہ درآمدات میں اضافہ سالانہ شرح 6.3 فیصد ہو گی۔ منصوبہ کے آخر تک برآمدات بڑھ کر 2.2 ارب ڈالر یا 22 ارب روپے تک پہنچ جائے گی۔

(س) بجلی کا فی کس مصرف 105 کلوواٹ گھنٹوں سے بڑھ کر 149 کلوواٹ گھنٹہ ہو جائے گا۔

(ش) صحت کے شعبہ میں 4596 زائد صحت کی اکائیاں قائم کی جائینگی 625 زائد دیہی صحت کے مراکز قائم ہونگے۔ ہسپتالوں میں 25820 بستروں کا اضافہ ہو گا۔ 12917 زائد ڈاکٹر، 4780 مزید نرسیں اور 24886 مذید پیرا میڈیکل سٹاف کا اضافہ متوقع ہے۔

(ص) تعلیم کے شعبہ میں بحیثیت مجموعی لڑکوں کا داخلہ 56,32,000 سے بڑھکر 79,78,000 ہو جائیگا اور لڑکیوں کا داخلہ 21,02,000 سے بڑھکر 33,58,000 ہو جائیگا۔

7.4 منصوبہ کی حکمت عملی

(ا) منصوبہ کی بنیادی حکمت عملی یہ ہے کہ ماضی میں اس سلسلہ میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں انکو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ حقیقت پسندانہ ہدف مقرر کئے گئے ہیں تاکہ معیشت کے سب شعبے متوازن معاشی ترقی کریں اور معاشی ترقی کے ثمرات ملک کے سب طبقوں میں منصفانہ طریقے سے تقسیم ہوں۔

(۲) پانچویں منصوبہ میں زراعت کی ترقی کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے کیونکہ خوراک میں خود کفالتی کا مقصد ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے زمین، محنت اور پانی کے وسائل کو زیادہ بہتر طور پر استعمال کیا جائیگا اور زیادہ سے زیادہ کیمیاوی کھاد اور عمدہ بیجوں کا استعمال ہو گا۔

(۳) صنعتی شعبہ کی حکمت عملی یہ ہے کہ زیر تکمیل منصوبوں کو جلد از جلد مکمل کیا جائے اور ملک کی پیداواری استعداد کو بڑھانے کے لئے پاکستان سٹیل ملز نیز کھاد اور سیمنٹ کے کارخانوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

(۴) گھریلو بچتوں کی شرح گھریلو قومی پیداوار کے 7.8 فیصد سے بڑھا کر 12.5 فیصد کرنا تا کہ کم سے کم عرصہ میں ملک غیر ملکی امداد سے چھٹکارا حاصل کرے بڑھتے ہوئے قومی قرضہ کے بوجھ کو ہلکا کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

7.5 منصوبہ پر عمل درآمد کے پہلے دو سال کے نتائج (79-1978 اور 80-1979)

پانچویں پانچ سالہ منصوبہ پر عمل درآمد کے دو سالوں میں معیشت کے بیشتر شعبوں نے نمایاں ترقی کی جو کہ مندرجہ ذیل حقائق سے واضح ہوتی ہے۔

(1) 79-1978 میں خام گھریلو پیداوار میں 5.9 فیصد کا اضافہ ہوا تھا جبکہ 80-1979 میں یہ اضافہ 6.2 فیصد ہوا یعنی منصوبے کا پہلے دو سالوں میں معاشی ترقی کی رفتار آبادی میں اضافہ کی رفتار سے تقریباً دگنی رہی۔ اس طرح فی کس آمدنی میں تقریباً 3 فیصد سالانہ کا اضافہ ہوا۔

(2) 79-1978 میں زرعی پیداوار میں 4.2 فیصد کا اضافہ ہوا تھا جبکہ 80-1979 میں اضافہ کی شرح 6 فیصد رہی جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔ 80-1979 میں اضافہ کی یہ شرح 6 فیصد رہی جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔ 80-1979 میں گندم ایک کروڑ 10 لاکھ ٹن پیدا ہوئی اور خام کپاس 43 لاکھ گانٹھیں۔ گو کہ گنے اور چاول کی پیداوار مطلوبہ حد تک نہ بڑھ سکی۔

(3) 79-1979 میں صنعتی پیداوار میں اضافہ کی شرح 7.4 فیصد رہی تھی اور 80-1979 میں یہ شرح بڑھ کر 8.1 فیصد ہو گئی جو کہ منصوبہ کی مقرر کردہ 10 فیصد سالانہ کی شرح سے قدرے کم ہے۔

(4) برآمدات کے شعبہ میں پہلے دو سالوں کے دوران اضافہ کی رفتار خاص طور پر نمایاں ہے۔ 80-1979 میں برآمدات کی مالیت 203 ارب ڈالر یا 23 ارب روپے تھی جبکہ گزشتہ سال

1978-79 میں یہ مالیت 106 ارب ڈالر یا 16 ارب روپے تھی گویا صرف ایک سال میں برآمدات کی مالیت میں 43 فیصد اضافہ ہوا جسکے نتیجہ میں ادائیگیوں کے توازن میں 27 فیصد بہتری واقع ہوئی۔ جہاں تک چاول اور خام کپاس کی برآمد کا تعلق ہے یہ بات خاص طور پر خوشکن ہے کہ ان دو اجناس کی برآمد کا جو ھدف پانچویں پانچ سالہ منصوبہ میں مقرر کیا گیا تھا وہ پہلے دو سالوں میں ہی پورا ہو گیا ہے برآمدات یہ خوشکن اضافہ کچھ تو ملک کے اندر اجناس کی پیداوار کے بڑھنے سے ہوا اور کچھ اجناس کی عالمی منڈی میں قیمتوں میں اضافہ سے وجود میں آیا۔

(5) منصوبے کے پہلے دو سالوں میں نجی سرمایہ کاری میں حوصلہ افزا اضافہ ہوا۔

(6) بیرون ملک کام کرنے والے لوگوں کی طرف سے اپنے وطن بھیجی گئی ترسیلات میں 23.5 فیصد اضافہ ہوا۔

(7) افراز رکی صورت بدستور باعث پریشانی رہی گو کہ گھریلو پیداوار میں اضافہ اور ضروری درآمدات میں اضافہ سے قیمتوں کو کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔

(8) یہ بات باعث تشویش ہے کہ منصوبے کے پہلے دو سالوں کے دوران گھریلو بچتوں میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو پایا جس کے نتیجہ میں منصوبہ کی مدت کے دوران غیر ملکی امداد پر انحصار کم کرنے کے مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ بچتوں کی حوصلہ افزائی کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب حقیقی قومی پیداوار اور حقیقی فی کس آمدنی میں معقول اضافہ ہو اور افراط زر کی روک تھام کر کے روپے کی قوت خرید کو گرنے سے بچایا جائے۔

7.6 اہم نکات

(1) پاکستان کا پانچواں پانچ سالہ منصوبہ 83-1978 کی مدت کے لئے پیش کیا گیا۔

(2) منصوبہ کی مجموعی جسامت دو سو دس ارب روپے مقرر کی گئی جس میں ایک سو اڑتالیس ارب روپے سرکاری شعبہ میں اور 62 ارب روپے نجی شعبہ میں خرچ ہونا قرار پائے۔ یہ بھی طے پایا کہ مجموعی رقم کا 75 فیصد اندرونی وسائل سے اور صرف 25 فیصد بیرونی وسائل سے حاصل کئے جائینگے۔

(3) منصوبہ کے اہم اہداف میں خام پیداوار میں 7.2 فیصد سالانہ فی کس آمدنی میں 4.2 فیصد

سالانہ، زرعی پیداوار میں 6 فیصد سالانہ، صنعتی پیداوار میں 10 فیصد سالانہ اضافہ کرنا شامل ہے۔ علاوہ ازیں گھریلو بچتوں کو گھریلو پیداوار کے 7.8 فیصد سے بڑھا کر 12.5 فیصد تک پہنچانا برآمدات میں 11 فیصد سالانہ اضافہ کرنا نیز سماجی فلاح و بہبود میں خاطر خواہ اضافہ کرنا ہے۔

(4) منصوبہ کی بنیادی حکمت عملی یہ تھی کہ موجود وسائل سے بہترین استفادہ کر کے زرعی اور صنعتی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے اور معاشی ترقی کے ثمرات سے سب طبقوں کو مستحق ہونے کا موقعہ بہم پہنچایا جائے۔

(5) منصوبہ کے پہلے دو سالوں کے نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے دو سالوں میں قومی پیداوار میں اضافہ کی رفتار آبادی میں اضافہ کی رفتار سے کافی زیادہ رہی ہے۔ اس لیئے فی کس آمدنی میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ زرعی پیداوار اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کی شرح بھی تسلی بخش رہی برآمدات میں خوشکن اضافہ ہوا۔ تاہم قومی بچت میں اضافہ حسب توقع نہ ہو سکا جس کے نتیجہ میں منصوبہ کے ایک اہم مقصد یعنی غیر ملکی امداد پر انحصار کو گھٹانے میں فی الحال نمایاں کمی نہیں ہوئی،۔

7.7 خود آزمائی

سوال نمبر 20 پاکستان کے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کی جسامت ، مالی وسائل، اھداف، حکمت عملی اور نتائج پر 600 الفاظ پر مشتمل ایک تبصرہ کیجئے،

سوال نمبر 21 خالی جگھیں پر کریں۔

(1) پانچواں پانچ سالہ منصوبہ .... کی مدت کے لئے تھا اور اس عرصہ میں .... رقم خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ کل رقم میں سے .... رقم سرکاری شعبہ میں اور .... رقم نجی شعبہ میں خرچ کی جانا تھی۔

(2) پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران خام قومی پیداوار میں .... فیصد سالانہ، زرعی پیداوار میں .... فی صد سالانہ، صنعتی پیداوار میں .... فیصد سالانہ اور برآمدات میں .... فیصد سالانہ کا پروگرام بنایا گیا تھا۔

(3) 1979-80 کے اختتام پر خام گھریلو پیداوار میں .... فیصد زرعی پیداوار میں

.... فیصد صنعتی پیداوار میں ....فیصد اور برآمدات میں
.... فیصد اضافہ ہوا۔

(جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 22 درست ہے یا غلط

(۱) پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کے پہلے دو سالوں کے نتائج کافی حوصلہ افزا ہیں۔

(۲) 80-1979 کے دوران ملک کی برآمدات کی مالیت میں توقع سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا۔

(۳) گذشتہ دو برسوں میں بیرون ملک سے وطن ترسیلات کی رفتار مایوس کن رہی ہے۔

(۴) پانچویں منصوبہ کی حکمت عملی یہ ہے کہ بیرونی امداد پر انحصار گھٹا کر زیادہ سے زیادہ ملکی وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔

(۵) منصوبہ کے ابتدائی دو سالوں میں قومی بچت میں کوئی حوصلہ افزا اضافہ نہیں ہو پایا۔

نوٹ : عزیز طلباء طالبات

درج ذیل پانچ سالہ منصوبوں کے لیے آپ کتاب ''نظریاتی معاشیات'' از ڈاکٹر محمد حسین چوہدری باب نمبر 7 (پاکستان کی معاشی ترقی) یا کتاب ''معاشیات پاکستان'' از فاروق عزیز باب نمبر 14 سے استفادہ کیجئے۔ یہ کتب بازار میں آسانی سے دستیاب ہیں۔

نوٹ

دوسرا طویل مدتی تناظری منصوبہ (1988.2003)

چھٹا پنجسالہ منصوبہ (1983-88)

ساتواں پنجسالہ منصوبہ (1888-93)

آٹھواں پنجسالہ منصوبہ (1993-98)

نواں پنجسالہ منصوبہ (1998-2003)

ساتواں ، آٹھواں ، نواں پانچ سالہ منصوبے دوسرے طویل مدتی تناظری کا حصہ تھے تاہم نویں پنجسالہ منصوبہ کا اعلان نہیں کیا گیا۔

10 سالہ تناظری ترقیاتی منصوبہ (2001-2011)

8 جوابات

سوال نمبر 2 (i) مقبول (ii) معاشی منصوبہ بندی (iii) منڈی کی میکانیت (iv) مخلوط معاشی نظام

سوال نمبر 3 (i) غلط (ii) درست (iii) درست (iv) درست (v) غلط (vi) درست

سوال نمبر 6 (i) 57 - 1951 (ii) 260 کروڑ اور 362 کروڑ (iii) 32 فیصد، 19 فیصد، 20 فیصد، 18 فیصد اور 11 فیصد، (iv) 100 سے بڑھ کر 285، 3.2 لاکھ ٹن سے بڑھ کر 6.37 لاکھ ٹن، 19 منصوبے، ایک لاکھ دس ہزار کلوواٹ سے بڑھ کر دو لاکھ 80 ہزار کلو واٹ

سوال نمبر 7 (i) درست (ii) غلط (iii) درست (iv) غلط (v) درست

سوال نمبر 9 (i) 10 ارب 80 کروڑ روپے، 6 ارب 60 کروڑ روپے، 4 ارب 20 کروڑ روپے، (ii) 23 ارب روپے، 12 ارب 40 کروڑ روپے، 3 ارب 80 کروڑ روپے، 6 ارب 80 کروڑ روپے، (iii) 52 ارب روپے، 15 ارب 50 کروڑ روپے، 36 ارب 50 کروڑ روپے۔

سوال نمبر 10 (i) درست (ii) درست (iii) غلط (iv) غلط (v) درست (vi) درست

سوال نمبر 12 (i) 15 فیصد، 7 فیصد، 9 فیصد، 75 فیصد، 15 فیصد، 15 فیصد، اور 20 لاکھ۔ (ii) 24 فیصد، 12 فیصد، 14 فیصد، 60 فیصد، 15 فیصد، اور 25 لاکھ۔ (iii) 37 فیصد، 22 فیصد، 25 فیصد، 65 فیصد، 48 فیصد، اور 55 لاکھ

سوال نمبر 13 (i) درست (ii) غلط (iii) درست (iv) غلط (v) درست (vi) غلط (vii) درست (viii) درست

سوال نمبر 15 (i) 11 فیصد، 30 فیصد، اور 28.5 فیصد، (ii) 0.8 فیصد، 15 فیصد، 3.5 فیصد، 12 فیصد، 4.2 فیصد، 8.6 فیصد، سالانہ۔ (iii) 3 فیصد، 7 فیصد، 9.5 فیصد، 7 فیصد،

سوال نمبر 16 (i) غلط (ii) درست (iii) درست (iv) درست (v) غلط (vi) غلط (vii) درست (viii) درست

سوال نمبر 18 (i) 7.6، 5.6، 2.6، 4.3، 2.5، 7 فیصد (ii) 5 فیصد، (iii) 0.8 فیصد،

سوال نمبر 19 (i) درست (ii) درست (iii) غلط (iv) غلط

سوال نمبر 21 (i) 83-1978 ، 210 ارب، 148 ارب، 62 ارب (ii) 7.2 فیصد، 6 فیصد، 10 فیصد، 11 فیصد، (۳) 6.2 فیصد، 6 فیصد، 8.1 فیصد، 43 فیصد،

سوال نمبر 22 (i) درست (ii) درست (iii) غلط (iv) درست (v) درست

9۔فرہنگ اصطلاحات

1۔معاشی منصوبہ بندی	وہ طرزِ عمل جس کے مطابق ایک خاص پروگرام اور تنظیم کے تحت معاشی ترقی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
2۔منڈی کی میکانیت	وہ طریقہ کار جس کے تحت طلب اور رسد کے توازن سے اشیاء و خدمات کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔
3۔تناظری منصوبہ	طویل مدت کا ایسا جامع منصوبہ جس کے تحت لمبی مدت کے اہداف مقرر کئے جاتے ہیں لیکن ان کے حصول کے لئے قلیل مدت کے کئی منصوبے تیار کئے جا سکتے ہیں۔
4۔مخلوط معاشی نظام	ایسا نظام جس میں مرکزی اتھارٹی اور منڈی کی میکانیت دونوں کے امتزاج سے مطلوبہ معاشی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
5۔اشتراکی نظام	ایسا نظام جس میں تمام بنیادی معاشی فیصلے حکومت یا حکومت کا مقرر کردہ با اختیار مرکزی ادارہ کرتا ہے اور منڈی کی میکانیت سے استفادہ نہیں کیا جاتا۔
6۔اسلامی اقتصادی نظام	ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات جو زندگی کے دوسرے شعبوں کے علاوہ انسان کی معاشی زندگی کے لئے بھی قواعد وضوابط مہیا کرتا ہے۔
7۔تفاعلی منصوبہ بندی	ایسی منصوبہ بندی جس میں معاشی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی لائے بغیر مناسب تدابیر اختیار کر کے معاشی ترقی کی کوشش کی جائے۔
8۔عام منصوبہ بندی	وہ منصوبہ بندی جس میں معیشت کے تمام شعبوں کی ترقی کے لئے ایک جامع پروگرام مرتب کیا گیا ہو۔
9۔جزوی منصوبہ بندی	ایسی منصوبہ بندی جس میں معیشت کے چند خاص خاص شعبوں کی ترقی کے لئے پروگرام بنایا جائے اور باقی شعبے اس میں شامل نہ ہوں۔
10۔معاشی منصوبہ کی جسامت	وہ مجموعی رقم جو کسی معاشی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے متعین کی گئی ہو۔

11۔تمویل خاسر	وہ طریقہ کار جس کے مطابق کسی ملک کی حکومت بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے ئے بینکوں سے قرض لیتی ہے اور جس سے نیا زر وجود میں آتا ہے۔
12۔اندرونی وسائل	وہ مالی وسائل جو کسی معاشی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک میں سے ہی مختلف طریقوں سے حاصل کئے جائیں۔
13۔بیرونی وسائل	وہ مالی وسائل جو اندرونی وسائل کی کمی کو پورا کرنے کے لئے دوسرے ممالک کی حکومتوں اور مالی اداروں سے حاصل کئے جائیں۔
14۔معاشی منصوبہ کے اہداف	پہلے سے طے شدہ وہ حد جہاں تک منصوبے کے دوران پہنچنا ہوتا ہے۔
15 معاشی منصوبہ بندی کی ترجیحات	وہ امور جن کو کسی معاشی منصوبہ میں زیادہ اہمیت دی جائے۔
16۔معاشی منصوبہ کی حکمت عملی	ممکنہ طریقوں میں سے وہ طریقہ جو کسی معاشی منصوبے کے کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جائے۔
17۔فی کس آمدنی	کسی ملک کے ایک شہری کی اوسط سالانہ آمدنی۔ یہ کسی ملک کی قومی آمدنی کو اس کی آبادی پر تقسیم کر کے معلوم کی جاتی ہے۔
18۔برآمدات	اشیاء وخدمات کی وہ مقدار جو ایک سال میں ملک سے باہر بھیجی جاتی ہیں۔
19۔درآمدات	اشیاء و خدمات کی وہ مقدار جو ایک سال کے دوران ملک میں باہر سے منگوائی جاتی ہیں۔
20۔ادائیگیوں کا توازن	کسی ملک کی ہر قسم کی برآمدات کی مالیت اور درآمدات کی مالیت کا وہ تفصیلی حساب جس سے کسی ملک کی بین الاقوامی مالی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔
21۔افرادی قوت	کسی ملک کے وہ افراد جو برسرروزگار ہیں یا روزگار حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں۔
22۔جمعیت محنت	محنت کشوں کا وہ گروہ جو یا تو برسر روزگار ہے اور یا اس کی تلاش میں ہے۔
23۔معاشی تفاوت	ملک کے مختلف حصوں کے درمیان پایا جانے والا معیار زندگی کا فرق۔

24۔ اوسط بچت	قومی بچت کی وہ مقدار جو کسی سال کے دوران اوسطاً قومی آمدنی میں سے بچائی جائے۔
25۔ مختتم بچت	وہ زائد قومی بچت جو کسی سال کے دوران حاصل ہونے والی زائد آمدنی میں سے بچائی جائے۔
26۔ تشکیل سرمایہ	وہ عمل جسکے تحت سرمایہ وجود میں آتا ہے۔
27۔ زرمبادلہ	وہ غیر ملکی کرنسی جو برآمدات کے ذریعہ یا غیر ملکی امداد کے ذریعہ حاصل ہو۔
28۔ اشیائے صرفی	وہ اشیاء جو اپنی براہ راست ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہم روز مرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں۔
29۔ اشیائے سرمایہ	وہ اشیاء جو براہ راست ہماری احتیاجات کی تسکین کا باعث نہیں بنتیں بلکہ ان اشیاء کو بنانے میں مددگار بنتی ہیں جو ہماری ضروریات کی براہ راست تسکین کرتی ہیں۔
30۔ افراط زر	ایسی صورت حال جس میں بچت بہت زیادہ روپیہ بہت تھوڑی اشیاء کا تعاقب کرے اور قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا جائے۔
31۔ خام گھریلو پیداوار	وہ کل سالانہ پیداوار جو کسی ملک کے اندر ہی سے حاصل ہو۔
32۔ خامی قومی پیداوار	وہ کل پیداوار جس میں گھریلو پیداوار کے علاوہ بین الاقوامی طور پر حاصل شدہ پیداوار بھی شامل ہو۔

10 فہرست کتب

1۔ پاکستان کے سالانہ معاشی جائزے — شائع کردہ از حکومت پاکستان

2۔ پاکستان کی معاشی ترقی — ڈاکٹر ایس ایم اختر

3۔ معاشیات پاکستان — شیخ منظور علی

4۔ معاشی ترقی کا نظریہ — ڈبلیو آر تھیو لیوس

5۔نظریاتی معاشیات (پاکستان کی معاشی ترقی) باب نمبر 7 از ڈاکٹر محمد حسین چوہدری

یونٹ 5

مسئلہ آبادی

تحریر
عبدالرحیم نیر

فہرست

یونٹ کے مقاصد	172
1۔ آبادی کا فعال کردار	**173**
1.1 آبادی۔ترقی کا عامل	173
1.2 آبادی کو فعال بنانے کی تجاویز	173
1.3 اہم نکات	175
1.4 خود آزمائی	176
2۔ آبادی کے رجحانات	**177**
2.1 تاریخی پس منظر	177
2.2 آبادی میں اضافہ کی وجوہات	178
2.3 پاکستان میں آبادی کی گنجانی	180
2.4 آبادی کی گنجانی کا مفہوم	180
2.5 آبادی کی گنجانی اور معاشی ترقی	181
2.6 آبادی کی گنجانی پر اثر انداز ہونے والے عوامل	181
2.7 پاکستان کے مختلف صوبوں کی گنجانی	182
2.8 اہم نکات	183
2.9 خود آزمائی	184
3۔ پاکستان میں آبادی کی تقسیم	**187**
3.1 بلحاظ عمر	187
3.2 بلحاظ معاشی اثرات	187
3.3 بلحاظ جنس	188

3.4 بلحاظ خواندگی 190
3.5 بلحاظ تعلیم و معاشی ترقی 191
3.6 آبادی کی تقسیم بلحاظ۔شہری و دیہاتی آبادی 191
3.7 آبادی کی شہروں میں منتقلی 192
3.8 آبادی کی تقسیم بلحاظ پیشہ 193
3.9 اہم نکات 194
3.10 خود آزمائی 196

4۔ پاکستان میں افراط آبادی 198

4.1 افراط آبادی کا مفہوم 198
4.2 کیا پاکستان افراط آبادی کا شکار ہے؟ 198
4.3 افراط آبادی کے مسئلہ کا حل 201
4.4 زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ 201
4.5 شرح ولادت میں کمی 202
4.6 خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں دلائل 203
4.7 خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف دلائل 204
4.8 ماحصل 205
4.9 حکومت کے اقدامات 206
4.10 اہم نکات 206
4.11 خود آزمائی 207

5۔ خود آزمائی کے کے جوابات 208

6۔ فرہنگ اصطلاحات 209

7۔ فہرست کتب 210

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں کہ :

(i) پاکستان کی معاشی ترقی میں آبادی کی فعال حیثیت معلوم کر سکیں۔

(ii) یہ معلوم کر سکیں کہ تاریخی پس منظر میں پاکستان میں شامل علاقوں میں آبادی میں اضافہ کا رجحان کیا رہا۔

(iii) تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی آبادی کتنی ہے اور مستقبل کے امکانات کیا ہیں۔

(iv) یہ محسوس کر سکیں کہ پاکستان افراط آبادی کا شکار ہے اور یہ کہ اس مسئلے سے کیسے نمٹا جائے۔

(v) یہ جان سکیں کہ پاکستان کی آبادی کی تقسیم بلحاظ جنس، عمر، خواندگی، پیشہ اور شہری رہائش کیا ہے اور اس تقسیم کا مطالعہ ہمیں اپنے ملک کی آبادی کے مقداری اور وصفی پہلوؤں کو سمجھنے میں کس حد تک مدد دیتا ہے۔

1۔ پاکستان کی معیشت میں آبادی کا فعال کردار

1.1 آبادی کا عامل

جیسا کہ اوپر تعارف میں ذکر کیا گیا ہے ہر ملک کی آبادی کو اس ملک کی معاشی ترقی میں ایک فعال یعنی مستعد اور متحرک کردار ادا کرنا ہوتا ہے اور پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں تو اس بات کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ ممالک صدیوں کی غلامی اور نو آبادیاتی صورتحال سے چھٹکارا پانے کے بعد اس کوشش میں مصروف ہیں کہ اپنے خداداد وسائل سے بھرپور استفادہ کرکے کم سے کم عرصہ میں اپنے ملک کے لوگوں کے معیار زندگی میں انقلابی تبدیلی پیدا کریں۔ غربت، جہالت، بیماری اور پسماندگی کا قلع قمع کریں اور خود کو دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی صف میں لاکھڑا کریں۔ اس عظیم مقصد کے حصول میں وہ صرف اسی صورت میں کامیاب ہوسکتے ہیں اگروہ حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہوکر انتھک محنت کریں اور اپنی دماغی اور جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر زیادہ اشیاء و خدمات پیدا کریں۔

اگست 1947ء میں جب مملکت خداداد پاکستان نے انگریزوں اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے آزادی حاصل کی تو ملک کی معیشت پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔ صنعت، زراعت، تجارت اور بنکاری جیسے تمام کلیدی شعبوں پر ہندوؤں کی اجارہ داری تھی۔ ان کے بھارت نقل مکانی کرجانے کے بعد پوری معیشت میں ایک خلاء پیدا ہوگیا جسے ہماری قوم نے اپنی ہمت و جرأت سے بہت جلد پُر کردیا۔ نامساعد حالات کے باوجود ہمارے ملک نے معاشی میدان میں نمایاں ترقی کی ہے تاہم اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے کیونکہ ملک کی آزادی کے باسٹھ برس گزر جانے کے باوجود اب بھی ہمارے ملک کی بیشتر آبادی نہ صرف یہ کہ دور حاضر کی آسائشات وسہولیات سے محروم ہے بلکہ بعض بنیادی ضروریات بھی حسب ضرورت میسر نہیں ہیں۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کی آبادی کو زیادہ سے زیادہ فعال اور مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل بنایا جائے۔ تاکہ وہ کم سے کم عرصہ میں غربت وافلاس سے چھٹکارا حاصل کرسکے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔

1.2 آبادی کو فعال بنانے کی تجاویز

(i) ملک کی دیہی افرادی قوت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔

ہماری آبادی ہماری سب سے بڑی معاشی قوت ہے۔ دیہی علاقوں میں افرادی قوت کا ایک بہت بڑا حصہ صرف جزوی طور پر برسر روزگار ہوتا ہے، فصل کی کاشت کے وقت اور فصل کی کٹائی کے وقت۔ درمیانی عرصہ میں وہ فارغ ہوتا ہے۔ اس فارغ جمعیت محنت کی مدد سے ہم قومی پیداوار میں کئی طرح سے اضافہ کرسکتے ہیں۔

(الف) دیہات میں نہریں اور سڑکیں تعمیر کی جائیں۔ اسکول، ہسپتال اور مفاد عامہ کی دیگر تعمیرات عمل میں لائی جائیں۔

(ب) دیہاتی علاقوں میں کاشتکاری کے جدید طریقوں کو روشناس کرانے کے لئے تربیتی مراکز قائم کئے جائیں جہاں فارغ وقت میں کسان بھائی عملی طور پر پیداوار کے نئے طریقوں کی تربیت حاصل کریں۔ اور زرعی پیداوار میں اضافہ کریں۔

(ج) گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم کی جائیں جو ایک طرف دیہی بیروزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوں اور دوسری طرف قومی پیداوار میں اضافہ کا موجب بنیں۔

ماضی میں حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں کئی اسکیمیں چلائی گئیں جس میں ولیج ایڈ پروگرام، دیہی تعمیراتی پروگرام، مربوط دیہی ترقیاتی پروگرام اور پیپلز ورکس پروگرام اور ایگرویلز پروگرام وغیرہ شامل ہیں۔ پانچویں پانچ سالہ منصوبے (1978-83ء) کے آغاز کے وقت ان سب کو ملا کر ایک پروگرام میں مدغم کردیا گیا اور اس کا نام ''دیہی ترقیاتی تنظیم'' رکھ دیا گیا تھا۔

(ii) سائنسی اور فنی تعلیم کا فروغ

دورحاضر سائنس، فن اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اس شعبہ میں حیرت انگیز ترقی سے زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کے لئے نت نئے طریقے دریافت ہورہے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جدید ٹیکنالوجی سے واقفیت حاصل کریں کیونکہ اس کے بغیر ہماری قوم زراعت اور صنعت کے میدان میں صحیح ترقی کے قابل نہیں ہوسکتی۔ اس شعبہ میں جو رقمیں خرچ کی جائیں اسے جدید ماہرین معاشیات، انسانی سرمائے میں افزائش، یا 'غیر مادی تشکیل سرمایہ' کا نام دیتے ہیں کیونکہ انسانی علم کوئی مادی شے نہیں ہے جو ہمیں نظر آسکتی ہو لیکن یہ اتنی بڑی قوت ہے کہ جس قوم کے پاس یہ سرمایہ موجود ہے وہ کسی بھی مقدار میں مادی سرمایہ حاصل کرسکتی ہے اور قومی پیداوار میں نمایاں اضافہ کرسکتی ہے۔ (اس کی مزید وضاحت سیکشن 5-3 میں آگے کی گئی ہے) پس ہماری افرادی قوت اسی صورت میں ملک کی معاشی ترقی میں فعال کردار ادا کرسکتی ہے جب وہ زیورتعلیم (بالخصوص سائنسی اور فنی تعلیم) سے آراستہ ہو۔ ماضی میں حکومت نے اس سلسلے میں بہت کچھ کیا ہے اور بہت کچھ کیا جارہا ہے۔ قومی پیداوار کا تقریباً 2 فیصد تعلیم کے شعبہ پر خرچ ہورہا ہے۔

(iii) طبی اور حفظان صحت کی سہولتوں میں اضافہ

ملک کی آبادی اسی صورت میں اقتصادی ترقی میں متحرک کردار ادا کرسکتی ہے اگر اس کی استعداد کار بہتر ہو اور استعداد کار کا دارومدار اور باتوں کے علاوہ لوگوں کی صحت پر بھی ہے۔ ہمارے ملک میں غربت کے باعث لوگوں کی خوراک ناقص ہے۔ لباس اور رہائش غیر صحت مند ہے جس کے نتیجہ میں بیماریاں عام ہیں اس لئے زیادہ تر افرادی قوت کی استعداد کار کم ہے۔ طبی سہولتوں میں اضافہ کرکے اور حفظان صحت کی مناسب تدابیر اختیار کرکے جمیعت محنت کی استعداد کار میں نمایاں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

(iv) تقسیم دولت کا منصفانہ نظام اور جذبہ حب الوطنی

درحقیقت یہ محنت کا جذبہ ہی ہے جو ریت کو بھی سونے میں تبدیل کردیتا ہے یعنی پانی کو ترستے ریگستان لہلہاتے کھیتوں میں بدل جاتے ہیں۔ کارخانوں میں چلنے والی مشینوں کی آواز خاموش آبادیوں کا سکوت توڑ دیتی ہے۔ گاڑیوں بسوں اور ٹرکوں کے ذریعہ لوگ اور سازو سامان ملک کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک آنے جانے لگتا ہے۔ ہر طرف چہل پہل اور گہما گہمی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی میں کام کی تحریک پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے بڑھتی ہوئی قومی دولت سے اپنا جائز حصہ ضرور ملے تاکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ لگن سے کام کرے۔ ماضی میں اس سلسلے میں کئی اقدامات کئے گئے جس میں 1959ء اور 1972ء کی زرعی اصلاحات اور 1960ء اور 1672ء کی مزدوروں کی پالیسی شامل ہیں۔ ان اصلاحات پر صحیح عملدرآمد کے ذریعہ ملک کی افرادی قوت کی فعالیت کو مزید تقویت پہنچائی جاسکتی ہے۔

(v) آبادی کی منصوبہ بندی

پاکستان کی آبادی میں تیزی سے اضافہ افرادی قوت کی فعالیت پر برا اثر ڈال رہا ہے کیونکہ آبادی میں بچوں کی تعداد میں (بچے آبادی کا غیر فعال حصہ ہوتے ہیں) اضافہ ہو رہاہے۔ آبادی کی منصوبہ بندی کے ذریعہ فعال افرادی قوت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ آبادی کی منصوبہ بندی کے موضوع پر تفصیلی بحث سکشن 4.6 میں کی گئی ہے۔

1.3 اہم نکات

(i) پاکستان کی معاشی ترقی میں نمایاں اضافہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک بڑھتی ہوئی افرادی قوت فعال اور محرک کردار ادا نہ کرے۔

(ii) آبادی کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے جاسکتے ہیں اور کئے گئے ہیں:۔

(الف) ملک کی دیہی افرادی قوت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔

(ب) سائنسی اور فنی تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ جدید ٹیکنالوجی کو اپنانے کی کوشش کی جائے۔

(ج) حفظان صحت اور طبی سہولتوں میں اضافہ کیا جائے۔

(د) تقسیم دولت کا منصفانہ نظام، جمعیت محنت میں جذبہ حب الوطنی کو تقویت پہنچا کر قومی پیداوار میں اضافہ کا موجب بن سکتا ہے۔ نظام زکوٰۃ کا نفاذ ان اقدامات میں سے سب سے اہم قدم ہے جو اس مقصد کے حصول کے لئے کئے گئے ہیں۔

(ی) آبادی کی منصوبہ بندی بھی بالواسطہ طور پر افرادی قوت کی تعداد اور استعداد کار کو بڑھا کر قومی پیداوار میں نمایاں اضافہ کا موجب بن سکتی ہے۔

1.4 خود آزمائی

سوال نمبر 1 آبادی کے فعال کردار کا مفہوم کیا ہے۔ اس باب میں آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اس کی روشنی میں ملک کی آبادی کو فعال بنانے کے لئے آپ کیا تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔ کیا آپ ان تجاویز میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں جو باب 1 میں پیش کی گئی ہیں۔

سوال نمبر 2 ذیل کے فقروں میں خالی جگہیں پُر کیجئے۔

(i) پاکستان کی قومی پیداوار کو تیزی سے بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی افرادی قوت کو زیادہ سے زیادہ .... بنایا جائے۔

(ii) سائنسی اور فنی تعلیم پر اخراجات کو ماہرین معاشیات .... کا نام بھی دیتے ہیں۔

(iii) قومی پیداوار کا تقریباً .... فیصد حصہ تعلیم پر خرچ رہا ہے۔

(iv) دیہی ترقی کے لئے ماضی میں چلائے گئے پروگراموں کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے ایک پروگرام بنا دیا گیا ہے جس کا نام .... ہے۔

(جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 3 درست ہے یا غلط

(i) آبادی میں تیز افزائش مؤثر افرادی قوت میں کمی کا موجب بنتی ہے۔

(ii) دولت کی تقسیم جتنی منصفانہ ہوگی۔ افرادی قوت کی فعالیت اتنی ہی کم ہوگی۔

(iii) مناسب تدابیر سے دیہی فاضل آبادی کو سرمایہ کاری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(iv) پاکستانی محنت کشوں کی استعداد کار بہت زیادہ ہے۔

(جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

2۔ پاکستان کی آبادی کے رجحانات

2.1 تاریخی پس منظر

سیکشن ایک میں ہم نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ پاکستان کی آبادی میں تیزی سے اضافہ اس کی فعالیت پر غیر موافق طور پر اثر انداز ہورہاہے۔ اس باب میں ہم اس بات کا جائزہ لے رہے ہیں کہ تاریخی طور پر ان علاقوں کی آبادی کا رجحان کیا رہاہے جو موجودہ پاکستان میں شامل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی آبادی میں تیزی سے اضافہ کا رجحان ماضی قریب کی بات ہے۔ ماضی بعید میں ایسے دور بھی گزرے ہیں جب پاکستانی علاقوں کی آبادی میں یا تو بالکل اضافہ نہ ہوا اور یا بہت کم رفتار سے اضافہ ہوا۔ ذیل کا گوشوارہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔

گوشوارہ نمبر 1

پاکستان کی آبادی 1951ء سے لیکر 1998ء تک

مردم شماری کا سال	آبادی (کروڑ افراد میں)	آبادی میں اضافہ کی اوسط سالانہ شرح فیصد
(1)	(2)	(3)
1951ء	تین کروڑ پینتیس لاکھ	1.84 فیصد
1961ء	چار کروڑ انتیس لاکھ	2.8 فیصد
1972ء	چھ کروڑ انچاس لاکھ	3.1 فیصد
1981ء	آٹھ کروڑ بیالیس لاکھ	3.00 فیصد
1998ء	13 کروڑ 23 لاکھ	2.34 فیصد

اس گوشوارہ کے پہلے کالم میں مردم شماری کا سال ظاہر کیا گیا ہے جیسا کہ کالم ظاہر کررہا ہے کہ مردم شماری ہر دس سال کے عرصہ کے بعد کی جاتی رہی ہے۔ 1998ء کے بعد پاکستان میں ابھی تک مردم شماری نہیں ہوئی۔

دوسرے کالم میں آبادی کی تعداد کروڑوں میں دکھائی گئی ہے جو برابر بڑھتی چلی گئی ہے لیکن یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ آبادی میں اضافہ کی سالانہ شرح فیصد گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔

گوشوارہ نمبر 1 میں دی گئی معلومات کو ذیل کے ڈائیگرام کی مدد سے بھی واضح کیا جاسکتا ہے۔

ڈائیگرام نمبر 1
پاکستان کی آبادی 1951ء تا 1998ء (مردم شماری کے مطابق)

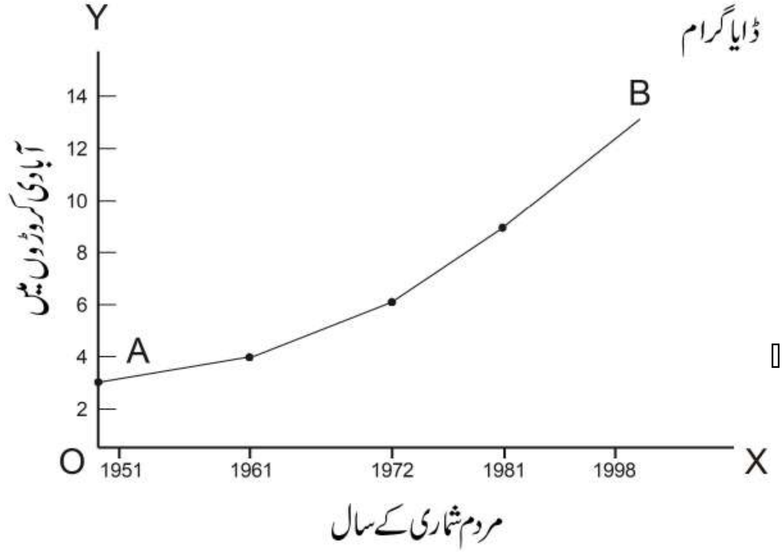

مندرجہ بالا ڈائیگرام میں OX خط کے ساتھ ہم نے مردم شماری کے سالوں کو ظاہر کیا ہے اور OY خط کے ساتھ پاکستان کی آبادی کو کروڑوں میں دکھایا ہے۔ مردم شماری کے سالوں کا ہر خانہ دس سال کے وقفہ کو ظاہر کرتا ہے اور آبادی کا ہر خانہ 2 کروڑ سے شروع ہوتا ہے۔ خط AB کا جھکاؤ نیچے سے اوپر کی جانب ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ کلی طور پر آبادی ہر دس سال میں بڑھتی چلی گئی ہے۔خط یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس عرصہ میں پاکستان کی آبادی میں کافی تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

2.2 آبادی میں اضافہ کی وجوہات

گذشتہ سیکشنز میں یہ بات بالکل ثابت ہوچکی ہے کہ پاکستان کی آبادی میں اضافہ کی رفتار زیادہ تیز تھی۔ اس صورت حال کی وجوہات درج ذیل ہیں:۔

(i) حالیہ برسوں میں دنیا کے ذرائع حمل ونقل اور رسل و رسائل میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجہ میں پوری دنیا ایک معاشی وحدت بن گئی ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطے میں خوراک کی قلت کے سبب قحط کے آثار رونما ہوں تو خوراک کے فاضل ممالک سے غلہ فوراً قحط زدہ

علاقوں میں پہنچ جاتا ہے اور لاکھوں انسان فاقے کا شکار ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

(ii) طبی علم میں نمایاں ترقی کے سبب شرح اموات تو کافی کم ہوگئی لیکن شرح ولادت میں تا حال کوئی خاص کمی نہیں ہوئی۔ پینسلین اور دیگر جراثیم کش ادویات کے استعمال سے بڑی حد تک وبائی امراض پر قابو پالیا گیا ہے۔

(iii) ایک حالیہ اندازے کے مطابق پاکستان میں شرح ولادت 26.1 افراد فی ہزار ہے جبکہ شرح اموات 7.1 افراد فی ہزار رہ گئی ہے جس کے نتیجہ میں پاکستان کی آبادی میں سالانہ 1.8 فیصد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان کی موجودہ آبادی تقریباً 16 کروڑ افراد ہے جو 2045ء کے آخر تک بڑھ کر دوگنا ہو جانے کا امکان ہے پاکستان میں بلند شرح ولادت کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

(الف) **چھوٹی عمر میں شادی کا دستور:** ہمارے ملک میں عام طور پر چھوٹی عمر میں شادی کا دستور ہے (بالخصوص دیہی علاقوں میں) یہ امر واضح طور پر آبادی میں تیزی سے اضافہ کا موجب بنتا ہے۔

(ب) **معاشی ضرورت:** ہمارے ملک کے دیہی علاقوں میں لوگ زیادہ بیٹوں کے باپ بننا پسند کرتے ہیں کیونکہ چھوٹی عمر میں ہی بچے کھیتی باڑی میں ماں باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کردیتے ہیں۔ نیز بڑھاپے میں ماں باپ کا سہارا بنتے ہیں۔

(ج) **معاشرے میں وقار کی علامت:** ملک کے دیہی علاقوں میں بالخصوص یہ احساس پایا جاتا ہے کہ زیادہ بچے خاص طور پر بیٹے ماں باپ کے لئے طاقت اور وقار کا ذریعہ ہیں۔ خاندانی رقابتیں اور دشمنیاں لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتی ہیں کہ وہ زیادہ بیٹوں کے باپ ہوں۔

(د) **خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت:** بہت سے لوگ آبادی کو مصنوعی طریقوں سے کنٹرول کرنے کے حق میں نہیں ہیں ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر بچہ جو اس دنیا میں آتا ہے وہ صرف کھانے کے لئے ہی نہیں آتا بلکہ ساتھ دو ہاتھ پاؤں بھی لیکر آتا ہے اور قومی پیدوار میں اضافہ کا موجب بھی بنتا ہے۔

(ی) **وبائی امراض کی روک تھام:** جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے زمانہ حال میں علم طب نے حیرت انگیز ترقی کی ہے جراثیم کش ادویات اور ٹیکوں کی ایجاد نے وبائی امراض کو تقریباً ختم

کردیا ہے جس کے نتیجہ میں شرح اموات میں نمایاں کمی ہوگئی ہے۔شرح اموات میں کمی کا یہ بھی مطلب ہے کہ اب پہلے سے زیادہ لوگ شادیاں کرتے ہیں جس سے شرح ولادت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(س) **تفریح کی سہولتوں کی کمی:** ہمارے ملک کا غریب طبقہ (جس کی بھاری اکثریت ہے) تفریح کی سہولتوں سے محروم ہے لہٰذا وہ جنسی جذبہ کی تسکین میں ہی تفریح تلاش کرتا ہے۔ یہ امر افزائش آبادی کا موجب بنتا ہے۔

(ص) **خواتین کا معاشی جدوجہد میں کم حصہ لینا:** پاکستان کی آبادی میں تقریباً نصف سے زیادہ حصہ عورتوں پر مشتمل ہے جو زیادہ تر معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے سی گریز کرتی ہیں جس سے ان کی زرخیزی کا عرصہ بڑھ جاتا ہے جو تیز تر افزائش آبادی کا موجب بنتا ہے۔

(ط) **تعلیم کی کمی:** پاکستان کی آبادی میں خواندگی کا تناسب صرف 55 فیصد ہے۔ باقی 45 فیصد لوگ ناخواندہ اور جاہل ہیں اور محدود کنبے کے فوائد کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

2.3 پاکستان میں آبادی کی گنجانی

سیکشن 2.2 میں آپ نے یہ معلوم کیا ہے کہ پاکستان کی آبادی 1.8 فیصد سالانہ کی رفتار سے بڑھ رہی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پاکستان کے ہر علاقے کی آبادی میں اسی رفتار سے اضافہ ہورہاہے یہ تو ایک اوسط ہے بعض علاقوں کی آبادی میں زیادہ تیزی سے اضافہ ہورہاہے اور بعض خطوں کی آبادی میں نسبتاً کم رفتار سے اضافہ ہورہاہے یہ بات ہماری توجہ آبادی کی گنجانی کی طرف مبذول کراتی ہے۔

2.4 آبادی کی گنجانی کا مفہوم

کسی ملک کی آبادی کی گنجانی کا مفہوم یہ ہے کہ اس ملک میں فی مربع میل یا فی مربع کلومیٹر کتنے لوگ آباد ہیں آبادی کی گنجانی معلوم کرنے کے لئے ہر ملک کی کل آبادی کو اس کے رقبے سے تقسیم کردیتے ہیں یعنی

$$\text{آبادی کی گنجانی} = \frac{\text{کل آبادی}}{\text{رقبہ}}$$

اس وقت پاکستان کی کل آبادی تقریباً 16 کروڑ افراد پر مشتمل ہے اور رقبہ 796,095 کلو میٹر ہے لہٰذا

پاکستان میں آبادی کی گنجانی= $\frac{163,900,000}{796,095}$ = 206 تقریباً

2.5 آبادی کی گنجانی اور معاشی ترقی

پاکستان زیادہ گنجان آباد ملک نہیں ہے۔ 206 افراد فی مربع کلو میٹر زیادہ گنجان آبادی کی علامت نہیں ہے۔ اس کے باوجود پاکستان ایک پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ ملک ہے۔ ماہرین کی رائے کے مطابق پاکستان 350 افراد فی مربع کلو میٹر آبادی کی گنجانی کا بھی متحمل ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے تمام خداداد وسائل کو بطریق احسن بروئے کار لاکر قومی پیدوار میں اضافہ کرے لیکن فی الحال کم گنجانی کے باوجود پاکستان کے لوگوں کا اوسط معیار زندگی انتہائی پست ہے کیونکہ گذشتہ برسوں میں ہماری قومی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو پایا۔ اس کے برعکس مغربی یورپ کے بیشتر مما لک جن میں بلجیم، مغربی جرمنی اور برطانیہ شامل ہیں نسبتاً زیادہ گنجان آباد ہونے کے باوجود دنیا کے ترقی یافتہ مما لک سمجھے جاتے ہیں بلجیئم پاکستان کی نسبت کئی گنا زیادہ گنجان آباد ملک ہے اس کے باوجود اس ملک کی فی کس آمدنی یا اوسط معیار زندگی پاکستان کے مقابلہ میں دس گنا بہتر ہے۔ کیونکہ بلجیئم صنعتی اعتبار سے ایک ترقی یافتہ ملک ہے اور اس کے وسائل زیادہ گنجان آبادی کو بھی بہتر معیار زندگی کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ پس آبادی کی گنجانی ایک اضافی تصور ہے اس کو کسی ملک کے معلوم وسائل کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے کہ اس ملک کے موجود وسائل کتنی آبادی کو اچھا معیار زندگی مہیا کرسکتے ہیں۔

2.6 آبادی کی گنجانی پر اثر انداز ہونے والی عوامل

کسی ملک کی آبادی یا ایک ہی ملک کے اندر مختلف خطوں کی آبادی کی گنجانی زیادہ ہوگی یا کم اس کا انحصار مندرجہ ذیل عوامل پر ہے۔

(i) آب و ہوا کا فرق

جس علاقے کی آب و ہوا خوراک اور دیگر فصلوں کی پیداوار کے لئے ساز گار ہوگی وہاں لوگ زیادہ آباد ہونا پسند کریں گے کیونکہ کھیتی باڑی میں سہولت ہوگی اور زیادہ مقدار میں غلہ پیدا ہوگا۔

(ii) زمین کی خاصیت

جس خطے کی زمین زیادہ زرخیز ہوگی وہ کم خرچ سے زیادہ زرعی اجناس پیدا کرنے کے قابل ہوگی لہٰذا اس مقام پر آبادی کا رجحان زیادہ ہوگا۔صوبہ پنجاب پاکستان کا سب سے زیادہ گنجان آباد صوبہ ہے کیونکہ یہاں کی آب و ہوا اور زمین زرعی اجناس کی پیداوار کے لئے بہت موزوں ہے۔

(iii) دیگر قدرتی وسائل

زمین کے علاوہ دیگر قدرتی وسائل کی فراوانی بھی آبادی کو بڑھانے کا موجب بنتی ہے کیونکہ ان وسائل کے بدلے میں آبادی اپنی خوراک حاصل کرسکتی ہے۔ مثلاً مشرق وسطیٰ کے ممالک کی آبادی کی گنجانی میں اضافہ ہو رہا ہے کچھ تو مقامی آبادی میں اضافہ کا میلان بڑھ رہا ہے اور کچھ اس لئے کہ دنیا کے دیگر ممالک سے لوگ ملازمت کی غرض سے نقل مکانی کررہے ہیں کیونکہ یہ خطہ تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔

(iv) صنعت وتجارت کی کیفیت

جو ملک صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہو یا ایک ہی ملک کے وہ حصے جہاں صنعتی مراکز موجود ہوں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع مہیا کرتے ہیں لہٰذا وہ آبادی کی زیادہ گنجانی کے متحمل ہوسکتے ہیں۔ مغربی یورپ کے بیشتر ممالک کافی گنجان آباد ہیں کیونکہ وہ صنعتی میدان میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ پاکستان میں لوگ روزگار کی تلاش میں دیہات سے شہروں کا رخ کررہے ہیں جس کے نتیجہ میں شہری آبادی کی گنجانی میں برابر اضافہ ہو رہا ہے پاکستان کی شہری آبادی 1951ء میں 18 فیصد سے بڑھ کر 1998ء میں 32.50 فیصد ہوچکی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان کی تقریباً 32 فیصد آبادی شہروں میں آباد ہے اور 68 فیصد دیہات میں۔

(v) تفریح کی سہولتوں کا مہیا ہونا

شہری علاقوں میں نقل مکانی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دیہات کی نسبت شہروں میں زندگی کی آسائشات اور سامان تفریح (مثلاً پارک۔ کلب۔ سینما گھر اور ہوٹل وغیرہ) آسانی سے دستیاب ہیں جہاں لوگ اپنا فارغ وقت گزار سکتے ہیں۔

2.7 پاکستان کے مختلف صوبوں کی گنجانی

سیکشن 2.4 میں آپ نے معلوم کیا ہے کہ پاکستان کی آبادی کی گنجانی کی اوسط 206 افراد فی مربع کلو میٹر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں اور تمام علاقوں کی گنجانی اس قدرے بلکہ بعض صوبوں کی آبادی کی گنجانی اس سے بھی زیادہ ہے اور بعض کی کم جیسا کہ ذیل کا گوشوارہ واضح کرتا ہے۔

گوشوارہ نمبر 2

صوبوں کے لحاظ سے پاکستان کی آبادی کی گنجانی

صوبے کا نام	رقبہ مربع کلومیٹر	آبادی ہزاروں میں (000)		آبادی کی گنجانی فی مربع کلومیٹر	
		1961	1998	1961	1998
پنجاب بشمولیت فیڈرل کیپٹل ایریا	206,250	255,82	744,26	321	361
صوبہ سندھ	140,914	386,7	304,40	128	216.02
صوبہ سرحد بشمولیت قبائلی علاقے	101,741	757,8	209,20	193	205.62
بلوچستان	347,190	1353	656,6	11	18.9
میزان	796,096	428,80	132,352	138	166.3

مندرجہ بالا گوشوارہ سے واضح ہے کہ پاکستان کے صوبوں میں سے صوبۂ پنجاب سب سے زیادہ گنجان آباد ہے کیونکہ ایک تو اس صوبہ کی زمین زرخیز ہے دوسرے نہری نظام کی موجودگی میں پانی کی فراوانی ہے۔ جبکہ سب سے کم گنجان آباد صوبہ بلوچستان ہے (حالانکہ رقبہ کے لحاظ سے یہ پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے) کیونکہ اس صوبے کا بیشتر علاقہ بنجر اور بے آباد ہے۔ بارش بہت کم ہوتی ہے اور مصنوعی آبپاشی کا نظام ناقص ہے۔ تاہم یہ صوبہ معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے یہی وجہ ہے کہ اب یہاں کی آبادی کی گنجانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گوشوارہ سے واضح ہے کہ پاکستان کے مختلف صوبوں میں آبادی کی گنجانی میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق پنجاب میں فی مربع کلومیٹر 361 افراد بستے تھے۔ سندھ میں 216.02 ۔صوبہ سرحد میں 205.62 اور بلوچستان میں صرف 19 جبکہ پورے پاکستان کے لئے اوسط 166.3 افراد فی مربع کلومیٹر تھی۔ اس وقت پاکستان کی آبادی تقریباً 16 کروڑ ہے اور آبادی کی گنجانی 166.3 افراد فی مربع کلومیٹر سے بڑھ کر 206 افراد تک پہنچ چکی ہے۔

2.8 اہم نکات

(i) پاکستان میں آبادی میں تیز رفتاری سے اضافہ اس لئے ہوا کہ اس عرصہ میں ذرائع حمل ونقل کے ترقی کر جانے کے باعث خوراک کی قلت پر قابو پالیا گیا اور قحط کا خطرہ ٹل گیا۔ علم طب کی

ایجادات سے وبائی امراض پر قابو پالیا گیا جس سے شرح اموات میں نمایاں کمی آ گئی۔

(ii) پاکستان کی آبادی میں سالانہ 1.8 فیصد کا اضافہ ہورہا ہے کیونکہ شرح ولادت اس وقت 26.10 افراد فی ہزار ہے اور شرح اموات 7.10 افراد فی ہزار ہے۔

(iii) پاکستان میں شرح ولادت زیادہ ہونے کے اسباب میں چھوٹی عمر میں شادی کا رواج، بچوں کا کھیتی باڑی میں ماں باپ کا ہاتھ بٹانا، وبائی امراض کی روک تھام، تفریح کی سہولتوں کی کمی، تعلیم کی کمی اور خواتین کا معاشی جدوجہد میں بہت کم حصہ لینا وغیرہ شامل ہیں۔

(iv) آبادی کی گنجانی سے مراد یہ ہے کہ کسی ملک میں فی مربع میل یا فی مربع کلومیٹر کتنے لوگ آباد ہیں یعنی آبادی کی گنجانی = آبادی/ رقبہ

(v) اگر کوئی ملک یا کسی ملک کا کوئی حصہ گنجان آباد ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لازماً معاشی لحاظ سے پسماندہ بھی ہے۔ دنیا میں کئی ملک ایسے ہیں جو کافی گنجان آباد ہیں اس کے باوجود ترقی یافتہ ہیں۔ پاکستان کم گنجان آباد ہونے کے باوجود پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ ہے۔

(vi) آبادی کی گنجانی پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں

(الف) آب و ہوا کا فرق (ب) زمین کی خاصیت (ج) دیگر قدرتی وسائل کی موجودگی (د) صنعت و تجارت کی کفیت اور (د) تفریح کی سہولتوں کا میسر ہونا شامل ہیں۔

(vii) پاکستان کے مختلف صوبوں کی آبادی کی گنجانی میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ ایک طرف صوبہ پنجاب ہے جس کی فی مربع کلومیٹر آبادی 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 361 افراد ہے اور دوسری طرف صوبہ بلوچستان ہے جس کی فی کلومیٹر آبادی صرف 19 افراد ہے۔ حالانکہ یہ ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔

2.9 خود آزمائی

سوال نمبر 4 پاکستان کی آبادی کا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیجئے اور بتایئے کہ 1951ء سے لیکر 1998ء تک پاکستان کی آبادی میں کیا اہم رجحانات دیکھنے میں آتے ہیں۔

(دیکھیئے سیکشن 2.1)

سوال نمبر 5 سیکشن 20 میں آبادی کا جو گراف بنایا گیا ہے اسے ایک گراف پیپر پر خود بنایئے اور یہ گراف جس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے اس پر ایک نوٹ لکھئے۔

سوال نمبر 6 ذیل میں دیئے ہوئے فقروں میں خالی جگہوں کو پُر کیجئے۔

(الف) ذرائع حمل و نقل کے ترقی کر جانے کے سبب دنیا کی آبادی میں .... کی رفتار .... ہوگئی ہے۔

(ب) جراثیم کش ادویات کی ایجاد نے پاکستان میں ....شرح کو بہت کم کردیا ہے۔

(ج) پاکستان میں شرح ولادت .... فی ہزار ہے اور شرح اموات .... فی ہزار اس لئے آبادی میں سالانہ .... فیصد کا اضافہ ہو رہا ہے۔

(د) اگر پاکستان کی آبادی .... فیصد کے حساب سے بڑھتی رہی تو 2045 ء تک پاکستان کی آبادی .... ہو جائے گی۔

(دیکھئے سیکشن 2.2)

(اور درست جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 7۔ درست فقروں پہ نشان لگائیے۔

(الف) چھوٹی عمر میں شادی شرح افزائش کو تیز کرتی ہے۔

(ب) زیادہ اولاد کھیتی باڑی میں ماں باپ کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے۔

(ج) خاندان کا وقار اور طاقت زیادہ اولاد نہیں ہے۔

(د) ہمارے ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت بالکل نہیں ہے۔

(ی) وبائی امراض پر کنٹرول نے شرح اموات میں نمایاں کمی کردی ہے۔

(س) خواتین کا معاشی سرگرمیوں میں کم حصہ لینا آبادی میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔

(دیکھئے سیکشن 2.2)

(اور درست جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 8

(الف) ایک عددی مثال سے واضح کیجئے کہ آبادی کی گنجانی= کل آبادی/ رقبہ

(ب) پاکستان اس لئے ایک پسماندہ ملک ہے کہ یہ بہت زیادہ گنجان آباد ہے کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے، جواب میں دلائل پیش کیجئے۔

(دیکھئے سیکشن 2.5)

سوال نمبر 9 خالی جگہوں کو پُر کیجئے۔

(الف) پاکستان کا سب سے زیادہ گنجان آباد صوبہ .... ہے، اور سب سے کم گنجان آباد صوبہ .... ہے۔

(ب) 1961ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں آبادی کی گنجانی .... افراد فی مربع کلومیٹر تھی اور 1998ء میں تقریباً .... افراد فی مربع کلومیٹر ہے۔

(ج) صوبہ پنجاب اس لئے زیادہ گنجان آباد ہے کہ یہاں کی زمین .... ہے اور نہری نظام کی بدولت پانی .... حاصل ہوتا ہے۔

(د) پاکستان میں .... فیصد آبادی شہروں میں آباد ہے اور .... فیصد دیہات میں۔

(جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

3 پاکستان میں آبادی کی تقسیم

3.1 آبادی کی تقسیم بلحاظ عمر

پاکستان کی آبادی میں تیزی سے اضافہ کے نتیجہ میں آبادی میں بچوں کا تناسب زیادہ ہے کیونکہ بچوں میں اموات کی شرح زیادہ ہے اور زیادہ تر بچے 15 برس کی عمر سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ 1961ء کی مردم شماری کے مطابق پندرہ برس سے کم عمر کے بچے کل آبادی کا 43 فیصد تھے۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق 15 برس سے کم عمر کے بچوں کی تعداد کل آبادی کا 43.40 فیصد تھی۔ اس مردم شماری کے مطابق کل آبادی کی تقسیم کچھ یوں تھی:۔

گوشوارہ نمبر 3.1 (1998ء کی مردم شماری کے مطابق)

عمر کا وقفہ	تعداد فیصد
15 برس سے کم	43.40 فیصد
15 برس تا 64 برس	53.09 فیصد
65 برس اور اس سے اوپر	3.50 فیصد

3.2 آبادی کی تقسیم بلحاظ عمر کے معاشی اثرات

(i) 15 برس سے کم عمر کے بچے عام طور پر معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ چونکہ یہ آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں اس لئے معیشت آبادی کے اتنے بڑے حصے کی خدمات سے محروم ہو جاتی ہے۔ اگر اس تعداد میں ان بوڑھوں کو بھی شامل کرلیا جائے، جو 65 برس سے اوپر کی عمر کے ہیں تو مجموعی طور پر آبادی کا نصف حصہ مؤثر افرادی قوت کی فہرست سے خارج ہوجاتا ہے۔ لیکن اسی پر بس نہیں باقی نصف آبادی جو 15 برس اور 64 برس کے درمیان ہے اس میں تقریباً نصف تعداد عورتوں کی ہے۔ یہ طبقہ بھی پاکستان میں سوائے تعلیم اور صحت کے شعبوں کے باقی معاشی سرگرمیوں میں کوئی قابل ذکر حصہ نہیں لیتا۔

اس صورتحال میں کوئی شک نہیں کہ دیہی علاقوں میں عورتیں بھی کھیتی باڑی کے کام اور

گھریلو دستکاری میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی ہیں اور گھریلو عورتیں شہروں اور دیہات میں گھر کے بہت سے کام کاج جن میں کھانا پکانا، سینا پرونا اور دیگر امور خانہ داری شامل ہیں، سرانجام دیتی ہیں لیکن اس کے باوجود عورتوں کا حصہ مؤثر معاشی سرگرمیوں میں کافی کم ہے۔
پاکستان کی آبادی میں سے اگر بچوں، بوڑھوں اور غیر فعال عورتوں کو خارج کردیا جائے تو مؤثر افرادی قوت گھٹ جاتی ہے۔

(ii) پاکستان میں منحصرین (وہ لوگ جو خود دولت پیدا نہیں کرتے یا کرسکتے لیکن دوسروں کی کمائی سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں) کی تعداد ماضی میں بہت زیادہ تھی یعنی ہر سو افراد میں سے صرف 30 افراد کام کرتے ہیں اور باقی 70 افراد ان کی کمائی پر گزر بسر کرتے تھے۔ اس طرح کمانے والے افراد پر بوجھ زیادہ تھا۔ مؤثر افرادی قوت کی کمی کے سبب قومی وسائل کا بھرپور استعمال نہیں ہو رہا تھا۔ جس کے نتیجہ میں قومی پیداوار کم حاصل ہوتی تھی لیکن مؤثر افرادی قوت موجودہ دور میں بڑھ رہی ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں (جن میں برطانیہ اور فرانس جیسے ممالک شامل ہیں) کماؤ آبادی کل آبادی کے نصف سے بھی زیادہ ہے۔

(iii) منحصرین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے دولت کی پیداوار کم ہے لیکن دولت کا مصرف زیادہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے لئے کم دولت بچتی ہے۔ گھریلو بچت کی کمی کو پورا کرنے کے لئے بیرونی ممالک سے رقمیں قرض لینا پڑتی ہیں۔ اس وقت پاکستان باقی دنیا کا مقروض ہے ۔ یہ بیرونی قرضہ ہماری معیشت پر بہت بڑا بوجھ ہے۔

3.3 آبادی کی تقسیم بلحاظ جنس

پاکستان کی آبادی میں مردوں کی تعداد عورتوں کی نسبت زیادہ ہے اس کی دو وجوہات ہیں (الف) عورتوں میں شرح اموات مردوں کی نسبت زیادہ ہے (ب) مردم شماری کے وقت عورتوں کو رجسٹر کروانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں ایک گوشوارہ دیا گیا ہے جو 1998ء کی مردم شماری کے مطابق پورے پاکستان کے لئے اور ملک کے چاروں صوبوں کے لئے جنس کے اعتبار سے آبادی کی تقسیم کی وضاحت کرتا ہے۔

گوشوارہ نمبر 3.2

1998ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کی تقسیم با اعتبار جنس

صوبہ یا علاقہ	کل آبادی 1998ء	مرد فیصد	عورتیں فیصد	ہر ایک سو عورتوں کے مقابل مردوں کی تعداد
پنجاب	73621	51.74	48.26	107.23
سندھ	30440	52.88	47.12	112.24
صوبہ سرحد	17744	51.22	48.78	105.02
قبائلی علاقہ	3176	52.01	47.99	108.40
فیڈرل کیپٹل ایریا اسلام آباد	805	53.93	46.07	117
بلوچستان	6566	53.4	46.6	114.60
پاکستان بحیثیت مجموعی	132352	52.05	47.97	108.50

مندرجہ بالا گوشوارہ سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں مردوں کی تعداد عورتوں کی نسبت زیادہ ہے۔ گوشوارے کا آخری کالم ہر ایک سو عورتوں کے مقابل مردوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے۔ فیڈرل کیپٹل ایریا اسلام آباد میں یہ تناسب سب سے زیادہ ہے کیونکہ وہاں ہر ایک سو عورتوں کے مقابل 117 مرد موجود ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ شہری علاقہ ہے اور شہری علاقوں میں مردوں کا تناسب عورتوں سے زیادہ ہوتا ہے اگرچہ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق شہری و دیہاتی لحاظ سے با اعتبار جنس آبادی کی تقسیم کے اعداد و شمار میسر نہیں تاہم پاکستان کے جن 20 بڑے شہروں کے اعداد و شمار میسر ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ شہروں میں ہر سو عورتوں کے مقابل مردوں کی تعداد دیہات کی نسبت زیادہ ہے۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ کافی بڑی تعداد میں مرد دیہات سے روزگار کے لئے شہر منتقل ہوجاتے ہیں جبکہ وہ اپنے کنبوں کو دیہات میں ہی رہنے دیتے ہیں لیکن معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ اب کنبوں سمیت شہروں کی جانب نقل مکان کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

حالیہ برسوں میں طبی سہولتوں کی بہتری سے عورتوں کی شرح اموات میں کمی واقع ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں اب ملک کی آبادی میں عورتوں کا تناسب بڑھ رہا ہے۔

3.4 آبادی کی تقسیم بلحاظ خواندگی

ماہرین معاشیات کی رائے میں افرادی قوت کی تعداد سے بھی زیادہ افرادی قوت کی استعداد کار کا اعلیٰ معیار معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کا موجب بنتا ہے اور کام کرنے والی آبادی کی استعداد کا دارومدار بڑی حد تک اس بات پر ہے کہ وہ کس قدر تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہے، دور حاضر کے علوم وفنون سے کس حد تک شناسا ہے اور جدید ٹیکنالوجی سے کس حد تک بہرہ ور ہے۔

بدقسمتی سے پاکستان ابھی اس میدان میں بہت پیچھے ہے۔ 1961ء کی مردم شماری کے مطابق ہر وہ شخص خواندہ سمجھا گیا جو ایک سادہ قسم کی عبارت پڑھ سکے اور سمجھ سکے۔ اس لحاظ سے مجموعی پاکستان میں صرف 15.9 فیصد آبادی خواندہ تھی۔ مغربی پاکستان میں 13.5 فیصد اور مشرقی پاکستان میں 17.6 فیصد۔

1998ء کی مردم شماری کے مطابق 10 سال یا اس سے زیادہ عمر کی آبادی کی تقسیم بلحاظ خواندگی ذیل کے گوشوارہ میں دی گئی ہے۔

گوشوارہ نمبر 3.3

دس سال یا زیادہ عمر کی آبادی کی تقسیم بلحاظ خواندگی کی (1998ء میں فیصد)

جنس	پاکستان	شہری	دیہاتی
کل	43.9	63.1	33.6
مردانہ	54.8	70.0	46.4
زنانہ	32.0	55.2	20.1

اس گوشوارہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

(الف) تعلیمی سہولتوں میں نمایاں اضافہ کے باوجود اب بھی پاکستان کی تقریباً 56 فیصد آبادی ناخواندہ ہے۔

(ب) عورتوں کی نسبت مردوں میں خواندگی کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بہت سے لوگ اب بھی عورتوں کی تعلیم کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کا کام محض امور خانہ داری کی دیکھ بھال ہے جس کے لئے خاص تعلیم کی ضرورت نہیں۔

(ج) دیہات کی نسبت شہروں میں خواندگی کا تناسب کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ شہروں میں تعلیم کی سہولتیں کافی بہتر ہیں۔ نیز صنعت وتجارت اور خدمات کا شعبہ شہروں میں مرتکز ہوتا ہے جس

کے لئے تعلیم یافتہ ہونا ایک لازمی شرط ہے۔

(د) شہروں میں رہائش پذیر خواتین میں خواندگی کا تناسب دیہات کی عورتوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ شہروں میں خواتین کے لئے الگ تعلیمی ادارے اور ہوسٹل موجود ہیں۔

3.5 بلحاظ تعلیم اور معاشی ترقی

دور حاضر میں اس بات کو بہت اہمیت دی جارہی ہے کہ معاشی ترقی کے لئے جہاں مادی تشکیل سرمایہ ضروری ہے وہاں 'غیر مادی تشکیل سرمایہ' بھی اتنا ہی اہم ہے۔ مادی تشکیل سرمایہ سے یہ مراد ہے کہ پیداوار کو بڑھانے کے لئے کارخانوں کی عمارت تعمیر کرنا، مشینیں اور آلات بنانا، سڑکیں اور ریلیں بنانا اور آبپاشی اور بجلی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا۔ جبکہ غیر مادی تشکیل سرمایہ سے یہ مراد ہے کہ ملک کی افرادی قوت کو زیور تعلیم سے آراستہ کرکے اس کی استعداد کار میں اضافہ کرنا بالخصوص سائنسی اور فنی تعلیم سے لوگوں کو بہرہ ور کرنا، تاکہ وہ مادی تشکیل سرمایہ کی رفتار کو تیز کرسکیں۔ جدید دور کی ٹیکنالوجی سے واقفیت کتنی ضروری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن اور جاپان کا مادی سرمایہ (کارخانے، مشینیں اور آلات) تباہ و برباد ہوگیا تھا لیکن ان کا غیر مادی سرمایہ اب بھی باقی تھا یعنی وہ لوگ اب بھی زندہ تھے جو جدید علوم وفنون کے ماہر تھے۔ ان لوگوں نے انتھک محنت اور جدوجہد سے پانچ سے دس سال کے قلیل عرصہ میں ایک بار پھر اپنے ملکوں کی معیشتوں کو ازسرنو مضبوط بنا دیا اور آج پھر یہ قومیں دنیا کی چوٹی کی معاشی طاقتوں میں شمار ہوتی ہیں۔ پس ہمارے ملک کے لئے بھی یہ بات انتہائی اہم ہے کہ وہ کم سے کم عرصہ میں اپنے ہاں سے جہالت و ناخواندگی کا قلع قمع کرے اور اپنے ملک کے تقاضوں کے مطابق ٹیکنالوجی کو فروغ دے۔ تاکہ ہمارے ملک میں زرعی اور صنعتی انقلاب رونما ہو اور ہم جلد از جلد دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی فہرست میں شامل ہوں۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے مذہب اسلام میں حصول علم کو ایک مقدس فریضے کا درجہ دیا گیا ہے، نہ صرف مردوں کے لئے بلکہ عورتوں کے لئے بھی حدیث شریف میں ہے کہ:۔

"**طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة**" کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اور علم کی تعریف میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کے علوم شامل ہیں۔

3.6 آبادی کی تقسیم بلحاظ شہری و دیہاتی

صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ جہاں پہلے سے موجود شہروں کی جانب نقل مکانی میں اضافہ ہوا ہے وہاں کئی نئے شہر بھی وجود میں آئے ہیں اور دیہات سے شہروں کی جانب نقل مکانی روز بروز بڑھ رہی ہے۔

1972ء سے 1998ء کے درمیان دیہات سے شہروں کی جانب منتقلی کا جو رجحان رہا وہ ذیل کے گوشوارہ میں دیا گیا ہے:۔

گوشوارہ نمبر 3.4

آبادی کی تقسیم بلحاظ شہری و دیہاتی (ہزاروں میں)

	1972ء	فیصد حصہ	1981ء	فیصد حصہ	1998ء	فیصد حصہ
پاکستان	65.309	100.00	84,253	100.00	132,352	100.00
شہری	16,593	25.4	23,841	29.2	43,036	32.5
دیہاتی	48,716	74.6	60,412	71.70	89,316	67.48

اس گوشوارہ سے واضح ہوتا ہے کہ 1972ء اور 1998ء کے درمیان پاکستان کی شہری آبادی 25.4 فیصد سے بڑھ کر 32.5 فیصد ہوگئی جبکہ دیہاتی آبادی 74.6 فیصد سے گھٹ کر 67.48 فیصد رہ گئی۔ باور کیا جاتا ہے کہ اس وقت پاکستان کی کل آبادی تقریباً 35 فیصد شہروں میں اور تقریباً 65 فیصد دیہات میں آباد ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کے دس بڑے شہروں میں کل شہری آبادی کا زیادہ تر حصہ آباد ہے۔

ان بڑے شہروں میں سب سے زیادہ اضافہ کراچی کی آبادی میں ہوا جو 3.49 فیصد ہے کراچی کی آبادی جو 1981ء میں 52 لاکھ تھی 1998ء میں بڑھ کر تقریباً 93 لاکھ تک پہنچ گئی یعنی 16 سال کے عرصہ میں 237 فیصد اضافہ ہوا۔ اس کے بعد صوبائی دارالحکومتوں کا نمبر آتا ہے لاہور کی آبادی میں 3.32 فیصد، کوئٹہ کی آبادی میں 4.09 فیصد اور پشاور کی آبادی میں 4.93 فیصد کا اضافہ ہوا۔

3.7 آبادی کی شہروں میں منتقلی

دیہات سے شہروں کی جانب تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی سے کئی حل طلب مسائل پیدا ہورہے ہیں:۔

(الف) مکانات کی قلت کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کرگیا ہے اور کرائے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں۔

(ب) اسکولوں اور کالجوں میں داخلے پر دباؤ بدستور بڑھتا چلا جارہا ہے اور تعلیمی اداروں کی قلت محسوس کی جارہی ہے۔

(ج) صاف پانی، بجلی اور سستی ٹرانسپورٹ کی فراہمی کا مسئلہ شدت اختیار کرگیا ہے۔

(د) صحت و صفائی کی سہولتوں کی مانگ بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

(ر) جو لوگ دیہات سے شہروں میں منتقل ہوتے ہیں انہیں ایک نئے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا پڑتا ہے جس سے کئی نفسیاتی اور سماجی الجھنیں جنم لے رہی ہیں۔

3.8 آبادی کی تقسیم بلحاظ پیشہ

پیشے کے لحاظ سے آبادی کی تقسیم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ملک معاشی ترقی کی کونسی منزل پر ہے۔ دور حاضر میں وہی ملک ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے جو صنعتی میدان میں آگے بڑھ چکا ہو۔ امریکہ، روس، چین، جاپان، کینیڈا اور مغربی یورپ کے ممالک کو ہم ترقی یافتہ ممالک سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سب ممالک صنعتی میدان میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ ان ممالک کی آبادی کا پیشتر حصہ صنعت و تجارت سے روزی کماتا ہے اور بہت کم زراعت سے۔ اس کے باوجود اس میں سے بیشتر ممالک خوراک اور دیگر زرعی اجناس میں نہ صرف خود کفیل ہیں بلکہ وافر مقدار میں انہیں برآمد کر کے زرمبادلہ بھی کماتے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان کی 44 فیصد آبادی براہ راست زراعت سے روزی حاصل کرتی ہے۔ اس کے باوجود ہم ابھی تک گندم میں خود کفیل نہیں ہیں۔ ہر سال لاکھوں ٹن غلہ درآمد کر کے خوراک کی کمی پر قابو پاتے ہیں۔ ذیل کا گوشوارہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ پاکستان میں پیشوں کے لحاظ سے آبادی کی تقسیم کی کیفیت کیا ہے۔

گوشوارہ نمبر 3.5

آبادی کی تقسیم بلحاظ پیشہ

2006-07 لیبر فورس سروے کی رو سے آبادی کی پیشہ ورانہ تقسیم (فیصد تناسب)

پیشہ	دیہی علاقے	شہری علاقے	کل پاکستان
زراعت	59.90	6.52	43.60
صنعت و حرت	9.22	23.38	13.54
تعمیرات	6.54	6.61	6.56
تجارت	8.83	27.16	14.43
ٹرانسپورٹ	4.25	7.99	5.39
ملازمت	10.16	24.10	14.41
دیگر	1.10	4.24	2.06

اس گوشوارہ سے مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوتی ہیں:۔

(الف) پاکستان کی کل آبادی کا تقریباً 44 فیصد حصہ براہ راست زراعت سے روزی حاصل کرتا ہے۔ 13.54 فیصد صنعت سے اور باقی 42.46 فیصد مختلف قسم کی خدمات مہیا کرکے۔

(ب) دیہی علاقوں کی آبادی کا 60 فیصد حصہ براہ راست کھیتی باڑی سے معاش حاصل کرتا ہے، صرف نو فیصد صنعت سے اور باقی 31 فیصد مختلف قسم کی خدمات کے شعبہ سے۔

(ج) شہروں میں رہنے والی آبادی کا صرف 7 فیصد حصہ زراعت سے روزی حاصل کرتا ہے۔ 23 فیصد صنعت سے اور باقی 70 فیصد مختلف قسم کی خدمات سے۔

(د) بحیثیت مجموعی آبادی کی بھاری اکثریت کا ذریعہ معاش زراعت ہے۔ یہ بات ہماری معیشت کے لئے زیادہ خوش کن نہیں کیونکہ زراعت ایک غیر مستحکم ذریعہ آمدنی ہے۔ ہمارے ملک میں زرعی پیداوار کا زیادہ تر دارومدار موافق موسمی حالات پر ہے جو اکثر غیر موافق ہوجاتے ہیں، جس سے زرعی پیداوار میں نمایاں کمی ہو جاتی ہے۔ اگر گندم کی فصل اچھی ہوگئی تو گنے کی خراب ہوگئی، اگر چاول کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا تو کپاس کی فصل کو کسی آفت نے آ گھیرا۔ غرضیکہ زرعی پیداوار اکثر و بیشتر غیر متوازن کیفیت سے دوچار رہتی ہے۔

(ر) اگرچہ گذشتہ برسوں میں ہمارے ملک کی صنعتی پیداوار میں خاصہ اضافہ ہوا ہے اور ہمارا ملک اب نیم صنعتی ملک کی صورت اختیار کرچکا ہے، تاہم اب بھی صنعتی پیداوار میں اضافہ کی کافی گنجائش موجود ہے اور زراعت پر آبادی کا دباؤ گھٹانے کے لیے صنعتی میدان میں تیزی سے آگے بڑھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ماہرین کی رائے کے مطابق زرعی شعبے میں 25 فیصد آبادی ضرورت سے زیادہ ہے یعنی اگر اسے اس شعبے سے ہٹا بھی لیا جائے پھر بھی زرعی پیداوار پر کوئی غیر موافق اثر نہیں پڑے گا لیکن ایسا اسی صورت میں ممکن ہے اگر صنعتی شعبہ میں روزگار کے مواقع کو تیزی سے بڑھایا جائے تاکہ زرعی شعبہ سے فارغ ہونے والی افرادی قوت کو صنعتی شعبے میں کھپایا جاسکے۔

3.9 اہم نکات

(i) پاکستان کی آبادی میں 15 برس سے کم عمر کے بچے کل آبادی کا 43.40 فیصد ہیں۔ آبادی کا یہ حصہ معاشی سرگرمیوں میں فعال حصہ نہیں لیتا۔ 65 برس سے زیادہ عمر کے افراد جو کل آبادی کا 3.50 فیصد ہیں بھی کام کی اہلیت نہیں رکھتے نیز خواتین کا کام کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔

ان سب باتوں کا مجموعی اثر یہ ہے کہ ہماری آبادی میں منحصرین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہر سو افراد میں سے صرف تیس کام کرتے ہیں اور باقی 70 افراد ان کی کمائی پر گزر بسر کرتے ہیں۔ جس سے دولت کا مصرف بڑھ گیا ہے اور قومی بچت کم ہوگئی ہے۔

(ii) پاکستان کی آبادی میں مردوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق ہر ایک سو عورتوں کے بالمقابل 108.50 مرد تھے۔ تاہم طبی سہولتوں میں اضافہ کے نتیجہ میں عورتوں کی شرح اموات گھٹ رہی ہے اور اب آبادی میں عورتوں کا تناسب بتدریج بڑھ رہا ہے۔

(iii) 1998ء کی مردم شماری کے مطابق دس سال اور اس سے زیادہ عمر کے لوگوں میں سے صرف 43.92 فیصد خواندہ تھے اور 56.8 فیصد ناخواندہ۔ عورتوں کی نسبت مردوں میں خواندگی کا تناسب زیادہ تھا۔ اسی طرح دیہاتی علاقوں کی نسبت شہری علاقوں میں خواندگی کا تناسب زیادہ تھا۔

(iv) تعلیمی میدان میں ترقی غیر مادی تشکیل سرمایہ کو فروغ دیتی ہے جو مادی تشکیل سرمایہ کی رفتار تیز کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ حصول علم کو اسلامی تعلیم کی رو سے بھی ایک مقدس فرض کا درجہ حاصل ہے۔

(v) صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ دیہات سے شہروں کی جانب منتقلی کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے۔ 1972ء اور 1998ء کے درمیان پاکستان کی شہری آبادی 25.4 فیصد سے بڑھ کر 32.5 فیصد ہوگئی۔ شہری آبادی میں معتدبہ اضافہ نے بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے جن میں مکانات کی قلت، اسکولوں اور کالجوں میں داخلہ، پانی، بجلی، ٹرانسپورٹ، صنعت اور صفائی کی سہولتوں کی فراہمی جیسے مسائل شامل ہیں۔

(vi) پاکستان میں سب سے بڑا پیشہ زراعت ہے۔ کل آبادی کا 44 فیصد حصہ زراعت سے روزی کماتا ہے 13 فیصد صنعت سے اور باقی 43 فیصد باقی خدمات کے شعبہ سے۔

(vii) زرعی شعبہ ایک غیر مستحکم ذریعہ آمدنی ہے کیونکہ اس کا دارومدار موسمی حالات پر ہے جن میں کافی اتار چڑھاؤ رہتا ہے۔ نیز ہمارے ملک میں زمین پر آبادی کا دباؤ زیادہ ہے اور بہت سے لوگ اس شعبہ میں بھی فاضل ہیں۔ صنعتی شعبے کو ترقی دیکر انہیں اس میں کھپایا جاسکتا ہے۔

3.10 خود آزمائی

سوال نمبر10 سیکشن 3.1 کے بغور مطالعہ کے بعد کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پاکستان میں منحصرین کی تعداد کیوں زیادہ ہے اور یہ صورتحال پاکستان کی تیز تر معاشی ترقی میں کیوں رکاوٹ ثابت ہورہی ہے۔

سوال نمبر11 مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہیں پر کیجئے:۔

(الف) 1998ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں 15 برس سے کم عمر بچوں کی تعداد کل آبادی کا .... فیصد تھی اور 65 برس سے زائد عمر کے افراد کل آبادی کا............................ فیصد تھے۔

(ب) 1998ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں ہر سو عورتوں کے بالمقابل ....مرد تھے۔

(ج) دس سال یا اس سے زیادہ عمر کی آبادی کی خواندگی کا تناسب پاکستان میں 1998ء میں .... فیصد تھا، مردانہ خواندگی کا تناسب .... تھا اور زنانہ خواندگی کا تناسب ....فیصد تھا۔

(د) 1972ء اور 1998ء کے درمیان پاکستان کی شہری آبادی .... فیصد سے بڑھ کر .... فیصد ہوگئی اور دیہی آبادی............................ فیصد سے کم ہوکر .... فیصد رہ گئی۔

(ر) 2006-07 لیبر فورس سروے کے مطابق پاکستان کی کل آبادی کا .... فیصد حصہ زراعت سے روزی حاصل کرتا ہے .... فیصد صنعت اور .... فیصد خدمات کے شعبے سے۔

(دیکھئے سیکشن 3.1، 3.2، 3.3، 3.4، 3.6، 3.8)

(اور جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر12 سیکشن 3.5 کے مطالعہ کے بعد کیا آپ اس بات سے متفق ہیں کہ غیر مادی تشکیل سرمایہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مادی تشکیل سرمایہ؟ اپنے جواب کے حق میں دلائل دیجئے۔

سوال نمبر13 مندرجہ ذیل فقروں سے کون کون سے درست ہیں اور کون کون سے غلط:۔

(الف) دیہات سے شہروں کی جانب منتقلی معاشی ترقی کی علامت ہے۔

(ب) شہری آبادی کے بڑھ جانے سے ان علاقوں میں پانی، بجلی، ٹرانسپورٹ اور رہائش کی سہولتوں کی

طلب میں نمایاں اضافہ ہوگیا ہے۔

(ج) پاکستان میں لوگوں کا سب سے بڑا پیشہ صنعت وحرفت ہے۔

(د) ہمارے زرعی شعبے میں آبادی ضرورت سےکم ہے۔

(ر) ہمارے ملک کی دیہی علاقوں میں خواندگی کا تناسب بہت کم ہے۔

(دیکھئے سیکشن 3.4 ، 3.6 اور 3.8)

(اور جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 14 ابھی ابھی آپ نے پاکستان کی آبادی کی تقسیم کا مطالعہ مختلف پہلوؤں سے کیا ہے؟ اس مطالعہ کے بعد اپنے تاثرات قلمبند کیجئے۔

4 پاکستان میں افراط آبادی

4.1 افراط آبادی کا مفہوم

افراط آبادی کے لغوی معنی ہیں آبادی کا زیادہ ہونا، لیکن آبادی کا محض زیادہ ہونا کوئی معاشی مسئلہ نہیں کرتا بشرطیکہ اس آبادی کو اچھا معیار زندگی مہیا کرنے کے ذرائع اور وسائل موجود ہوں۔ معاشیات میں افراط آبادی کا مرکب لغوی معنی میں نہیں بلکہ اصطلاحی مفہوم میں میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاحی طور پر افراط آبادی سے مراد ایک ایسی صورتحال ہے جب کسی ملک کے معلوم وسائل پیداوار اس ملک کے لوگوں کو معقول معیار زندگی مہیا کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ ایک اضافی اصطلاح ہے۔ زمان و مکان کی تبدیلی سے صورتحال بدل سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ملک میں آبادی کی گنجانی زیادہ ہو لیکن اسے ذرائع پیداوار بھی وافر مقدار میں میسر ہوں اور وہ ملک صنعتی و تجارتی نقطہ نظر سے اس قدر ترقی یافتہ ہو کہ لوگوں کو اچھے میعار زندگی کی ضمانت دے سکتا ہو۔ مغربی یورپ کے صنعتی مما لک جن میں اٹلی، جرمنی اور برطانیہ شامل ہیں، اسی زمرے میں شامل ہیں۔ دوسری طرف ایسے مما لک بھی ہیں جو نسبتاً کم گنجان آباد ہیں لیکن ان کے وسائل پیداوار اور رائج ٹیکنالوجی لوگوں کو معقول معیار زندگی مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔ براعظم افریقہ اور لاطینی امریکہ کے بہت سے مما لک اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جو ملک آج افراط آبادی کے مسئلہ سے دوچار ہے وہ ہمیشہ ایسے ہی رہے گا۔ عین ممکن ہے کہ مستقبل میں اسے مزید وسائل حاصل ہو جائیں مثلاً نئی معدنیات دریافت ہو جائیں، بھاری مقدار میں معدنی تیل مل جائے، یا خام لوہے اور کوئلے کے بڑے ذخائر حاصل ہو جائیں تو ہی موجودہ آبادی سے بھی کہیں زیادہ تعداد کو بہتر اور خوشحال زندگی کے دور میں داخل ہونے کا موقعہ فراہم کرسکتا ہے۔

4.2 کیا پاکستان افراط آبادی کا شکار ہے؟

نسبتاً کم گنجان آباد ہونے کے باوجود پاکستان افراط آبادی کے مسئلہ سے دوچار ہے کیونکہ گذشتہ 62 برس کی معاشی جدوجہد کے باوجود ہمارے ملک کے معلوم وسائل پیداوار آبادی کو معقول معیار زندگی مہیا نہیں کرسکے اور ملک کی آبادی کا بیشتر حصہ انتہائی غربت و افلاس سے دوچار ہے۔ اس بات کا ثبوت مندرجہ ذیل حقائق سے ملتا ہے:۔

(i)فی کس آمدنی کا کم ہونا

پاکستان کی فی کس آمدنی انتہائی قلیل ہے۔ فی کس آمدنی سے مراد وہ اوسط آمدنی ہے جو کسی ملک کی قومی آدنی کو اس ملک کی کل آبادی پر تقسیم کر کے حاصل ہوتی ہے یعنی فی کس آمدنی= کل قومی آمدنی/ آبادی اس سے کسی ملک کے لوگوں کے عام معیار زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس جگہ یہ بات خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ فی کس آمدنی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعی پاکستان کے ہر شہری کو برابر روپے ملتے ہیں۔ درحقیقت آمدنیوں میں بہت فرق پایا جاتا ہے کئی لوگ کروڑوں روپے سالانہ کماتے ہیں، کئی لاکھوں روپے اور کئی ہزاروں روپے اور کئی ایسے بھی ہیں جو کچھ بھی نہیں کرتے اور بھیک مانگ کر گزر بسر کرتے ہیں۔ فی کس آمدنی محض ایک اوسط آمدنی ہے جس کی افادیت یہ ہے کہ اس سے ملک کے لوگوں کے عام معیار زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ پاکستان کی فی کس آمدنی بہت قلیل ہے اس لئے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستان افراط آبادی کا شکار ہے۔

(ii)فی کس زیر کاشت رقبے کا کم ہونا

پاکستان میں فی کس زیر کاشت رقبہ بہت کم ہے جو ایک ایکڑ فی کس سے بھی کافی کم ہے۔ ماہرین کی رائے میں لوگوں کو کم از کم معیار زندگی کی ضمانت دینے کے لئے زیر کاشت رقبہ کی اوسط ایک ایکڑ سے کم نہیں ہونی چاہئے نہ صرف یہ کہ فی کس کاشت رقبہ کم ہے بلکہ اس میں برابر کمی ہوتی چلی گئی ہے۔(فی کس کاشت رقبہ معلوم کرنے کے لیے ہم کسی ملک کے زیر کاشٹ رقبہ کو اس کی آبادی سے تقسیم کر دیتے ہیں)۔

(iii)خوراک کی قلت کا مسئلہ

آج سے تقریباً سوا دو صدی قبل ایک برطانوی ریاضی دان اور معیشت دان رابرٹ تھامس مالتھس نے یہ کہا تھا کہ دنیا کی آبادی کا تعین وسائل خوراک سے ہوتا ہے اور آبادی میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ یہ وسائل خوراک سے تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ نظریہ اپنی اصلی صورت میں رد کیا جا چکا ہے۔ آبادی کا تعین محض وسائل خوراک سے بھی نہیں بلکہ کسی ملک کے مجموعی وسائل سے ہوتا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے بیشتر ممالک صرف تیل کی دولت سے مالا مال ہیں اور اس کے بدلے نہ صرف اپنی خوراک بلکہ دیگر ضروریات زندگی بھی درآمد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان ممالک کو کسی قسم کا افراط آبادی کا مسئلہ درپیش نہیں ہے لیکن جو بات کسی ایک ملک یا چند ممالک کے لئے درست ہے وہ ضروری نہیں کہ ساری دنیا کے لئے بھی درست ہو۔ اگر دنیا کے چند ایک ممالک اپنی ضرورت کی خوراک خود پیدا نہیں کر سکتے تو دوسرے ممالک میں فاضل خوراک ضرور پیدا ہونا چاہئے بصورت دیگر خوراک نہ پیدا کرنے والے ملکوں کو قحط کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس وقت پاکستان کی آبادی 1.8 فیصد سالانہ سے زیادہ شرح سے بڑھ

رہی ہے۔1998ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی تقریباً 13 کروڑ افراد پر مشتمل تھی ۔ظاہر ہے کہ موجودہ آبادی سے دگنی آبادی کیلئے دگنی خوراک کی ضرورت ہوگی لیکن موجودہ صورتحال یہ ہے کہ ہم کوششوں کے باوجود ابھی تک گندم کی پیداوار میں خودکفیل نہیں ہو پائے۔اس کے علاوہ ہم کھانے کا تیل بھی وافر مقدار میں درآمد کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ مقداری طور پر خوراک کی کمی ہے بلکہ وہ وصفی طور پر بھی ناقص ہے۔ ہماری خوراک زیادہ تر اناج یعنی گندم، چاول،مکئی وغیرہ پر مشتمل ہے اور صحت آور خوراک یعنی گوشت، انڈے، دودھ اور پھل بہت قلیل مقدار میں میسر ہیں۔

(iv) رہائشی ضروریات کی قلت

ہر خاندان کو رہنے کے لئے ایک مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں رہتی ہے ان کے مکانات کچے ہوتے ہیں اور ضروریات کے لحاظ سے ناکافی۔ برساتی موسم میں اور سیلابوں کی زد میں آکر اکثر مکان منہدم ہوجاتے ہیں۔شہروں میں پختہ مکانات ہیں لیکن بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے بالکل ناکافی ہیں۔

(v) صحت و صفائی کی سہولتوں کی کمی

ہمارا ملک افراط آبادی کے مسئلہ سے دوچار ہے۔اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ ہمارے ہاں طبی سہولتوں کی شدید قلت ہے۔ ہمارے ملک میں بارہ سو افراد کے لئے ایک ڈاکٹر ہے۔اڑھائی ہزار افراد کے لئے ہسپتال میں صرف ایک نرس ہے۔اگرچہ وبائی امراض پر بڑی حد تک قابو پالیا گیا ہے لیکن ناقص خوراک اور غیر صحت مند ماحول کے سبب بیماریاں عام ہیں۔اس لئے لوگوں کی استعداد کار بہت پست ہے۔

(vi) تعلیم کی سہولتوں کی کمی

سیکشن 3.4 میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ ہمارے ملک میں 1998ء میں دس برس یا اس سے زیادہ عمر کی آبادی کا صرف 44 فیصد خواندہ تھا جبکہ اس شخص کو بھی خواندہ سمجھ لیا گیا تھا جو ایک سادہ سی عبارت کو پڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اگر نکلتا ہے کہ آبادی میں اسی طرح اضافہ ہوتا رہا تو تعلیمی سہولتوں کا مسئلہ اور بھی شدت اختیار کر جائے گا۔

(vii) روزگار کے مواقع کی کمی

تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے نتیجہ میں ہمارے ملک کی افرادی قوت میں ہر سال اضافہ ہورہا ہے

لیکن زرعی اور صنعتی شعبہ میں روزگار کے مواقع اسی تناسب سے نہیں بڑھ رہے۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں بڑے پیمانے پر ہجرت کے سبب بیروزگاری کے مسئلہ کی سنگینی میں کمی واقع ہوئی ہے۔ اس وقت کثیر افراد غیر ممالک میں کام کر رہے ہیں جو نہ صرف ہمارے ملک میں بیروزگاری کے مسئلے کو حل کر رہے ہیں بلکہ کثیر مقدار میں زرمبادلہ کما کر وطن بھیج رہے ہیں۔

(viii) افراط زر کی صورت حال

پاکستان میں افراط آبادی کی ایک واضح اور اہم علامت افراط زر ہے۔ گذشتہ چند برسوں سے ہمارے ملک میں عام اشیا کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا رہا ہے جس سے عوام کی مشکلات بڑھتی چلی گئی ہیں بالخصوص محدود آمدنی حاصل والے لوگوں اور تنخواہ دار طبقے کو سخت پریشانی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

4.3 افراط آبادی کے مسئلہ کا حل

سیکشن 4.2 کے مطالعہ کے بعد آپ پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہمارا ملک اس وقت جس صورتحال سے دوچار ہے وہ آبادی میں اضافہ کی موجودہ شرح 1.8 فیصد کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس مسئلہ کا حل انتہائی ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جو ہمیں دو محاذوں پر لڑنا ہے:۔

(الف) اشیا و خدمات کی پیداوار کا محاذ

(ب) شرح ولادت میں کمی کا محاذ

4.4 زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ

افراط آبادی کے مسئلہ کا پہلا حل یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی زرعی اور صنعتی پیداوار میں نمایاں اضافہ کریں تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو بطریق احسن پورا کیا جاسکے جہاں تک زرعی پیداوار کا تعلق ہے اس میں دو طریقوں سے اضافہ ممکن ہے۔

(i) کاشت وسیع کے تحت

(ii) کاشت عمیق کے تحت

وسیع کاشت:

کاشت وسیع کا مطلب یہ ہے کہ زرعی پیداوار کو بڑھانے کے لئے ہم زیادہ سے زیادہ رقبہ پر زرعی اجناس

کاشت کریں اور کاشت عمیق کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے سے موجود زیر کاشت رقبہ پر زیادہ محنت اور سرمایہ خرچ کرکے اور بہتر انتظام کے ذریعے پیداوار بڑھائیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ آبپاشی کی اسکیموں کے ذریعہ (تربیلا ڈیم اور منگلا ڈیم جیسے منصوبوں کی مدد سے) ہمارا زیر کاشت رقبہ بڑھ رہا ہے لیکن نہ صرف آبپاشی کے منصوبوں کے ذریعہ پانی کی مقدار ایک خاص حد تک ہی بڑھائی جاسکتی ہے بلکہ زمین کا صرف وہی رقبہ زیر کاشت لایا جاسکتا ہے جو اس قابل ہو۔ ہماری زمین کا ایک اچھا خاصا حصہ ایسا بھی ہے جہاں کھیتی باڑی ممکن نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کاشت وسیع کے ذریعہ زرعی پیداوار میں اضافہ کے امکانات ضرور ہیں لیکن وہ بھی محدود حد تک، اسے آگے نہیں۔

عمیق کاشت:

رہا کاشت عمیق کا سوال تو اس شعبے میں فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کی کافی گنجائش موجود ہے۔ کاشتکاری کے بہتر طریقے استعمال کرکے مثلاً کیمیاوی کھاد اور عمدہ بیجوں کا استعمال بڑھا کر پیداوار میں خاصا اضافہ خاصہ ممکن ہے۔

پاکستان میں بڑی بڑی زرعی اجناس فی ایکڑ پیداوار دنیا کے کئی ممالک بالخصوص امریکہ کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور اس میں مزید اضافہ کی کافی گنجائش موجود ہے بشرطیکہ کاشتکاری کے بہتر طریقے استعمال ہوں، فصلوں کی منصوبہ بندی صحیح ہو اور مناسب مقدار میں کیمیاوی کھاد اور عمدہ بیج استعمال ہوں۔ نیز پودوں کو بیماریوں سے بچانے کی تدابیر اختیار کی جائیں، تاہم کاشت عمیق کے تحت بھی زرعی پیداوار میں اضافہ کے امکانات محدود ہیں کیونکہ قانون تقلیل حاصل زرعی شعبہ میں جلدی اور زیادہ شدت سے عمل پیرا ہوتا ہے۔ پاکستان جیسے پسماندہ ممالک میں اب بھی زراعت کا زیادہ تر دارومدار موسمی حالات پر ہے۔

صنعت:

پیداوار کا دوسرا بڑا شعبہ صنعت ہے جس میں اضافہ کی بہت گنجائش ہے۔ گذشتہ برسوں میں صنعتی پیداوار میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ہے۔ سرمائے کی قلت اس شعبہ کی تیز تر ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ قومی آمدنی کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا ہے اور قومی بچت بہت کم ہوتی ہے۔ بھاری مقدار میں غیر ملکی قرضے لیکر سرمایہ کاری کے خلاء کو پر کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے لیکن صنعتی شعبہ میں وہ پھیلاؤ پیدا نہیں ہوا جو کہ ملک میں تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو روزگار مہیا کرے۔

4.5 شرح ولادت میں کمی

اوپر ہم نے اپنے ملک کے اندر صنعتی اور زرعی پیداوار میں اضافے کے امکانات کا جائزہ لیا ہے اور

ہمیں معلوم ہوا کہ زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافے کے کافی امکانات موجود ہیں۔ اپنی تمام تر کوششیں بروئے کارلاکر ہماری اولین کوشش یہی ہونا چاہئے کہ قومی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں لیکن پیداوار میں اس اضافہ کی بالاخر ایک حد ہے۔ ملک کے معلوم قدرتی وسائل کے مطابق ہی پیداوار بڑھ سکتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اس لئے ساتھ ہی ساتھ شرح ولادت میں کمی کرنا بھی ضروری ہے۔ قیام پاکستان بعد طبی سہولتوں میں اضافہ سے شرح اموات میں نمایاں کمی واقع ہوچکی ہے لیکن شرح ولادت میں مزید کمی کی ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال پاکستان کی آبادی میں 1.8 فیصد سالانہ کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس میں بھی کمی کی مزید ضرورت ہے۔

4.6 خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں دلائل

شرح ولادت کو ایک خاص پروگرام کے تحت کم کرنے کے عمل کو خاندانی منصوبہ بندی کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے آبادی کی منصوبہ بندی بھی کہا جاسکتا ہے۔ جو لوگ اس بات کے حق میں ہیں کہ ہمیں مصنوعی طریقوں سے شرح ولادت کو گھٹانا چاہئے وہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں:۔

(i) محدود آمدنی سے محدود کنبہ کی کفالت ہی ممکن ہے۔ اگر دو اشخاص کی آمدنی ایک جتنی ہے تو نسبتاً چھوٹا کنبہ رکھنے والا شخص اپنے بیوی بچوں کو نسبتاً بہتر معیار زندگی مہیا کرسکتا ہے۔

(ii) دور حاضر میں سائنس اور فن کی ترقی کی بدولت انسان کے معیار زندگی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ وہ محض زندہ ہی نہیں رہنا چاہتا بلکہ خوشحال زندگی بسر کرنے کی تمنا بھی رکھتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے اگر کنبہ مختصر ہو۔

(iii) طبی سہولتوں میں اضافہ سے شرح اموات روز بروز گھٹ رہی ہے۔ اگر شرح ولادت کو کم کرنے کی دانستہ تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو افراط آبادی کا مسئلہ انتہائی سنگین صورت اختیار کرجائے گا۔

(iv) دنیا کے بہت سے ممالک جن میں برطانیہ، امریکہ، فرانس اور جاپان شامل ہیں اپنے ملکوں میں آبادی کی منصوبہ بندی کرکے شرح ولادت میں نمایاں کمی کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ بات ان ممالک کی تیز تر معاشی ترقی میں بہت مددگار ثابت ہوئی ہے۔

(v) بچوں کی پیدائش کے درمیان مناسب وقفہ ماں اور بچہ دونوں کی صحت کے لئے بہتر ہے۔ تھوڑے صحت مند افراد ملک کے لئے، زیادہ لیکن کمزور اور بیمار افراد کے مقابلے میں زیادہ مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔

(vi) قومی بچت اور قومی سرمایہ کاری بھی اسی صورت میں بڑھ سکتی ہے۔ اگر دولت کا مصرف گھٹا پا جائے اور حالیہ آمدنی اور خرچ کا فرق زیادہ ہو۔ آبادی میں تیزی سے اضافہ صرف دولت کو

بڑھا کر بچت میں کمی کا موجب بنتا ہے جس سے مستقبل میں پیدائش دولت پر غیر موافق اثر پڑتا ہے۔

(vii) بعض علماء کی رائے میں شرح ولادت کو گھٹانا غیر اسلامی فعل نہیں ہے کیونکہ اسلام میں 'عزل' جائز ہے۔ امام غزالی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔

(viii) اگر یہ کہا جائے کہ ضبط تولید کے موجودہ طریقے بے حیائی اور فحاشی کا موجب ہیں تو ایسا اسی صورت میں ممکن ہے اگر معاشرہ اخلاقی طور پر گر چکا ہو، انحطاط اور تنزل کا شکار ہو ورنہ ضبط تولید کے آلات بذات خود برائی کی تلقین نہیں کرتے۔

4.7 خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف دلائل

بہت سے لوگ ہمارے ملک میں آبادی کی منصوبہ بندی کے سخت خلاف ہیں وہ اس سلسلے میں یہ دلائل پیش کرتے ہیں۔

(i) دانستہ طور پر بچوں کی پیدائش میں رکاوٹ پیدا کرنا ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ قرآن کریم میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''بھوک اور افلاس کے خوف سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو کیونکہ میں ہی تم سب کو رزق دینے والا ہوں، جو شخص بھی اس دنیا میں آتا ہے وہ صرف کھانے کے لئے ہی نہیں آتا بلکہ کام کے لئے دو ہاتھ پاؤں بھی ساتھ لیکر آتا ہے۔''

(ii) موجودہ صدی میں سائنسی اور فنی ترقی کی بدولت خوراک اور دیگر اشیا و خدمات کی پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے اور مستقبل میں بھی خوراک کی پیداوار میں اضافہ کے روشن امکانات موجود ہیں۔

(iii) خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف ایک اور اہم دلیل یہ دی جاتی ہے کہ وہ کثیر رقم جو ہر سال شرح ولادت کو گھٹانے کے لئے خرچ کی جاتی ہے اگر وہی رقم ملک کے معاشی وسائل کو ترقی دینے پر خرچ کی جائے تو زیادہ بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔

(iv) خاندانی منصوبہ بندی زیادہ تر امیر لوگ کرتے ہیں حالانکہ اس کی زیادہ ضرورت غریبوں کو ہے۔ اس طرح ملک میں غیر تعلیم یافتہ اور پست استعداد کار رکھنے والی افرادی قوت میں تو اضافہ ہوتا ہے لیکن تعلیم یافتہ اور زیادہ مستعد افراد کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

(v) معیار زندگی کے مغربی تصور نے ہمارے ملک میں کم سے کم عرصے میں جہاں زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کی دوڑ کو تیز کر دیا ہے وہاں کم بچے پیدا کرنے کے نقطۂ نظر کو بھی تقویت

پہنچائی ہے حالانکہ ہمارا مذہب اسلام ہمیں سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ہمارے مذہب کی رو سے دولت کو جمع کرنا ممنوع ہے۔ اپنی ضرورت سے زائد دولت معاشرے کے غریب افراد کا حق ہے۔ اگر ہم سادہ زندگی کو اپنا قومی شعار کے طور پر اپنا لیں تو کسی قسم کی خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(vi) ضبط تولید کے آلات نے جنسی بے راہ روی اور بے حیائی کو فروغ دیا ہے بلکہ بعض لوگوں کے خیال میں ضبط تولید کے آلات کی ایجاد اس لئے نہیں ہوئی کہ آبادی کو کم کیا جائے بلکہ مغربی دنیا میں مرد اور عورت کے آزادنہ اختلاط کے نتیجہ میں ناجائز بچوں کی ولادت کو روکنے کی ایک راہ ڈھونڈ لی گئی۔

(vii) کسی ملک کی آبادی ایک بہت بڑی سیاسی اور معاشی قوت ہے۔ آج ملک چین کو بین الاقوامی برادری میں ایک ممتاز مقام محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ دنیا کا سب سے زیادہ آبادی رکھنے والا ملک ہے۔ زیادہ آبادی قومی اور بین الاقوامی سطح پر پیداوار بڑھانے کا ایک بہت بڑا محرک ہے کیونکہ آبادی جتنی زیادہ ہوگی منڈی اتنی ہی وسیع ہوگی اور آجر طبقہ نفع مند قیمتوں پر اشیاء و خدمات فروخت کرکے اپنے آمدنی کو بڑھا سکے گا۔ علاوہ ازیں زیادہ آبادی کسی ملک کے لئے ایک بہت بڑی دفاعی قوت بھی ہے کیونکہ یہ افرادی قوت ہی ہے جو فوج کے لئے جوان مہیا کرتی ہے۔ عالمی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ قومیں بالآخر انحطاط اور تنزل کا شکار ہو جاتی ہیں جن کی آبادی گھٹ جاتی ہے۔

4.8 ماحصل

سیکشن 4.6 اور 4.7 میں آبادی کی منصوبہ بندی کے حق میں اور اس کے خلاف دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ دونوں قسم کے دلائل میں کافی وزن موجود ہے لیکن اگر مسئلے کا غیر جانبدارانہ اور غیر متعصّبانہ مطالبہ کیا جائے تو آبادی کی منصوبہ بندی کا جواز ضرور بنتا ہے۔ باسٹھ برس گزر جانے کے باوجود بھی پاکستان کے لوگوں کے اوسط معیار زندگی میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ آبادی کا بہت بڑا حصہ انتہائی غربت اور افلاس کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ آبادی میں منحصرین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کوششوں کے باوجود زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کی رفتار سست ہے۔ بے روزگاری عام ہے۔ ادائیگیوں کا توازن ملک کے خلاف ہے۔ ملک شدید قسم کے افراط زر کی لپیٹ میں ہے۔ رہائشی، تعلیمی اور طبی سہولتوں کی سخت قلت ہے۔ ان حالات میں جہاں ملک کی زرعی اور صنعتی پیداوار میں نمایاں اضافہ اولین اہمیت کا حامل ہے وہاں شرح ولادت کو گھٹانا بھی دوسرے

درجے کی اہمیت کا حامل ہے۔ شرح ولادت میں کمی کرنے کے سلسلہ میں ایک رکاوٹ سستے اور قابل قبول ضبط تولید کے طریقے کی ایجاد ہے۔ اگرچہ مختلف قسم کے طریقے اس وقت رائج ہیں تاہم وہ عوام میں کسی نہ کسی نقص کے باعث زیادہ مقبولیت حاصل نہیں کرسکے۔ ماہرین توقع کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں جو تحقیقات ہورہی ہین اس کے نتیجہ میں عنقریب ایسا طریقہ ایجاد ہوجائے گا جو عوام کی بھاری اکثریت کے لئے قابل قبول ہوگا۔

4.9 حکومت کے اقدامات

حکومت مختلف ترقیاتی منصوبوں کے تحت خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلے میں بہت سارے اقدامات کررہی ہے۔

4.10 اہم نکات

یونٹ 5 میں آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اس کی اہم باتیں ذیل میں درج کی گئی ہیں:۔

(i) کوئی ملک اس وقت افراط آبادی کا شکار سمجھا جاتا ہے جب اس ملک کے معلوم معاشی وسائل وہاں کے لوگوں کو معقول معیار زندگی مہیا نہ کرسکیں۔

(ii) پاکستان افراط آبادی کے مسئلہ سے دوچار ہے کیونکہ یہاں لوگوں کی فی کس آمدنی کم ہے ۔ فی کس کاشتہ رقبہ بھی قلیل ہے۔ ملک میں خوراک، رہائش، تعلیم اورصحت کی سہولتوں کی بہت کمی ہے۔ روزگار کے مواقع بڑھتی ہوئی آبادی کا ساتھ نہیں دے رہے۔ نیز ملک میں روز مرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں روز بروز اضافہ ہورہاہے۔

(iii) افراط آبادی کے مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ایک طرف تو ملک کی صنعتی اور زرعی پیداوار میں اضافہ کرکے قومی آمدنی کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے اور دوسری طرف شرح ولادت کو کم کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں کیونکہ تمام تر کوششوں کے باوجود قومی دولت میں اضافہ صرف ایک حد تک ہی ممکن ہے۔

(iv) بعض لوگوں کی رائے میں شرح ولادت کو کم کرنے کے لئے ضبط تولید ضروری ہے کیونکہ (الف) ہر خاندان اپنے محدود وسائل کے مطابق محدود کنبے کی ضروریات ہی پوری کرسکتا ہے۔ (ب) دور حاضر میں معیار زندگی کو بہتر بنانے کا جذبہ بہت تقویت اختیار کرگیاہے۔ (ج) شرح اموات میں نمایاں کمی ہورہی ہے جبکہ شرح ولادت میں کمی کی رفتار بہت سست ہے۔ (د) دنیا کے بہت سے ممالک نے ضبط تولید کے طریقوں کی مدد سے اپنا معیار زندگی بلند کرنے میں کافی مدد حاصل کی ہے۔ (ر) بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ ماں اور بچہ دونوں کی

صحت کے لئے بہتر ہے۔ (س) شرح ولادت میں کمی قومی اور سرمایہ کاری میں اضافہ کا موجب بن سکتی ہے۔ (ص) اسلام میں 'عزل' کی اجازت ہے۔

(v) جو لوگ ضبط تولید کے خلاف ہیں، ان کا کہنا ہے کہ (الف) یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ (ب) سائنس اور فن کی ترقی کی بدولت پیداوار میں اضافے کے امکانات بہت روشن ہیں۔ (ج) پاکستان میں خاندانی منصوبہ بندی پر اربوں روپیہ خرچ کیا گیا ہے لیکن مطلوبہ نتائج حاصل نہ پائے۔ اگر یہی رقم ملک کی صنعتی اور زرعی ترقی پر خرچ ہوتی تو کافی بہتر نتائج حاصل ہوتے۔ (د) ضبط تولید کے طریقوں پر عمل کرکے زیادہ تر امیر لوگ شرح ولادت کو کم کرتے ہیں حالانکہ زیادہ ضرورت غریبوں کو ہے۔ اس کا نتیجہ جاہل اور غیر مستعد آبادی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ (ر) اگر ہم قومی سطح پر سادہ زندگی کو شعار بنالیں تو ضبط تولید کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (س) ضبط تولید کے طریقوں نے کئی قسم کی اخلاقی اور جنسی بے راہ روی کو جنم دیا ہے۔ (ص) زیادہ آبادی ایک بہت بڑی سیاسی اور معاشی قوت ہے۔

4.11 خود آزمائی

سوال نمبر 14 آپ نے آبادی کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اس کی روشنی مین اپنے خیالات کو ایک مضمون کی شکل میں قلمبند کیجئے۔ اپنی مضمون کا عنوان بھی خود ہی تجویز کر کے لکھئے۔

سوال نمبر 15 مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہوں کو پُر کیجئے۔

(الف) پاکستان کو.................... آبادی کے مسئلہ کا سامنا ہے۔

(ب) ماہرین آبادی کی رائے میں 2045ء تک پاکستان کی آبادی تقریباً........................ ہو جائے گی۔

(ج) 1998ء میں دس برس یا اس سے زیادہ عمر کی آبادی کا ہمارے ملک میں صرف .... فیصد خواندہ تھا۔

(د) ہمارے ملک میں ....افراد کے لئے ایک ڈاکٹر ہے اور ....افراد کے لئے ایک نرس موجود ہے۔

سوال نمبر 16 درست ہے یا غلط؟

(الف) چونکہ پاکستان میں افراط زر ہے اس لئے ملک کو کسی افراط آبادی کے مسئلہ کا سامنا نہیں ہے۔

(ب) بیرون ملک روزگار کے مواقع پیدا ہوجانے کے نتیجہ میں ہمارے ملک میں بیروزگاری کا مسئلہ

جزوی طور پر حل ہو گیا ہے۔

(ج) کاشت وسیع اور کاشت عمیق کے تحت زرعی پیداوار میں اضافہ کے ہمارے ملک میں امکانات لامحدود ہیں۔

(د) فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ کے باوجود اب بھی پاکستان میں بڑے بڑی زرعی اجناس کی فی ایکڑ پیداوار امریکہ جیسے ممالک کی نسبت کافی کم ہے۔

(ر) ہمارے ملک میں قومی آمدنی کا زیادہ تر حصہ صنعتی پیداوار پر مشتمل ہے۔

(س) پاکستان میں شرح اموات اور شرح ولادت تقریباً ایک جتنی ہیں اس لئے افراط آبادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال نمبر 17 شرح ولادت کو گھٹانے کے لئے کیا آپ خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں ہیں؟ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت میں دلائل پیش کیجئے۔

(سیکشن 4.5، 4.6 اور 4.7)

(جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

5۔ خود آزمائی کے جوابات

سوال نمبر 2 (i) فعال (ii) غیر مادی تشکیل سرمایہ (iii) 2 فیصد (iv) دیہی ترقیاتی تنظیم

سوال نمبر 3 (i) درست (ii) غلط (iii) درست (iv) غلط

سوال نمبر 6 (الف) اضافہ، تیز (ب) اموات (ج) 26.1، 7.1 (د) 1.8، دگنی

سوال نمبر 7 (الف) درست (ب) غلط (ج) غلط (د) غلط (ر) درست (س) درست

سوال نمبر 9 (الف) پنجاب، بلوچستان (ب) 138، 166 (ج) زرخیز، وافر (د) 32.5 فیصد، 67.5 فیصد

سوال نمبر 11 (الف) 43.40 فیصد، 3.50 فیصد (ب) 108.50 (ج) 43.9 فیصد، 54.8 فیصد، 32.0 فیصد (د) 25.4، 32.5، 74.6، 67.48 (س) 43.60 فیصد، 13.54 فیصد، 43 فیصد

سوال نمبر 15 (الف) افراط (ب) دگنی (ج) 44 فیصد (د) 1200، 2500

سوال نمبر 16 (الف) غلط (ب) درست (ج) غلط (د) درست (ر) غلط (س) غلط

6۔ فرہنگ اصطلاحات

1۔آبادی کا رجحان یا میلان	ایسی علامات جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسی ملک کی آبادی میں کس قدر اضافہ یا کمی ہورہی ہے۔
2۔افرادی قوت	کسی ملک کی آبادی کا وہ حصہ جو عملی طور پر پیداواری کاموں میں حصہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
3۔افراط آبادی	وہ حالت جب کسی ملک کے موجودہ اور معلوم معاشی وسائل اس ملک کے لوگوں کو معقول معیار زندگی مہیا کرنے سے قاصر رہیں۔
4۔افراط زر	وہ صورت حال جب کسی ملک میں قیمتوں کی عام سطح تیزی سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔
5۔خاندانی منصوبہ بندی	وہ عمل جس کے تحت ایک خاندان کے افراط کی تعداد کو اپنی مرضی کے مطابق رکھنے کے لیے عملی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔
6۔شرح اموات	کسی ملک میں ایک سال کے دوران مرنے والے لوگوں کی فیصد یا فی ہزار شرح۔
7۔شرح ولادت	کسی ملک میں ایک سال کے دوران پیدا ہونے والے بچوں کی فیصد یا فی ہزار شرح
8۔ضبط تولید	وہ طریقہ جس کے مطابق دانستہ طور پر جنسی اختلاط کے باوجود بچوں کی پیدائش میں وقفہ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
9۔غیر مادی تشکیل سرمایہ	ایسی صورتحال جب کسی ملک کا سرمایہ، تعلیم، ٹیکنالوجی اور فنی ترقی کی شکل میں ظاہر ہو۔
10۔فعال کردار	ایسا عمل جو کوئی مثبت نتیجہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔
11۔فی کس آمدنی	وہ آمدنی جو کسی ملک کی سالانہ قومی پیداوار کی مالیت کو اس ملک کی آبادی پر تقسیم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس سے اس ملک کے لوگوں کے اوسط معیار زندگی کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔
12۔فی کس کاشتہ رقبہ	کسی ملک کا وہ زیر کاشت رقبہ جو اوسطاً ایک فرد کے حصہ میں آتا ہے۔ یہ رقبہ معلوم

کرنے کے لئے کسی ملک کے کل زیر کاشت رقبے کو اس کی آبادی سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

13۔ قانون تقلیل حاصل — وہ قانون جس کے مطابق عمل پیداوار میں ایک حد کے بعد مختم پیداوار کم ہونا شروع ہوجاتی ہے۔

14۔ گنجانی آبادی — آبادی کی وہ کیفیت جو یہ بتاتی ہے کہ کسی ملک یا علاقے میں فی مربع میل یا فی مربع کلومیٹر کتنے لوگ آباد ہیں۔

15 ۔ مادی تشکیل سرمایہ — ایسی کیفیت جب کسی ملک کا سرمایہ، عمارات، مشینیں اور آلات وغیرہ کی شکل اختیار کرے۔

16۔ منحصرین — وہ لوگ جو خود نہیں کماتے یا کمائی کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کی کمائی اور گزر بسر کرتے ہیں۔

7 ۔ فہرست کتب

1۔ اکنامک سروے آف پاکستان 08-2007ء — حکومت پاکستان

2۔ پاکستان کی معاشی ترقی (نیا ایڈیشن) — ڈاکٹر ایس ایم اختر

3۔ معاشیات پاکستان — پروفیسر شیخ منظور علی

4۔ معاشی نشوونما کا نظریہ — ڈبلیو آرتھر لیوس
(Theory of Economic Growth)

5۔ پرائمری اساتذہ کے لئے تجدید کورس...... آبادی کا یونٹ — جاوید اقبال سید

6۔ نظریاتی معاشیات (پاکستان کی معاشی ترقی) باب نمبر 9 — از ڈاکٹر محمد حسین چوہدری

یونٹ 6

زرعی پیداوار

تحریر
اسرار الحق

فہرست

یونٹ کے مقاصد 214

1۔ پاکستان میں زراعت کی اہمیت 215

1.1 زرعی شعبہ کی اہمیت 215

1.2 زرعی پیداوار میں اضافہ کی شرح 215

1.3 زرعی ترقی کے نتائج 215

1.4 اہم زرعی مسائل 216

1.5 زرعی مسائل کا حل 219

1.6 زراعت کو ترقی دینے کے لیے حکومت کے اقدامات 220

1.7 اہم نکات 222

1.8 خود آزمائی 223

1.9 جوابات 224

2۔ ہماری فصلیں 225

2.1 تعارف 225

2.2 انفرادی کیفیت 225

2.3 اہم نکات 226

3۔ مشینی کاشت کی وسعت اور مسائل 227

3.1 مفہوم 227

3.2 پاکستان میں مشینی کاشت کی ضرورت 227

3.3 مشینی کاشت کے امکانات 229

3.4 پاکستان میں مشینی کاشت کے لوازمات 229

3.5 اہم نکات 230

3.6 خود آزمائی 230

3.7 جوابات 231

4۔غذائی خود کفالت 232

4.1 تعارف 232

4.2 غذائی خود کفالت کیسے ممکن ہے 232

4.3 غذائی خود کفالت کی جانب حکومت کے اقدامات 233

4.4 اہم نکات 236

4.5 خود آزمائی 236

4.6 جوابات 237

5۔ فرہنگ اصطلاحات 237

6۔ کتابیات 238

مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

1۔ پاکستان میں زراعت کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

2۔ ہماری زراعت میں زمین کا کس طرح استعمال ہوتا ہے اور اس سے بھرپور افادہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اس کا علم بھی آپ کو اس یونٹ کے مطالعہ سے ہو جائے گا۔

3۔ ہماری اہم غذائی اور نقد آور فصلوں کی پیداوار، زیر کاشت رقبہ اور فی ایکڑ پیداوار کی کیا کیفیت ہے؟

4۔ پاکستان میں مشینی کاشت کی اہمیت کیا ہے اور مستقبل میں اس سے ہماری زراعت کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

5۔ ہمارا غذائی خود کفالت کا مسئلہ کیا ہے اور اسے ہم کس طرح حل کر سکتے ہیں؟ اس کے بارے میں بھی آپ کو معلومات فراہم ہو جائیں گی۔

1۔ پاکستان میں زراعت کی اہمیت

1.1 زرعی شعبہ کی اہمیت

پاکستان کی معیشت بنیادی طور پر ایک زرعی معیشت ہے۔ اسے زرعی معیشت اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہماری معاشی ترقی کا بیشتر انحصار اسی شعبہ کی بہتر کارکردگی پر ہے۔ اس شعبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کی دیہی آبادی کا تقریباً 50 فیصد زرعی کاموں میں مشغول رہتا ہے اور اس وقت ملک میں کام کرنے والے افراد کا تقریباً 44 فیصد حصہ اسی زرعی شعبہ میں کام کررہا ہے اور یہی سے اس کو اپنا اور اپنے بچوں کا رزق حاصل ہے۔ ہماری کل قومی پیداوار میں تقریباً 21 فیصد حصہ زراعت کا ہے ۔ نیز اس وقت مجموعی برآمدات میں سے تقریباً 35 فیصد حصہ زرعی شعبہ کی پیدوار پر مشتمل ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے ملک کی گھریلو صنعتوں کا مکمل دارومدار اسی شعبہ سے حاصل ہونے والے خام مال پر ہے۔ درمیانی صنعتیں اور بھاری صنعتیں مثلاً پارچہ بافی کی صنعت اورشکر سازی کی صنعت وغیرہ بھی اسی زرعی شعبہ سے حاصل ہونے والے خام مال پر انحصار کرتی ہیں۔

1.2 زرعی پیداوار میں اضافہ کی شرح

اگر ہماری زرعی پیداوار میں اضافہ ہوتو ظاہر ہے ہماری ملکی معیشت پر اس کا مثبت اثر پڑے گا۔ اس وقت ہمارے ملک کی آبادی میں تقریباً 1.8 فیصد سالانہ کا اضافہ ہورہاہے۔ یہ اضافہ ہمارے لئے سنگین خطرے کا الارم ہے کیونکہ جس رفتار سے ہماری آبادی میں اضافہ ہورہاہے اس لحاظ سے سنہ 2045ء میں ہماری کل آبادی دوگنی ہوچکی ہوگی۔ اس طوفان کی طرح بڑھنے والی آبادی کے لئے رہائش اورخوراک ولباس کا مسئلہ ہماری قوم کو درپیش ہوگا۔ اگر ہماری زراعت کوترقی نہ دی گئی اور فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ نہ کیا گیا تو یقیناً ہمارے لوگ قحط اور فاقوں کا شکار ہوں گے۔ اس سوچ اور فکر کے مطابق ہماری حکومت دن رات اس کوشش میں مصروف ہے کہ ایسی پالیسی مرتب کی جائے جس سے زرعی پیداوار میں اضافہ ہو اور ہماری کل قومی پیداوار کو آگے بڑھنے میں مدد ملے۔ پچھلے چند سالوں سے زرعی شعبہ کی پیدوار میں کچھ زیادہ اضافہ نہیں ہوا۔

1.3 زرعی ترقی کے نتائج

ہمارے زرعی شعبہ کو جب ترقی ملے گی تو اس سے نزدیکی اور دوررس دونوں نتائج مرتب ہوں گے۔ نزدیکی

نتائج تو ظاہر ہے یہ ہوں گے کہ ہماری زرعی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ اور فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے ہمارے کسان کی آمدنی بڑھے گی جس سے وہ اس قابل ہوگا کہ اپنا معیار زندگی بلند کرے اور بہتر اوراعلیٰ قسم کی سرمایہ کاری کر کے اپنی کھیتی باڑی کو جدید آلات کاشت کاری فراہم کرے تا کہ اس کی فی ایکڑ پیداوار میں مزید اضافہ ہو۔ اگر یہ دَوری چکر جاری رہے تو طویل مدت میں معیشت میں زرعی انقلاب کی بدولت سماجی و معاشرتی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ ملک خود کفالت کے بعد زرعی اجناس کی برآمدات کی طرف قدم بڑھائے گا اور اس سے حاصل ہونے والے زرمبادلہ سے صنعتی اشیاء خرید کر ملک میں بھاری صنعتیں قائم ہوں گی۔ ملک کی بیروزگاری کی سطح کم ہوگی اور زرعی شعبہ مستحکم بنیادوں پر اس طرح کھڑا ہوگا کہ ہر سطح پر معیشت کو مدد اور طاقت فراہم کر سکے۔

1.4 اہم زرعی مسائل

(i) سیم وتھور

ہمارے زرعی شعبہ کو سب سے سنگین مسئلہ جو درپیش ہے وہ سیم وتھور میں تیزی سے پھیلاؤ ہے۔ ہماری وہ زمینیں جو کچھ عرصہ قبل زیر کاشت تھیں اور جہاں بہترین فصلیں ہوا کرتی تھیں، آج سیم وتھور کا شکار ہوکر بیکار ہو چکی ہیں، پنجاب کے متعدد ضلعوں میں زمین کی یہ بیماری اتنی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے کہ اس صوبے کی بڑی بڑی تحصیلیں اور ضلعے کے ضلعے اجاڑ اور بنجر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

سیم وتھور کی سالانہ رفتار تقریباً ایک لاکھ ایکڑ ہے۔مہینوں اور دنوں میں تقسیم کرنے کے بعد اس بیماری کے حملے کی رفتار فی منٹ کئی ایکڑ کے حساب سی لگائی گئی ہے۔ یہ ہمارے لئے نہایت غور طلب مسئلہ ہے۔ کیونکہ ایک طرف ہماری آبادی میں سنگین شرح سے اضافہ ہو رہا ہے جو دنیا میں سب سے بلند شرح اضافہ ہے اور دوسری طرف ہماری زیر کاشت زمینیں تیزی سے بیکار ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ غرضیکہ دونوں طرف ایک ہیبت ناک مصیبت ہماری قوم کو گھیرے میں لے رہی ہے۔

(ii) فرسودہ طریق کاشت

حالات کا تقاضا یہ تھا کہ ہمارے کاشت کار میدان عمل میں اس طرح داخل ہوتے اور طریق کاشت میں اس طرح تبدیلی پیدا کرتے کہ ان کی فی ایکڑ پیداوار بڑھتی مگر بدقسمتی سے ہمارے کاشت کار اپنی روایتی طریق زندگی کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں کہ ان باتوں کو چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہیں جو ان کے آباؤ اجداد نے وراثت میں چھوڑی ہیں۔ کاشتکاری کا طریقہ ابھی تک فرسودہ ہے۔ زمین میں کھاد ڈالنے اور پانی دینے کا وہی طریقہ

ہے جو اب کلیتاً متروک ہوچکا ہے۔فصل کی کٹائی اور گہائی کا ایسا طریقہ ہے جس سے نقصانات بڑھ چڑھ کر ہوتے ہیں۔ معاشرتی رسوم و رواج ایسے ہیں جو ان کی معاشی اور پیدا آوری صلاحیت کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے کاشت کاروں کی زندگی میں معاشی انقلاب برپا کیا جائے۔ ان کی سوچ کو بدلا جائے۔ انہیں یہ باور کرایا جائے کہ ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور براہ راست و بالواسطہ نقصانات سے ان کی معاشی حالت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ تمام باتیں ہمارے کسان کی سمجھ میں اس وقت آئیں گی جب اسے تعلیمی اور تربیتی کورسز سے گزارا جائے گا۔ یہ کام ایک جانب محکمہ تعلیم کی طرف سے ممکن ہے اور دوسری جانب محکمہ زراعت کے شعبہ توسیع (Extension Department) کی مدد سے ہوسکتا ہے۔

(iii) زرعی قرضہ کی دشواری

ایک اندازے کے مطابق تقریباً 89 فیصد کاشت کار ہمارے ملک میں ایسے ہیں جن کے پاس 10 ایکڑ سے بھی کم زیر کاشت رقبہ ہے جبکہ پنجاب جیسے زرعی صوبے میں بھی معاشی اکائی 12 ایکڑ متعین کی گئی ہے۔ یعنی وہ کسان جس کے پاس 12 ایکڑ سے کم رقبہ زیر کاشت ہو اس کی معاشی انداز میں کھیتی باڑی ممکن نہیں۔ ایسا کسان نہ تو بچت کرسکتا ہے اور نہ ہی سرمایہ کاری کے کسی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ ایسا کسان ہمیشہ مقروض رہتا ہے۔ غالباً ایسے ہی کاشتکاروں کے لئے کسی نے کہا ہے کہ ہمارا کاشت کار قرضہ کی حالت میں پیدا ہوتا ہے قرضہ کی حالت میں پرورش پاتا ہے اور قرضہ کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے۔ ایسے کاشتکاروں کو قرض کی چنگل سے آزاد کرانا از حد ضروری ہے۔ جب تک اپنی حکومت کے متعین کردہ مالی ادارے اپنا تعاون فراہم نہ کریں گے یہ لوگ اپنی بدحال معاشی حالت کو سدھار نہیں سکتے۔ لہٰذا انہیں زرعی قرضہ بینکوں کے ذریعہ ضرور ملنا چاہئے۔ ان قرضوں کی خصوصیت یہ ہے کہ بروقت فراہم ہوتے ہیں اور اسے استعمال کرکے ہمارا کاشت کار فصل کی بجائی اور کٹائی قت پر کرسکتا ہے۔ یہ قرضے قلیل مدت، درمیانی مدت اور طویل مدت کے ہوتے ہیں جو ہمارے کسان کی ہر قسم کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمارا زرعی ترقیاتی بینک یہ قرضے ہمارے کسانوں کو کافی مقدار میں دے رہا ہے۔

(iv) کاشت کے چھوٹے اور منتشر قرضے

زرعی پیداوار میں تیزی سے اضافہ کے لئے ضروری ہے کہ مشینی طریق کاشت کو اپنایا جائے۔ مشینی طریق کاشت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ زیر کاشت رقبہ اتنا بڑا ہو کہ ہمارا کسان معاشی طور پر اس زمین میں ٹریکٹر چلا سکے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں قانون وراثت کے طفیل کاشت کاروں کی زمین خاندانی بٹواروں کا شکار ہوتی جارہی ہے اور اس کے نتیجہ میں زیر کاشت رقبہ کا سائز دن بدن کم سے کم ہوتا چلا جارہا ہے۔ اب نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے

کہ کل کھیتوں میں سے 14 فیصد کھیت ایسے ہیں جن کا سائز ایک ایکڑ سے بھی کم ہے۔ اسی طرح مزید چودہ فیصد کھیت ایسے ہیں جن کا سائز محض ایک یا دو ایکڑ کے درمیان ہے۔ ذرا سا آگے بڑھیں تو ہمیں 15 فیصد کھیت ایسے ملیں گے جن کا سائز 2 سے 3 ایکڑ کے درمیان ہے اور تین سے 5 ایکڑ کے درمیانی سائز کے فارم کی تعداد 25 فیصد ہے۔ اس طرح 5 ایکڑ تک سائز کے فارم کی مجموعی تعداد 68 فیصد بن جاتی ہے یہ سارے فارم مشینی کاشت کے لئے غیر موزوں ہیں۔ ان پر اگر مشینی کاشت کی جائے تو سراسر نقصان ہوگا۔ اور اگر دیسی کاشت کی جائے تو پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ناممکن ہے۔ گویا کہ زمین کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے ہماری زراعت کو شدید دشواری لاحق ہے۔ اس دشواری سے نبرد آزما ہونے کے لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ انجمن امداد باہمی کے تحت تعاون کاشت کاری کا طریقہ رائج کیا جائے جس سے کھیتوں کے سائز بڑے ہوسکیں اور ان پر مشینی کھیتی باڑی کی جاسکے۔ مگر اس کام میں بھی کئی دشواریاں لاحق ہیں مثلاً ہمارا کاشتکار آپس میں ایسی دشمنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کاشت کار کے ساتھ اپنی زمین شامل کرکے کام کرنا پسند نہیں کرتا۔ پھر یہ بھی دشواری ہے کہ اگر زمینوں کو ایک جگہ کر بھی لیا جائے تو ان پر کام کرنے کے لیے محنت اور سرمائے کا موزوں ذخیرہ اور پھر موزوں تقسیم کار بھی نہیں ہونے پاتی۔ اس طرح یہ اسکیم ناکامی کا شکار بن چکی ہے۔

(v) ناقص نظام منڈی

کاشت کار کی اپنی کھیتی باڑی میں دلچسپی اس وقت زیادہ ہوسکتی ہے جب اس کی محنت کا اسے صحیح معاوضہ ملے۔ صحیح معاوضہ کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ جب کاشت کار اپنی فصل کو مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لئے جائے تو اسے صحیح قیمت پر فروخت کرسکے۔ مگر ہمارے منڈی کے نظام میں درمیانی ایجنٹ اتنے زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں کہ کاشتکار ان کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ آڑھتی، بیوپاری، دلال اور اسی قسم کے کئی دوسرے ایجنٹوں کے ہاتھوں ہمارے کسان کو گزرنا پڑتا ہے جس کے بغیر اس کا مال منڈی میں فروخت نہیں ہو پاتا۔ یہ لوگ اتنے شاطر اور چالاک ہوتے ہیں کہ اپنے مختلف قسم کے ہتھکنڈوں سے کسان کی فصل کی اتنی کم قیمت لگاتے ہیں کہ اسے سخت نقصان کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔ ان ہتھکنڈوں سے کاشت کار کو نجات دلانے کے کئی طریقے ہیں۔ مثلاً ایک تو یہ کہ قانون کے ذریعہ ایسے درمیانی ایجنٹوں کو ختم کیا جائے یا ان پر ایسی پابندی عائد کی جائے کہ ان کا گھناؤنا کاروبار کم ہوسکے۔ یہ کوششیں ماضی میں کئی بار کی گئیں مگر ناکام رہیں۔

اب حکومت نے اس بیماری کا علاج کرنے کے لیے ایک سرکاری ادارہ خرید وفروخت قائم کیا ہے جس کا نام PASSCO رکھا ہے۔ یہ سرکاری ادارہ کھلی منڈی میں زرعی اجناس کی خرید وفروخت کرتا ہے۔ اور اس امر کا پورا خیال رکھتا ہے کہ کاشت کاروں کی فصل کی قیمتیں ایک مخصوص حد سے نیچے نہ گرنی پائیں۔ اس کی خاطر وہ خود ان کی تمام فصل

کوخرید لیتا ہے اور اچھے دام پر خریدتا ہے۔ نیز یہ ادارہ کاشت کاروں کو مختلف قسم کی خدمات بھی فراہم کرتا ہے جس سے ان کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اور وہ محض اپنی مالی دشواریوں کی بناء پر اپنی فصل کو اونے پونے بیچنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

(v) سرد خانوں اور ذخیرہ گاہوں کی قلت

زرعی پیداوار اور صنعتی پیداوار میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اپنی خواص کے اعتبار سے زرعی اشیاء جلد تفیع پذیر ہوتی ہیں جبکہ صنعتی اشیا قابل ذخیرہ ہوتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صنعتی اشیا کی قیمت پر رسد کا اتنا زیادہ اثر نہیں ہوتا جتنا کہ زرعی اشیا کی رسد کا ان کی قیمتوں پر ہوتا ہے چونکہ زرعی پیداوار کی فصل ایک خاص عرصے میں پک جاتی ہے اور اگر اسے وقت پر نہ کاٹا جائے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمارا کسان اس قابل نہیں ہوتا کہ رسد کو کنٹرول کر کے اچھی قیمت کے ملنے تک انتظار کرے۔ مجبوراً اسے کم قیمت پر اپنا مال فروخت کرنا پڑتا ہے۔ اس نقصان سے بچنے کے لئے ایک طریقہ رائج کیا گیا ہے اور وہ ہے سرد خانہ اور ذخیرہ گاہوں کی تعمیر کا۔ اگر دیہی علاقوں میں سرد خانے اور گودام تعمیر ہوں تو کاشت کاروں کو بھی اپنی پیداوار ذخیرہ کرنے کی آسانی ہو اور وہ بھی اپنی فصل کی اچھی قیمت وصول کرسکیں۔ مگر ہمارے زرعی شعبہ میں ان چیزوں کی شدید کمی ہے جس سے ہماری زراعت پر منفی اثرات مرتب ہوتے رہے ہیں۔ جب نجی اداروں کے تحت قائم کئے گئے گوداموں کی گنجائش میں اضافہ ہوتو ہمیں کہنا چاہیئے کہ حالات بہتر ہورہے ہیں۔

(vi) ذرائع آمد و رفت و رسل و رسائل کا ناقص ہونا

کسی ملک کی معاشی ترقی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاتا ہے کہ وہاں آمدورفت کے کتنے وسیع ذرائع ہیں۔ ملک کے دور دراز علاقوں کو آپس میں ملانے والا سب سے بڑا ذریعہ وہاں کی سڑکیں ہوتی ہیں۔ اگر سڑکیں پختہ ہوں اور کافی تعداد میں ہوں تو دیہاتوں اور شہر کے درمیان آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے۔ کاشت کار اپنا مال آسانی سے شہروں میں لاکر فروخت کرتا ہے۔ شہر کی متعدد سہولیات مثلاً اسکول، کالج، ہسپتال وغیرہ سے کسان بھی مستفید ہوتا ہے۔ ان چیزوں کی ابھی تک ہمارے ملک میں اتنی تعداد نہیں جتنا کہ معیاری طور پر ہونی چاہیئے۔ ہماری سالانہ ترقیاتی پالیسی بناتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ترقیاتی اخراجات کا معقول حصہ ان چیزوں کی ترقی پر صرف کیا جائے۔ تاہم اپنے مقاصد کے حصول میں ابھی تک ہمیں پوری طرح کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔

1.5 زرعی مسائل کا حل

ہمارے زرعی شعبہ کے گونا گوں مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمیں قومی سطح پر اقدامات کرنے چاہئیں۔

ہماری حکومت بہت سے اقدامات پر عمل کر رہی ہے۔ مثلاً زرعی پیداوار میں فوری اضافہ حاصل کرنے کے لئے حکومت کی کوشش ہے کہ مختلف مداخل کو آسان قیمتوں پر کسان کو فراہم کیا جائے۔ ان مداخل میں کھاد، پانی، بیج، اپنی جگہ پر اہمیت رکھتے ہیں۔ ان چیزوں کی فراہمی حکومت کی قائم کردہ ایجنسیوں کے ذریعہ کی جارہی ہے بلکہ کاشت کاروں کو ترغیب (Incentive) فراہم کرنے کی غرض سے ان پر معقول اعانہ بھی دیا جارہا ہے۔ آبپاشی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے بھی حکومت کی بھرپور کوشش ہے کہ ٹیوب ویل کی تنصیب میں تیزی سے اضافہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ زرعی خرچ کی فراہمی بھی جاری ہے۔ سیم وتھور پر قابو پانے کے لئے مناسب اقدامات کئے جارہے ہیں۔ واپڈا اس میدان میں سرگرم عمل ہے اور ملک میں کام کرنے والے تمام ٹیوب ویلوں کی مدد سے پانی کی زیرزمین سطح آب خاصی نیچے ہوگئی ہے۔ غرضیکہ اس طرح ہر شعبہ میں مخصوص اقدامات کرنے سے ہماری زراعت کو ترقی حاصل ہوسکتی ہے۔

1.6 زراعت کو ترقی دینے کے لیے حکومت کے اقدامات

ہماری حکومت معیشت کے زرعی شعبہ کو ترقی دینے کے لیے متعدد اقدامات کررہی ہے جس کا مختصراً جائزہ درج ذیل ہے:۔

(i) گندم کی پیداوار میں اضافہ کیلئے

(الف) گندم کی سرکاری خرید میں اضافہ کیا گیا۔

(ب) گندم کی ایسی قسم دریافت کی گئی جس پر بیماری کا حملہ کم سے کم ہو۔

(ج) بروقت اور مناسب مقدار میں اہم مداخل مثلاً کھاد، پانی، قرضہ، وغیرہ کی فراہمی۔

(د) زرعی مشینری مثلاً تھریشر، ٹریکٹر، پاورسکر اور براڈ کاسٹر وغیرہ کے استعمال کی طرف کسان کو راغب کرنا۔

(ر) کسان کو زرعی تعلیم اور اس کی فنی رہنمائی کے لئے ریڈیو اور ٹی وی پر مخصوص پروگرام نشر کرنا۔

(ii) چاول کی پیداوار میں اضافہ کے لئے

حکومت کی امدادی قیمتیں (Support price) مقرر کرتی ہے کیونکہ بین الاقوامی قیمتیں حکومت کی مقرر کردہ امدادی قیمتوں سے بہت بلند ہوتی ہیں۔

(iii) کپاس کی پیداوار بڑھانے کے لئے

1970-71ء سے لیکر 1974-75ء تک اجناس کی پیداوار اور رقبہ کاشت کو شدید صدمہ پہنچا تھا جس کی

مختلف سیاسی اور غیر سیاسی وجوہات تھیں۔ نتیجہ یہ کہ ملکی پیداوار میں تیزی سے کمی آ گئی تھی۔ حکومت نے اس کمی کو دور کرنے کے لیے کاٹن پالیسی بنائی۔ فی ایکڑ پیداوار بڑھانے کے اقدامات کیئے۔ کپاس کے کاشت کاروں کو مختلف قسم کی ترغیبات (Incentives) فراہم کی گئیں۔ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن کی جانب سے تحفظات فراہم ہوئے۔ فراخدلانہ قرضہ جات دیئے گئے۔ مداخل کی فراہمی تیز کی گئی کپاس کی قیمت خرید میں حکومت نے اضافہ کیا۔

(iv) پانی اور کھاد کی بہتر تقسیم

پانی اور کھاد کی تقسیم بہتر کی گئی۔ ان پر مناسب اعانہ دیا گیا تا کہ کسان ان سے پوری طرح مستفید ہو سکے۔

(v) کیڑے مار ادویات کی تقسیم

کیڑے مار ادویات کی تقسیم بہتر کی گئی۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ دواؤں کے چھڑکاؤ میں نمایاں اضافہ کر دیا گیا۔ کسانوں کو اس سلسلے میں مزید ٹریننگ دینے کا پروگرام بھی بنایا گیا۔ دواؤں کی تقسیم کے نظام کو وسیع کرنے کا بھی پروگرام بنایا گیا۔ دواؤں کی درآمد پر سرکاری ڈیوٹی معاف کرنے کا اقدام بھی کیا گیا۔

(vi) اچھی قسم کا بیج کا استعمال بڑھائے کیلئے

چونکہ پیداوار کے اضافہ اور کمی میں بیج کا بڑا دخل ہے اس لئے حکومت نے اس امر پر بھرپور توجہ دی۔ پرانی اقسام کو متروک قرار دیکر نئے اقسام کے رواج پر زور دیا گیا۔ کچھ فصلوں کے عمدہ بیج کے فروخت پر حکومت کچھ اعانہ بھی دیتی ہے۔

(vii) زرعی مشینری

ایک محتاط اندازے کے مطابق ہمیں معیاری سطح پر زمین کاشت کرنے کے لیے فی ہیکٹر 12.3 ہارس پاور درکار ہیں جبکہ پاکستان کی کل زرعی مشینری کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو اس وقت زمین کاشت کرنے کے لیے فی ہیکٹر صرف 5 ہارس پاور مہیا ہیں۔ اس کمی کو دور کرنے کے لیے حکومت نے ٹریکٹر کی درآمد میں اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً 79-1978ء میں 5 ہزار 178 ٹریکٹر درآمد کئے گئے جبکہ 1980ء میں صرف اپریل کے مہینہ تک 17 ہزار 871 ٹریکٹر درآمد کئے گئے۔ حکومت کاشتکاروں کو زرعی مشینری (ٹریکٹر وغیرہ) آسان قسطوں پر مہیا کر رہی ہے۔

(viii) زرعی قرضہ جات

زرعی قرضہ جات پر حکومت بڑی مستعدی سے عمل کر رہی ہے اور اس کے استعمال اور تقسیم پر کڑی نظر رکھے

ہوئے ہے۔ اس کے نتیجہ میں اب کاشتکاروں کو تینوں مدت کے قرضے دستیاب ہیں۔ زرعی ترقیاتی بینک کے علاوہ حکومت نے دوسرے تجارتی بینکوں کو بھی ہدایات جاری کردی ہیں کہ کسانوں کو قرضے دینے میں تساہل سے کام نہ لیا جائے۔ اب نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں کسانوں کو چار ذرائع سے زرعی قرض فراہم ہیں: زرعی ترقیاتی بینک، زرعی کو آپریٹوز، تقاوی قرضے اور تجارتی بینک۔

(ix) ایگریکلچرل مارکیٹنگ اینڈ گریڈنگ

کسان پیداوار کو بہتر داموں فروخت کرانے کے لئے حکومت نے PASSCO کا ادارہ قائم کیا جو کامیابی سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔

(x) گوداموں کی تعمیر

اجناس ذخیرہ کرنے اور اس کو ضائع ہونے سے بچاؤ کے لئے سرد خانے اور گودام کی تعمیرات پر حکومت نے خاصی توجہ دی۔ جس کے نتیجہ میں ملک میں سٹوریج کی گنجائش میں نمایاں اضافہ ہوا۔

(xi) زرعی تعلیم وتحقیق میں توسیع

ملک میں زراعت کی تعلیم دینے والی مشہور درسگاہوں میں کام کی رفتار تیز کرنے، زراعتی یونیورسٹی ٹنڈو جام، زرعی یونیورسٹی فیصل آباد، زرعی ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سرگودھا و رحیم یار خان، زرعی بارانی کالج راولپنڈی اور زرعی کالج پشاور میں تعلیم و تجربے اور تحقیق کے کام کو وسعت دینے کے لیے جامع منصوبہ بنایا گیا۔

(xii) لائیوسٹاک، ماہی گیری اور جنگلات میں توسیع

ہماری زراعت میں جانور، مچھلیاں اور درخت نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی ترقی سے ہماری معیشت پر اچھے اثرات پڑ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت حکومت نے ان تینوں کو ترقی دینے پر بھی توجہ دی ہے۔ ان میں دودھ دینے والے جانور، گوشت مہیا کرنے والے جانور، مرغیاں، بھیڑیں وغیرہ پالی جاتی ہیں۔ ان پر ہماری حکومت اور بیرونی ادارے مثلاً UNDP اور IBRD اخراجات کرتے ہیں تاکہ کامیاب نتائج حاصل کئے جائیں۔

1.7 اہم نکات:

1۔ زراعت ہماری معیشت کا اہم ترین ستون ہے۔

2۔ زراعت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے کسانوں کی بنیادی ضروریات صحیح وقت پر

اور صحیح مقدار میں فراہم کی جائیں۔

3۔ زراعت کا دشمن نمبر 1 سیم وتھور ہے جس کا قلع قمع کرنا ہم سب کا قومی فریضہ ہے۔

4۔ زرعی قرضہ کی بدولت ہمارے کسان کی معاشی اورمعاشرتی زندگی دونوں پر اہم نتائج مرتب ہوسکتے ہیں۔

5۔ زرعی شعبہ کی ترقی سے ہماری قومی معیشت کی ترقی میں قلیل مدت اور طویل مدت دونوں قسم کے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

1.8 خود آزمائی:

صحیح جواب منتخب کیجئے۔

1۔ زراعت کا شعبہ ہماری قومی معیشت میں کیا مقام رکھتا ہے۔

بنیادی	ثانوی

2۔ آپ کی نظر میں سب سے زیادہ اہم مداخل کون ہے۔

پانی	کھاد	بیج	قرضہ

3۔ کسان کو جدید طرز کی کھیتی باڑی سے آگاہ کرنے کے لیے کون سا ادارہ زیادہ مؤثر ہے۔

زرعی تعلیمی ادارے	زرعی تحقیقی ادارے	شعبہ زرعی ایکسٹنشن

4۔ سب سے اچھی قسم کے بیج مہیا کرنے کے لیے کس ادارے کی کارگزاری اہم اور مؤثر ہونی چاہئے۔

زرعی تعلیمی ادارے	زرعی تحقیقی ادارے	شعبہ زرعی ایکسٹنشن

5۔ 1979-80ء میں ہماری زرعی پیداوار میں اضافہ کی رفتار کیا تھی۔

4.2 فیصد	3 فیصد	6 فیصد

(4.2 فیصد۔ 3 فیصد۔ 6 فیصد)

6۔ زرعی پیداوار میں شرح اضافہ ہماری آبادی کے شرح اضافہ کے مقابلہ میں کسی ہے۔

زیادہ	کم

7۔ سیم وتھور کی بیماری کے کنٹرول کیلئے ہم کیا کرتے ہیں۔

نہریں کھودتے ہیں	ٹیوب ویل لگاتے ہیں	تھور کو زمین سے کھرچ کر صاف کرتے ہیں

8۔ ایک تفصیلی مضمون لکھئے جس میں آپ ظاہر کرسکیں کہ کس طرح ہمارے ملک کی معاشی ترقی کا انحصار زرعی ترقی پر ممکن ہے۔

9۔ گذشتہ سالوں میں ہماری حکومت نے زراعت کو ترقی دینے کے لئے جو اقدامات کئے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ پیش کیجئے۔

10۔ ہماری زراعت کی ترقی میں آبپاشی ، زرعی قرضہ ورمصنوعی کھاد کی جو اہمیت ہے اس پر فرداً فرداً روشنی ڈالئے۔

1.9 جوابات

1۔ بنیادی

2۔ پانی

3۔ شعبہ زرعی اکسٹینشن

4۔ زرعی تحقیقی ادارے

5۔ 6 فیصد

6۔ زیادہ

7۔ ٹیوب ویل لگائے ہیں

2۔ ہماری اہم فصلیں

2.1 تعارف

ہم اپنی فصلوں کو باآسانی مطالعہ کی غرض سے کئی طرح تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً سیزن کے اعتبار سے ہماری فصلیں دوحصوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ فصل ربیع میں بوئی جانے والی فصلیں اور فصل خریف میں بوئی جانے والی فصلیں دوسرے اعتبار سے ہماری کچھ فصلیں غذائی ہیں جبکہ کچھ فصلیں نقد آور ہیں۔ یونٹ کے موجودہ سیکشن میں ہم اپنی فصلوں کو غذائی ریشہ دار فصلوں کے گروپ اور دیگر فصلوں کے گروپ میں تقسیم کر کے پھر دیکھیں گے کہ ان کی پوزیشن بلحاظ رقبہ اور بلحاظ مجموعی و فی ہیکٹر پیداوار کیسی ہے۔

2.2 انفرادی کیفیت

پاکستان اکنامک سروے 08-2007ء کے حوالہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری اہم غذائی فصلیں گندم ، چاول، کاٹن، گنا ہیں۔

(i) گندم (Wheat)

یہ ربیع کے موسم کی سب سے اہم فصل ہے جو پاکستان کے لوگوں کی بنیادی خوراک ہے۔ گندم پاکستان کے چاروں صوبوں میں پیدا ہوتی ہے۔ 08-2007ء کے اعداد و شمار کے مطابق اس کا زیر کاشت رقبہ اور پیداوار تقریباً چھیاسی ہزار ہیکٹر اور چوبیس ہزار ملین ٹن (Tons) بالترتیب ہے۔

(ii) چاول (Rice)

یہ پاکستان کی تیسری بڑی فصل ہے جو گندم کے بعد پاکستان کے لوگوں کی اہم خوراک ہے۔ اس کا زیر کاشت رقبہ اور پیداوار اس وقت چھبیس ہزار ہیکٹر اور ستاون ہزار ٹن بالترتیب ہے۔

(iii) گنا

گنا پاکستان کی اہم نقد آور فصل ہے یہ فصل پاکستان کی اہم ترین صنعت یعنی شکر سازی کو خام مال مہیا کرتی ہے۔ سال 08-2007 میں اس کا زیر کاشت رقبہ اور پیداوار 1039 ہزار ہیکٹر اور 63.9 ملین ٹن بالترتیب

ہیں۔

(iv) کپاس

کپاس خریف کی سب سے اہم نقد آور فصل ہے۔ پاکستان کی معیشت کا انحصار کپاس اور ٹیکسٹائل سیکٹر پر ہے۔ کپاس کو ٹیکسٹائل کی صنعت کو خام مال کی فراہمی کے علاوہ برآمدات میں بھی نمایاں مقام حاصل ہے۔ مالی سال 2007-08 ء عالمی سطح پر ہی کپاس کے پیدوار کم ہوئی ہے۔

2.3 اہم نکات

(i) ہمارے ملک میں فصل ربیع اور فصل خریف ہوتی ہیں۔

(ii) ان دونوں فصلوں کو آگے اگر مزید تقسیم کیا جائے تو ان میں غذائی فصلیں، غیر غذائی فصلیں اور نقد آور فصلیں شامل ہوسکتی ہیں۔

(iii) گندم کی فصل ملک کے چاروں صوبوں میں پیدا ہوتی ہے۔

(iv) چاول کی فصل بھی چاروں صوبوں میں کاشت ہوتی ہے۔

(v) گنا پاکستان کی اہم نقد آور فصل ہے۔

3۔مشینی کاشت کی وسعت اور مسائل

3.1 مفہوم

کھیتوں میں ٹریکٹر استعمال کرنے کو عام طور پر مشینی کاشت کہتے ہیں۔مگر فنی نقطہ نظر سے اس اصطلاح کی کچھ اور بھی مطلب اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مشینی کاشت کی ابتدا ہی سے کاشتکار کسی نہ کسی شکل میں قوت (Power) کا استعمال شروع کردیتا ہے۔ اس وقت کے استعمال سے اس کی پیداواری صلاحیت بڑھ جاتی ہے وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ زیر کاشت رقبہ میں اضافہ کرے اور پھر فی ایکڑ پیدوار میں اضافہ کرے، اس کے ذرائع آمدورفت میں تبدیلی آجاتی ہے۔ بیل گاڑی اور چھکڑے کی جگہ اس کے پاس انجن سے چلنے والا کوئی ذریعہ آمدورفت آجاتاہے۔ اس کے گھر میں بجلی کا استعمال شروع ہو جاتا ہے۔ضروریات زندگی میں زمانہ کی جدید ایجادات بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اس کے بچے تعلیمی میدان میں آگے بڑھتے ہیں اور دیہاتوں کی جگہ شہروں میں قیام پذیر ہوکر اپنی تعلیمی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ غرضیکہ اس قسم کی متعدد نشانیاں ہیں جنہیں دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زراعت میں مشینی کاشت کا استعمال ہے یانہیں اور اگر ہے تو کہاں تک ہے۔

3.2 پاکستان میں مشینی کاشت کی ضرورت

(i)خوراک کے مسئلے کا حل

پاکستان کو اللہ نے تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس میں میدانی علاقہ بھی ہے اور پہاڑی علاقے بھی۔ بارش بھی ہوتی ہے اور بعض علاقوں میں بارش کی قلت بھی ہے۔ ایک طرف صوبہ بلوچستان ہے جہاں کی آبادی کی گنجانی تقریباً 166 فی مربع کلومیٹر ہے اور دوسری طرف صوبہ پنجاب ہے جہاں کی گنجانی 361 فی مربع کلومیٹر تک ہے ۔ رقبہ کے اعتبار سے سب سے بڑا صوبہ بلوچستان ہے جس کا رقبہ 347190 مربع کلومیٹر ہے جبکہ سب سے چھوٹا صوبہ سرحد ہے۔ اسی قسم کی بیشمار ایسی باتیں ہیں جنہیں دیکھ کر حیرانگی بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے کہ اس طرح کے ذخائر سے بھرپور علاقے ابھی تک ویران اور کم آباد ہیں جبکہ کچھ علاقوں پر آبادی کا اتنا دباؤ ہے کہ وہاں کا نظم ونسق انسانی بس سے باہر ہوتا جارہا ہے۔ چونکہ پاکستان بنیادی طور پر زرعی ملک ہے اس لئے ہمارے مسائل کے دیگر علاقوں میں سے ایک حل یہ بھی ہے کہ ہم اپنی زرعی پیداوار میں اتنا اضافہ کریں کہ خوراک کا مسئلہ اور اس کی وساطت سے دیگر مسائل بھی حل ہوں۔

(ii) بے روزگاری کے مسئلے کا حل

پاکستان میں دیہی علاقے تقریباً تین چوتھائی ہیں۔ ان علاقوں کی آبادی کے اعتبار سے کام مہیا نہیں۔ لوگ بیکاری کا شکار ہیں جس سے ان کی معاشی اور معاشرتی زندگی ابتر ہے۔ دوسری جانب بلوچستان کے علاقے لے لیجئے جہاں زمین وافر ہے مگر پھر بھی لوگ بیکار ہیں۔ پنجاب کے دیہی علاقوں میں زمینوں پر آبادی کا اتنا بوجھ ہے کہ مستور بے روزگاری نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ چنانچہ اگر ہماری زراعت میں مشینی کاشت رائج ہو جائے تو آبادی کی از سر نو تقسیم سے اور محنت کشوں کی منتقلی سے مستور بے روزگاری کی شدت میں کمی لائی جا سکتی ہے۔ اگر ملک میں مشینی کاشت رائج ہو جائے تو بلوچستان جیسے بڑے صوبے میں محنت کی کھپت بڑھ جائے گی۔ فاضل آبادی والے علاقوں سے محنت کی جمعیت اس علاقہ میں منتقل ہوگی۔ دوسری جانب یہ بھی ہوگا کہ جن علاقوں میں مستور بے روزگاری ہے وہاں زراعت کے ثانوی مشاغل مثلاً مرغبانی، باغات کی افزائش ، گلہ بانی، بھیڑیں پالنا، ریشم کی صنعت ، ڈیری فارمنگ وغیرہ شروع ہوں گے جس سے روزگار میں اضافہ ہوگا۔

(iii) منڈی کی مسابقت میں اضافہ

مشینی کاشت کی بدولت معاشرہ کے پیدائش دولت کے عمل میں تیزی واقع ہوتی ہے۔ وقت کی اہمیت اتنی ہی بڑھ جاتی ہے جتنی کہ سرمایہ کے کسی اور قسم کی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ پیداوار کی مقدار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس کی افادیت کو بھی بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ شے میں افادہ بڑھانے کے لئے زرعی شعبہ میں پراسسنگ، گریڈنگ اور سٹینڈرڈائزنگ کے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تضیع پذیر اشیا کو مشینوں سے گزار کر ایسا کر دیا جاتا ہے کہ وہ ڈبوں میں آسانی سی بند کر کے دور دراز کے علاقوں تک پہنچائی جا سکیں۔ اس طرح منڈی کی وسعت ہوتی ہے منڈی کی مسابقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جس معاشرہمیں زیادہ سے زیادہ مسابقت ہوتی ہے وہاں اشیاء کی قیمتیں کم ہوتی ہیں اور اشیاء کی کوالٹی بہتر ہوتی ہے۔ اشیاء کی اقسام میں جدت پیدا ہوتی ہے اور رسد کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔

(vi) جدت و اختراع

مکمل مسابقت کے تحت پیداوار کرنے والا آجر اپنی کامیابی کو مستحکم کرنے کے لئے ہر طرف ہاتھ پیر مارتا ہے۔ اسے جدت و اختراع سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اپنی اشیاء کی ایسی قسم دریافت کرتا ہے جو دوسروں کے پاس نہ ہوں۔ پھر ایڈورٹائزمنٹ اور پبلسٹی کے ذریعہ صارفین میں پبلسٹی کے ذریعہ صارفین میں ان اشیاء کی مقبولیت بڑھاتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ گاہک اس کے مال کی طرف رجوع کریں۔ اچھا آجر اس بات کا بھی خیال رکھتا ہے کہ

خریداروں کی قوت خرید بھی نہ گرنے پائے چنانچہ وہ اپنے صارفین کو قرض ، اقساط پر اشیاء کی فروخت اور بونس وغیرہ بھی دیتا ہے۔ ان تمام باتوں سے قوم کو جو فائدہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ میں نئی نئی اشیاء ایجاد ہوتی ہیں۔

(v) خود کفالت اور درآمدات میں کمی

جس ملک میں مشینی کاشت ہوتی ہے وہاں بیرون ملک کی درآمدات میں کمی واقع ہو جاتی ہے کیونکہ انسانی ضرورت کی اکثر و بیشتر اشیاء اندرون ملک بننا شروع ہوجاتی ہیں۔ مشینی کاشت سے قبل ملک کی برآمدات میں زرعی خام مال کا زیادہ حصہ ہوتا ہے، جو مشینی دور میں داخل ہونے کے بعد اندرون ملک کی صنعتوں میں استعمال ہونا شروع ہو جاتی ہیں لہٰذا اب ملکی برآمدات میں صرف (Finished goods) ہوتی ہیں۔ اس طرح ملک کو اپنے مال کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول ہوتی ہے۔

3.3 مشینی کاشت کے امکانات

ہمارے ملک میں مشینی کاشت کی ابتداء ہوچکی ہے۔ حکومت کی پیہم کوششوں کی بدولت اس وقت خاص مقدار میں آلات کاشت کاری کی درآمدات ہورہی ہیں۔ کسانوں کو فراخدلانہ قرضے دیئے جارہے ہیں تاکہ وہ ان آلات کو خرید سکیں۔ ملک میں ذرائع آب رسانی میں ٹیوب ویل کی تنصیبات میں تیزی سے اضافہ کیا جارہاہے اور کاشت کاروں کو اس پر معقول اعانہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کے تنصیب کرانے کی بھرپور مالی صلاحیت میں ہوں۔ زراعت کے ضمنی مشاغل کے لئے کاشت کاروں کو زرعی ترقیاتی بینک اور دیگر کاروباری بینکوں کو حکومت کی ہدایت ہے کہ وہ قرضے جاری کرنے میں تساہل سے کام نہ لیں۔ ملک میں کاشت کاری کے فاضل پرزہ جات بنانے والے چھوٹے اور نئے صنعتکاروں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ زرعی مصنوعات کو بیرون ملک میں متعارف کرانے کے لئے حکومتی سطح پر اقدامات کئے جاتے ہیں اور وہاں کی منڈیوں کا مطالعہ کرنے کے لئے مسلسل وفود بھیجے جاتے ہیں۔ ان باتوں سے اس بات کا فوری امکان ہے کہ ملک میں مشینی کاشت کامیابی سے ہمکنار ہو۔

3.4 پاکستان میں مشینی کاشت کے لوازمات

ٹریکٹرز کی بدولت جانوروں میں کمی

(i) ٹریکٹرز

ٹریکٹرز کے استعمال سے ہمارے کاشت کاروں پر ایک خوش گوار اثر یہ بھی پڑا کہ باربرداری کے جانوروں میں کمی آ گئی۔ ان کی نگہداشت کا فالتو بوجھ جو ہمارے کاشتکاروں پر تھا اس میں نمایاں کمی ہوئی۔

(ii) دیگر آلات کاشت کاری

ٹریکٹرز کے بعد دوسرے نمبر پر (Cultivator) کی تعداد بنتی ہے۔ یہ تمام آلات ہماری کاشتکاری میں بے حد ضروری ہیں۔مگر پاکستان کے زیر کاشت رقبہ اور کسانوں کی تعداد کے مقابلہ میں ابھی ان کی تعداد بہت کم ہے اور ان میں اضافہ کی کافی گنجائش موجود ہے۔

(iii) ٹیوب ویل

کاشت کاروں کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں ٹیوب ویل نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ ان سے ہماری زراعت کو مطلوبہ پانی فراہم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سیم اور تھور کی شدت میں کمی آتی ہے۔ ہماری حکومت اس بات کی کوشش میں ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے تا کہ ہماری زراعت کو درپیش گونا گوں مسائل سے نجات مل سکے۔

3.5 اہم نکات

(i) مشینی کاشت ترقی پذیر زراعت کے لئے بے حد اہم ہے۔
(ii) اس سے زرعی شعبہ کو ترقی اور توسیع نصیب ہوتی ہے۔
(iii) کاشت کاروں کی معاشی و معاشرتی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔
(iv) ملک کی برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی واقع ہوتی ہے۔
(v) تحقیق و تجربات کی بناء پر نئی چیزیں اور نئے نئے طریقہ ہائے پیدائش دریافت ہوئے ہیں۔
(vi) منڈی میں مسابقت بڑھتی ہے اور فی یونٹ اوسط لاگت میں کمی آتی ہے۔
(vii) بے روزگاری میں کمی آتی ہے اور روزگار کا پھیلاؤ ملک کے دور دراز علاقوں تک بڑھ جاتا ہے۔
(viii) ہماری حکومت ملک میں مشینی کاشت رائج کرنے میں بڑی مخلص ہے اور مکمل انہاک سے مصروف عمل ہے۔

3.6 خود آزمائی

1۔ ترقی پذیر معیشت کے لئے کیا ضروری ہے۔

مشینی کاشت	روایتی کاشت

2۔ مشینی کاشت کی بدولت بے روزگاری پر کیا اثر پڑتا ہے۔

پھیلتی ہے	کم ہوتی ہے

3۔ مشینی کاشت کے نتیجہ زرعی درآمدات پر کیا اثر پڑتا ہے۔

اضافہ	کمی

4۔ مشینی کاشت سے اوسط لاگت پر کیسا اثر پڑتا ہے۔

بڑھتی ہے	گھٹتی ہے

5۔ ٹریکٹر اور مشینی کاشت میں کیا رشتہ پایا جاتا ہے۔

لازم وملزوم	غیر لازم

6۔ پاکستان میں مشینی کاشت پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیجئے۔

7۔ مشینی کاشت پر روشنی ڈالنے کے لئے ٹیوب ویل اور ٹریکٹرز کی افادی حیثیت کی تشریح کیجئے اور بتایئے کہ ہماری زرعی معیشت پر ان کا کیا اثر ہوسکتا ہے۔

3.7 جوابات

1۔ مشینی کاشت 2۔ کم ہوتی ہے

3۔ کمی 4۔ گھٹتی ہے۔

5۔ لازم وملزوم

4۔غذائی خود کفالت

4.1 تعارف

پاکستان کی زندگی کے 62 سال گزر جانے کے بعد بھی ہم ابھی تک غذائی مسئلہ سے دوچار ہیں۔ پاکستان کے ابتدائی سالوں میں ہماری غذائی ضروریات ہمارے اپنے ہی ذرائع سے پوری ہوتی تھیں بلکہ ہمارا ملک گندم کی کچھ مقدار پڑوسی ملک بھارت کو بھی برآمد کرتا رہا۔مگر ہماری آبادی میں اس قدر تیزی سے اضافہ ہوا کہ ہمارے لئے غذائی مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ ایک طرف ہماری آبادی میں اس طرح اضافہ ہوا کہ اب تک ہماری آبادی دوگنے سے بھی زیادہ ہوچکی ہے۔مگر ہماری پیداوار میں اس تیزی سے اضافہ نہ ہونے کے سبب ہماری مشکلات بڑھتی گئیں۔ دوسری طرف ہمارے ملک میں سیم وتھور کی وجہ سے بھی زرعی زمین اس تیزی سے ناکارہ ہوتی گئیں کہ فی ایکڑ پیداوار نہ بڑھ سکی۔ ان تمام باتوں کے نتیجے میں ہم کروڑوں روپے کا غلہ دوسرے ممالک خاص طور پر امریکہ سے درآمد کرکے اپنی ضرورت پوری کرتے رہے۔ درآمدات کا اگر ایک اثر یہ ہے کہ اس سے زرمبادلہ کے ذخائر پر دباؤ پڑتا ہے تو دوسرا اثر یہ بھی ہے کہ ہمیں سخت سیاسی شرائط پر غلہ دستیاب ہوتا ہے۔ یہ دونوں باتیں کسی باعزت قوم کے لئے یقیناً ناقابل برداشت ہونی چاہئیں۔

4.2 غذائی خود کفالت کیسے ممکن ہے

(i) زیرِ کاشت رقبہ میں اضافہ

ہمارے زیرِ کاشت رقبہ میں تیزی سے اضافہ ہونا چاہئے۔ اس وقت ہم اپنے کل رقبہ کا بہ مشکل ایک چوتھائی حصہ کاشت کرتے ہیں۔ اور جتنا رقبہ کاشت کرتے ہیں تقریباً اس کے برابر ایسا رقبہ بھی ہے جو قابلِ کاشت تو ضرور ہے مگر محض ہماری غفلتوں کی بناء پر زیرِ کاشت نہیں لایا جاسکا۔ اس لئے اگر صرف اسی رقبہ کو شامل کرلیا جائے تو مزید زمین فراہم ہو جاتی ہے جو ہماری فوری ضرورت کو کسی حد تک پورا کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہماری قوم محنت کرے تو کثیر علاقہ سیم وتھور کے چنگل سے آزاد کراکر دوبارہ زیرِ کاشت لایا جاسکتا ہے اور اگر ہمیں مزید ضرورت ہو تو نئی زمینوں کو ہموار کرکے فصل اگائی جاسکتی ہے۔

(ii) بارانی علاقہ کی زمینوں کا بھرپور استعمال

بارانی علاقہ کی زمین کو زیادہ بہتر طریقہ سے استعمال میں اگر لایا جائے تو بھی پیداوار کے بڑھنے کا قوی

امکان ہے۔ پاکستان میں تقریباً تین چوتھائی علاقے ایسے ہیں جہاں کہ 10 انچ سے بھی کم بارش ہوتی ہے۔ یعنی ان علاقہ جات کی زراعت براہ راست بارش پر ہی انحصار کرتی ہی ایسے علاقے میں کاشت کو فروغ دینے کے لئے نئی ٹیکنالوجی دریافت کرنا چاہیئے تاکہ ان علاقوں میں پائے جانے والے معاشی ذرائع سے ہماری قوم مستفید ہو سکے۔

(iii) غذائی فصلوں کی کاشت پر زور

زیر کاشت زمینوں پر ان فصلوں کو زیادہ اگایا جائے جن سے ہماری غذائی ضرورت پوری ہوسکتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے خاص قسم کے بیج کی اقسام دریافت کرنا ضروری ہے جن کی فی ہیکٹر پیداوار زیادہ ہو اور جو بیماریوں اور کیڑے مکوڑوں کے حملوں سے بھی بچی رہیں۔

(iv) نظام خوراک میں ترتیب

ہمارے عوام اجناس پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اجناس میں بھی ان کی اہم غذا گندم ہے لہٰذا ملک میں گندم کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جاتا ہے اور اس کی زیادہ مقدار کھانے کے باوجود ہماری صحت اتنی اچھی نہیں رہتی جتنی کہ درحقیقت ہونا چاہیئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے عوام متوازی غذا کے راز سے واقف نہیں۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ اگر ہم اپنی خوراک میں توازن قائم کریں جس میں سبزی، گوشت، مچھلی، انڈا ور دودھ وغیرہ بھی شامل ہوں تو ہمارے کل اخراجات کی معقول حد میں رکھتے ہوئے ہمیں غذائی حیاتین کی بھاری سے بھاری مقدار مل سکتی ہے اور اس طرح ہمارے ملک کو جو غذائی مسئلہ درپیش ہے، اس سے کچھ نجات بھی ملے گی۔

(v) زرعی شعبہ میں غلہ کے ساتھ ساتھ دوسری غذائی فصلوں کو پیدا کرنا

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی قومی پالیسی بناتے وقت اس امر کا خیال رکھیں کہ زرعی شعبہ کے اخراجات اس طرح تقسیم ہوں کہ ان سے صرف فصلوں کی پیدا آوری پر ہی اثر نہ پڑے بلکہ پولٹری فارمنگ، لائیو سٹاک فارمنگ، وجیٹیبل فارمنگ، فروٹ فارمنگ،فش بریڈنگ اور ڈیری فارمنگ وغیرہ بھی اچھی طرح پھلیں اور پھولیں اس سے ہمارے عوام کو متوازن غذا حاصل کرنے میں کافی مدد ملے گی۔

4.3 غذائی خود کفالت کی جانب حکومت کے اقدامات

(i) گندم کی پیداوار پر زور

ہماری حکومت گندم کی پیداوار بڑھانے پر پوری توجہ دیئے ہوئے ہے اور درج ذیل اقدامات کر رہی ہے۔

(الف) حکومت کی (Price Support Policy) کے تحت گندم کی سرکاری قیمت خرید میں اضافہ۔
(ب) کھاد کی قیمت میں کمی
(ج) آبپاشی کی رسد میں مسلسل اضافہ
(د) آبیانہ کی معافی۔
(ر) اچھے قسم کے درآمدی بیج کا بھرپور استعمال۔
(س) اچھے اور بہتر موسمی حالات۔

(ii) کھاد کا استعمال اور فصلوں کا سائنسی ادل بدل

زمین کی زرخیزی اور اس کے دوسرے اہم لوازمات کو کھادوں کے مناسب استعمال اور فصلوں کی سائنسی طریقے سے ادل بدل کرکے برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

(iii) اعلیٰ قسم کے بیجوں کی فراہمی

ملک میں غزائی پیداوار کو بڑھانے کے لئے کسانوں کو اعلیٰ قسم کے زیادہ پیداوار دینے والے بیج مناسب قیمتوں پر فراہم کرنے چاہیئے۔

(iv) کیڑے مکوڑوں کے حملوں سے فصلوں کا بچاؤ

کیڑے مکوڑوں کے حملوں سے فصلوں کے بچاؤ کے لئے حکومت معالجاتی اور انسدادی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کررہی ہے۔

(v) زرعی مشینری کا پھیلاؤ

ٹریکٹرز اور بلڈوزر کی بھاری مقدار درآمد کرکے کسانوں میں تقسیم کرنے کے پروگرام پر ہماری حکومت عمل کررہی ہے۔ ٹریکٹر ملکی طور پر بھی اب تیار کئے جارہے ہیں۔

(vi) زرعی قرضہ

حکومت اس امر کو بھی تسلیم کرتی ہے کہ اگر کاشت کاروں کو صحیح مقدار میں اور صحیح وقت پر زرعی قرضہ جات ملتے رہیں تو زرعی پیداوار میں خاطرخواہ اضافہ ہوگا اور ہمارا ملک غذائی خود کفالت کی منزل کو پہنچنے میں آسانی محسوس

کرے گا۔ اگر حکومت کی طرف سے کاشت کاروں کے لیے قرضوں کا مناسب انتظام کردیا جائے تو ہماری معیشت پر لازماً بڑے اچھے نتائج مرتب ہوں گے اور ہمارا غذائی مسئلہ ضرور حل ہوگا۔ کاشتکاروں کی قرضوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے حکومت پاکستان زرعی ترقیاتی بینک اور فیڈرل بینک فار کوآپریٹوز کے ذریعے دیئے جانے والے قرضوں میں سال بہ سال اضافہ کررہی ہے۔

(Price Support Policy)(vii)

ہماری حکومت کسانوں کو دو طرح سے مدد دیتی ہے: اولاً جب وہ مداخل خریدتے ہیں تو حکومت ان کو منڈی کی قیمت سے کم قیمت پر مداخل فروخت کرتی ہے جبکہ یہی مداخل اس نے زیادہ قیمت پر خریدا ہوتا ہے، دوئم یہ کہ جو کسان اپنے اجناس منڈی میں فروخت کرنے آتا ہے تو اس وقت بھی حکومت ان اجناس کو زیادہ قیمت پر خرید کر ملک کے دیگر صارفین کو کم قیمت پر مہیا کرتی ہے۔ حکومت کا یہ اقدام صرف اس لئے ہے کہ ہمارے کسان کی ہمت بندھی رہے اور وہ زرعی پیداوار زیادہ سے زیادہ حاصل کرسکے تاکہ ہماری غذائی خودکفالت کا مسئلہ حل ہو اس وقت ہماری حکومت مختلف ریٹ پر مختلف اجناس کے لئے سبسڈی دے رہی ہے۔ جن میں گندم، دھان اور چاول، گنا، کپاس، مکئی، آلو، پیاز، دالیں اور تیل کے بیجوں پر سبسڈی جاری ہے۔

(viii) اینیمل ہسبنڈری (Animal Husbandry)

اینیمل ہسبنڈری کے میدان میں بھی ہماری حکومت مؤثر اقدامات کررہی ہے۔ چاروں صوبوں میں دودھ دینے والے جانوروں کی افزائش نسل پر پوری توجہ دی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ مرغبانی کی صنعت کی ہمت افزائی کی جارہی ہے۔

(Water shed Land Management Department)(ix)

پانی کا ذخیرہ کرنے کے لئے حکومت نے ایک Water shed Land Management Department قائم کیا ہوا ہے جو چھوٹے چھوٹے ڈیم اور تالاب بنانے کے لئے کام میں مصروف ہے۔ اس طرح جن علاقوں میں بارش کا پانی ضائع ہو جاتا ہے وہاں ان تالابوں کے ذریعہ پانی ذخیرہ کرکے ضرورت کے وقت فصلوں کو دیا جاسکتا ہے تاکہ پیداوار متاثر نہ ہو۔

یہ تمام اقدامات غذائی خودکفالت کی منزل کو حاصل کرنے میں مددگار و معاون ثابت ہورہے ہیں اور مستقبل میں خوشگوار اثرات کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔

4.4 اہم نکات

1۔ غذائی کفالت کا مسئلہ ہمارے لئے بڑا سنگین مسئلہ بن چکا ہے۔

2۔ اسے حل کرنے کے کئی طریقے ہیں۔

3۔ ہماری حکومت اس مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے توجہ دے رہی ہے اور متعدد اقدامات کے ذریعہ اس کوشش میں ہے کہ زرعی شعبہ کی پیداوار بڑھے تاکہ یہ مسئلہ حل ہو سکے۔

4.5 خود آزمائی

1۔ ہمارا غذائی مسئلہ کیا ہے؟

زرعی پیداوار میں کمی ہے	رقبہ زیر کاشت کم ہے	غذائی اجناس کی زیادہ ضرورت ہے	تمام باتیں ہیں

2۔ غذائی مسئلہ کیوں پیدا ہوا؟

آبادی میں اضافہ سے	پیداوار میں کمی کی وجہ سے	سیم وتھور کی وجہ سے	مداخل میں کمی کی وجہ سے	تمام وجوہات کی بناء پر

3۔ غذائی مسئلہ کو کیسے حل کیا جا سکتا ہے؟

پیداوار بڑھا کر	درآمدات غذائی سے	خوراک میں کمی کر کے

4۔ ہمارا غذائی مسئلہ قومی المیہ ہے۔

درست ہے	غلط ہے

5۔ غذائی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کیا ہمیں اپنی غذاؤں کا متوازی استعمال کرنا چاہئے؟

جی ہاں	جی نہیں

6۔ اگر ہم سبزی، گوشت، دودھ، دالیں وغیرہ کا متوازن استعمال کریں تو کیا ہمیں اپنی خوراک کے لئے گندم کی اتنی ہی شدت سے ضرورت رہے گی جتنی کہ آج ہے؟

جی ہاں	جی نہیں

7۔ ہمارا غذائی مسئلہ کیوں پیدا ہوا اور اس کا کیا حل آپ تجویز کرتے ہیں؟

8۔ غذائی مسئلے کے حل کے لیے حکومت کی طرف سے جو اقدامات ہو رہے ہیں ان کی ایک فہرست بنائیں اور بتائیں کہ ان اقدامات کا ہماری معیشت پر کیا اثر ہوگا؟

4.6 جوابات

1۔ تمام باتیں ہیں۔

2۔ تمام وجوہات کی بناء پر

3۔ پیداوار بڑھا کر

4۔ درست ہے۔

5۔ جی ہاں

6۔ جی نہیں

5۔ فرہنگ اصطلاحات

اردو	انگریزی	مطلب
1۔ انڈکس	(Index)	اشاری عدد فیصد کو جاننے کے لئے (جو کسی بنیادی سال کے مقابلہ میں ناپی جائے) یہ طریقہ شماریات والے استعمال کرتے ہیں۔
2۔ تعارفی کاشت	(Co-opreative Farming)	کسانوں کی رضا کارانہ تنظیم جو اپنے کھیتوں کو یکجا کر کے بڑے سائز میں مشینی کاشت کرتے ہیں۔
3۔ سبسڈی	(Subsidy)	اعانہ ...... کسان کو حکومت کی جانب سے فراہم کی جانے والی مالی مدد کی ایک قسم
4۔ قیمتوں کی مدد	(Price Support)	کسان کو تقویت دینے کے لئے مالی مدد دینے کا ایک انداز جو حکومت کی جانب سے کیا جاتا ہے۔
5۔ مالکین کاشتکار	(Owner Cultivator)	وہ کاشت کار جس کی اپنی زمین ہو اور وہ خود کاشت کررہا ہو۔

6۔ مالک مزارع (Owner Tenant)		ایسا کاشت کار جو اپنی زمین کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی زمین بھی مزارع میں کاشت کرتا ہے۔
7۔ہیکٹر	(Hectare)	رقبہ ناپنے کا پیمانہ جس میں ایک ہیکٹر= 4.271 ایکڑ

6۔کتابیات (Bibliography)

1۔ معاشیات پاکستان: از پروفیسر شیخ منظور علی

2۔ اکنامک ڈویلپمنٹ آف پاکستان: از ڈاکٹر ایس ایم اختر

3۔ پاکستان اکنامک سروے 08-2007ء

4۔ ایگریکلچرل سٹیٹسٹکس آف پاکستان

5۔ نظریاتی معاشیات (پاکستان کی معاشی ترقی) باب نمبر 4: از ڈاکٹر محمد حسین چوہدری

یونٹ 7

نظامِ اراضی اور اصلاحات

تحریر
خالد محمود ڈار

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد 243

1۔ پاکستان کا نظامِ اراضی 244

1.1 نظام اراضی کا مفہوم 244
1.2 تاریخی پس منظر 245
1.3 پاکستان میں نظامِ اراضی 245
1.4 ریاستی زمینداری نظام 245
1.5 رعیت واری نظام 246
1.6 نجی زمینداری نظام 246
1.7 خود کاشت کاری کا نظام 247
1.8 پاکستان میں نظامِ اراضی کے اثرات 248

2۔نظامِ اراضی کے مسائل 249

2.1 غیر حاضر زمینداری 249
2.2 کاشتکاروں کا استحصال 250
2.3 کاشتکاری کے لیے غیر معاشی اکائیاں 250
2.4 سماجی اور سیاسی برائیاں 252
2.5 اہم نکات 252
2.6 خود آزمائی (2-1) 253
2.7 جوابات 254

3۔ زرعی اصلاحات 255

3.1 زرعی اصلاحات کا مفہوم 255

3.2	مختلف پہلو	255
3.3	اصلاحات نافذ کرنے کے اسباب	257
3.4	زرعی اصلاحات کے اثرات	258
3.5	دوسرے ممالک میں زرعی اصلاحات	258
3.6	پاکستان میں زرعی اصلاحات	259
3.7	قیام پاکستان سے 1958ء تک	259
3.8	منصوبہ بندی بورڈ کی تجاویز	262
3.9	اہم نکات	262
3.10	خود آزمائی	263
3.11	جوابات	264

4۔ زرعی اصلاحات **265**

4.1	1958ء کی زرعی اصلاحات	265
4.2	اصلاحات کی آخری شکل	266
4.3	کاشتکار کے حقوق کا تحفظ	267
4.4	معاشی اور گزر اوقات کے قطعات	267
4.5	1959ء کی اصلاحات کا جائزہ	269
4.6	1972ء کی اصلاحات	269
4.7	اصلاحات پر عملدر آمد کی حد	271
4.8	اصلاحات سے متوقع نتائج	272
4.9	1959ء اور 1972ء کی اصلاحات کا موازنہ	272
4.10	اہم نکات	274
4.11	خود آزمائی	276
4.12	جوابات	277

5۔ زرعی قرضے کے بارے میں اصلاحات		278
5.1	زرعی قرضوں کی اہمیت	278
5.2	دیہی قرضوں کے اہم ذرائع	278
5.3	اداری قرضے	279
5.4	تعاونی اداروں کی طرف سے قرضے	279
5.5	تجارتی بینک اور زرعی قرضہ	280
5.6	اسٹیٹ بینک آف پاکستان اور زرعی ترقیاتی بینک	281
5.7	اہم نکات	282
5.8	خود آزمائی	283
5.9	جوابات	284
6۔	فرہنگ	285
7۔	کتابیات	286

یونٹ کے مقاصد

اُمید ہے اس یونٹ کو پڑھنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ :

(i) کسی معیشت میں نظامِ اراضی کے مقام کا تعین کرسکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ پاکستان میں اس نظام کی کیا نوعیت ہے۔

(ii) ان مسائل سے واقف ہوسکیں جن سے پاکستان کا نظامِ اراضی دوچار ہے۔

(iii) یہ جان سکیں کہ کسی ملک میں زرعی اصلاحات کی کیوں ضرورت پیش آتی ہے۔

(iv) زرعی اصلاحات کا موازنہ کرسکیں۔

(v) زرعی قرضوں کے بارے میں حکومت کی طرف سے اُٹھائے گئے اقدامات سے آگاہ ہوسکیں۔

1۔نظام اراضی

1.1 نظام اراضی کا مفہوم

نظام اراضی سے مراد ایسے قوانین اور مروجہ روایات ہیں جو کہ زمین کی ملکیت اور اس کے استعمال کے بارے میں کاشت کار، حکومت اور دیگر متعلقہ افراد کے حقوق کو متعین کرتے ہیں۔ اس نظام سے مندرجہ ذیل باتوں کے بارے میں آ گاہی ہوتی ہے

(1) زمین کا مالک کون ہے؟ اور زمین کی ملکیت کی نوعیت کیا ہے یعنی وہ خود کاشت کرتا ہے یا دوسروں (مزارعوں) سے کاشت کرواتا ہے۔

(2) اگر کاشت مزارعوں سے کرواتا ہے تو اس سلسلے میں کیا شرائط طے پائی ہیں یعنی زرعی پیداوار میں کاشت کار کا کیا حصہ ہے

(3) کیا مزارعوں کو زمین کاشت کرنے کے مستقل حقوق حاصل ہیں یا وہ زمیندار کی مرضی پر کسی وقت بھی بے دخل کئے جا سکتے ہیں

(4) زمین کی ملکیت کے سلسلے میں حکومت کے کیا حقوق ہیں اسی طرح زمین کی پیداوار میں حکومت کا کیا حصہ ہے یعنی اس زمین سے حکومت کتنا مالیہ وصول کرتی ہے

مندرجہ بالا باتوں سے نظام اراضی کی اہمیت کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے یہ نظام کاشتکاری اور مالیکت کی اکائی کا حجم متعین کرتا ہے دوسرے الفاظ میں یہ اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کاشتکاری کیلئے کونسا طریقہ استعمال کیا جائے گا اس سے اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ کاشتکار کو زمین کی پیداوار سے کتنا حصہ ملے گا دوسرے الفاظ میں کاشتکار اپنے کام میں کس قدر دلچسپی لیتا ہے اس کا دارو مدار بھی اراضی کے نظام پر ہے لہذا نظام آراضی نہ صرف زمین کی پیداوار پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ اس کا اس بات پر بھی گہرا اثر ہے کہ آیا زمین کی پیداوار مساوی طور پر متعلقہ فریق میں تقسیم کی جاتی ہے یا نہیں

مرید براں نظام اراضی زمین کو کاشت کرانے والوں اور مالکوں کے سماجی اور سیاسی رتبے کا تعین کرتا ہے ان تمام درج بالا باتوں سے یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر نظام اراضی کسی ملک میں خراب ہے تو یہ اس ملک کی معاشی اور سماجی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہو گا۔اسی طرح اگر نظام اراضی ایسا ہو جس کے تحت زمین کی بہت بڑی مقدار چند بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کے حوالے کر دی جائے تو اس سے

ایک عیش پسند اور تن آسان طبقہ پیدا ہو جائے گا جو اپنے مزاعوں پر حقیقی معنوں میں حکومت کرتا ہو گا اس طرح سے یہ زمیندار نہ صرف معاشی بلکہ لوگوں کا سیاسی استعمال بھی کرتے ہیں۔

1.2 تاریخی پس منظر

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے بعد جو علاقے پاکستان کے حصے میں آئے ان میں نظام اراضی جو تھا وہ ہمیں انگریزوں سے ورثہ میں ملا اس کے تحت ان علاقوں میں زمینداری نظام تھا پنجاب اور صوبہ سرحد میں زمینداری نظام کے وجود میں آنے کی دو وجوہات تھیں (i) پہلی وجہ یہ تھی کہ غیر یقینی سیاسی حالات کی بنا پر بڑے بڑے اسٹیٹ کے مالکان نے مالکانہ حقوق حاصل کر لئے تھے(ii) دوسری وجہ جس کی بناء پر بڑی بڑی زمینداریاں وجود میں آئیں وہ یہ تھیں کہ انگریزوں نے اپنے وفادار لوگوں کو خوش کرنے کیلئے ان کو بڑی بڑی جاگیرداریاں عطا کر دیں اس طرح سے ان علاقوں میں بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار وجود میں آئے جو کہ عرصہ دراز سے غریب کاشتکاروں کا استعمال کرتے آ رہے ہیں صوبہ سندھ میں جو کہ پاکستان بننے سے پہلے صوبہ بمبئی کا ایک حصہ تھا رعیت داری نظام اس علاقے کے علاقے کے حالات کی مناسبت سے کام کرتا رہا اس نظام کے تحت وہ کاشتکار جن کا زمین پر قبضہ تھا کاشت کرتے رہے زمین کی ملکیت قانونی حیثیت رکھی تھی کیونکہ زمین کا رقبہ خاصا وسیع تھا اس طرح سے در حقیقت زمین کی مالک حکومت تھی اگر کبھی زمین کی ملکیت کسی شخص کو عطا بھی کی جاتی تو اس کا مالیہ دینا اس کاشتکار کا فرض بن جاتا تھا بعد میں جب سندھ میں پنجاب اور صوبہ سرحد کی طرح نہری نظام وجود میں آیا تو زمینوں کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور اس طرح سے صوبہ سندھ میں بھی بالکل وہی حالات پیدا ہوئے جو کہ پنجاب اور صوبہ سرحد میں تھے یعنی کہ بڑی بڑی زمینداریاں وجود میں آ گئیں اس طرح زمین پر جو بھی قابض تھے وہ ہر لحاظ سے زمین کے مالک بن گئے

1.3 پاکستان میں نظام اراضی

اس طرح گزشتہ کئی برسوں کے دوران پاکستان کا نظام اراضی مختلف سیاسی تغیرات اور معاشی عوامل کے زیر اثر کئی مراحل طے کرتا ہوا موجودہ حالات کو پہنچا ہے ملک کے مختلف علاقوں میں اس نظام کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں اس صورتوں کو درج ذیل سطروں میں بیان کیا جاتا ہے

1.4 ریاستی زمین داری نظام

اس نظام کے تحت حکومت زمین کی خود مالک ہوتی ہے اور زمین کو کاشت کرنے کیلئے مزارعین کو بٹہ پر

دے دیتی ہے مزارعین اگر زمینوں کے مالک بننا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان تمام شرائط کو پورا کر رہے ہوں جو کہ حکومت کی طرف سے عائد کی گئی ہوں اس قسم کا نظام بالعموم ان علاقوں میں راج ہے جو غیر آباد ہیں اور بنجر ہیں وہ تمام علاقے جو حکومت کے بنائے ہوئے ڈیم اور براجوں (Barrages) کے ذریعے کاشت کئے جاتے ہیں ان میں یہ نظام رائج ہے ان میں قابل ذکر علاقے گدو بیراج اور جناح بیراج کے تحت والے علاقے ہیں

1.5 رعیت داری نظام

اس نظام کے تحت زمین کی مالک خود حکومت ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے کاشتکار جنہیں رعبت کہا جاتا ہے زمین پر مزارع کی حیثیت سے کام کرتے ہیں یہ نظام ریاستی زمینداری اور نجی زمینداری کے بین بین سمجھا جاتا ہے اس نظام کے تحت کاشتکار کو ایک فائدہ ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ سمجھتا ہے کہ زمین کی کاشت اب منافع بخش نہیں رہی وہ زمین پر کام کرنا ترک کر سکتا ہے حکومت اس سے کوئی مالیہ وصول نہیں کرتی اس کے علاوہ اگر کاشتکار چاہے تو زمین پر کاشتکاری کے حقوق اپنی اولاد کو بھی منتقل کر سکتا ہے گاؤں کی چراگاہیں عوام کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ ان کی مالک درحقیقت حکومت ہوتی ہے ایسی چراگاہوں میں عوام کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو لے جاسکیں اور چراسکیں یہ نظام زیادہ تر صوبہ سندھ میں پایا جاتا ہے

1.6 نجی زمینداری نظام

اس نظام کے تحت بڑے بڑے زمیندار زمینوں کے مالک ہوتے ہیں وہ خود زمینوں کو کاشت نہیں کرتے ہیں بلکہ زمین کو مزارع یا مزدوروں سے کاشت کرواتے ہیں یہ مزارع زمین پر قابض کاشتکار ہوسکتا ہے یا ایسا مزدور ہوسکتا ہے جسے عارضی بنیاد پر کام پر لگایا گیا ہو اس قسم کے مزارع کا کافی عرصہ استعمال ہوتا رہا لیکن اب کسی حد تک ان کے حقوق کا بل (Tenancy Act) کے ذریعے تحفظ دیا گیا ہے یہ نظام زیادہ تر صوبہ پنجاب اور صوبہ سرحد میں رائج ہے اگرچہ 1959ء اور 1972ء کی زرعی اصلاحات کے تحت ان کا کافی زور توڑ دیا گیا ہے لیکن یہ بات اب بھی ہمارے زرعی ماحول میں خاصا گہرا اثر و رسوخ ڈالتا ہے جب سے یہ زمینداری نظام اس علاقے میں رائج ہے اس وقت یہ زمیندار زمینوں کے اصل مالک نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت محض مالیہ اکٹھا کرنے والوں کی تھی لیکن انگریز حکومت کی نظر عنایت اور کچھ غیر یقینی سیاسی حالات کی بنا پر زمینوں کے مالک بن بیٹھے اس نظام کی بہت سی برائیاں ہیں جو درج ذیل ہیں

(i) اس نظام کے تحت دو طبقے پیدا ہو گئے اولاً وہ جو کہ زمینوں کے مالک تھے اور بے پناہ دولت کے مالک بن بیٹھے دوئم وہ جو کہ زمین کاشت کرتے تھے یعنی مزارح جن کے حقوق کا کسی کو بھی

خیال نہیں آتا اور ہمیشہ استحصال کا شکار رہے۔

(ii) زمیندار کیونکہ صرف وصولیوں میں دلچسپی لیتا تھا اور زمین پر کسی قسم کی سرمایہ کاری نہیں کرتا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین کی کوئی اصلاح ہونے کی بجائے زمین کی حالت ابتر ہوتی گئی۔

(iii) کاشت کار میں کام کرنے کا جذبہ سرد پڑتا گیا کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ زمیندار بغیر پیسے لگائے اور بغیر محنت کے پیداوار کا بڑا حصہ سمیٹ کر لے جاتا تھا۔

1.7 خود کاشت کاری کا نظام

اس نظام میں زمین کی کاشت کرنے والا ہی زمین کا مالک ہوتا ہے اس قسم کے زمین کے مالک اور بڑے زمیندار (خصوصی طور پر غیر حاضر زمیندار(Absentee Land Lord) میں فرق صرف اس بات کا ہے کہ اول الذکر کے پاس زمین کا رقبہ مقابلتًا چھوٹا ہوتا ہے اس قسم کے نظام اراضی میں کسان کے پاس زمین کا رقبہ تھوڑا ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر اوقات بکھرا ہوا ہوتا ہے زمین کا تھوڑا رقبہ ان کی تحویل میں ہونے کی وجہ سے خود کاشتکار دوسرے زمینداروں سے کچھ زمین کاشت کیلئے حاصل کرتا ہے اور زمیندار کو اس کا لگان ادا کرتا ہے اس طرح سے خود کاشتکار اپنی آمدنی میں اضافہ کرتا ہے یہ نظام پنجاب اور صوبہ سرحد میں پایا جاتا ہے۔

اس قسم کے نظام کے کچھ فائدے اور ساتھ نقصانات بھی ہوتے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں

فائدے

(1) اس نظام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کاشتکار پوری دلجمعی کے ساتھ کام کرتا ہے اور پیداوار کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہی زمین کا مالک ہے اور کوئی بھی اس کی محنت میں شریک ہونیوالا نہیں اس طرح سے دیکھنے میں آیا ہے کہ ویران اور بنجر علاقے بھی لہلہاتے کھیتوں میں بدل دیئے گئے ہیں۔

(2) اس نظام کے تحت کاشتکار چونکہ خود بھی زمین کا مالک ہوتا ہے اس لئے اس میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور وہ اس طرح سے اچھا اور ذمہ دار شہری ثابت ہوتا ہے معاشی طور پر آزاد ہونے کی وجہ سے وہ کبھی بھی کسی کو موقع نہیں دیتا کہ وہ اس کا استحصال کرے۔

نقصانات

اس نظام کے تحت کیونکہ کاشتکار چھوٹے چھوٹے قطعات کے مالک ہوتے ہیں اور وسائل یا ذرائع کے معاملے میں کمی کا شکار ہوتے ہیں اس لئے وہ از خود زمین کی اصلاح اور بہتری کیلیئے اقدامات نہیں اٹھا سکتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا معیار زندگی تیزی سے بلند نہیں ہو پاتا۔

1.8 پاکستان میں نظام اراضی کے برے اثرات

پاکستان کا نظام اراضی جو اسے تقسیم کے وقت ورثہ میں ملا اور جو کہ ابھی تک ہمارے ملک میں پاؤں جمائے ہوئے ہے بہت ہی ناقص اور برائیوں سے اٹا پڑا ہے زمین کی تقسیم، زمین کی ملکیت اور اس کے صحیح استعمال کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس سے برا نظام کہیں بھی نہیں دکھائی دے گا زمین کا بڑا رقبہ بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی ملکیت میں ہے زمینوں پر کام کرنے والے غریب کاشتکار اور مزارع ہیں جو کہ مستقل طور پر زمینداروں کے ہاتھوں استحصال کا شکار چلے آ رہے ہیں ان کیلیئے کوئی بھی امید کی کرن نہیں دکھائی دے رہی زمین کی اس ناقص تقسیم کے باعث بہت سی سماجی معاشرتی اور معاشی برائیاں عود کر آئی ہیں جن کی وجہ سے ہماری معیشت کے اہم شعبہ یعنی زراعت کی ترقی اس رفتار سے نہیں ہو سکی جس کی ہمیں توقع تھی۔

2۔ نظام اراضی کے مسائل

پاکستان کے ناقص نظام اراضی کی بنا پر تین بنیادی نوعیت کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں

(ا) غیر حاضر زمینداری (Absentee Landlordism)

(ب) کاشتکاروں کا انتہائی درجہ کا استحصال (Tenants Exploitation)

(ج) کاشتکاری کے لئے غیر معاشی اکائیاں (Uneconomic Farming Unit)

2.1 غیر حاضری زمینداری Absentee Landlordism

غیر حاضر زمینداری کی برائی اس لئے پیدا ہوئی کہ زمین کا بڑا رقبہ چند بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ چڑھ گیا اس طرح سے زمین کا چند ہاتھوں میں ارتکاز ہو گیا۔ زرعی اصلاحات سے قبل پنجاب میں کل قابل کاشت زمین کا پانچواں حصہ آدھ فیصد زمینداروں کی ملکیت میں تھا اس طرح سندھ میں زمین کے مالکان کا 3 فیصد حصہ تقریباً 50 فیصد قابل کاشت رقبہ کا مالک تھا ان اعداد وشمار سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ زمین کی تقسیم کس قدر غیر منصفانہ تھی زمین کی اس طرح سے تقسیم کی وجہ سے زمین کے رقبہ کا بڑا حصہ مزارعین کاشت کرتے تھے صرف پنجاب میں کل رقبہ کا کل رقبہ کا 56 فیصد حصہ ایسے مزارع کاشت کرتے تھے جوہ کہ زمیندار کے رحم وکرم پر ہوتے تھے اس طرح صوبہ سرحد میں قابل کاشت زمین کا 50 فیصد کاشتکاروں کے ذریعہ کاشت ہوتا تھا

مثال اس سلسلے میں یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ نہ ہی بڑی زمینداری اور نہ ہی مزارعین کے ذریعہ زمین کی کاشت بری چیز ہے یہ بات درست ہوسکتی ہے بشرطیکہ زمیندار اور مزارع کے درمیان خوشگوار اور بھائی چارہ کا جذبہ موجود ہو اس قسم کے تعلقات انگلینڈ اور یورپ کے دوسرے ممالک میں پائے جاتے ہیں اس لئے ان ممالک میں مزروعہ کاشتکاری (Tenancy Farming) کا سلسلہ کامیاب رہا

پاکستان میں صورتحال

یہاں حالات بالکل برعکس ہیں یہاں پر زمیندار نہ تو سرمایہ فراہم کرتا ہے اور نہ ہی آجرانہ اہلیت کا استعمال کرتا ہے اسی پر اکتفا نہیں بلکہ زمین کی پیداوار بڑھانے کیلئے کسی قسم کی امداد نہیں دیتا ہمارے ملک میں زمیندار جس بات میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے وہ زمین کی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ حصہ ہے اصلاحات سے پہلے زمیندار کا لگان زمین کی پیداوار کا 50 فیصد حصہ ہوتی تھا پاکستان کا زمیندار ہر چیز میں دلچسپی لیتا تھا یعنی سیاسی چالبازوں اور مقامی

سازشوں میں لیکن دلچسپی نہ لیتا تھا تو اپنی زمین میں اس عدم دلچسپی کا نتیجہ یہ نکلا کہ کاشتکاروں اور مزارعین کی طرف سے پیداوار بڑھانے کا جذبہ سرد ہوتا گیا زمیندار مزارع کے پاس اس قدر رقم چھوڑتے ہی نہ تھے کہ وہ کاشتکاری کے سلسلے میں جدید اور سائنٹیفک طریقے اختیار کرسکیں

2.2 کاشتکاروں کا استحصال Exploitation of the Tenants

غیر حاضر زمینداری اور اس سے متعلقہ برائیوں نے یہ ممکن کر دیا تھا کہ زمیندار کاشتکاروں کا استحصال کریں اس کے ساتھ ساتھ ملک میں آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی آبادی میں تیزی سے اضافہ کی بنا پر مزارح کی قوت سودا بازی دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی ان علاقوں میں جہاں آبادی کا دباؤ کم تھا مثلاً سندھ میں وہاں پر بھی مزارع اپنے حقوق نہیں حاصل کرسکتا تھا کیونکہ وہ ان پڑھ اور جاہل تھا اور دوسری جگہ ملازمت کے مواقع بھی کم تھے اس کے برعکس زمیندار مالدار ہوتا تھا معاشرہ میں مقام رکھتا تھا سیاست میں اس کا اثر و رسوخ بہت گہرا تھا ان حالات کے بناء پر مزارع یا کاشتکار زمیندار کے زیر عتاب رہا

استحصال کی صورتیں

کاشتکار کا استحصال مختلف صورتوں میں کیا گیا اور اس استحصال کی شدت جگہ بہ جگہ مختلف تھی کاشتکاروں سے زمین کی پیداوار کی مالیت کا آدھا حصہ بطور لگان وصول کر لیا جاتا تھا اس کے علاوہ غیر قانونی وصولیاں اور مختلف قسم کے ٹیکس وصول کئے جاتے تھے نہ صرف اس پر اکتفا کیا گیا بلکہ مزارع سے اور اس کے خاندان کے افراد سے مختلف قسم کی خدمات لی جاتی تھیں اوراس کے بدلے میں ان کو بالکل معاوضہ نہ دیا جاتا وہ رقوم جو کہ غیر قانونی طور پر وصول کی جاتی تھیں ان کے نام یہ تھے ۔ بیگار، خرچہ، منشیانہ، کمیانہ اور کرایہ وغیرہ

اس قسم کے حالات میں جو کاشتکار کو حد سے زیادہ بد دل کر دیتے تھے کاشتکار کیلئے کوئی محرک نہ تھا جو کہ اسے زمین کی اصلاح اور ترقی کی طرح لے جا سکے

غیر حاضر زمینداری نظام کے دوسرے برے اثرات کے علاوہ ایک مزید قابل ذکر برا اثر زمین کی پیداواری قوت پر بڑا ہے اس نظام نے وہ تمام ترا غیب کو ختم کر دیا جس کی وجہ سے کاشتکار اپنی زمین پر سرمایہ کاری کرنے کیلئے تیار ہوسکتا تھا اور باقاعدہ زمین پر کام کرتا

2.3 کاشتکاری کیلئے غیر معاشی اکائیاں (Uneconomic Holdings)

زرعی اصلاحات سے پہلے کاشتکار یا مزارع اور اسی طرح خود کاشتکار کے پاس جو زمین کے ٹکڑے ہوتے تھے وہ اتنے بڑے نہیں تھے کہ وہ ان سے صحیح طور پر گزراوقات کرسکیں ان قطعات کے غیر معاشی ہونے کی سب

سے بڑی وجہ بار بار اور باقاعدگی ہے ایک کاشت شدہ رقبہ کی ٹکڑوں میں تقسیم در تقسیم (Fragmentation of Holding) ہے لہٰذا ایک قابل کاشت ٹکڑے کے چھوٹے ہونے کی وجہ اولاً یہ ہے کہ بڑا زمیندار کاشتکار کو چھوڑے چھوٹے ٹکڑوں میں اس کو الاٹ کرتا ہے دوئم خود کاشتکار کی ملکیت میں چھوٹا ٹکڑا تھا دونوں صورتیں زمین پر آبادی کے دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جہاں تک اس برائی کا تعلق ہے وہ کسی قسم کی زرعی اصلاحات سے ختم نہیں کی جا سکتی اس کیلئے ضروری ہے کہ یا تو آبادی پر کنٹرول کیا جائے یا فالتو دیہاتی آبادی کو نعتوں میں کھپانے کی کوشش کی جائے زرعی اصلاحات صرف موجودہ حالت کو سدھارنے کیلئے تجویز کی جا سکتی ہیں ایک اور وجہ جس کی بنا پر زمین ٹکڑوں در ٹکڑوں میں بٹ رہی ہے وہ ہمارے قوانین وراثت ہیں جن کو بدلا نہیں جا سکتا۔

انتشار اراضی

کاشتکاری کی اکائیوں کے غیر معاشی ہونے کی بڑی وجہ زمین کا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونا نہیں ہے بلکہ اصل وجہ زمین کا انتشار ہے ہمارے کاشتکار کی زمین بے شک چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہے اگر وہ ٹکڑے ایک ہی علاقے میں محدود ہوں تو اس سے خاص فرق نہیں پڑا کاشتکار ایسے حالات میں زمین اور اپنے وسائل کا بہتر استعمال کر سکتا ہے مسئلہ در اصل یہ ہ کہ اس کی زمین مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی اگر ایک زمین کا ٹکڑا راولپنڈی کے ضلع میں ہے تو دوسرا ٹکڑا ضلع ساہیوال میں ہوگا۔

اکثر و بیشتر کسان کی زمین ایک ہی گاؤں یا علاقے میں پھیلی ہوتی ہے لیکن اسے کاشتکاری کیلئے میلوں فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے بجائے اس کے کہ اس کی زمین فرلانگ کے رقبہ میں پھیلی ہو۔

لہٰذا اس طرح زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ جانے کے بعد معاشی قطعات کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور وہ زمین جو کہ انتشار کا شکار ہے وہ مزید غیر معاشی ہو جاتی ہے ایسی صورتحال میں کسان کے آلات کا صحیح استعمال نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ سائنسی بنیاد پر کاشتکاری کرنا ناممکن ہو جاتا ہے ٹیوب ویل وغیرہ نہیں کھودے جا سکے بہتر اور قیمتی فصلیں زمین سے حاصل نہیں جا سکتیں اس طرح زمین کو محفوظ کرنے کیلئے زیادہ اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں وقت کا ضیاع ہوتا ہے

زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ جانے اور زمین کے انتشار کی وجہ سے زمین کے بڑے بڑے کھیت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں نہ صرف یہ چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں بلکہ یہ ٹکڑے مختلف مقامات پر پھیل گئے ہیں اس وجہ سے کاشتکاری کیلئے جدید آلات سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا

ان تمام وجوہات کی بنیاد پر زمین کی فی اکائی پیداوار گئی ہے

2.4 سماجی اور سیاسی برائیاں:

ان میں بنیادی مسائل کے علاوہ پاکستان کے نظام اراضی کی بدولت بہت سی سماجی اور سیاسی برائیاں جنم لے چکی ہیں زمین ہمارے دیہات میں نہ صرف روزی کمانے کا ذریعہ ہے بلکہ جس شخص کے پاس زمین ہے اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کے برعکس شخص جو زمین نہیں رکھتا اس کا وقار سوسائٹی میں نہیں ہوتا لہٰذا جن لوگوں کو زمانے کے حادثات نے زمین سے محروم کر دیا ہے وہ معاشرے میں تیسرے درجے کے شہری بن گئے ہیں ان لوگوں کو کمزور اور محتاج اور کمین وغیرہ تصور کیا جاتا ہے

علاوہ ازیں ناقص زرعی نظام کی بدولت بہت سی سیاسی برائیاں بھی جنم لے چکی ہیں مزارعوں کی ایک بڑی تعداد خصوصی طور پر (Tenants at with) بڑے بڑے زمینداروں کے پاس غلام بن کر رہ گیا ہیں وہ ہر وقت زمینداروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں زمیندار جب تک خوش ہے اس وقت تک وہ زمین کی کاشت کرتے رہتے ہیں زمیندار اپنی دولت کے بل بوتے پر ملکی سیاست پر بھی چھا گئے ہیں۔

2.5 اہم نکات

1۔ نظام اراضی سے مراد ایسے قوانین اور مروجہ روایات ہیں جو کہ زمین کی ملکیت اور ان کے استعمال کے بارے میں کاشت کار حکومت اور دیگر متعلقہ افراد کے حقوق کو متعین کرتے ہیں۔

2۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کی ملکیت کس کے ہاتھ میں ہے اسے کون کاشت کرتا ہے اور زمین کے مالک اور کاشتکار کے حکومت کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہے

3۔ نظام اراضی زمین کے کاشت کرنے والوں اور مالکوں کے سماجی رتبوں کا تعین کرتا ہے۔

4۔ پاکستان میں جو نظام اراضی رائج تھا وہ اس کو انگریزوں سے ورثے میں ملا تھا انگریزوں نے اس نظام کو اپنے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈھالا تھا انہوں نے اس نظام کو اس طرح سے ترتیب دیا تھا کہ ایک طرف تو انہیں زمین کی پیداوار کا کچھ حصہ ملتا رہے اور دوسری طرف ایک ایسا طبقہ وجود میں لایا جائے جو کہ ان کی آڑے وقت میں مدد کر سکے پاکستان بنتے وقت جو زمینداریاں اور جاگیریں قائم تھیں وہ ان کے اصولوں کی اچھی عکاسی کرتی تھیں ۔

5۔ پاکستان کا نظام اراضی یکدم وجود میں نہیں آیا تھا بلکہ تقسیم برصغیر پاک و ہند سے پہلے یعنی گزشتہ کئی برسوں میں مختلف سیاسی تغیرات اور سماجی اور معاشرتی عوام کے زیر اثر کئی مراحل طے کرتا ہوا اپنی اس حالت میں پہنچا تھا

6۔ پاکستان بنتے وقت ہمارے نظام اراضی کی مختلف صورتیں مختلف علاقوں میں پائی جاتی تھیں

7۔ ان صورتوں میں ریاستی زمینداری، رعیت داری نظام، نجی زمینداری نظام اور خود کاشت کاری نظام شامل ہیں

8۔ ریاستی زمینداری نظام میں زمینوں کی مالک ریاست ہوتی ہے اور اس پر حکومت کی طرف سے مقررہ مزارعین کاشت کرتے ہیں

9۔ رعیت واری نظام میں بھی حکومت زمینوں کی مالک ہوتی ہے اور زمین چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں مزارعوں کے حوالے کی جاتی ہے یہ نظام زیادہ تر سندھ میں رائج تھا

10۔ نجی زمینداری نظام میں زمین بڑے بڑے ٹکڑوں میں زمینداروں کی ملکیت میں ہوتی ہیں اور یہ زمیندار کاشتکاروں کو زمین کاشت کرنے کیلئے دیتے ہیں اس کے عوض وہ کاشتکاروں سے لگان وصول کرتے ہیں جو کہ کم از کم پیداوار کا 50 فیصد ہوتا ہے۔

11۔ خود کاشت کاری کے نظام میں زمین کا مالک ہی زمین کو خود کاشت کرتا تھا یہ نظام زیادہ تر صوبہ پنجاب اور سرحد میں رائج تھا اب اس کا اثر صوبہ سندھ میں پھیل چکا تھا

12۔ پاکستان کا نظام اراضی نقائص سے بھر پور ہے اس ناقص نظام نے بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے ان مسائل میں قابل ذکر تین بنیادی نوعیت کے مسائل ہیں

(i) غیر حاضری زمینداری

(ii) کاشتکاروں کا استحصال

(iii) کاشتکاری کیلئے غیر معاشی اکائیاں

13۔ ان تین بنیادی مسائل کے علاوہ اس نظام کی بدولت بہت سی سماجی، سیاسی اور معاشی برائیاں جنم لے چکی تھیں جن کی وجہ سے ہماری زرعی پیداوار پر بہت برا اثر پڑ رہا تھا کاشتکار پیداوار بڑھانے کی خواہش نہ رکھتا تھا جبکہ زمیندار زمین کی ترقی و اصلاح کی طرف دھیان نہ دیتا تھا نتیجہ زرعی پیداواری قوت میں کمی تھا سونے پر سہاگہ یہ تھا کہ آبادی کی بڑھتی ہوئی رفتار ہمارے نظام اراضی کی برائیاں نمایاں کر رہی تھیں

2.6 خود آزمائی (1-2)

1۔ کیا نظام اراضی سے مراد ایسے قوانین اور مروجہ روایات ہیں جو کہ زمین کی ملکیت کے اور اس کے استعمال کے بارے میں صرت حکومت کے حقوق کا تعین کرتے ہیں۔

ہاں	نہیں

2۔ کیا نظام اراضی سے مراد ایسے قوانین اور مروجہ روایات ہیں جو کہ زمین کی ملکیت کے اور اس کے استعمال کے بارے میں صرف کاشتکار کے حقوق کا تعین کرتے ہیں۔

ہاں	نہیں

3۔ کیا نظام اراضی سے مراد ایسے قوانین اور مروجہ روایات ہیں جو کہ زمین کی ملکیت اور اس کے استعمال کے بارے میں کاشتکار، حکومت اور متعلقہ افراد کے حقوق متعین کرتے ہیں۔

ہاں	نہیں

4۔ ریاستی زمینداری نظام اور رعیت داری نظام میں

حکومت زمین کی مالک ہے یا	افراد

5۔ خود کاشت کاری نظام میں زمین کی کاشت زمیندار کرتا ہے یا مزارع؟

زمیندار	مزارع

6۔ غیر حاضر زمینداری نظام میں مزارع کا استحصال ہوتا ہے۔

ہاں	نہیں

7۔ مسلم لیگ کی قائم شدہ کمیٹی نے جو اصلاحات تجویز کی تھیں ان پر عمل ہوا۔

ہاں	نہیں

8۔ ماضی میں ہمارے زمینداروں کا سیاست پر گہرا اثر تھا۔

ہاں	نہیں

8۔ نظام اراضی سے کیا مراد ہے؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟

9۔ تقسیم کے وقت پاکستان کے نظام اراضی کی کیا صورت تھی؟

10۔ پاکستان کو جو نظام اراضی ورثہ میں ملا تھا اس کی کیا خوبیاں تھیں تفصیل سے بیان کریں۔

11۔ پاکستان میں غیر حاضر زمینداری نظام (Absentee Landlords) پر تفصیل سے نوٹ لکھئے۔

12۔ پاکستان کے نظام اراضی نے کیونکر زرعی پیداوار پر برا اثر ڈالا؟

2.7 خود آزمائی کے جوابات

(1) نہیں (2) نہیں (3) ہاں

(4) حکومت (5) زمیندار (6) ہاں

(7) نہیں (8) ہاں

3۔ زرعی اصلاحات

اب تک ہم پر یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ پاکستان کا نظام اراضی نہایت ناقص ہے اس نے ایسے مسائل کو جنم دیا ہے کہ جس کی بناء پر زرعی اصلاحات وقت کا تقاضا بن گئی تھیں پاکستان کے نظام اراضی کے مختلف شکلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بہترین نظام اراضی وہ ہے جس میں نہ تو بڑی جاگیرداریاں اور نہ ہی بڑی زمینداریاں ہوں اور ایسی صورت بھی نہ ہو جس میں کہ چھوٹے چھوٹے کاشتکار ہوں لہٰذا اچھا نظام اراضی وہ ہے جس میں کاشتکار خود زمین کا مالک ہو اس طرح وہ پوری جانفشانی سے کام کرے گا بڑی زمینداریوں کے تحت نہ تو زمیندار زمین کی اصلاح کی طرف توجہ دیتا ہے اور نہ ہی مزارع اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ وہ زمین کی بہتری کیلئے سرمایہ کاری کر سکے اس لئے پاکستان کے وجود میں آنے سے لے کر اب تک زرعی اصلاحات کی ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے زرعی اصلاحات کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے

3.1 زرعی اصلاحات کا مفہوم:

زرعی اصلاحات کی روائتی اور عام طور پر قابل قبول تعریف کے تحت زرعی اصلاحات سے مراد زمین جائیداد کی از سر نو تقسیم ہے تاکہ اس سے چھوٹے کسان اور زراعتی کارکن فائدہ اٹھا سکیں اس سادہ تعریف کے علاوہ ایک اور واضح تر تعریف بھی ہے جو کہ وسیع حلقوں میں قابل قبول ہے زرعی اصلاحات سے مراد ''زرعی اداروں کی بہتری اور اصلاح ہے'' اس قسم کی تعریف پیش کرنے میں امریکی پیش پیش ہیں اس وسیع تر تعریف پیش کرنے کا مقصد اصلاحات کے متعلق یا کسی (Reform Policy) کی اصطلاح کو وسیع تر کرنا ہے اس تعریف کے تحت حکومت کا صرف یہ کام نہیں کہ زمین کی از سر نو تقسیم کی جائے بلکہ اس کا یہ بھی کام ہے کہ لگان کا بندوبست کریں کاشت کاروں کی شرائط درست کرے فارم پر کام کرنے والوں کی اجرت کو درست رکھے، زرعی قرضوں کے نظام کو بہتر کرے وغیرہ

3.2 مختلف پہلو:

زرعی اصلاحات کے تین پہلو ہیں اول تاریخی پہلو، دوم اقتصادی پہلو اور سوئم آبادی کا پہلو

(i) تاریخی پہلو

اس کے تحت ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا تاریخ میں ہمیں کوئی شہادت مل سکتی ہے جس کے ذریعہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ زرعی اداروں کی از سرنو اصلاح اور تشکیل ماضی میں معاشی ترقی کی شرط رکھی ہے اگر ہم ماضی پر نظر دوڑائیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ کچھ ملکوں نے ماضی میں جلد ترقی کی منزلیں طے کیں بہ نسبت ان ملکوں کے جنہوں نے اپنے نظام اراضی میں جدت کے ساتھ از سرنو تشکیل نہیں کیا مغربی یورپ کے کچھ ملکوں نے اس وجہ سے مشرقی یورپ کے مقابلہ میں ترقی کی کہ انہوں نے جلد ہی بڑی بڑی جاگیرداریوں سے چھٹکارہ حاصل کرلیا

زرعی اصلاحات موجود زمانے میں ایک اہم موڑ کی جانب چلنے کی نشاندہی کرتا ہے یہ اس لئے اہم ہے کہ جس طرح ماضی میں یورپ میں (Feudalism) جاگیرداروں سے چھٹکارا حاصل کیا گیا ایشیاء اور لاطینی امریکہ میں جب بہت سی حکومتیں زرعی اصلاحات کے بارے میں ایسی پالیسی طے کرتے ہیں تو وہ کبھی بھی اپنی ماضی کی تاریخ کو نہیں بھولتیں برصغیر میں زرعی اصلاحات کا سلسلہ سامراج سے آزادی کے بعد شروع ہوا تاریخ رسائی(Historical Approach) ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں کے کیا تجربات ہیں یہ ذریعہ یہ نہیں بتاتا کہ ممالک کس طرح ترقی کر سکتے ہیں

(ii) معاشی پہلو:

اگر ہم زرعی اصلاحات کے سلسلے میں معاشی تجزیہ کے طریقے استعمال کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ زرعی اصلاحات اور معاشی ترقی میں کوئی تعلق نہیں ہے۔

زراعت کے میدان میں بھی دوسرے شعبوں کی طرح اجارہ داریاں قائم ہوگئی ہیں یہ اجارہ دار نہ صرف اپنی من مانی سے کسان سے لگان وصول کرتے ہیں بلکہ ان مزدوروں کی اجرت پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں جو کہ ان کے فارم پر کام کرتے ہیں لہذا سب سے بڑی معاشی دلیل جو کہ زرعی اصلاحات کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی آمدنی مساوی طور پر لوگوں میں تقسیم کی جائے اور یہ آمدنی مساوی طور پر اسی وقت تقسیم ہوسکتی ہے جبکہ بڑی بڑی جاگیریں اور زمینداریاں ختم کی جائیں براعظم ایشیاء میں نظام اراضی کے تحت بڑی بڑی اسٹیٹ بڑے بڑے پیداواری یونٹ نہیں ہوئے ان ممالک میں زرعی اصلاحات کے ذریعہ حقوق ملکیت زمین دار سے اس فرد کو دے دیئے جاتے ہیں جو نہ اس زمین پر کاشت کر رہا ہو

اس کے علاوہ معاشی دلیل جو کہ زرعی اصلاحات کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ کہ بڑے بڑے زمیندار زیادہ آمدنی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو دوبارہ پیدائش کے عمل کیلئے سرمایہ کاری کی صورت میں استعمال نہیں ہوتی یہ بھاری بھاری آمدنیاں زمینداروں میں ایسے سماجی اور معاشرتی اطوار پیدا کر دیتی ہیں جو کہ

سرمایہ کاری میں رکاوٹ بنتی ہیں

لہٰذا آخر میں ہم یہی کہیں کہ معاشی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ کم ترقی یافتہ ملکوں میں زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں

iii۔آبادی کا پہلو:

کم ترقی یافتہ ملکوں میں آبادی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ زمینداروں اور جاگیرداروں کی قوت سودا بازی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے یہ لوگ زمین کے کاشتکار سے زیادہ رقم بٹور کر لے جاتے ہیں۔

لہٰذا کم ترقی یافتہ ملکوں جسے پاکستان اور ہندوستان میں آبادی کی افزائش زرعی بے چینی کو جنم دے رہی ہے جس کی وجہ سے ہر طرف سے یہ مطالبہ ہے کہ زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں۔

دنیا کے مختلف ممالک میں پچھلے 60 یا 70 سال سے زرعی اصلاحات نافذ کی گئی گئیں مختلف ممالک میں یہ مختلف طریقوں سے اپنائی گئی ہیں ہر ملک نے زرعی اصلاحات کے نفاذ اور عملدرآمد کے سلسلے میں اپنے مخصوص سماجی اور سیاسی ڈھانچہ کو مدنظر رکھا ہے۔

3.3 اصلاحات نافذ کرنے کے اسباب:

1. (ا) زمین کا بڑا رقبہ ایک چھوٹے سے مالکان کے گروپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔
   غیر حاضر زمینداری نظام
   (ب) ایک بہت بڑا مالکان کا گروپ جس کے تحت تھوڑا سا زمین کا رقبہ ہو جس کے نتیجہ میں غیر معاشی قطعات وجود میں آتے ہیں۔
   (ج) کاشتکاروں کی ایک بڑی تعداد کاشت کے مشغلے میں مصروف لیکن ملکیت کے حقوق نہ رکھتی ہو۔

(2) زمین سے حاصل ہونے والی کل پیداوار اس تناسب سے نہ بڑھ رہی ہو جس تناسب سے پیداوار بڑھانے کیلئے اکائیاں لگائی جا رہی ہوں نتیجتاً ملک کو خوراک کی کمی کا مسئلہ درپیش ہو

(3) ملک کا سیاسی اور سماجی ڈھانچہ ملک کی اقتصادی ترقی میں ایک رکاوٹ ہو

یہ تمام رکاوٹیں دور کی جاتی ہیں اگر ملک کی زراعت نے معیشت کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کرنا ہے یہ مقصد صرف زرعی اصلاحات کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے" پاکستان کی معیشت اور نظام اراضی کے نقائص کو مدنظر رکھتے ہوئے زرعی اصلاحات سے مراد وہ تمام اقدامات لئے جائیں گے جن کا مقصد زمین کی ملکیت اور استعمال کے

سلسلے میں مختلف حقوق اور ذمہ داریوں کو از سر نو ٹھیک کرنا ہے تا کہ زمین کا چند ہاتھوں میں ارتکاز نہ ہو سکے کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے معاشی قطعات پیدا کئے جا سکیں اور دوسرے اقدامات کئے جا سکیں جن کے ذریعہ زرعی پیداواری قوت میں اضافہ کیا جا سکے اس کے علاوہ ان اقدامات کا مقصد کاشتکاروں کی حالت کو اداروں میں تبدیلیاں لا کر سدھارنا ہے۔" زرعی اصلاحات کے مقاصد محض معاشی نہیں بلکہ یہ سیاسی اور سماجی مقاصد بھی رکھتی ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ لوگوں کی سماجی زندگی کو بھی بدلا جا سکتا ہے اور ملک میں سیاسی استحکام پیدا کیا جا سکتا ہے

3.4 زرعی اصلاحات کے اثرات:

(1) سب سے زیادہ اچھا اثر نجی شعبہ میں سرمایہ کاری کی تشکیل پر پڑتا ہے بڑے سائز کے قطعات کسان کو فالتو پیداوار پیدا کرنے میں مدد دیتے ہیں وہ اب دوبارہ سرمایہ کاروں کے کام پر لگا دیتا ہے اس کے علاوہ اب کاشتکار اپنے فالتو وقت کو پیداواری کاموں میں لگاتا ہے اس کے علاوہ زمین پر کم کرنے والا زیادہ تحفظ حاصل کر لیتا اور اب بڑی خوشی اور بلا خوف وخطر سرمایہ کرتا ہے اس کے علاوہ اب جو محنت زیر استعمال رہتی ہے اس کا پورا استعمال ہوتا ہے اور اس طرح سے یہ سرمایہ کاری میں مدد دیتی ہے

(2) نہ صرف نجی شعبہ میں سرمایہ کاری کی تشکیل میں مدد ملتی ہے بلکہ ان اصلاحات کی بناء پر سرمایہ میں تشکیل سرمایہ کا عمل چل پڑتا ہے لوکل لیڈر شپ بھی نئے سرے سے پیدا ہو جاتی ہے

(3) زرعی اصلاحات سے پیداوار پر بھی خوشگوار اثر پڑتا ہے اس کی بناء پر ہر وہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو پیداوار میں اضافہ کا باعث ہوں مثلاً کھاد کا استعمال اچھے بیج کا استعمال وغیرہ

3.5 دوسرے ممالک میں زرعی اصلاحات

پچھلے چالیس سالوں میں مختلف ممالک میں زرعی اصلاحات نافذ کی گئی ہیں ان اصلاحات نے مجموعی طور پر دو صورتیں اختیار کی ہیں

(i) قدامت پسندانہ زرعی اصلاحات کا طریقہ

اس طریقہ کے تحت زمینوں پر اشتمال کا کام ہوا ہے زیادہ قرضوں کی سراعات اور کاشتکار اور مالکان کے درمیان تعلقات کو ٹھیک رکھنا شامل ہے

(ii) انقلابی طرز پر زرعی اصلاحات

اس طریقے کی اصلاحات میں زمینداروں سے فالتو زمین ضبط کر لی گئی ہے اور اس فالتو زمین کے عوض بعض اوقات مالکان کو معاوضہ دیا گیا ہے اور بعض اوقات بالکل نہیں فالتو زمین اس طرح سے سرکار کی طرف سے ضبط کئے جانے کے بعد کاشتکاروں میں تقسیم کر دی گئی ہے بعض ممالک میں ان دونوں طریقوں کو ملا کر اصلاحات نافذ کی گئی ہیں مختلف علاقوں یا ملکوں میں زرعی اصلاحات کے سلسلے میں مختلف پالیسیاں اپنائی گئی تھیں برما اور جاپان میں فالتو زمین زمینداروں سے لے کر کاشتکاروں کے حوالے کر دی گئی

مشرقی یورپ اور کمیونسٹ بلاک کے ملکوں میں زمینداروں کی زمین پر بلا معاوضہ قبضہ کر لیا گیا اور وہ زمین ایسے کاشتکاروں میں بانٹ دی گئی جو کہ زمین پر کاشت کرتے تھے اور ان کے پاس پہلے کوئی زمین نہ تھی۔

اس کے برعکس مغربی یورپ کے ممالک میں ذرا میانہ روی اختیار کی گئی اور قدامت پسند طریقہ استعمال کیا گیا۔

ان معلومات کی روشنی میں اب پاکستان میں جو اصلاحات نافذ کی گئی ہیں وہ زیر بحث آئیں گی۔

3.6 پاکستان میں زرعی اصلاحات

پاکستان میں زرعی اصلاحات کو تین ادوار کے تحت زیر بحث لایا جا سکتا ہے پہلا دور قیام پاکستان سے لے کر 1958ء تک، دوسرا دور ایوب خان کے مارشل لاء کے تحت تھا تیسرا دور 1972ء کی زرعی اصلاحات کا تھا۔

پہلے دور کی اصلاحات کا تعلق زیادہ تر سطحی مسائل کے حل سے تھا۔ وہ اقدامات جو کہ زراعت کی ترقی کیلئے درکار تھے وہ اس دور میں ہرگز نہیں اٹھائے گئے بہر حال اس سلسلے میں ابتدا ہو گئی تھی اس دور میں اصلاحات کا اعلان، جاگیرداری کا خاتمہ، زمیندار اور مزارع کے تعلقات کو بہتر بنان، مزارعین کے حقوق کا تحفظ وغیرہ یہ اصلاحات مغربی پاکستان میں ایک وحدت(One Unit) کے قیام سے پہلے نافذ کی گئی تھیں یہ اصلاحات مغربی پاکستان کے تمام صوبوں نے علیحدہ علیحدہ اور اپنے صوبے کے خصوصی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نافذ کیں مرکزی حکومت نے اس جانب اس وقت قدم اٹھائے جب کہ ایوب خان کی فوجی حکومت 1958ء میں برسر اقتدار آئی اس حکومت نے ایک اصلاحات اراضی کمیشن قائم کیا جس نے بعض انقلابی اصلاحات نافذ کیں جن پر عملدرآمد بھی کیا گیا

3.7 قیام پاکستان سے 1958ء تک:

اس دور میں ''مسلم لیگ اصلاحات کمیٹی'' کی سفارشات کے علاوہ مختلف صوبوں میں زرعی اصلاحات کے

قوانین اور منصوبہ بندی بورڈ کی اصلاحات کا ذکر کیا جائے گا۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد زرعی شعبہ میں بنیادی نوعیت کی خرابیاں محسوس کی گئیں جس کی وجہ سے زرعی پیداوار پر برا اثر پڑ رہا تھا ان خرابیوں کا تعلق نظام اراضی سے تھا اس صورتحال کو بہتر بنانے کیلئے مسلم لیگ نے ایک کمیٹی قائم کی جس نے 1949ء میں اپنی سفارشات پیش کی تھیں جو حسب ذیل ہیں

(1) جاگیرداری کو منسوخ کر دیا جائے اور بڑی زمینداریوں کو ختم کر کے زمین مزارعین میں تقسیم کر دی جائے کسی شخص کے پاس نہری زمین کے 150 ایکڑ اور بارانی کے 450 ایکڑ سے زیادہ زمین رکھنے کی اجازت نہ دی جائے جس کے پاس فالتو زمین ہو ان کو معاوضہ دے کر حکومت زمین حاصل کر سکے

(2) کسی زمیندار کو 15 لاکھ سے زیادہ معاوضہ نہ دیا جائے۔

(3) موروثی مزارعین (جن کو زمیندار کی زمین کاشت کرنے کا حق مستقل طور پر رہا ہو) کو حق ملکیت دیا جائے مزارع تابع مرضی کے حقوق کی حفاظت کی جائے اور مزارع کو کم سے کم پندرہ سال مدت کیلئے سہولت دی جائے۔

(4) زرعی پیداوار میں مزارع کا حصہ زیادہ کیا جائے اور ہر قسم کی ناجائز وصولیوں کی روک تھام کی جائے۔

(5) کسانوں کی زمین چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹ جائے اور بکھر جانے کا مناسب سدباب کیا جائے اور امداد باہمی کے طریقے کاشت کو فروغ دیا جائے۔

اعتراضات

(1) زمینداروں کو دیا جانے والا معاوضہ بہت زیادہ تھا اس کی کل رقم 14 ارب روپے بنتی تھی جس میں سے 3 ارب روپے کی رقم نقد ادا کرتی تھی یہ رقم ہمارے کاشتکاروں کی طاقت سے باہر تھی۔

(2) ذاتی ملکیت کے لئے زمین کی جو حد مقرر کی گئی تھی وہ بہت زیادہ تھی اس کو مزید کم کیا جانا چاہیے تھا۔

(3) اس سفارشات سے موروثی کاشتکاروں کو کچھ فائدہ پہنچا جبکہ مزارع تابع مرضی خسارے میں رہے۔

قانونی مزارعیت

ان اعتراضات اور زمینداروں کے اثر و رسوخ کی بنا پر ان اصلاحات پر اس وقت کی حکومت عملدرآمد نہ کرواسکی ایک فائدہ جو کہ حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ ہر صوبے میں کاشتکاروں کی بھلائی اور ان کے تحفظ کیلئے مختلف قسم کے اقدامات اٹھانے کا راستہ کھل گیا 1950ء اور 1952ء کے عرصے میں تمام صوبوں نے اپنے اپنے علاقے میں کاشتکاروں کے مفادات کو تحفظ دینے کیلئے (Tenancy Acts) پاس کئے اور ان پر عملدرآمد کروایا گیا اس سلسلے میں سندھ میں 1950ء میں (Sind Tenancy Act) پاس ہوا اس قانون کے ذریعہ کاشتکاروں کو بے دخلی سے بچانے کیلئے اقدامات کئے گئے اور زمینداروں کو منع کیا کہ وہ کاشتکاروں سے ''بیگار'' کام نہ لیں اس کے علاوہ لگان کو بڑھنے کے سلسلے میں زمینداروں پر بھی پابندیاں لگا دی گئیں۔

جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے اس قانون کی بدولت کاشتکار کی حالت بالکل نہ بدلی کیونکہ زمیندار بڑا چالاک، مکار اور طاقتور تھا جب کہ کاشتکار جاہل اور غریب تھا۔

پنجاب کے صوبے میں 1950ء اور 1952ء کے درمیان کے عرصہ میں مختلف کاشتکاری کے بارے میں قوانین (Tenancy Acts) پاس کئے گئے ان قوانین کے ذریعہ مندرجہ ذیل باتیں طے کی گئیں۔

(1) جاگیرداریاں ختم کر دی جائیں گی۔

(2) زمینداروں کی طرف خود کاشت پر ایک حد مقرر کر دی گئیں کہ وہ 150 ایکڑ خود کاشت کر سکے کا رقبہ کاشت کاروں کو کاشت کیلئے دیا جائے گا۔

3۔ زرعی پیداوار میں زمیندار اور کاشتکار کا حصہ بالترتیب 40 فیصد اور 60 فیصد مقرر کیا گیا۔

4۔ کاشتکاروں کی بے دخلی روکنے کیلئے مختلف اقدامات کئے گئے تھے حتیٰ کہ وہ کاشتکار جو ان قوانین کے پاس ہونے سے پہلے بے دخل کر دیئے گئے تھے ان کو بھی وہ زمین بحال کی گئیں۔

جہاں تک مقاصد حاصل کرنے کا تعلق ہے یہ قوانین بھی بری طرح ناکام ہو گئے کیونکہ اس صوبہ میں زمیندار بہت مضبوط پوزیشن میں تھے یہاں تک کہ حکومتیں ان کے اشاروں پر چلتی تھیں زمیندار قوانین میں کمزوریاں تلاش کرتے رہتے تھے اور قوانین پر عمل نہ کرنے کے بہانے تراشتے تھے

اس قسم کے قوانین صوبہ سرحد میں 1950ء اور 1952ء کے درمیانی عرصہ میں نافذ کئے گئے لیکن ان کی وجہ سے یہاں پر بھی کاشتکاروں کی نمایاں طور پر حالت نہ بدلی کیونکہ کاشتکار اور زمین کی وہی پوزیشن تھی جو کہ پنجاب اور سندھ میں تھی۔

3.8 منصوبہ بندی بورڈ کی تجاویز

1957ء میں پاکستان کے پہلے منصوبہ بندی بورڈ نے زرعی معیشت کی حالت بہتر بنانے کیلئے کچھ زرعی اصلاحات تجویز کیں۔

1۔ زمین میں شخصی ملکیت کا حق برقرار رکھا جائے البتہ اس کی انتہائی حد مقرر کر دی جائے۔

2۔ زائد زمین مناسب معاوضہ دینے کے بعد حاصل کی جانی چاہیے یہ معاوضہ کاشتکاروں کو معقول قسطوں کی صورت میں ادا کرنا چاہیے کاشت کاروں کو اس زمین میں مکمل حقوق ملکیت حاصل ہونے چاہیں۔

3۔ مزارعین کی حفاظت کیلئے مناسب قوانین نافذ کئے جائیں انتشار اراضی قانونی طور پر روک دیا جائے اور ایسا طریقہ کار اپنایا جائے جو کہ قوانین موروثی سے ٹکراتا نہ ہو چھوٹے چھوٹے کاشت کے ٹکڑوں کو معاشی قطعات کی صورت دی جائے

منصوبہ بندی کمیشن کی سفارشات پر ابھی عملدرآمد ہونا تھا کہ ملک میں 1958 میں مارشل لاء نافذ ہو گیا اور انقلابی حکومت نے زرعی اصلاحات نافذ کرنے کیلئے ایک کمیشن قائم کیا۔

3.9 اہم نکات:

1۔ زرعی اصلاحات سے مراد ایسی تجاویز پر عمل کرنا ہے جن کا مقصد زمین کو از سر نو تقسیم کرنا ہے۔

2۔ زرعی اصلاحات کے تین پہلو ہیں اول تاریخی، دوئم معاشی پہلو اور سوئم آبادی کا پہلو۔

3۔ تاریخی پہلو میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ تاریخ کس حد تک زرعی اصلاحات کے حق میں ہے۔

4۔ معاشی پہلو کے تحت یہ بات زیر بحث آئی ہے کہ کیا معاشی طور پر زرعی اصلاحات کا سلسلہ فائدہ مند ہے۔

5۔ آبادی کے پہلو میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مختلف ممالک میں بڑھتی ہوئی آبادی کس حد تک زرعی اصلاحات کے لئے دباؤ ڈالتی ہے۔

6۔ زرعی اصلاحات نہ صرف نجی شعبہ میں سرمایہ کی تشکیل کی حوصلہ افزائی کرتی ہے بلکہ حکومتی شعبہ میں سرمایہ کی تشکیل کے اچھے مواقع مل جاتے ہیں۔

7۔ اصلاحات کے ذریعے فریقین میں کام کا جذبہ تیز ہوتا ہے اور اس طرح زراعت سے حاصل ہونے والی پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ممکن ہو جاتا ہے۔

8۔ زرعی اصلاحات جو مختلف ملکوں میں نافذ کی گئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں ایک تو قدامت پسندانہ زرعی اصلاحات، دوم انقلابی زرعی اصلاحات۔

9۔ قدامت پسندانہ زرعی اصلاحات کے تحت زمین پر اشتمال کا کام ہوا ہے کاشتکاروں کو زیادہ قرضوں کی مراعات اور کاشتکار اور زمین کے درمیان خوشگوار تعلقات استوار کرنا ہے۔

10۔ انقلابی زرعی اصلاحات کے تحت زمینداروں کی فالتو زمین پر حکومت نے قبضہ کر کے اس کو ایسے کاشتکاروں میں بانٹا ہے جس کے پاس زمین نہ تھی۔

11۔ پاکستان میں زرعی اصلاحات کا سلسلہ سنہ 1949ء میں شروع ہو گیا تھا لیکن ان پر بہت سی وجوہات کی بناء پر عمل نہ ہو سکا۔

12۔ اس کے بعد مختلف صوبوں نے سنہ 1950ء اور سنہ 1952ء کے عرصہ کے درمیان مختلف قسم کی (Tenancy Acts) یعنی کاشتکاروں کے بارے میں قوانین پاس کئے ان قوانین کا بڑا مقصد کاشتکاروں کو بے دخلیوں کے خلاف تحفظ اور کاشتکاروں کو دیگر مراعات دلوانا تھا لیکن زمینداروں کی چالاکی اور کاشتکاروں کی جہالت کی بنا پر ان پر عمل نہ ہو سکا۔

13۔ سنہ 1957ء میں منصوبہ بندی روڈ نے زرعی اصلاحات تجویز کیں جن پر عمل کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

3.10 خود آزمائی

(1) زرعی اصلاحات کا مقصد صرف زمین کی از سر نو تقسیم کرنا ہے۔

ہاں	نہیں

(2) زرعی اصلاحات کا مقصد صرف کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔

ہاں	نہیں

(3) زرعی اصلاحات کا مقصد نہ صرف زمین کی از سر نو تقسیم ہے بلکہ کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ بھی مقصود ہے۔

ہاں	نہیں

(4) جنوبی یورپ کے ممالک میں انقلابی زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں۔

ہاں	نہیں

(5) مشرقی یورپ کے ممالک میں قدامت پسندانہ زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں۔

ہاں	نہیں

(6) زرعی اصلاحات کی ضرورت سنہ 1958ء میں محسوس کی گئی ہے۔

ہاں	نہیں

(7) کیا کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ 1950ء اور 1952ء میں نافذ قوانین سے ہوتا ہے۔

ہاں	نہیں

(8) 1950ء اور 1952ء کے قوانین کے تحت خود کاشت کے لئے زمین کے رقبہ کی حد 100 ایکڑ مقرر کی گئی تھی۔

ہاں	نہیں

(9) زرعی اصلاحات سے کیا مراد ہے اس کے تمام پہلوؤں کا مفصل جائزہ لیں۔

(10) زرعی اصلاحات کا مفہوم بیان کریں اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر مفصل نوٹ لیں۔

(11) پاکستان میں ''مسلم لیگ کمیٹی'' نے جو اصلاحات تجویز کی تھیں کیا وہ اس وقت کے حالات کے تقاضے پورے کرتی تھیں؟

(12) پاکستان میں جو زرعی اصلاحات سنہ 1958ء سے پہلے نافذ کی گئی تھیں وہ کس نوعیت کی تھیں۔

3.11 خود آزمائی کے جوابات

(1) نہیں (2) نہیں (3) ہاں

(4) نہیں (5) نہیں (6) نہیں

(7) نہیں (8) نہیں

4۔ زرعی اصلاحات

4.1 ۔1958ء کی زرعی اصلاحات

1958ء میں ملک میں مارشل لاء لگا۔ جنرل ایوب خان نے اقتدار سنبھالتے ہی مغربی پاکستان میں اصلاحات اراضی کیلئے ایک کمیشن قائم کیا اس کمیشن کو یہ فرض سونپا گیا کہ وہ زرعی اراضی کی ملکیت اور کاشت سے متعلق تمام مسائل پر غور وخوص کرے اور پیداوار کی افزائش کیلئے معاشرتی عدل و انصاف کیلئے اور کاشتکاروں کے حالات بہتر بنانے کیلئے سفارشات قلمبند کرے اس کمیشن نے اپنی سفارشات صدر کو 20 جنوری 1959ء میں پیش کر دیں درج ذیل سطروں میں ہم کمیشن کی چند اہم سفارشات بیان کرتے ہیں جسے حکومت وقت نے منظور کرلیا تھا

(1) کسی شخص کی ملکیت میں 500 ایکڑ نہری زمین اور 1000 ایکڑ بارانی زمین سے زیادہ نہیں رہ سکتی دوسرے الفاظ میں کسی شخص کا رقبہ ملکیت 36 ہزار پیداواری اعشاری اکائیوں (Produce Index Units) سے زیادہ نہیں ہوگا۔

مالکان اراضی کو اختیار ہو گا کہ وہ اپنی زمین سے جہاں چاہیں 36 ہزار پیداواری اعشاری اکائیوں کے برابر زمین منتخب کر لیں البتہ یہ ضروری ہو گا کہ ہر منتخب کردہ قطعہ حیدر آباد اور خیر پور میں 64 ایکڑ اور پنجاب میں 50 ایکڑ سے کم نہ ہو۔

(2) اس سے فالتو زمین جو بھی زمیندار کے پاس ہو گی اسے گورنمنٹ حاصل کر لے گی اور اس کے عوض زمیندار کو معاوضہ دیا جائے گا یہ فالتو زمین کاشتکاروں کو قیمت ادا کرنے کے بعد منتقل کر دی جائے گی کاشتکار زمین کی ادائیگی اقساط میں کرینگے اگر قابض کاشتکار یا اس زمین پر آباد کاشتکار زمین نہیں لینا چاہتے تو یہ زمین ایسے لوگوں کو دی جائے گی جن کے پاس غیر معاشرتی قطعات ہیں یا ان کے پاس زمین نہیں ہے

(3) زمین پر قابض کاشتکار کو اس زمین کا مالک بنا دیا جائے گا جو وہ مدت سے کاشت کر رہا ہے۔

(4) تمام جاگیریں منسوخ کر دی جائیں گی۔

(5) مزارع تابع مرضی کو زمین سے بے دخل نہیں کیا جائے گا زمین کا موزوں لگان دیا جائے گا اور لگان کے علاوہ جو کاشتکار سے وصولیاں حاصل کی جاتی تھیں انہیں بالکل ختم کر دیا جائے گا۔

(6) زمین کی ذیلی تقسیم ان مسائل میں سے ایک ہے جس سے ہماری زراعت دوچار ہے وہ زمین

جو ذیلی تقسیم یا انتشار اراضی کا شکار ہوئی ہے اسے یکجا کرنے کی کوشش کی جائے گی اور مزید انتشار اراضی کو روکا جائے۔

(7) تعاونی قرضے اور تعاونی نظام منڈی کو فروغ دیا جائے اس طرح کسان کی حوصلہ افزائی ہو گی اور پیداوار بڑھے گی۔

(8) زراعت سے منسلک مزدور کے کام کی شرائط کو بہتر بنایا جائے۔

حکومت کی طرف سے یہ تجاویز قبول کئے جانے کے بعد کمیشن نے وہ تمام اقدامات اٹھائے جو ان تجاویز کو عملی جامعہ پہنانے کیلئے ضروری تھے کمیشن نے یہ تمام کارروائی مارشل لاء کے ضابطہ نمبر 64 کے تحت کی۔

4.2 اصلاحات کی آخری شکل

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان اصلاحات نے آخری صورت کیا اختیار کی ہے۔

(i) زمین کی ملک پر حد بندی

ان اصلاحات کے تحت کوئی بھی زمیندار 500 ایکڑ نہری زمین یا 1000 ایکڑ بارانی زمین سے زیادہ نہیں رکھ سکتا تھا دوسرے الفاظ میں 36 ہزار پیداوار کی اعشاری اکائیوں سے زیادہ زمین رکھنے کی اجازت نہ تھی اس حد تک زمین رکھنے کے علاوہ زمین کو اجازت تھی کہ وہ مزید 150 ایکڑ زمین بطور باغیچہ رکھ سکتا ہے اس کے علاوہ زمیندار اپنے ورثاء کو 18 ہزار پیداوار کی اعشاری اکائیاں بطور تحفہ کے دے سکتا ہے اس کے علاوہ عورت جو اس پر دارومدار رکھتی ہو اس کو 60 ہزار پیداواری کی اعشاری اکائیاں دے سکتا ہے اس کے علاوہ اگر زمیندار نے پرائیویٹ بنیاد پر چراگاہ بنائی ہو تو اس کیلئے مزید زمین کا رقبہ رکھا جا سکتا ہے۔

فروری 1959ء میں کمیشن نے فالتو زمین رکھنے والوں سے چھپے ہوئے فارم پر معلومات مانگیں اس کے مطابق 5508 مالکان نے اپنی فالتو زمین کے بارے میں معلومات فراہم کیں اس طرح کی زمین کا رقبہ 7,313,940 ایکڑ تھا اس میں سے مالکان نے تقریباً 22 لاکھ ایکڑ تھا حکومت نے قبضہ کر لیا

(2) حکومت نے ان زمینوں کو ان کاشتکاروں کو دے دینے کیلئے پیشکش کی جو اس زمین پر عرصہ سے ہل چلا رہے تھے ان کاشتکاروں کو زمین 640 روپے فی ایکڑ فروخت کی گئی۔

(3) زمین کے مالکان کو حکومت نے بانڈز کے ذریعے معاوضہ ادا کرنے کا پروگرام بنایا ان بانڈز پر شرح سود 4 فیصد تھی اور یہ بانڈز حکومت نے 25 سال کے عرصہ میں واپس لے کر قیمت ادا کرنی تھی حکومت نے 50 برابر کی اقساط میں ادائیگی کرنی تھی۔

4.3 کاشتکار کے حقوق کا تحفظ

کاشتکار کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے 1950ء سے لے کر 1952ء تک مختلف صوبوں میں(Tenancy Acts) پاس کئے گئے لیکن ان پر مختلف وجوہات (جن کا ذکر پچھلے اوراق میں ہو چکا ہے) کی سبب صحیح طور پر عمل نہ ہو سکا اور اس کا شتکار حسب معمول استحصال کا شکار ہوتا رہا

زرعی اصلاحات کے کمیشن نے تجویز کیا کہ کوئی بھی کاشتکار زمین سے نہ نکالا جائے جب تک وہ لگان ادا کرتا ہے کمیشن کے مطابق کاشتکار اسی وقت بے دخل کیا جا سکتا ہے جب وہ درذیل شرائط پوری نہ کرے۔

1 ۔ (i) وہ لگان ادانہیں کر سکا۔

(ii)اس نے زمین کو اس طرح استعمال کیا کہ وہ قابل کاشت نہیں رہی

(iii) اس نے زمین پر کاشت نہیں کی (بغیر موزوں وجوہات کے)

(iv) اس نے زمین کو آگے کرایہ پر دے دیا ہو۔

2۔ کوئی زمیندار اس بنا پر کاشت کار کو بے دخل نہیں کرسکتا کہ وہ خود زمین کو کاشت کرنا چاہتا ہے۔

3۔ جب تک کوئی کاشتکار زمیندار کی کچھ زمین کاشت کر رہا ہے اس وقت تک اسے اس مالکان سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا جس میں وہ رہتا ہے۔

4۔ اگر کاشتکار کو بے دخل کیا جانا ہے تو اس کو زمین کا مالک '' زمین کی اصلاح'' کے بہانے معاوضہ ادا کرے گا۔

کمیشن نے مزید تجویز پیش کی کہ جس بنیاد پر زمین کی پیداوار مالک زمین اور کاشتکار کے مابین تقسیم ہو رہی ہے اسی طرح زمین کی پیداوار تقسیم ہو گی اور گورنمنٹ کو حسب معمول قابل ادا رقوم ہوتی رہیں گی اس کو بالکل اسی صورت میں حکومت نے قبول کر لی حکومت مغربی پاکستان نے اس پر اپنے صوبے کیلئے اصول طے کر لئے۔

4.4 معاشی قطعات اور گزر اوقات کے قطعات

ہمارا نظام اراضی جن مختلف مسائل سے دوچار تھا ان میں سے ایک برائی یہ بھی تھی کہ ہماری زمین ٹکڑوں میں تقسیم در تقسیم اور انتشار کا شکار ہو رہی تھی لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ زمین کے بڑے بڑے قطعات بنائے جائیں۔

اس سلسلے میں ہمارے زرعی اصلاحات کے کمیشن نے زمین کو دو اقسام میں تقسیم کیا (i) معاشی قطعات (ii) گزر اوقات کے قطعات۔

عام طور پر معاشی قطعہ سے مراد زمین کا ایسا قطعہ لیا جاتا ہے جن پر جدید طریقہ پیدائش کو منافع بخش طریقوں پر استعمال کیا جا سکے اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کمیشن نے 50 ایکڑ کے قطعہ کو پنجاب میں معاشی قطعہ قرار دیا اور حیدر آباد اور خیر پور ڈیوژن میں 64 ایکڑ زمین کے قطعہ کا نام معاشی قطعہ رکھا اسی طرح کمیشن نے گزر اوقات کا قطعہ وہ قطعہ قرار دیا جو کہ ایک اوسط درجے کے کاشتکار اور اس کی فیملی کی گزر اوقات کیلئے رقم فراہم کر سکے اس مقصد کیلئے 12.5 ایکڑ کا رقبہ پنجاب کیلئے اور حیدر آباد اور خیر پور ڈویژن کیلئے 16 ایکڑ رقبہ رکھا گیا۔

لینڈ کمیشن نے تجویز پیش کی کہ تمام تر کوششیں اس جانب ہونی چاہئیں کہ ایسے قطعات کو برقرار رکھا جائے اور اسے تقسیم در تقسیم اور مزید انتشار سے روکا جائے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس انتشار کو روکنے کیلئے کیا کیا جائے کمیشن نے تجویز پیش کی کہ تمام ٹکڑوں پر ایک ایسا آدمی انتظام کرے جو سب کو قابل قبول ہو۔ اگر یہ بات بھی قبول نہیں تو ان حصہ داروں میں سے کوئی ساری زمین خرید لے اور کاشتکاری کرے اگر ان میں سے کوئی راستہ قابل قبول نہ ہو تو کمیشن اس زمین کو حاصل کر لے گا۔

یہ سب تجویزیں حکومت نے قبول کر لیں اور ان تجاویز کو قانونی شکل دے دی۔

دیگر فیصلے

ان کے علاوہ دیگر امور جن کے بارے میں کمیشن نے فیصلے کئے وہ حسب ذیل ہیں

(i) جاگیرداری کا خاتمہ

(ii) اشتمال اراضی

(iii) زمینوں سے پورا پورا استفادہ کرنا

(iv) زمین کے نئے مالکان کو قرضوں کی سہولتیں

جہاں تک جاگیرداروں کے خاتمہ کا تعلق ہے تو وہ مغربی پاکستان میں بلا تمیز ختم کر دی گئی

زمین کے استعمال کیلئے 1960ء میں ایک آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ شروع شروع میں زمین کے استعمال کیلئے بڑے ہدف رکھے گئے تھے لیکن بعد میں یہ ہدف کم کر دیئے گئے اس اسکیم کے تحت تقریباً 21 لاکھ ایکڑ زمین پر سالانہ اشتمال کا کام ہوتا تھا جہاں تک زمینوں سے پورا پورا استفادہ حاصل کرنے کا تعلق ہے اس سلسلے میں قانون بنا لیا گیا کہ اگر زمین 2 سال تک زیر کاشت نہیں آتی تو اس کے مالک کو نوٹس دیا جائے گا۔ اگر پھر بھی اثر نہیں ہوتا تو زمین حکومت کی تحویل میں آ جائے گی۔

جہاں تک زمین کے نئے مالکان کو قرضے دینے کا تعلق ہے حکومت نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ان

کیلئے قرضہ کا بندوبست کیا صرف 60-1959ء میں حکومت نے صوبائی حکومت کی تحویل میں 3 کروڑ روپے دیئے جن کو وہ ایسے مالکان کو تقاوی قرضوں کی صورت میں رقم فراہم کریں ۔

4.5 1959ء کی اصلاحات کا جائزہ

1959ء کی زرعی اصلاحات کے بارے میں یہ توقع تھی کہ معاشی اورسماجی میدان میں دور رس نتائج کی حامل ہونگی زمینداروں کی کمر ٹوٹ جائے گی اور وہ زمیندار جس کے ہاں مناسب زمین کا رقبہ ہے وہ مجبور ہو گا کہ زمین کی طرف زیادہ سے زیادہ دھیان دے تا کہ اپنا معیار قائم رکھ سکے اس طرح یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ زمین میں زیادہ سرمایہ کاری کی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

1959ء کی زرعی اصلاحات کے بارے میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان کے محرکات بہت اچھے تھے

تنقید:

(i) ان اصلاحات پر جو تنقید کا پہلو نکلتا ہے۔ وہ زمین کا رقبہ ہے جو مالکان کو رکھنے کی اجازت دی گئی نہری زمین کے 20 مربع زمین اور بارانی علاقے میں 90 مربع زمین تھوڑی مقدار نہیں جو مالکان کو اپنی ملکیت میں رکھنے کی اجازت دی گئی اس پر مزید زیادتی یہ کی گئی کہ مختلف حیلے اور بہانے سے مزید زمین کا رقبہ زمین کے مالکان کو رکھنے کی اجازت دی گئی مثلاً باغ کے بہانے ، چراگاہوں کے بہانے، زمیندار پر دارومدار کرنے والی عورت رشتہ دار کو زمین دینے کی اجازت

(ii) اس طرح زمین کے مالک کو خوخواہ زمین کا معاوضہ دیا گیا ہے اور کاشتکار سے زمین کی قیمت وصول کی گئی ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کاشتکار کی پوزیشن اب بھی محفوظ نہیں کیونکہ زمیندار اب بھی کافی مضبوط ہے اورمن مانی کرتا ہے اس قسم کی تنقید کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اصلاحات صحیح جانب کی طرف ایک اچھا قدم ہے اور ان اصلاحات سے مزید انقلابی اصلاحات کی راہیں کھل گئیں بعد میں یہ ہوا بھی اس طرح یعنی 1972ء میں از سر زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں

4.6 1972ء کی اصلاحات

زرعی اصلاحات کا پہلا اعلان مارچ 1972ء میں کیا گیا اس کے بعد نومبر 1975ء پھر دسمبر 1976ء اور

جنوری 1977ء میں بقیہ اصلاحات کا اعلان کیا گیا۔

مقاصد اصلاحات :

(i) ان اصلاحات کا مقصد یہ تھا کہ زرعی دولت کا چند ہاتھوں میں جو ارتکار ہوتا جا رہا تھا اس کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

(ii) دیہات میں سماجی رشتوں کو از سرنو ترتیب دینا۔

(iii) کاشتکار اور زمیندار کے درمیان پیداوار کی تقسیم کیلئے نئے اصول وضوابط بنانا۔

(iv) کاشتکار کو تحفظ مہیا کرنا۔

(v) بیکار اور بغیر معاوضے پر خدمات کا انسداد کرنا۔

(vi) ان اصلاحات کا آخری مقصد یہ تھا کہ زراعت کو ایک منافع بخش پیشہ بنانے کیلئے تمام تراغیب مہیا کرنا۔

گزشتہ ادوار کی اصلاحات چھوٹے کاشتکاروں کیلئے مفید ثابت نہ ہوئیں 1959ء کی اصلاحات میں زمین کی ملکیت کے بارے میں جو حدود قائم کی گئی تھیں وہ بہت ہی فراخدلانہ تھیں۔

ان اصلاحات کی اہم خوبیاں درج ذیل ہیں۔

اہم خوبیاں

(1) زمین کی حد ملکیت میں کمی کر کے ایک فرد کی حد ملکیت 500 نہری ایکڑ سے گھٹا کر 100 ایکڑ کر دی گئی اس طرح غیر نہری اراضی کی فی کس حد ملکیت 300 ایکڑ کر دی گئی۔

(2) تمام زمین جو کہ زمینداروں سے ضبط کر لی جائے گی اس کو کاشتکاروں کے حوالے کر دیا جائے گا کاشتکار اس کی قیمت ادا نہیں کرے گا۔

(3) اسلام کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے زمین کی ملکیت کی حد خاندان کی بجائے فرد کی بنیاد پر مقرر کی گئی۔

(4) وہ تمام مراعات اور چھوٹ جو کہ 1959ء کی اصلاحات کے تحت زمیندار کو دی گئی تھیں وہ ختم کر دی گئیں ۔

(5) تمام شکار گاہیں سرکاری تحویل میں لے لی گئیں اور ان کی زمین کاشت کاروں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا صرف تاریخی نوعیت کی شکار گاہیں قائم رکھی گئیں۔

(6) 20 دسمبر 1971ء کے بعد کسی بھی زمین کی ورثاء کو منتقلی غیر قانونی تصور کی گئی۔

(7) بلوچستان کے بٹ فیڈر کے علاقے میں سرکاری زمینوں کے بڑے بڑے رقبوں پر بارسوخ افراد نے جو قبضہ کر لیا تھا حکومت نے ان تمام اراضی کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔ یہ زمین بلوچستان کے غریب کاشتکاروں میں بانٹی جانی تھی۔

(8) حکومت نے فیصلہ کیا کہ سرکاری حکام جنہوں نے 100 ایکڑ سے زیادہ زمین حاصل کر لی اس کی 100 ایکڑ سے زائد زمین بحق سرکار ضبط کر لی جائے گی۔

(9) ایسے شخص کو جس نے 20 دسمبر 1971ء سے پہلے ٹریکٹر خریدا ہو یا ٹیوب ویل لگایا ہو اسے 15 ہزار پیداوار یونٹ کے علاوہ مزید 3 ہزار پیداواری یونٹ کے برابر زمین رکھنے کی اجازت دی گئی۔

(10) تمام سرکاری زمین بے زمین کاشتکاروں کے لیے یا ان کاشتکاروں کے لیے مخصوص کر دی گئی جن کے پاس گزارہ یونٹ سے کم اراضی ہو۔ سرکاری زمین کی قیمت کاشتکاروں سے آسان قسطوں پر وصول کی جانی تھی۔

(11) کاشتکاروں کی بے دخلی کی اجازت صرف اس صورت میں تھی اگر کاشتکار زمین کے مالک کو بٹائی کا حصہ یا لگان نہ دے سکے۔

(12) آبیانہ (Water rate) اور بیج کے اخراجات زمیندار اٹھائے گا نہ کہ کاشتکار۔

(13) ایک کمیشن مقرر کیا جانا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ مالیہ اکٹھا کرنے کیلئے سادہ اور آسان طریقے وضع کرے۔

(14) پیداواری صلاحیت کو بڑھانے کیلئے ایک باضابطہ پروگرام شروع کرنا تھا جس کے ذریعے کاشتکار کو کھاد و بیج اور قرضے اس کے دروازے تک پہنچانا تھے۔

ان اصلاحات پر عملدرآمد کے سلسلے میں ہر صوبے میں ایک لینڈ کمیشن قائم کیا گیا جس کا فرض یہ تھا کہ نئی زرعی اصلاحات پر عمل کروائے یہ کمیشن اپنے اپنے صوبوں میں حائل ہونیوالی رکاوٹوں کو دور کرنے کے انتظامات کرنے کے مجاز تھے۔

4.7 اصلاحات پر عملدرآمد

1972ء کی اصلاحات پر عملدرآمد مارشل لاء کے ضابطوں نمبر 115 اور 117 کے ذریعہ کروایا گیا اس

کے علاوہ ان اصلاحات پر لینڈ کمیشن نے اپنے اختیارات جو اسے سونپے گئے تھے کے ذریعے عمل کروایا درج ذیل گوشوارہ سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ کس قدر زمین حکومت کے حوالے کی گئی اور کس قدر زمین تقسیم کی گئی اور کتنے لوگوں نے ان اصلاحات سے استفادہ حاصل کیا۔

زمین جو 1972 کی اصلاحات کے تحت لی گئی اور پھر تقسیم کی گئی	
زمین جو حاصل کی گئی	2,245,522 ایکڑ
زمین جو تقسیم کی گئی	981,189
افراد کی تعداد جنہوں نے فائدہ اٹھایا	88,582
حاصل شدہ زمین کا کتنے فیصد حصہ تقسیم کیا گیا	43.70

4.8 اصلاحات سے متوقع نتائج

یہ بیان کیا گیا ہے کہ

(i) ان زرعی اصلاحات سے چند ہاتھوں میں زمین کی غیر منصفانہ ملکیت کا ارتکاز ختم ہو جائے گا۔

(ii) کاشت کار اور زمیندار کے درمیان ایک با عزت اور باہمی مفاد پر مبنی رشتہ قائم کرنے کی داغ بیل پڑے گی۔

(iii) زراعت ایک منافع بخش اور رغبت آفریں دست کی حیثیت سے زندہ اور برقرار رہے گی۔

(iv) جاگیرداری اورزمینداری کی مزید کمر توڑنے میں یہ اصلاحات مددگار ہونگی۔

(v) ان اصلاحات سے لاکھوں بے زمین کاشتکار زمین کے مالک بن جائیں گے اور وہ ملک کے ذمہ دار شہری کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کریں گے۔

(vi) زرعی اصلاحات کے ذریعہ ٹیکس کا تمام بوجھ زمیندار پر ہوگا نہ کہ کاشتکار پر۔

(vii) ماضی میں صدیوں تک مزارع اپنے خون پسینے سے جو فصلیں پیدا کر کے مالکوں کو دیتے رہے ہیں ان کا صلہ انہیں اراضی کا بلا معاوضہ مالک بنا کر دیا جائے گا۔

4.9 1959ء اور 1972ء کی زرعی اصلاحات کا موازنہ

(i) اس بات کو عام طور پر قبول کیا جاتا ہے کہ زمین کی ملکیت کا غیر منصفانہ نظام دونوں نقطہ نگاہ یعنی

فلاح وبہبود کے نقطہءنظر اور پیداواری صلاحیت کے نقطہ،نظر سے اچھا نہیں ہے لیکن ماضی میں اس جانب کوشش کی گئی کہ معاشرتی انصاف کو معاشی ترقی کے عمل میں مستقل جگہ دی جائے۔

(ii) 1950ء اور 1952ء میں مختلف صوبوں میں کاشتکاروں کے حقوق کے بارے میں قوانین (Tenancy Laws) پاس کئے گئے لیکن اُن کا تعلق کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ اور کاشتکاری کا تحفظ تھا جہاں تک بڑی بڑی زمینداریوں کے ختم کرنے کا تعلق تھا اس جانب اس وقت کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔

(iii) اس لحاظ سے 1959ء کی زرعی اصلاحات اس جانب پہلا قدم تھا جس کے تحت پہلی بار پاکستان میں زمین کی ملکیت کی حدود کا تعین کیا گیا 1959ء کی اصلاحات نے زمین کی ملکیتی کی حد 500 ایکڑ نہری یا 1000 ایکڑ بارانی رکھی اور (36 ہزار پیداوری اعشاری یونٹ) لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے زمیندار اس حد سے کہیں زیادہ زمین کو اپنی ملکیت میں رکھنے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ زمینداروں کو مختلف بہانوں سے مزید زمین رکھنے کا اختیار دے دیا گیا تھا۔

1959ء اور 1972ء کی اصلاحات کا فرق

(1) اگر موازنہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ 1972ء کی اصلاحات کئی لحاظ سے 1959ء کی اصلاحات سے بہتر ہیں۔ ایک فرد کو 1972ء کی اصلاحات کے تحت 150 ایکڑ زمین رکھنے کی حد قائم گئی جبکہ 1959ء کی اصلاحات میں حد ملکیت 500 ایکڑ تھی۔

(2) 1972ء کی زرعی اصلاحات کے تحت حد ملکیت سے زیادہ زمین پر کسی قسم کی چھوٹ نہیں دی گئی مثلاً باغ اور چراگاہوں والی زمین کو مستثنیٰ قرار دینا اس نوعیت کی استثناء صرف 1959ء زرعی اصلاحات کے تحت دی گئی

(3) زمین کی حد ملکیت اور جہاں تک چھوٹ کا تعلق ہے 1972ء کی اصلاحات مقابلتاً 1959ء کی اصلاحات کے کم نرم ہیں لیکن وارثوں کو جائیداد منتقل کرنے میں زیادہ فراخدلانہ ہیں 1959ء کی اصلاحات میں زمین کی منتقلی کی اجازت تھی بشرطیکہ زمیندار نے پہلے زمین منتقل نہ کی ہو اس کے برعکس 1972ء کی اصلاحات اس قسم کی کوئی بندش نہیں رکھی گئی۔

(4) 1972ء کی زرعی اصلاحات جس بات پر 1959ء کی اصلاحات سے بالکل ہٹ گئیں وہ یہ ہے کہ حد ملکیت سے زیادہ زمین نہ رکھنے والے کو زمین کا بالکل معاوضہ نہ دیا گیا اور تمام زمین

جو کہ اس طرح حکومت نے زمیندار سے ملکیت حاصل کی ہے مفت کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کا عہد کیا گیا۔

(5) ایک نکتہ جو قابل تفتیش ہے وہ یہ ہے کہ زرعی اصلاحات سکیم پر خرچ کیسے پورا کیا جائے گا؟ 1959 کی اصلاحات کے تحت جو معاوضہ زمیندار کو دیا گیا اور جو رقم کسانوں سے وصول کی گئی اس فرق کے ذریعے زرعی اصلاحات کی سکیم کا خرچ چلایا گیا 1972ء کی اصلاحات کے تحت زیادہ رقم خرچ نہ کی جاتی تھی کیونکہ زمیندار سے رقم حکومت نے مفت ضبط کر لی تھی اور نہ ہی کاشتکار سے کوئی رقم وصول کی گئی۔

(6) کاشتکار کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں اگر 1959ء اور 1972ء کی اصلاحات کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بعد الذکر اصلاحات پرانی اصلاحات کے مقابلے میں ایک بڑھتا ہوا قدم ہے جہاں تک مصارف اٹھانے کا تعلق ہے تو 1972ء کی اصلاحات نے کاشتکار کے اخراجات کا بوجھ ہلکا کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مالیہ سر چارج اور زمین پر دوسرے ٹیکس وغیرہ مالک ادا کرتا ہے اس طرح آبیانہ اور بیج کی فراہمی وغیرہ کی ذمہ داری کسان سے زمیندار کو منتقل کر دی گئی جبکہ کھاد اور دوائیوں پر جو مصارف آئیں گے وہ آدھے آدھے کاشتکار اور زمیندار کے مابین بٹ جائیں گی۔

لہٰذا یہ بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ 1972ء کی زرعی اصلاحات جہاں تک کاشتکاروں کو سہولتیں دینے کا تعلق ہے۔ 1959ء کی زرعی اصلاحات ے مقابلے میں پیش قدمی کی حامل تھیں جہاں تک زمین پر کاشتکاری کے حقوق کے تحفظ کا تعلق ہے پوزیشن بالکل جوں کی توں ہے۔

4.10 اہم نکات

(1) پاکستان میں سب سے پہلے جو زرعی اصلاحات نافذ کی گئی وہ 1959ء کی زرعی اصلاحات تھیں جو ایوب خان کے دور میں نافذ کی گئیں ان اصلاحات کی چیدہ چیدہ خصوصیات یہ تھیں۔

زمین کی ملکیت کی حد 500 ایکڑ نہری اور 1000 ایکڑ بارانی علاقہ میں تھی اس کے علاوہ زمینداروں کو مختلف استثنا اور چھوٹ دی گئیں جس کی بدولت اور مزید زمین کا رقبہ اپنی تحویل میں رکھ سکتے تھے زمینداروں کے پاس جتنی زمین اس طرح بچ جاتی تھی وہ سرکار کی تحویل میں چلی جاتی تھی سرکار اس زمین کو کاشتکاروں کے ہاتھ آسان قسطوں پر فروخت کرتی تھی زمیندار جن کی فالتو زمین ضبط کی گئیں ان کو اس کا معاوضہ دینے کا بندوبست بھی کیا گیا۔

تمام قسم کی جاگیریں ختم کر دی گئیں۔

(2) زمین کے ٹکڑوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا معاشی اور گزراوقات کے قطعات۔

(ا) معاشی قطعات:۔ وہ قطعات ہیں جو کہ نئے اور جدید آلات کاشتکاری کی اجازت دیں اور قابل احترام قسم کا زندگی کا معیار فراہم کر سکیں اس کی حد پنجاب اور سندھ میں 50 ایکڑ اور حیدرآباد اور خیرپور ڈویژن میں 64 ایکڑ تھی۔

(۲) گزراوقات کے قطعات وہ قطعات جو گزارہ کے لیے کافی ہوں پنجاب میں 12-1/2 ایکڑ رقبہ والے اور سندھ کے حیدرآباد اور خیرپور ڈویژن میں ایسے قطعہ کا رقبہ 16 ایکڑ قرار دیا۔

زرعی اصلاحات کے کمیشن نے فیصلہ کیا کہ قطعات اگر ان دو قسم کے قطعات سے چھوٹے ہوئے تو ان پر اشتعال اراضی کا کام ہوگا۔

(3) دوسری دفعہ زرعی اصلاحات سنہ 1972ء میں نافذ کی گئیں ان اصلاحات کے تحت زمین کی حد ملکیت بھی کم رکھی گئیں بعض 150 ایکڑ نہری رقبہ 300 ایکڑ بارانی علاقے میں اسکے علاوہ زمینداروں کو کسی قسم کی اصل چھوٹ نہیں دی گئی۔

زمینداروں سے فالتو زمین بغیر معاوضے کے ضبط کر لی گئیں اور وہ اصل کاشتکاروں/کسانوں کو بغیر معاوضے (Occupancy terms) کے دے دی گئی اگر وہ لینے کو تیار نہ ہوئے تو تب دوسرے قسم کے کاشتکاروں کو یہ زمین پیش کی گئی۔

(4) سنہ 1972ء کی زرعی اصلاحات سنہ 1959ء کی زرعی اصلاحات سے کسی لحاظ سے بہت بہتر ہیں بمقابلہ سنہ 1959ء کی زرعی اصلاحات کے سنہ 1972ء کی اصلاحات میں جاگیردار اور زمیندار کی طاقت ختم کرنے کی کوشش کی گئی کاشتکار کو بہتر مالکانہ حقوق دینے کی کوشش کی گئی اور اسی طرح کاشتکار کو دوسرے قسم کے تحفظات فراہم کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔

(5) سنہ 1972ء کی اصلاحات میں زمین کی ملکیت کی حد 500 ایکڑ نہری اور 300 ایکڑ بارانی تھی جب کہ سنہ 1959ء کی زرعی اصلاحات میں حد ملکیت بالترتیب 500 اور 1000 ایکڑ تھی۔

(6) اسی طرح سنہ 1972ء کی اصلاحات میں کاشتکاروں کو زمین مفت فراہم کرنے کی کوشش کی گئی جب کہ سنہ 1959ء میں معاوضہ ادا کرنے میں زمین پر مالکانہ حقوق دیئے گئے۔

4,11 خود آزمائی

(1) 1959ء کی زرعی اصلاحات کے تحت زمین کی ملکیت کی حد نہری علاقے میں 150 ایکڑ تھی۔

نہیں	ہاں

(2) 1959ء کی زرعی اصلاحات کے تحت زمین کی ملکیت کی حد نہری علاقے میں 300 ایکڑ تھی۔

نہیں	ہاں

(3) 1972ء کی زرعی اصلاحات کے تحت زمین کی ملکیت کی حد نہری علاقے میں 500 ایکڑ تھی۔

نہیں	ہاں

(4) 1972ء کی زرعی اصلاحات کے تحت بارانی علاقے میں زمین کی حد 150 ایکڑ تھی۔

نہیں	ہاں

(5) 1972ء کی زرعی اصلاحات کے تحت بارانی علاقے میں زمین کی حد ملکیت 300 ایکڑ تھی۔

نہیں	ہاں

(6) 1959ء کی زرعی اصلاحات کے تحت معاشی قطعہ کا رقبہ پنجاب میں 60 ایکڑ تھا۔

نہیں	ہاں

(7) 1959ء کی زرعی اصلاحات کے تحت پنجاب میں معاشی قطعہ کا رقبہ 50 ایکڑ تھا۔

نہیں	ہاں

(8) 1959ء کی زرعی اصلاحات کے تحت گزراوقات کا قطعہ پنجاب میں 16 ایکڑ کا تھا۔

نہیں	ہاں

(9) 1959ء کی زرعی اصلاحات کے تحت گزراوقات کا قطعہ خیر پور اور حیدر آباد ڈویژن میں 16 ایکڑ کا تھا۔

نہیں	ہاں

(10) 1972ء کی زرعی اصلاحات کے تحت زمین کاشتکاروں کو قیمت پر دی گئی۔

نہیں	ہاں

(11) 1959ء کی زرعی اصلاحات کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیجیے۔

(12) 1972ء کی زرعی اصلاحات کی کیوں ضرورت پڑی، نیز اس سال کی زرعی اصلاحات کی چیدہ

چیدہ خصوصیات بیان کیجیے۔

(13) 1959ء اور 1972ء دونوں سالوں کی زرعی اصلاحات کا تقابل کیجیے۔

4.12 خود آزمائی کے جوابات

1۔نہیں	2۔نہیں	3۔نہیں
4۔نہیں	5۔ ہاں	6۔نہیں
7۔ ہاں	8۔نہیں	9۔ ہاں
10۔نہیں		

5۔زرعی قرضے کے بارے میں اصلاحات

5.1 زرعی قرضوں کی اہمیت

قرضوں کی ہرشعبے میں اہمیت ہے لیکن زارعت کے شعبے کے لیے قرضے بہت اہم ہیں کیونکہ یہاں پراکثر فارم(Farm) کارقبہ 12-1/2 ایکڑسے کم ہے نہ صرف یہ بلکہ کاشتکارکی آمدنی بہت کم ہے اسی بناپر اس کی پس اندازکرنے کی قوت صفرہے یہی وجہ ہے کہ زراعت میں بہت کم سرمایہ لگایاجاتاہے ہمارے چھوٹے کسان کے پاس سرمایہ نہیں ہے اس لیے زمین پر کسی قسم کاترقیاتی کام نہیں ہوسکاہمارے کسان نہ صرف غریب ہیں بلکہ ایسے کسانوں کی تعدادبہت زیادہ ہے ان تمام وجوہات کی بناپریہ بہت مشکل اورخاصامہنگاکام ہے کہ کاشتکاروں کوقرضہ فراہم کیاجائے۔ان باتوں کے علاوہ اصل رقم کے ضائع ہوجانے کابھی خطرہ ہے یہی وجہ ہے کہ مہاجن ان کسانوں کوبھاری شرح سود پررقم دینے کوتیاررہتاہے ہماری شرح سود کی بناپرکسان پشت درپشت مہاجن کامقروض چلاآرہاہے ان حالات میں قرضوں کی باقاعدہ فراہمی وقت کااہم تقاضابن گیاہے کیونکہ اگرکسانوں کوقرضوں کی سہولتیں فراہم نہیں کی جائیں گی تووہ ترقیاتی کام توکیاوہ کاشتکاری کرنے کے قابل بھی نہیں ہوسکتے جب کہ زمینوں کی کاشت قومی نقطہ نگاہ سے نہایت اہم کام ہے۔

5.2 دیہی قرضوں کے اہم ذرائع

دیہی قرضوں کے دواہم ذرائع ہیں:۔

(i) غیراداری قرضہ: ان میں عام طورپرجولوگ شامل کیے جاتے ہیں وہ پرائیویٹ مہاجن ہے مہاجن یاقرضے دینے والے پیشہ وارنہ بھی ہیں اورغیرپیشہ وارانہ بھی پیشہ وارانہ قرض دینے والے قرضوں پربھاری شرح سود صول کرتے ہیں جبکہ غیرپیشہ ورلوگ قرضوں پراول توسود وصول نہیں کرتے اوراگرکرتے بھی ہیں تووہ برائے نام ہوتاہے۔

جہاں تک غیرارادی قرضوں کاتعلق ہے وہ بلاشبہ کاشتکاروں کے لیے اہم ہیں لیکن ان کی ضرویات کے مقابلے میں بہت کم ہیں اسی وجہ سے زرعی قرضوں کازیادہ تربوجھ اداروں پرہے۔

(ii) اداری قرضہ: اس قسم میں وہ ادارے شامل ہیں جوکہ کاشتکاروں کوقرضہ دینے کے کام میں جزوی طورپریامکمل طورپرمصروف ہیں یہ ادارے حسب ذیل ہیں:۔

(1)حکومت کا مالیاتی محکمہ تقاوی قرضے(2)قرضے کی تعاونی انجمن(3)تجاری بینک(4)زرعی ترقیاتی بینک اداری قرضوں کی اہمیت اسلیے بہت زیادہ ہے کہ دیہاتوں میں ادھار دینے والے لوگ بہت کم ہیں(5) اوراگروہ قرضہ دیں بھی تو وہ وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دیں گے لمبی مدت پروہ قرضہ نہیں دیتے اوراگردیں بھی توان کالازمی دھیان اس قرض پردی ہوئی رقم کے معاوضہ پر رہتا ہے اور یہ معاوضہ عمومی طور پرزمین رہن پر رکھنے تک پہنچ جاتا ہے ان حالات میں خطرہ ہے کہ ہمارے دیہاتوں میں ہندوبنیایامہاجن والی پوزیشن نہ پہنچ جائے۔ان حالات سے بچنے کے لیےضروری ہے کہ قرضہ دینے والے ادارے قائم کیے جائیںاور جوہمارے پاس ادارے موجود ہیںانکومالیاتی طور پرمضبوط ومنظم کیاجائے۔

5.3اداری قرضے

حکومت کی طرف سے کسانوں کوقرضے ہرصوبے میںصوبائی حکومتیں کاشتکاروں کوزمین کی بہتری کے لئے کاشتکاروں کوقرضے فراہم کرتی ہیں حکومت نہ صرف زمین کی بہتری کے لیے قرضے فراہم کرتی ہیں بلکہ مصیبت کے وقت کاشتکاروں کوقرضے فراہم کرتی ہے یہ قرضے عمومی طور پرتقاوی قرضوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں ان قرضوں کا مقصد کاشتکارکواس قابل بناتا ہے کہ وہ مصیبت کے حالات سے جلدازجلدنکل سکے ان قرضوں کی ادائیگی کادارومدار اس بات پر ہے کہ قرضے کن مقاصد کے لیے دیے گئے ہیں ان قرضوں کی فراہمی زمین کورہن پر رکھ کرہوتی ہے

5.4تعارفی اداروں کی طرف سے قرضے

کسانوں کو قرضہ دینے کے لیے اس قسم کی سوسائٹی 1904ء سے قائم کی گئی ہیں وہ کسانوں کوقرضے دینے میں اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہیں اس نظام میں 10 یا 10 سے زیادہ آدمی مل کرایک پرائمری کوآپریٹوسوسائٹی قائم کرسکتے ہیں اسے مشترکہ سرمائے جمع اورجمع شدہ امانتوں کی مدد سے چلایا جاتا ہے ان کے اوپر ہرضلع میں ایک سنٹرل کوآپریٹو بنک ہوتاہے جو کہ ابتدائی سوسائٹی کوقرضہ دیتا ہے اور پھران کے اوپر پرونشل کوآپریٹو بنک ہوتا ہے۔

اگرچہ ان اداروں کودیہاتی عوام میں مقبولیت حاصل کرنے میں دیرلگی ہے تاہم یہ کاشتکاروں کوقرضہ فراہم کرنے کاایک اہم ذریعہ ثابت ہوئے۔

بہتری کے لیے کوشش یااصلاحات

تعاونی اداروں کاکام جائزہ دینے کے لیے وقتاً فوقتاً کمیٹی اورکمیشن بٹھائے گئے انہوں نے انکے کام

کو بہتر طور پر چلانے کے لیے کئی تجاویز پیش کیں اور حکومت وقت نے ان تجاویز پر عمل کیا، اس سلسلے میں سب سے پہلے (Credit Enquity Comminsssion) کی رپورٹ (1958) قابل ذکر ہے اس کی رپوٹ کے نتیجہ میں حکومت نے ایک (Credit Advisory Committee) اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے تحت قائم کی تا کہ یہ کمیٹی دیہی قرضوں کے اداروں کی سرگرمیوں کو مربوط کر سکے ایک دیہی قرضہ فنڈ (Rural Credit Fund) مرکزی بینک میں قائم کیا گیا تا کہ وہ دیہی قرض دینے والے اداروں کو درمیانے درجے کے قرض فراہم کر سکے۔

مارچ 1972ء میں ایک آرڈر (Coperation Reform Order) نافذ کیا گیا تا کہ کوآپریٹو سوسائٹیوں کے کام کو بہتر بنایا جائے اسی طرح (Agricultural Credit Advisory Committee) کے ایماء پر 1976ء میں (Federal Bank for Cooperations) بنا تا کہ وہ ملک بھر کے (Cooperative Banks) پر نہ صرف نظر رکھے بلکہ کنٹرول کرے جس آرڈی نینس کے تحت یہ بینک قائم ہوا اسکے تحت مختلف قسم کے کوآپریٹو بینک کو ایک صوبائی کوآپریٹو بنک میں مدغم کر دیا گیا آئندہ سے تمام سنٹرل کوآپریٹو بینک صوبائی کوآپریٹو بینک کی برانچوں کی حیثیت سے کام کریں گے۔

بلاشبہ کوآپریٹو سوسائٹی کے معاملے میں خاصی نا کامیاں ہوئیں لیکن امید نہیں ہاری گئی امید کی جاتی ہے کہ یہ سوسائٹیاں اپنا کردار سرانجام دیں گی اور کسان کی بنیادی ضروریات پوری کریں گی۔

5.5 تجارتی بینک اور زرعی قرضہ

تجارتی بینک کافی دیر تک کاشتکار کو قرضہ دینے سے گریز کرتے رہے کیونکہ کاشتکار کے پاس نہ تو کوئی چیز بطور سیکورٹی کے ہوتی تھی اور دوسرا ان سے قرضہ کی واپسی میں کافی وقت درپیش تھی سنہ 1970ء میں سب سے پہلے کچھ اقدامات کئے گئے تا کہ بینک کاشتکاروں کو قرضہ دینے میں کسی تامل کا اظہار نہ کریں۔

دیہی قرضہ کی فراہمی کے سلسلے میں اصلاحات

دیہی قرضے کی فراہمی کے سلسلہ میں جو اصلاحات ہوئی ہیں اُن کا زیادہ تعلق تجارتی بینک سے ہے ان اصلاحات کا مقصد یہ تھا کہ تجارتی بینکوں کو زیادہ سے زیادہ ترغیب دی جائیں تا کہ وہ کاشتکاروں کو قرضے فراہم کریں اس سلسلے میں دو اسکیمیں سن 1970ء میں رائج کی گئیں۔

(ا) سرمایہ کی دوبارہ فراہمی کی اسکیم (The Refinance Scheme)

اس سکیم کے تحت کھاد کے تمام ڈیلرز تجارتی بینک سے اتنی رقم قرض لے سکتے تھے جتنی مالیت کی کھاد انہوں

نے کاشتکاروں کوقرضے پر فراہم کی ہو۔ اسٹیٹ بینک نے اس سلسلہ میں تجارتی بینکوں کودوبارہ اس ادھاردی ہوئی رقم کا50% حصہ بطور(Refinance) مہیا کرنا تھااوروہ بھی بینک شرح پر جو کہ بازاری شرح سود سے کم ہوتی ہے۔

(ب) گارنٹی سکیم

اس سکیم کے تحت کھاد کے ڈیلرکو(جو کہ قرضے پرکاشتکاروں کوکھادمہیا کرتاہے) جورقم بینک کی طرف سے بطورقرض دی جاتی تھیں اس رقم کی25 فیصد کی گارنٹی سٹیٹ بینک نے دی ہے۔

1972ء میں حکومت نے مزیداقدامات کیے تاکہ تجارتی بنک زیادہ سے زیادہ کاشتکاروں کوقرضے فراہم کریں۔

(i) یکم دسمبر1972ء سے ایک سکیم نافذ کی گئی جس کے تحت کاشتکارکو2000روپے قرض لینے کے لئے بجائے زمین رہن رکھنے کے دوقابل اعتبار (Sureties) ضمانت کنندہ کی ضرورت ہوگی یہ قرض زرعی مداخلات(inputs) کی خرید پراستعمال ہوں گے۔

(ii) مرکزی بینک تجارتی بینکوں کے زرعی قرضوں کے نقصان کی صورت میں گارنٹی سکیم کے تحت بینکوں کے25 فیصدنقصان کے بجائے50 فیصدنقصان کی گارنٹی دے گا۔

(iii) زرعی قرض دینے کے سلسلے میں ایک اورقدم اٹھایا گیااوروہ تھا کاشتکاروں کوپاس بک(Pass Book) کی فراہمی اس پاس بک میں کاشتکار کے تمام کوائف درج ہوتے ہیں اور یہ پاس بک کاشتکارکوقرضہ لینے کااہل قراردے گی اس پاس بک کی وجہ سے کاشتکار بہ آسانی قرضے حاصل کرسکیں گے۔اس پاس بک کے کےکوائف افسر مالیات تصدیق کرتاہے۔

(iv) آخرمیں نیشنل بینک کی طرف سے زرعی قرضے فراہم کرنے کے سلسلے میں ایک اہم قدم گشتی قرضوں کی سکیم(Supervised Credit Programme) کی صورت میں اٹھایا گیاہے اس پروگرام کے تحت ایک گشتی قرضے کانظام قائم کیا گیاہے اس نظام کے تحت بنک کے افسردیہات میں جائیں گے اورکاشتکاروں کی ترقیاتی کوششوں اور پیداواری کاموں کاجائزہ لیں گے اوراسی کے مطابق قرضہ جاری کریں گے۔

5.6 سٹیٹ بینک آف پاکستان اورزرعی ترقیاتی بنک:۔

سٹیٹ بینک آف پاکستان نے جوکاوشیں زرعی قرضے کی فراہمی کے سلسلے میں کی ہیں وہ چندسطروں میں پیش نہیں کی جاسکتیں،سٹیٹ بینک نے اپنے وجودمیں آنے سے لے کرہروہ اقدامات کیے ہیں جن سے

کاشتکارکوقرضے کی فراہمی آسان سے آسان ہوجائے اس نے مصیبت کے وقت کاشتکار کو تقاوی قرض فراہم کیے۔ دیہی قرضہ فنڈ قائم کیا جس کا تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے اس طرح 1972ء میں(Agricultural Advisory Committee) قائم کی اسٹیٹ بنک نے تمام قرضہ دینے والے اداروں کو ضرورت کے وقت معمولی شرح سے سود پر قرض فراہم کیے تا کہ وہ اپنا فریضہ خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہیں۔

اس طرح اسٹیٹ بنک نے کوآپریٹو سوسائٹیوں کو بحال کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے اس طرح یہ سوسائٹیاں دیہی عوام کی خدمت کرنے کے قابل ہوگئی ہیں۔

زرعی ترقیاتی بنک

یہ بنک دو مالی اداروں کو مدغم کر کے بنایا گیا تھا۔ یہ ادغام 1961ء میں ہوا تھا۔اس بنک کا بنیادی فرض یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ کاشتکاروں کو ترقیاتی اور پیداواری کاموں کے لیے قرض فراہم کرے۔

5.7اہم نکات

(1) زرعی قرضے ہماری دیہی معیشت کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں ہمارے کاشتکار کے پاس اتنی آمدنی نہیں ہوتی کہ وہ اپنی کمائی ہوئی رقوم کو زمین پر لگا سکتے۔لازمی طور پر اسے پیداوار حاصل کرنے کے لیے یا زمین کی بہتری کے لیے قرضے ناگزیر ہیں۔

(2) دیہی قرضوں کی اہم ذرائع دو حصوں میں بانٹے جاسکتے ہیں۔

غیر اداری قرضہ

جو افراد کی طرف سے مہیا کیے جاتے ہیں ان میں کاشتکار کے عزیز و اقرباء اور پیشہ ور قرضے دینے والے اشخاص شامل ہیں۔

اداری قرضہ

ان قرضوں سے مراد وہ قرضے ہیں جو حکومت، تعاونی، انجمنوں، زرعی ترقیاتی بنک اور تجارتی بنکوں کی طرف سے فراہم کیے جاتے ہیں۔

(3) جہاں تک حکومت اور تعاونی انجمنوں کی طرف سے قرضوں کی فراہمی کا تعلق ہے وہ دیہات کی ضروریات کے مقابلے میں بہت کم ہے زرعی ترقیاتی بینک اپنی سرگرمیوں کو بلاشبہ بڑھا رہا ہے لیکن وہ بھی دیہی آبادی

کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر رہا ہے۔

(4) 1970ء پہلے تجارتی بنک کاشتکاروں کو قرضہ دینے سے گزیر کرتے تھے کیونکہ کاشتکار بطور ضمانت کوئی خاص چیز پیش نہیں کر سکتے تھے اور دوسری طرف ان کاشتکاروں سے قرضے کی بازیابی اچھا خاصا مسئلہ تھا اس وجہ سے تجارتی بنک اپنے سرمایہ کو دیہی قرضوں کی صورت میں پھنسانا نہیں چاہتے تھے۔

1970ء سے تجارتی بنکوں میں اصلاح کا کام شروع ہوا اور اس سلسلے میں جہاں تک خطرات کا تعلق ہے اس میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے باقاعدہ شرکت کی نتیجتاً تمام تجارتی بنکوں نے سادہ ضمانت پر کاشتکاروں کو قرض فراہم کرنے شروع کر دیئے اگرچہ ان اقدامات کے نتائج اتنے اچھے نہیں نکلے لیکن پھر بھی دیہی قرضوں کی ضروریات پوری کرنی کی جانب یہ ایک اہم قدم ہے جسے تعریف کی نظر سے دیکھا جانا چاہیے۔

اس سلسلے میں جو اصلاحات کیں گئیں ان میں (Refinance Secheme) اور ثانیاً گارنٹی اسکیم قابل ذکر ہیں۔

5.8 خود آزمائی

(1) اداری قرضوں میں وہ قرضے بھی شامل ہیں جو دیہی مہاجن مہیا کرتا ہے۔

ہاں	نہیں

(2) غیر اداری قرضوں سے دیہی معیشت کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

ہاں	نہیں

(3) (Credit Advisory Committee) اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے تحت قائم کی گئی۔

ہاں	نہیں

(4) تعاونی انجمنوں کی اصلاح کا آرڈر (Cooperative Reform Order) 1970ء میں نافذ کیا گیا۔

ہاں	نہیں

(5) گارنٹی اسکیم کے تحت سٹیٹ بنک، تجارتی بنکوں کے دیہی قرضوں کی 60 فیصد کی گارنٹی دیتا ہے۔

ہاں	نہیں

(6) گارنٹی اسکیم کے تحت اسٹیٹ بنک تجارتی بنکوں کے دیہی قرضوں کی 50 فیصد کی گارنٹی دیتا ہے۔

ہاں	نہیں

(7) پاکستان میں دیہی قرضے کے اہم ذرائع قلمبند کیجیے۔

(8) مختلف اداروں کی طرف سے جو دیہی قرضے فراہم کیے جا رہے ہیں ان پر نوٹ لکھیے۔

(9) تجارتی بنک دیہی قرضوں میں کیوں دلچسپی نہ لیتے تھے؟ وہ کون سی ترغیب اُن کو دی گئیں کہ انہوں نے کاشت کار کو قرضے فراہم کرنے شروع کر دیئے ہیں۔

(10) زرعی قرضوں کی فراہمی کے سلسلے میں اسٹیٹ بنک کے کردار پر نوٹ لکھیے۔

5.9 خود آزمائی کے جوابات

1۔نہیں	2۔نہیں
3۔ہاں	4۔نہیں
5۔نہیں	6۔ہاں

فرہنگ

(1)۔ارتکاز اراضی۔Concentration of landed wealth)۔

﴿زمین کی ملکیت کا چند ہاتھوں میں اکٹھا ہو جانا﴾۔

(2)اشتمال اراضی۔Consolidation of land)۔

﴿بکھرے ہوئے قطعات کو ایک جگہ اکھٹا کرنا﴾۔

(3)انتشاراراضی۔Fragmentation of land-holding)۔

﴿کسی ایک شخص کی ملکیت میں زمین کا مختلف علاقوں میں بکھرنا﴾۔

(4)حدملکیت۔Ownership ceiling)۔

﴿زیادہ سے زیادہ زمین رکھنے کی قانونی حد﴾۔

(5)خودکاشت زمیندار۔Peasant owner)۔

﴿ایسامالک زمین جو زمین کو خود کاشت کرتا ہو﴾۔

(6)رعیت واری نظام۔Rayatwari System)۔

﴿ایسانظام اراضی جس میں زمین کی ملکیت حکومت کے پاس ہوتی ہولیکن چھوٹے چھوٹے کاشتکار زمین پر کام کرتے ہوں﴾۔

(7)غیرحاضرزمینداری۔Absentee Landlordism)۔

﴿ایسا زمیندار جو اخود کاشت نہیں کرتا﴾۔

(8)قابض کاشت کار۔Occupancy Tenant)۔

﴿نسل درنسل کا قابض کاشتکار﴾۔

(9)کاشت کاروں کے حقوق کا تحفظ۔Security of Tenure)۔

﴿کاشت کار کے حقوق کی حفاظت کے لیے اقدامات﴾۔

(10)مداخل۔Input)۔

﴿ایسے ابتدائی عاملین جن کے بغیر پیداوار ممکن نہ ہو﴾۔

(11)مزارتابع مرضی۔Tenant at will)۔

﴿ایسا کاشت کار جو زمین کی مرضی کا مرہون منت ہو﴾۔

(12)مزارعہ کاشتکاری۔Tenancy Farming)۔

﴿زمین کی ایسی کاشت جومزارع سرانجام دیتا ہو﴾۔

کتابیات

1. Economic Develpoment of Pakistan
Dr.S.M.Akhtar

(2) معاشیات پاکستان۔شیخ منظور علی۔

(3) Economic Survey of Pakistan-2007-08۔

یونٹ 8

زراعت کے لوازمات

تحریر
اسرار الحق

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد 290

1۔ پاکستان میں آب پاشی کی ضرورت 291

1.1 زیرِ کاشت رقبے کی تفصیلات 291
1.2 آپ پاشی کی ضرورت 291
1.3 آپ پاشی کی اہمیت 291
1.4 آب پاشی کے ذرائع 293
1.5 آب پاشی کے مسائل 294
1.6 اہم نکات 295
1.7 خود آزمائی 296
1.8 جوابات 296

2۔ نہری آب پاشی 297

2.1 اقسام 297
2.2 اہم نکات 297
2.3 خود آزمائی 298
2.4 جوابات 298

3۔ سندھ طاس کا منصوبہ 299

3.1 منصوبہ کے وجود میں آنے کی وجوہات 299
3.2 منصوبہ کے اہم نکات 299
3.3 منصوبہ کو چلانے کے لیے مستقبل کمیشن کا قیام 300
3.4 منصوبہ کی تکمیل میں واپڈا کا کردار 300

3.5	تعمیری تفصیلات	301
3.6	فوائد	302
3.7	اہم نکات	302
3.8	خودآزمائی	302
3.9	جوابات	303

4۔کھاد کی ضرورت 304

4.1	کھاد کی اہمیت	304
4.2	کھاد کا غلط استعمال	304
4.3	کھاد کا صحیح استعمال	304
4.4	مصنوعی کھاد میں غذائی عناصر	305
4.5	نائٹروجن فراہم کرنے والی کھادیں	306
4.6	فاسفورس فراہم کرنے والی کھادیں	307
4.7	پوٹاشیم فراہم کرنے والی کھادیں	307
4.8	مصنوعی کھاد کے فی ہیکٹر استعمال کا بین الاقوامی تقابلی جائزہ	307
4.9	کھاد کی درآمد	308
4.10	کھاد کی تقسیم براعانہ کا بوجھ	308
4.11	کھاد کی درآمدی قیمت اور ملکی قیمت میں فرق	308
4.12	اہم نکات	308
4.13	خودآزمائی	309
4.14	جوابات	310
5۔	فرہنگ	310
6۔	کتابیات	310

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ سے آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

(1) ہمارے ملک میں موجودہ نظام آب پاشی کو سمجھ سکیں۔

(2) نہری آب پاشی کے مسائل اور انکا حل تلاش کرسکیں۔

(3) سندھ طاس کے منصوبہ کی ابتداء کی وجوہات اور اثرات کو جان سکیں۔

(4) ہمارے کاشت کار کھاد کے استعمال کی ضرورت اور اس کے بہتر استعمال کے طریقے جان سکیں۔

(5) زرعی سپلائی کارپوریشن کے دائرہ عمل سے واقفیت حاصل کرسکیں۔

پاکستان میں آب پاشی کی ضروریات

1.1 زیر کاشت رقبہ کی تفصیلات

پاکستان میں زیر کاشت رقبے میں سے 78 فیصد رقبے کو آب پاشی کی سہولتیں میسر ہیں اور 22 فیصد رقبے کا انحصار ابھی تک بارش پر ہے اور یہ فی ہیکٹر پیداوار کو پست رکھنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

آب پاشی کے پانی کی محدود مقدار کے سبب کسان اپنے کھیتوں میں فصل کاشت کرنے کے بعد دوسری فصل میں خالی چھوڑتا ہے تاکہ وہ زمین قدرتی طور پر اپنی غذائیت حاصل کر کے دوبارہ کاشتکاری کے لیے بحال ہو سکے۔

1.2 آب پاشی کی ضرورت

پاکستان جغرافیائی لحاظ سے اس طرح کا وجود رکھتا ہے کہ اس کے تمام علاقے پر یکساں بارش نہیں ہوتی کسی جگہ اوسطاً سالانہ دو انچ بارش ہوتی ہے اور کسی جگہ اوسطاً سالانہ 40 انچ بھی بارش ہوتی ہے غالباً ملک کا 67 فیصد علاقہ ایسا ہے جہاں بمشکل 10 انچ بھی بارش ہوتی ہے اگر ہمارے ملک میں آبپاشی کا متبادل انتظام نہ ہو تو اندازہ ہے کہ ہمارا تقریباً نوے فیصد علاقہ بے آب و گیاہ اور بنجر ہوتا یا اگر اس پر زراعت بھی ہوتی تو بڑی معمولی قسم کی زراعت کی توقع کی جا سکتی تھی لہٰذا اس ضرورت کے تحت ہمارے ملک میں آبپاشی کا نظام قائم کیا گیا تاکہ ہم اپنی کھیتی باڑی کا کام بہ طریقہ احسن کر سکیں۔

1.3 آب پاشی کی اہمیت

(i) بلند معیار زندگی

زراعت کے لیے پانی کی اہمیت بعینہ ہے جیسے انسانی جسم میں گردش خون کی ضرورت ہمارے کسان کو جب پانی کی سہولت پوری طرح میسر آ جاتی ہے تو انکی پیداوار میں قدرتی طور پر کم از کم بیس فیصد کا اضافہ ہو جاتا ہے ہمارے ان علاقوں میں جہاں موسمی بارشیں اپنے ٹھیک وقت پر ہو جاتی ہیں اور کسان ان بارشوں سے مستفید ہو جاتا ہے وہاں فی ایکڑ پیداوار خود بخود بڑھ جاتی ہے ہمارے کسان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔

(ii) بہتر سرمایہ کاری کے مواقع

کستان کی فی ایکڑ پیداوار میں اضافے سے اس کی آمدن میں اضافہ ہوتا ہے اپنے روزمرہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے بعد وہ کچھ نہ کچھ بچا بھی سکتا ہے اس بچت کو وہ اپنی زراعت میں سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرسکتا ہے اپنی بچت سے وہ کنوئیں کھدوا سکتا ہے۔ٹیوب ویل لگا سکتا ہے،اورٹریکٹر خرید سکتا ہے غرضیکہ وہ اسی قسم کے کئی ایسے کام کرسکتا ہے جو معاشی اصلاح میں سرمایہ کاری کہلاتے ہیں اور جن سے پیداوار مزید بڑھائی جا سکتی ہے۔

(iii) جدید طریق کاشت پر عمل

ہمارے کسان کی آمدنی بڑھ جانے سے وہ اپنی زندگی میں انقلاب محسوس کرتا ہے اس کے بچے شہروں میں تعلم کے لیے جاتے ہیں اور انجینئرنگ اور ڈاکٹری جیسی اہم تعلیمات حاصل کرکے ملک کے بہترین شہری بنتے ہیں وہ خود بھی اپنے گھر میں زندگی کی نئی آسائشات خرید کرلاتا ہے ریڈیو،ٹی وی، کمپیوٹر، فرج، موٹرکار وغیرہ جیسی سہولیات زندگی اس کے گھر میں آنے کا طرز فکر بدلتا ہے وہ دقیانوسی اور روایتی طرز زندگی کو چھوڑ کر زمانے کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس سفر میں وہ ایسے طریقے بھی سیکھ لیتا ہے جس سے اس کی زراعت جدید خطوط پر استوار ہوتی ہے اور اس طرح پورے ملک کی زراعت میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بڑھتا ہے۔

(iv) روزگار کی بلند سطح

زرعی شعبہ میں خوشحالی آنے سے دیہی علاقے میں ثانوی مشاغل میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے کسان صرف کھیتی باڑی کے کام میں مشغول نہیں رہتا بلکہ اپنے فاضل وقت اور سرمایہ کو زراعت کے ثانوی مشاغل مثلاً مرغبانی، ماہی گیری اور ڈیری فارمنگ اور لائیوسٹاک کی بریڈنگ میں صرف کرتا ہے اس طرح ملک میں پیدائش دولت کی نئی راہیں کھلتی ہیں ان کاموں میں دوسرے لوگ ملازم رکھے جاتے ہیں جس سے روزگار کی سطح بلند ہوتی ہے۔

(v) ملکی درآمدات میں کمی اور برآمدات کو فروغ۔

زرعی اجناس کے زیادہ ہونے سے ملک میں ان اجناس کی رسد میں کفالت آجاتی ہے جنہیں قلت پیداوار کے باعث پہلے درآمد کیا جاتا تھا درآمدات میں کمی سے ملک پر زرمبادلہ خرچ کرنے کا بوجھ بھی کم ہوجاتا ہے خودکفالت حاصل کرلینے کے بعد اگر زرعی پیداوار میں مزید اضافہ ہوتو اسے بیرون ملک برآمد کرکے زرمبادلہ کمایا بھی جاسکتا ہے اس طرح زرمبادلہ کی مسلسل آمدنی کو صنعتی ترقی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے ملک میں ایسی مشینیں

درآمد کی جاسکتی ہیں جن سے بھاری کارخانے قائم کیے جاسکتے ہیں۔

(vi) جذبہ ملی کو فروغ

وہ قومیں جو خوشحال ہوتی ہیں اور ان کا کاروبار زندگی مطمئن طریقے سے جاری رہتا ہے وہاں کے عوام اپنے ملک کی ہر شے سے پیار کرتے ہیں انہیں اپنے ملک کے چپہ چپہ سے والہانہ محبت ہوتی ہے اور وہ لوگ اپنی ملک کی تیار کردہ مصنوعات کو فخر سے استعمال کرتے ہیں اپنی قوم کی ترقی کے لیے ہروقت محنت کرتے رہتے ہیں ایسی قوموں کو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑتا وہ اپنے ملک کے مسائل کو مثبت انداز میں دیکھتے ہیں اور اپنے ملک کی فلاح وبقا کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے میں پس وپیش نہیں کرتے ایسا ملک اندرونی خلفشار اور بیرونی دباؤ سے آزاد رہ کر اپنی ترقیاتی منازل طے کرتا جاتا ہے۔

1.4 آب پاشی کے ذرائع

(i) نہریں

ہمارے ملک میں آبپاشی کے مختلف ذرائع ہیں ملک کے شمالی علاقہ جات میں برف پوشی پہاڑوں کی بدولت ہمارے ملک میں پانچ دریاؤں سے ہم نے نہریں نکالی ہوئی ہیں اور انہیں نہروں میں سے کچھ نہریں (perinnial) یعنی دوامی اور کچھ نہریں (Non Perinnial) یعنی غیر دوامی ہیں دوامی نہروں سے ہماری دونوں فصلیں یعنی ربیع اور خریف سیراب ہوتی ہیں کیونکہ ان میں سارا سال پانی بہتا رہتا ہے جبکہ غیر دوامی نہریں صرف مخصوص مدت میں چالو کی جاتی ہیں ان میں پانی اس لیے چھوڑا جاتا ہے کہ کسی خاص فصل میں کسی علاقے کو سیراب کرنا مقصود ہو یا ایسی نہروں میں اس وقت پانی چھوڑا جاتا ہے جب دریاؤں پر سیلاب کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور آبادی والے علاقے سنگین خطرات کی لپیٹ میں آجاتے ہیں پاکستان میں کل زیر کاشت رقبے 54.42 فصد رقبہ انہیں نہروں سے سیراب ہوتا ہے۔

(ii) ٹیوب ویل

نہروں کے بعد آبپاشی کا دوسرا بڑا ذریعہ ٹیوب ویل ہیں پاکستان میں سرکاری اور نجی دونوں قسموں کے ٹیوب ویل کام کررہے ہیں یہ ٹیوب ویل بجلی اور ڈیزل دونوں سے چلائے جاتے ہیں۔

یعنی یہ ٹیوب ویل فصل ربیع اور فصل خریف دونوں میں کام کرتے رہتے ہیں کارکردگی کے اعتبار سے ٹیوب ویلوں سے زیادہ رقبہ سیراب ہوتا ہے۔

(iii) کنویں

کنوؤں سے پانی کی مقدار ہماری فصلوں کو اتنی زیادہ نہیں ملتی جتنا کہ نہروں اور ٹیوب ویلوں سے پانی مہیا کیا جاتا ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ کنوؤں میں پانی کی مقدار اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ اسے بڑے پیمانے پر آب پاشی کے لیے استعمال میں لایاجائے نیزیہ بھی ہوسکتاہے کہ چونکہ کنوؤں سے پانی نکالنے کیلئے (Animal Power) استعمال ہوتی ہے اسلیے ان کنوؤں کومجبوراً کچھ وقفہ کے بعدروکناپڑتاہے کیونکہ جانوروں کوبھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے ہمارے آبپاشی کے نظام میں کنوؤں سے زیادہ ایسی فیصلیں سیراب ہوتی ہیں جوعموماًعلاقائی منڈی میں فروخت ہوتی ہیں جیسے تمام قسموں کی سبزیاں یا دالیں وغیرہ یہ فصلیں زیادہ رقبے میں کاشت نہیں ہوتی انہیں وجوہ کی بناپرکنوؤں سے تھوڑاسارقبہ سیراب ہوتاہے یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کل سیراب شدہ رقبے میں اضافہ ہونے کے باوجود کنوؤں سے سیراب ہونے والے رقبہ میں کوئی اضافہ نہ ہوسکا۔

(vi) تالاب

تالاب سے آب پاشی کارواج ہمارے ملک میں بہت کم ہے غالباًہمارے کاشتکاروں میں تالاب کھودنے اورپانی جمع کرنے کارواج نہیں شایدوہ لوگ اس سے واقف نہیں کہ تالاب میں جوپانی ذخیرہ کیاجاتاہے وہ نہ صرف آب پاشی کے لیے استعمال کیاجاتاہے وہ نہ صرف آب پاشی کے لیے استعمال ہوتاہے بلکہ ان میں مال مویشی بھی پانی پیتے ہیں بطخیں بھی پالی جاسکتیں ہیں اورمچھلیوں کی پرورش بھی ہوسکتی ہے چونکہ پاکستان کے بیشترعلاقوں میں گرمی شدت کی پڑتی ہے اسلیے ان علاقوں میں تالاب نہ ہونے کاسبب یہ بھی ہے کہ پانی آبی بخارات میں جلد تحلیل ہوکرتالاب کوخشک کردیتاہواس قسم کی متعددوجوہات میں جن کی بنا پر تالاب کے ذریعہ سیراب ہونے والا رقبہ نہایت معمولی بلکہ نہ ہونے کے برابرہے یہ رقبہ شروع میں 1 لاکھ ہیکٹرتھاجوآہستہ آہستہ کم ہوتا گیااوراب بہت معمولی رہ گیا۔

(v) کاریزودیگرذرائع

کاریز کا استعمال صرف صوبہ بلوچستان میں ہے کاریزاوردیگرذرائع سے آبپاش ہونے والا رقبہ بھی بڑا معمولی ہے اوریہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس رقبے میں کمی بھی آتی جارہی ہے۔

1.5 آب پاشی کے مسائل

(i) مالیات کی فراہمی میں مشکلات

ہماراملک غریب ملک ہے اورہم اس بات کے متحمل نہیں ہوسکتے کہ ملک میں تیزی کیساتھ نہری بنائیں ان

نہروں کی کھدائی پر کثیر رقم صرف ہوتی ہے زیادہ تعداد میں نہریں بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے ملک میں زیادہ تعداد میں ڈیم بھی تعمیر کریں ہماری حکومت کو بے شمار ترقیاتی اخراجات کرنے پڑتے ہیں اور یہ سارے کے سارے اخراجات ہماری محدود آمدنی سے کئے جاتے ہیں لہٰذا جب تک ہماری ملکی آمدنی میں بھرپور اضافہ نہ ہو ہماری قوم اتنے بھاری اخراجات کرنے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

(ii) درآمدی اشیاء کی گرانی

نہریں اور ڈیم تعمیر کرنے کے لیے ہیں ایسی مشینری درآمد کرنا پڑتی ہے جن کی قیمت میں روز بہ روز اضافہ ہوتا جارہا ہے مجموعی اخراجات جو آج سے کئی سال قبل جتنے تھے آج ان سے 10 ,20 گناہ بڑھ گئے ہیں اگر ہم دوسرے ممالک سے قرض لیکر یہ چیزیں بناتے ہیں تو ان کا سود اس قدر زیادہ ہے کہ ہماری قوم کے برداشت سے باہر ہوجاتا ہے۔

(iii) ڈیزل اور بجلی کی ہوش ربا گرانی

ٹیوب ویل بجلی سے بھی چلتے ہیں اور ڈیزل سے بھی یہ دونوں چیزیں دن بہ دن مہنگی ہوتی جارہی ہیں۔ ڈیزل کا حصول بھی مشکل ہوتا جارہا ہے آج کل تیل کا بحران اتنا سنگین ہوگیا ہے کہ اس کا براہ راست اثر ڈیزل کی رسید پر بڑا ہے جس کے نتیجے میں اس کا مہیا ہونا مشکل طلب مسئلہ بنا رہتا ہے۔ دن بدن بجلی کی پیداوار میں کمی اور لوڈ شیڈنگ کے مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔ بجلی کے گاؤں تک پہنچنے کی رفتار بھی سست ہے اور عموماً واپڈا کے ملازمین ہتھکنڈے ایسے ہوتے ہیں کہ ہمارا کاشتکار روتا رہتا ہے۔

(vi) ٹیوب ویل کی تنصیب کی بڑھتی ہوئی لاگت

ٹیوب ویل کی تنصیب اور اس کی قیمت کافی مہنگی ہوچکی ہے محنت اور سرمایہ کے اخراجات کئی گناہ زیادہ ہوجانے کے سبب اوسط درجہ کے کاشکار کی ہمت نہیں کہ وہ اپنی زمینوں میں ٹیوب ویل لگوائے اگر حکومت ٹیوب ویل کی تنصیب پر اعیانہ (Subsidies) نہ دے تو شاید کوئی کاشتکار بھی ٹیوب ویل نہ لگا سکے۔

1.6 اہم نکات۔

پاکستان کا تقریباً تین چوتھائی رقبہ ابھی تک خالی پڑا ہوا ہے گویا کہ ہمارے ملک میں کاشت وسیع کی کافی گنجائش ہے۔

(1) دن بدن بجلی کی پیداوار میں کمی اور لوڈ شیڈنگ کے مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔

(2) پاکستان کا صرف ایک چوتھائی رقبہ ایسا ہے جہاں آب پاشی کی سہولیات ہیں باقی رقبہ ابھی تک موسمی بارش کا محتاج ہے۔

(3) بہتر آب پاشی سے ہمارے ملک وقوم کو ترقی کے وافر مواقع مل سکتے ہیں۔

(4) آب پاشی کے پانچ ذرائع ہیں جنہیں نہری آب پاشی سرفہرست ہے۔

(5) نہروں کا نظام آب پاشی اپنی جگہ پر فوائد اور نقصانات اور دونوں کا حامل ہے۔

1.7 خود آزمائی

(1) پاکستان کا زیادہ رقبہ زیر کاشت کہاں ہے؟

پنجاب	سندھ	صوبہ سرحد	بلوچستان

(2) آب پاشی کے اعتبار سے سب سے کم رقبہ آبپاشی کہاں ہے؟

پنجاب	سندھ	صوبہ سرحد	بلوچستان

(3) بارانی علاقوں میں کس قسم کی کاشت معاشی لحاظ سے ممکن ہے؟

کاشت عمیق	کاشت وسیع

(4) اعانہ کی رقم کون ادا کرتا ہے؟

حکومت	کاشت کار

(5) کاشت وسیع کے لیے آب پاشی کے کس ذریعہ کو زیادہ مفید کہا جاسکتا ہے؟

نہریں	کنویں	تالاب	ٹیوب ویل

(6) ہمارے ملک میں آب پاشی کی ضروریات، اہمیت اور افادیت پر ایک تفصیلی نوٹ لکھئے۔

(7) پاکستان میں آب پاشی کے کتنے ذرائع ہیں اوران سے ہمارے کتنے زرعی رقبے کو آبپاشی مہیا ہوتی ہے رقبہ آب پاشی میں اضافہ کرنے کے لیے آپ کن اقدامات کو تجویز کریں گے۔

1.8 جوابات

(1) پنجاب (2) بلوچستان

(3) کاشت عمیق (4) حکومت

(5) نہریں

2۔نہری آب پاشی

2.1 اقسام

نہریں دوقسم کی ہوتی ہیں ایک کو(Perinnial)یعنی دوامی نہریں کہتے ہیں اوردوسری کو(Inundation Canal)یعنی سیلابی نہریں کہتے ہیں دامی نہروں میں دوریاؤں کا پانی سارا سال رہتاہے یہ نہریں فصل ربیع اورفصل خریف دونوں کومستفید کرتی ہیں سیلابی نہریں صرف اس وقت کھولی جاتی ہیں جب دریاؤں میں سیلاب آجائے اور آبادی کونقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو دوامی نہروں کا اگرفائدہ ہے تواس کے کچھ نقصانات بھی ہیں فائدہ تو یہ ہے کہ ان سے فصل ربیع اورفصل خریف دونوں سیراب ہوتی ہیں مگرنقصان یہ ہے کہ یہ نہریں جس جگہ اپنے ہیڈورکس سے نکالی جاتی ہیں وہاں کچھ اس طرح کاانتظام ہوتاہے کہ دریاؤں کا لایا ہوا سلٹ (silt) (یعنی مٹی کی شکل میں پودوں کی غذائی قوت)ہیڈورکس پرجمع ہوجاتاہے اورنہروں کے ذریعہ کھیتوں تک اپنی پوری مقدارمیں نہیں آتی نتیجہ کے طورپرفصلوں کووہ قدرتی غذاجودریاؤں کے ذریعہ طویل سفرکرتی ہوئی آتی ہے کھیتوں تک نہیں پہنچتی دوسرانقصان یہ ہے کہ دوامی نہروں کاتقریباً40فیصد پانی راستہ میں ضائع ہوجاتا ہے یعنی پانی کی یہ مقدارنہروں کے کناروں سے رس رس کرزمین میں داخل ہوتی رہتی ہے جس سے زیرزمین پانی کی سطح بلندہوتی جاتی ہے اورایک وقت ایسابھی آن پہنچتاہے کہ جب زمین میں سیم آجاتی ہے اوربعدمیں تھورپیداہوجاتاہے سیم وتھورزمین کی وہ بیماری ہے جس سے زمین بالکل ناقابل کاشت ہوجاتی ہے۔

سیم تھوربڑی تیزی سے ہماری زرعی معیشت کوتباہ کررہے ہیں پاکستان میں سیم وتھورکی وجہ سے ہرسال تقریباً ایک لاکھ ایکڑ رقبہ یا ہرروزتقریباً ڈھائی سوا ایکڑ رقبہ یا ہرگھنٹے تقریباً 10 سے بارہ ایکڑ رقبہ یا ہرپانچ چھ منٹ میں تقریباً ایک ایکڑ رقبہ تباہ ہورہا ہے یہ محض ہماری نہروں کے سبب ہے۔

ماہرین کے اندازے کے مطابق زراعت کے شعبے کا20فیصد حصہ سیم وتھورسے متاثرہوچکاہے۔

2.2 اہم نکات

1۔ ہماری کاشتکاری میں دوامی نہروں کاسب سے بڑاہاتھ ہے۔

2۔ دوامی نہروں سے فوائدبھی ہیں اورنقصانات بھی۔

3۔ سیم وتھورکامسئلہ محض دوامی نہروں کے سبب پیداہوتاہے۔

(2.3)خود آزمائی

(1) کس قسم کی نہروں سے تمام سال پانی فراہم ہوتا ہے؟۔

دوامی	(سیلابی)

(2) Silt کہاں ضائع ہوتی ہے۔

نہروں میں	کنال ہیڈورکس پر

(3) آپ سم کی کس تعریف سے متفق ہیں۔

سطح زمین پر نمودار ہونے والا شورہ ہے۔
زیرزمین پانی کی بلند سطح و جانے کا نام ہے۔
سطح زمین پر کھڑے پانی کو کہتے ہیں

4۔ قیام پاکستان کے بعد ہمارے نہری نظام میں توسیع سے زراعت کو جو فوائد حاصل ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ لیں۔

2.4 جوابات

(1) دوامی۔

(2) کنال ہیڈورکس پر۔

(3) زیرزمین پانی کی بلند سطح ہو جانے کو۔

3۔سندھ طاس کا منصوبہ

3.1 منصوبہ کے وجود میں آنے کی وجوہات

(1)بھارت سے تنازعہ

1947ء میں جب پاکستان قائم ہوا تو پاکستان میں چھ دریا بہتے تھے۔سندھ اورجہلم اورچناب پاکستان کے مغربی حصے سے بہتے ہوئے ملک میں داخل ہورہے تھے جبکہ راوی، ستلج اوربیاس ملک کے مشرق حصے یعنی بھارت سے بہتے ہوئے پاکستان میں داخل ہورہے تھے دریائے راوی پرمادھورپور کے مقام پرہیڈورکس تھاجس سے نہری پانی پاکستانی علاقہ کوسیراب کرتا تھااوردریائے ستلج پرفیروزپور کے مقام پر دوسرا ہیڈورکس تھا جونہری پانی کوپاکستانی علاقہ میں جاری کرتا تھا ان دونوں ہیڈورکس کا کنٹرول چونکہ بھارت میں تھا اس لیے اس نے اپنی ازلی دشمنی کا ایک اورطریقہ استعمال کیا کہ اپریل1948ء میں ان دونوں ہیڈ ورکس سے نکلنے والی تمام نہروں کاپاکستان کے درمیان پانی کا تنازعہ کھڑاہوگیااورپاکستان کے مشرق علاقے خشک سالی سے دوچارہوگئے اس وقت جھگڑے کونمٹانے کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان ایک جزوقتی معاہدہ ہواجسے(Joint Statement)کانام دیاگیااورجس پر مئی1984ء میں دستخط کیے گئے جس کی بدولت پاکستان کو وقتی طورپرپانی کی فراہمی جاری ہوگئی بھارت نے پھربدل گیااوراس نے 1950ء میں اقوام متحدہ میں درخواست دے دی کہ ان نہروں پر بھارت کامکمل اختیار رہے اور یہ کہ پاکستان کوہمیشہ کے لیے ان نہروں کا پانی نہیں دیاجاسکتا۔

(ii)عالمی بنک مداخلت

چونکہ بھارت کا دعویٰ تھا کہ ستلج، بیاس، راوی بھارت کے دریاہیں اس لئے تنازعہ زور پکڑ گیا اور آخرکار 1952ء میں عالمی بنک نے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ چنانچہ اس بینک کی نگرانی میں دونوں ملکوں کے مابین 1960ء میں جومعاہدہ ہوا اس کا نام سندھ طاس کا معاہدہ پڑا اور اس معاہدے کے تحت سندھ طاس کا منصوبہ ظہور پذیر ہوا۔

3.2 منصوبہ کے خاص نکات

(i) اس منصوبہ کے تحت بھارت کوتین مشرقی دریاؤں کا مکمل کنٹرول حاصل ہوگیا جبکہ مغربی دریاؤں

پر پاکستان کی حاکمیت تسلیم کر لی گئی

(ii) 31مارچ سنہ 1970 تک پاکستان کو یہ اختیار حاصل ہوگیا کہ وہ اپنی ضروریات مشرقی دریاؤں کی نہروں سے پورا کرتا رہے گا یہ مدت مزید تین سال تک قابل توسیع ہوگئی۔

(iii) اس درمیانی مدت میں پاکستان نے اپنے مغربی دریاؤں سے ایسا بندوبست کر لے گا کہ اس کے مشرقی علاقہ کی بھی ضرورت پوری کی جاسکے۔

(iv) مغربی دریاؤں سے مشرقی دریاؤں کی نہروں میں پانی لنک کنال کے ذریعے پہنچایا جائے گا جس کے لیے ڈیم اور بیراج تعمیر کرنا ہوں گے۔

(v) اخراجات کا بڑا حصہ عالمی بنک نے خود دینے کا ذمہ لیا تھوڑا حصہ بھارت نے بھی ادا کرنا منظور کیا اور باقی حصہ پاکستان کو برداشت کرنا تھا۔

(vi) اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے ستمبر 1960ء میں ایک نیا فنڈ بھی قائم کیا گیا جس کا نام(Indus Bshin Development Fund) رکھا گیا۔ اس فنڈز میں امریکہ، برطانیہ، مغربی جرمنی، کینڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ نے عطیات دیئے، پاکستان اور بھارت کے شیئرز بھی تھے۔ اس فنڈز میں ابتدائی طور پر 893.5 ملین ڈالر جمع کرانا تھا جس میں سے 630.9 ملین ڈالر کی رقم زرمبادلہ کی شکل میں تھی بعدازاں زرمبادلہ کی رقم کو اس حد تک بڑھا دیا گیا کہ فنڈ کی مالیت 945.9 ملین ڈالر ہوگئی۔

3.3 منصوبہ کو چلانے کے لیے مستقل کمیشن کا قیام

بھارت اور پاکستان کے مستقل کمیشنر اس منصوبہ کے نگہبان قرار دیئے گئے جن کے کمیشن کا نام (Permanent Indus Commission) رکھا گیا اس کمیشن کی ذمہ داری تھی کہ منصوبے کو تکمیل جامع پہنانے کے لیے دونوں ملکوں کا تعاون قائم رکھے اور جب بھی کوئی مسئلہ کھڑا ہو تو فوراً موقع پر پہنچ کر حالات کا جائزہ لے اور اس کا حل ڈھونڈ لے۔

3.4 منصوبہ کی تکمیل میں واپڈا کا کردار

منصوبہ کے تکمیل کی ذمہ داری واپڈا کے حوالے کی گئی جو مندرجہ ذیل تھی:۔

(i) دریائے جہلم اور دریائے سندھ پر دو ڈیم تعمیر کیے جائیں گے۔

(ii) پانچ بیراج تعمیر کیے جائیں گے۔

(iii) آٹھ رابطہ نہریں نکالیں جائیں گی۔

(iv) موجودہ 3 رابطہ نہروں دو ہیڈ ورکس اور کچھ آب پاشی والی نہروں کے ماڈل میں اس قسم کی تبدیلی کی جائیگی کہ وہ نئی ضرورت کے مطابق کارآمد بن سکیں۔

3.5 تعمیری تفصیلات

(i) دریائے جہلم پر منگلا ڈیم اور دریائے سندھ پر تربیلا ڈیم بنایا جانا طے پایا۔ منگلا ڈیم کثیر المقاصد منصوبہ تھا جس کی آبی ذخیرہ کی صلاحت 5.4 ملین ایکٹ فٹ تھی۔ اس پانی سے فصلیں سیراب ہونا اور بجلی پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس ڈیم کی لمبائی 11000 فٹ اور اونچائی 380 فٹ ہے۔ اس منصوبہ پر 1962ء میں کام شروع ہوا اور 1967ء میں ختم ہوا۔ کل خرچ کا تخمینہ 200 کروڑ روپے لگایا گیا۔

(ii) تربیلا ڈیم کی تعمیر دریائے سندھ پر کرنا تھی جو اٹک سے تقریباً 48 کلومیٹر کے فاصلے پر اور دنیا کا مٹی سے بھرائی کیا ہوا سب سے بڑا ڈیم ہے۔

(iii) مندرجہ ذیل پانچ مقامات پر ایک گیٹ والا بیراج بنانے کا پروگرام طے ہوا۔

راوی پر سندھنائی کے مقام پر۔

چناب پر مرالہ کے مقام پر۔

چناب پر قادر آباد کے مقام پر۔

جہلم پر رسول کے مقام پر۔

سندھ پر چشمہ کے مقام پر۔

اور ستلج پر میلسی کے مقام پر۔

ان بیراجوں کی مدد سے مغربی دریاؤں کا پانی مشرقی دریاؤں راوی اور ستلج میں رابطہ نہروں کے ذریعہ ڈالا جائے گا۔

رابطہ نہروں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(i) سندھائی، تیرنمو، سندھنائی، میلسی اور میلسی بہاول رابطہ۔

(ii) رسول، قادر آباد، بلوکی رابطہ، نیز بلوکی سلیمان کی رابطہ۔

(iii) چشمہ، جہلم اور تونسہ، پنجند رابطہ۔

3.6 فوائد

(i) اس منصوبہ سے پاکستان کی آبی ضروریات کی قلت کسی حد تک کم ہوگئی۔

(ii) ملک میں بجلی پیدا کرنے کے دو بڑے ذرائع منگلا اور تربیلا حاصل ہو گئے۔

(iii) نئے علاقوں میں زیر کاشت رقبہ سیراب ہونے لگا۔

(iv) لاکھوں آدمیوں کو روزگار مہیا ہوا اور مستقل روزگار کے ذرائع پیدا ہو گئے۔

(v) ماہی گیری کے بڑے ذرائع پیدا ہو گئے۔

(vi) بھارت کی آئے دن کی مداخلت سے نجات ملی۔

3.7 اہم نکات

(1) سندھ طاس منصوبہ، بھارت اور پاکستان کے تنازعہ کے سبب وجود میں آیا۔

(2) پاکستان کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی بھرپور صلاحیت استعمال کر کے پانی اور بجلی جیسی اہم پیداوار حاصل کرے۔

(3) آب رسانی کے مستقل اور نسبتاً زیادہ وسیع ذرائع پاکستان کو میسر آ گئے۔

(4) مغربی دریاؤں میں شدید سیلاب آیا کرتا تھا، ان سیلابوں کی شدت میں روک تھام کا بندوبست ہو گیا۔

3.8 خود آزمائی

1۔ سندھ طاس کے منصوبہ کی تکمیل کن دریاؤں سے ہوئی؟

مغربی دریاؤں سے	مشرقی دریاؤں سے

2۔ منصوبے کی تکمیل سے پاکستان کی معیشت کو کیا حاصل ہوا؟۔

فائدہ	نقصان

(3) تربیلا ڈیم کس دریا پر تعمیر کیا گیا ہے؟

جہلم	چناب	سندھ

(4) جسامت کے اعتبار سے کس ڈیم کو بڑا کہیں گے؟

منگلا ڈیم	تربیلا ڈیم

(5) سندھ طاس کے منصوبے پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے اور بتائے کہ اس منصوبے کے وجود میں آنے سے پاکستان کی معیشت پر کیسے اثرات مرتب ہوئے۔

3.9 جوابات

1 مغربی دریاؤں سے

2 فائدہ

3 دریائے سندھ

4 تربیلا ڈیم

4 کھاد کی ضرورت

4.1 کھاد کی اہمیت

کاشت کاری کے مختلف مداخلین میں سے پانی کے بعد کھاد کا اس کی اہمیت کے اعتبار سے دوسرا نمبر ہے۔ کھاد کو مناسب مقدار میں استعمال کرنے سے پودوں میں بالیدگی آتی ہے۔ پودے مضبوط اور تن آور ہوتے ہیں۔ ان کے پتوں میں ہریالی اور شاخوں کی تعداد بڑھتی ہے اور آخر کار ان میں زیادہ تعداد میں پھل آتے ہیں۔ اس طرح مجموعی فصل میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہمارا کاشتکار ابھی تک روایتی طریقے سے کاشت کرتا چلا آ رہا ہے، چنانچہ وہ کھاد کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنا کہ صحیح طور پر دیا جانا چاہیے۔

4.2 کھاد کا غلط استعمال

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہمارا کاشت کار اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ صاف کرکے براہ راست اپنے کھیتوں میں پھینکتا ہے اور بعد میں ان میں ہل چلا کر بوائی کرتا ہے اس طرح وہ سمجھتا ہے کہ زمین کی کھاد کی مطلوبہ مقدار مل گئی ہے کچھ ایسے کسان بھی ہیں کہ وہ اپنے جانوروں کا گوبر اپنی زمینوں میں براہ راست پھینکتے ہیں اور انہیں ڈھیری کی شکل میں ڈالتے رہتے ہیں اس طرح گوبر کی نائٹروجن دھوپ اور ہوا میں تحلیل ہو کر ضائع ہو جاتی ہے اور جو بچتی ہے وہ تمام کھیتوں میں متوازن طور پر تقسیم نہیں ہوتی بلکہ ایک جگہ کھاد کی فاضل مقدار ہو جانے سے اس مقام پر پودوں کی بالید کی بڑی تیز ہو جاتی ہے جبکہ دوسری جگہوں میں کھاد کی تھوڑی سی مقدار بھی نہ پہنچنے سے پودے نہایت کمزور ہو جاتے ہیں بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے یہ کاشتکار کھاد تو زمین میں ڈال دیتا ہے مگر اسے نہ تو اچھی طرح زمین پر پھیلاتا ہے اور نہ ہی اپنی زمین کو پانی کی مطلوبہ مقدار دیتا ہے جس کے سبب کھاد کی اصل افادیت ضائع ہو جاتی ہے۔

4.3۔کھاد کا صحیح استعمال

عام طور پر دو قسم کی کھادیں ہماری فصلو ں میں ڈالی جاتی ہیں اول قدرتی کھادیں،دوئم مصنوعی کھادیں، قدرتی کھادوں میں گوبر اور سبز کھاد کا شمار ہوتا ہے جبکہ مصنوعی کھادیں کارخانوں میں تیار ہوتی ہیں اور تھیلوں میں بند کرکے بازار میں فروخت ہوتی ہیں گوبر اور سبز کھاد کا استعمال بھی اسی طرح محتاط طریقے سے کرنا چاہیے جس طرح ولایتی کھادوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً گوبر کو پہلے کسی گڑھے میں ڈال کر مٹی سے ڈھانکنا چاہیے تا کہ

وہ اس جگہ پر چھ ماہ یا سال تک پڑی رہے او اچھی طرح گل سڑ جائے ایسی کھادوں میں ایک جانب نائٹروجن وافر مقدار میں پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری جانب کیڑے مکوڑوں یا دیمک پرورش پانے والے عناصر ختم ہو جاتے ہیں جس سے فصلوں کو بچاؤ حاصل ہوتا ہے سبز کھاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا کسان اپنی زمین کی مختلف فصلوں کو گہرا ہل چلا کر زمین میں دبا دیتا ہے اور کچھ عرصہ تک زمین کو خالی رہنے دیتا ہے اس طرح یہ پودے زمین میں گل سڑ جاتے ہیں اور کھاد بن جاتے ہیں بعد ازاں مطلوبہ فصل بوئی جاتی ہے ان دنوں کھادوں کے برعکس ولایتی کھادیں بھی استعمال کی جاتی ہیں جن میں ایمونیم سلفیٹ، یوریا سبز سلفیٹ اور D.A.P وغیرہ شامل ہیں ان کھادوں کو بڑی احتیاط سے زمین میں ملانا چاہیے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے ڈالنے کے بعد پانی کی مطلوبہ مقدار زمین کو ضرور ملے تا کہ ان کے تمام اجزاء زمین میں تحلیل ہو جائیں بعض کاشت کار کوشش کرتے ہیں کہ ایسی کھادوں کو پانی دیتے وقت پہلے ہی تحلیل کر لیا جائے تا کہ اس کی متوازن تقسیم پانی کے ہمراہ ہو جائے۔

4.4 مصنوعی کھاد میں غذائی عناصر (Nutrients)

اپنی نشوونما کے لیے پودوں کو مجموعی طور پر سولہ قسموں کے غذائی عناصر ضرورت ہوتی ہے جنہیں دو گروپ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(i) وہ عناصر جو ہوا اور زمین کے آب کے ذریعہ پودوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

(ii) وہ عناصر جو زمین اور مصنوعی و دیسی کھادوں کے ذریعہ پودوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

(i) ہوا اور زمینی آب کے ذریعہ پودوں کو مہیا ہونے والے غذائی عناصر (Nutrients) اور ان کا تناسب

(I)	کاربن	42%	(ii)	ہائیڈروجن	7%
(iii)	آکسیجن	44%	(iv)	متفرقات	7%

یہ عناصر ہمارے پودوں کو جتنی مقدار اور جس تناسب سے غذائیت یعنی (Nutrition) فراہم کرتے ہیں انہیں ہم ایک خاکہ کی مدد سے پیش کرتے ہیں۔

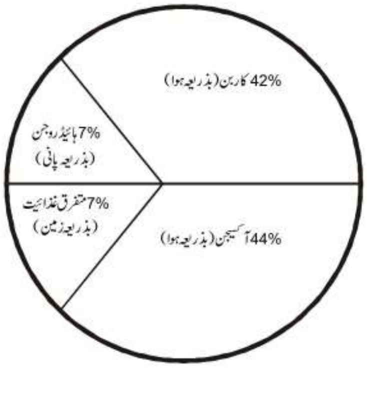

(ii) زمین اور کھادوں کے ذریعہ پودوں کو مہیا ہونے والے غذائی عناصر۔

ان عناصر کو ہم تین گروپ میں تقسیم کرتے ہیں۔

(i) بنیادی اہمیت کے حامل عناصر کا گروپ (ii) ثانوی اہمیت کے حامل عناصر کا گروپ

(iii) معمولی اہمیت کے حامل عناصر کا گروپ۔

بنیادی اہمیت کے غذائی عناصر (Nuterients)

(1) نائٹروجن (N) (2) فاسفورس (P) (3) پوٹاشیم (K)

ثانوی اہمیت کے غذائی عناصر (Nuterients)

(1) کیلشیم (Ca) (2) میگنیشم (Mg) (3) سلفر (S)

معمولی اہمیت کے غذائی عناصر (Nuterients)

(1) آئرن (Fe) (2) کاپر (Cu) (3) زنک (Zn)

(4) میگنیز (Mn) (5) بورن (B) (6) کلورین (CL)

(7) مالی بیڈنم (Mo)

عام طور پر سب سے زیادہ مقدار میں جن غذائی عناصر کو پودے استعمال کرتے ہیں وہ نائٹروجن (N) فاسفورس (P) اور پوٹاشیم (K) ہیں پودوں کی خوراک کا بڑا حصہ انہی ذرائع سے ملتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ مارکیٹ میں فروخت ہونے والی کھادوں کو انہیں تین (NUTREINTS) کی اقسام میں رکھا جاتا ہے۔

4.5 نائٹروجن فراہم کرنے والی کھادیں

(1) سوڈیم نائٹریٹ۔

(2) ایمونیم سلفیٹ۔

(3) کیلشیم نائٹریٹ۔

(4) ایمونیم نائٹریٹ۔لائم سٹون۔

(5) یوریا۔

(6) کیلشیم سائنمائڈ۔

(7) ایمونیم کلورائیڈ۔

(8) ایمونیم سلفیٹ نائٹریٹ۔

(9) ایمونیم نائٹریٹ۔

4.6 فاسفورس فراہم کرنے والی کھادیں۔

(1) سنگل سپر فاسفیٹ۔

(2) کنسٹریٹ سپر فاسفیٹ۔

(3) ڈائی کیلشیم فاسفیٹ

(4) منرل فاسفیٹ یا گراؤنڈ راک فاسفیٹ

(5) بیسک سلیگ (BASIC SLAG)

4.7 پوٹاشیم فراہم کرنے والی کھادیں

(1) میوریٹ یا کلورائڈ آف پوٹاش

(2) سلفیٹ آف پوٹاش

(3) سلفیٹ آف پوٹاش۔میگنیشیا

(4) اسلوبنائٹ

4.8 مصنوعی کھاد کے فی ایکڑ استعمال کا بین الاقوامی تقابلی جائزہ

پاکستان میں مصنوعی کھاد کا استعمال تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ زیر کاشت رقبہ میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ پانی کی فراہمی کا بندوبست بھی بہتر ہو رہا ہے۔ لوگوں میں مشینی کاشت کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ یہ تمام باتیں غالباً اس لیے ہیں کہ زرعی پیداوار کی قیمت میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے کسان کو اس کی محنت کا معقول معاوضہ مل رہا ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے کاشتکار کھاد کا فی ایکڑ استعمال بڑھائیں اور اسے بہتر معاشی طور پر استعمال کر کے اپنی کھیتی باڑی کو زیادہ منافع بخش بنائیں مگر اسی ضمن میں ابھی تک نتائج کچھ زیادہ حوصلہ افزاء نہیں ہیں دنیا کے دوسرے ممالک کھاد کا بہت ہی زیادہ استعمال کرتے ہیں اور اسکے بدولت اپنے کاشت عمیق اور کاشت وسیع دونوں کو منافع بخش طور پر چلاتے ہیں ہمارا کاشتکار دوسرے ممالک کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہے۔

4.9۔کھاد کی درآمد

ہماری کھاد کی رسد ہماری طلب کے مقابلہ میں بہت کم ہے جسکے نتیجہ میں ہمیں بیرون ملک سے کثیر زرمبادلہ خرچ کر کے کھاد درآمد کرنا پڑتی ہے کھاد کی بین الاقوامی قسموں میں تیزی سے اضافہ کے سبب ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر پر بھاری بوجھ پڑ رہا ہے بلکہ دوسری جانب ہمارے کاشتکاروں کو بھاری اعانہ دیکر حکومت کھاد کی تقسیم کر رہی ہے تاکہ کسی طرح زرعی پیداوار میں اضافہ کیا جائے اورخاص کر گندم کی پیداوار میں تاکہ ہمارا ملک جلداز جلد خودکفیل ہو۔

4.10 کھاد کی تقسیم براعانہ کابوجھ

زرعی پیداوار کی رسدکو بڑھانے کے لیے ہمارے کاشتکاروں میں کھاد کی زیادہ تقسیم ازحد ضروری ہے چونکہ بین الاقوامی قیمتوں میں اضافہ کے سبب ملکی قیمت کی سطح میں اضافہ ناگزیر ہو گیا اور خطرہ اس بات کا تھا کہ اگر ہمارے کاشتکاروں کو قیمت کا تحفظ نہ دیا گیا تو پیداواری تفاعل متاثر ہوں گے اس لیے حکومت نے کھاد کے استعمال پر اعانہ دینے کی پالیسی شروع کی مگر اس سبسڈیز کا بوجھ ہماری حکومت پر بڑھتا جا رہا ہے معاشی نقطہ نظر سے ایسی حالت تشویشناک خیال کی جاتی ہے اوراس کا فوری حل صرف یہ ہے کہ مسئلہ کی پیداوار بڑھائی جائے اورکھاد کی درآمدات کاانحصارکم کیاجائے۔

4.11۔کھاد کی درآمدی قیمت اورملکی قیمتوں میں فرق

ہمارے ملک میں کھاد کی پیداوارمیں اضافہ سے ہماری زراعت پرخوشگوار اثرات پڑیں گےجس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ درآمدشدہ کھادہمارے لیے کافی مہنگی پڑتی ہے ہمارے ملک کی پیداوار درآمدگی کھاد کی قیمت میں بڑاتفاوت ہے۔

4.12۔اہم نکات

(1) گوبر کو پہلے زمین میں گڑھا کھود کر دبانا چاہیے اورکچھ مدت کے بعدجب گوبر اچھی طرح سڑ جائے اورکھاد بن جائے تو نکال کرکھیت میں ڈالنا چاہیے۔

(2) گوبر کی کھاڈھیری بنا کرکھیت میں ایک جگہ نہیں رہنے دینی چاہیے بلکہ اسے متوازن پھیلانا چاہیے۔

(3) پودوں کی نشوونما حاصل کرنے کے لیے تین بڑے غذائی عناصر درکار ہیں۔

(4) نائٹروجن فاسفورس اور پوٹاشیم یہ تینوں اجزاء سب پودوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہیں۔
(5) پاکستان میں دنیا کے بیشتر ممالک کے مقابلہ میں نہایت ہی کم مقدار میں کھاد استعمال ہوتی ہے۔
(6) ہمارے ملک میں کھاد کی پیداوار میں اضافہ کے روشن امکانات ہیں۔
(7) کھاد کی ملکی پیداوار میں ہمت افزاء اضافہ ہوا ہے۔
(8) کھاد کی درآمد پر ہمارا کافی زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔
(9) حکومت کھاد کی تقسیم پر اعانہ کا بھاری بوجھ برداشت کرتی ہے۔

4.13۔خودآزمائی

(1) ہماراعام کاشت کار دیسی کھاد کا کیسا استعمال کرتا ہے؟

غلط	صحیح

(2) کھاد کے غلط استعمال کرنے کی اصل وجہ کیا ہے؟

کسان کی جہالت	کسان کی غربت

(3) پودوں کو غذائیت مہیا کرنے والے عناصر کتنے ہیں؟

3	13	16

(4) پودوں کی نسبتاً زیادہ غذائیت کس سے حاصل ہوتی ہے؟۔

ہوا	پانی	زمین

(5) پاکستان میں کونسی کھاد زیادہ فروخت اور استعمال ہوتی ہے؟

نائٹروجنک کھاد	فاسفورک کھاد	پوٹاشک کھاد

بیانیہ سوالات

(8) کھاد میں کتنے غذائی عناصر ہوتے ہیں اور انکی معاشی اہمیت کیا ہے؟
(9) آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں فی ایکڑ کھاد کا استعمال دوسرے ممالک کے مقابلہ میں کم ہے جسے دور کرنا ہمارے اپنے مفاد میں ہے؟
(10) کھاد کی درآمدی قیمتوں اور برآمدگی قیمتوں کا تقابلی موازنہ کرنے کے بعد وہ اقدامات تجویز

کریں جس سے ہماری معیشت پر اعانہ کا بوجھ کم سے کم ہو سکے۔

(11) کھاد کو ہمارے کسانوں میں مقبول کرنے کے لیے آپ کس قسم کے اقدامات تجویز کرنا پسند کریں گے۔

4.15۔جوابات

(1)غلط (2)جہالت

(3)16 (4)ہوا

(5)نائٹروجنک

فرہنگ اصطلاحات

اعانہ	ایسی پالیسی جس کے تحت حکومت قیمت خرید سے بھی کم پر اشیاء فروخت کرتی ہے۔
ایکڑ فٹ	ایک ایکڑ رقبہ پر جب ایک فٹ پانی پہنچا دیا جائے۔
دوامی نہریں	وہ نہریں جو تمام سال بہتی رہتی ہیں۔
ربیع کی فصل	وہ فصلیں جو موسم سرما میں بوئی جائیں اور گرما میں کاٹی جائیں
سیلابی نہریں	وہ نہریں جو سیلاب کے زمانہ میں جاری کی جائیں۔
فیلو	زمین کو خالی چھوڑنا تا کہ وہ قدرتی ذرائع سے غذائیت حاصل کر سکے
نیوٹرینٹ	وہ عناصر جو پودوں کو غذائیت فراہم کرتے ہیں۔
ہیکٹر	زمین کی پیمائش کا پیمانہ جس میں ایک ہیکٹر 2.471 ایکڑ کے برابر ہوتا ہے

کتابیات

(1) اکنامک ڈویلپمنٹ آف پاکستان از ڈاکٹر ایس ایم اختر

(2) معاشیات پاکستان از پروفیسر شیخ منظور علی

(3) زمین کے زرعی مسائل از علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

یونٹ (۹ تا ۱۳)

یونٹ 9

ذرائع نقل وحمل وخبر رسانی

تحریر
عبدالحلیم خواجہ

فہرست مضامین

	یونٹ کے مقاصد	313
1۔	**ذرائع مواصلات کی خبر رسانی کی اہمیت**	**314**
1.1	صنعت کی ترقی	314
1.2	منڈی کی وسعت	314
1.3	قدرتی وسائل سے استفادہ	315
1.4	ایندھن کی ترسیل	315
1.5	افرادی قوت کا حصول	315
1.6	لمحہ بہ لمحہ آ گاہی	316
1.7	اشیاءضرورت کی ترسیل	316
1.8	نئے معاشی ڈھانچے کا قیام	316
1.9	اشتہار بازی	317
1.10	روزگار کا حصول	317
1.11	اہم نکات	317
1.12	خود آزمائی	318

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ موثر انداز میں بیان کرسکیں گے کہ

(1) پاکستان کی معاشی ترقی کے لیے ذرائع مواصلات وخبررسانی کیوں اہم ہیں؟۔

(2) ان ذرائع کا آج کے معاشی ڈھانچے سے کیا تعلق ہے؟

(3) پاکستان میں ذرائع مواصلات وخبررسانی کی مجموعی صورتحال کیا ہے انکو چلانے کے لیے کون کون سے ادارے قائم کیے گئے ہیں اوران کے انتظامی ڈھانچے کی شکل کیا ہے؟

(4) قیام پاکستان سے اب تک ،ریلوں،سڑکوں،بحری جہازوں،ہوائی جہازوں،ریڈیو،ٹیلی ویژن،اخبارات،ڈاکخانوں،تارگھر،اورٹیلی فون کے شعبوں نے کیا ترقی کی ہے؟

ذرائع نقل وحمل و ذرائع خبر رسانی

نقل وحمل کے ذریعوں میں ،ریلیں ،سڑکیں ،موٹرویز اور بحری جہاز، ہوائی جہاز شامل ہیں۔خبر رسانی کے لیے ذرائع کا استعمال کیا جاتا ہے ان میں ڈاک، تار، ٹیلیفون، موبائل فون، اخبارات، انٹرنیٹ اور ٹیلی ویژن کا شمار ہوتا ہے۔ کسی ملک کی معاشی ترقی کے لیے ذرائع نقل وحمل وخبررسانی بنیادی کردارادا کرتے ہیں لہٰذا اس یونٹ میں سب سے پہلے ہم ذرائع نقل وحمل وخبررسانی کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔

ذرائع نقل وحمل وخبررسانی کی اہمیت۔

انسانی معاشرے میں کوئی کام بھی باہمی رابطے کے بغیر ممکن نہیں اس رابطہ کو قائم کرنے کے لیے وسائل ارتباط یعنی نقل وحمل اور خبررسانی کے ذرائع کو استعمال کیا جاتا ہے کسی ملک کی معیشت ان ذرائع کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکیں یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم سے لیکر آج تک یہ وسائل کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتے ہیں اور زمانہ جوں جوں ترقی کررہا ہے ذرائع نقل وحمل وخبررسانی بھی پے درپے ترقی کی منازل طے کررہے ہیں۔آج کا معاشی ڈھانچہ چاہے سرمایہ داری طرز کا ہو یا اشتراکی نوعیت کا حاصل ہواپنی بقا اور ترقی کے لیے ذرائع نقل وحمل وخبررسانی کے ایک منظّم مربوط اور پیچیدہ ذرائع نقل وحمل اورخبررسانی کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے ہم مندرجہ ذیل نکات بیان کرتے ہیں۔

1.1 صنعت کی ترقی

کسی ملک کی صنعت ذرائع نقل وحمل کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی کیونکہ صنعت کوچلانے کے لیے خام مال کی ضرورت ہوتی ہے یہ خام مال زرعی نوعیت کا ہوسکتا ہے یا پھر صنعتی نوعیت کا دونوں صورتوں میں اسے کھیتوں یادوسرے کارخانوں سے فیکٹری تک لانے کے لیے ذرائع نقل وحمل کی ضرورت پڑتی ہے مثلاً اگر ٹیکسٹائل فیکٹری تک کپاس لانے کے لیے کھیتوں اور فیکٹریوں کے درمیان نقل وحمل کے ذرائع موجود نہ ہوں تو نہ صرف فیکٹری کا وجود بے معنی ہے بلکہ کپاس کی پیداوار بھی بے مصرف رہ جاتی ہے اسطرح ٹائر بنانے کی فیکٹری بھی دوسری فیکٹروں سے خام ربڑلانے کے لیے ذرائع نقل وحمل کی محتاج ہے خود فیکٹری کا پلاٹ اور مشینری وغیرہ بھی ذرائع آمدورفت کی بدولت ہی دوسرے ممالک سے منگوایا جاتا ہے لہٰذا کسی ملک میں صنعت کا وجود اوراس کی ترقی ذرائع نقل وحمل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

1.2 منڈی کی وسعت

اشیاء وخدمات کی منڈی کو وسیع کرنے کے لیے ذرائع نقل وحمل وخبررسانی کا استعمال ناگزیر ہے۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ مختلف پیداواری یونٹوں کو چاہیے وہ صنعتی نوعیت کی ہوں یا زرعی اپنی پیداوار کی فروخت کے لیے نہ صرف علاقائی بلکہ ملکی اور غیر ملکی منڈیوں کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا مختلف منڈیوں تک پیداوار کی ترسیل کے لیے ذرائع رسل ورسائل کے ایک مربوط نظام کی اہمیت اجاگر ہو جاتی ہے آج سے چند عشرے بیشتر جب یورپ صنعتی انقلاب کے ایک نئے دور میں داخل ہوا تو وہاں نہ صرف مقامی طور پر مزید خام مال حاصل کرنے میں دشواری پیش آئی بلکہ بڑھتی ہوئی پیداوار کو کھپانے کے لیے مقامی منڈیاں بھی ناکافی ثابت ہوئیں لہٰذا یورپ کے لوگوں نے دنیا بھر سے خام مال حاصل کرنے اور اشیاء کی منڈیوں کو وسیع کرنے کے لیے ذرائع آمدورفت کو بے انتہا ترقی دی اس طرح جہازرانی کے شعبہ میں ناقابل یقین تکنیکی ترقی ہوئی اور ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور ٹیلیفون اور موبائل فون جیسی معجزہ نما ایجادات ہوئیں۔ آج کے جدید ذرائع رسل ورسائل بنیادی طور پر اسی دور کے مرہون منت ہیں۔

1.3 قدرتی وسائل سے استفادہ

دور دراز پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں پائے جانے والے قدرتی ذرائع مثلاً دھاتیں تیل اور گیس وغیرہ کا حصول محض آمدورفت کے ذرائع سے ممکن ہے۔ ذرائع نقل وحمل سے ہی سب سے پہلے قدرت کے ان انمول خزانوں سے ممکن ہے۔ ذرائع نقل وحمل سے ہی سب سے پہلے قدرت کے ان انمول خزانوں کا پتہ چلاتا ہے اس کے بعد انہیں کیمیائی عمل سے گزار کر قابل استعمال بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قدرتی وسائل کی تقسیم بھی ذرائع رسل ورسائل کی مرہون منت ہے۔

1.4 ایندھن کی ترسیل

آج کے صنعتی دور میں قدرتی گیس اور تیل کو وہی اہمیت حاصل ہے جو ایک جسم کو توانا رکھنے کے لیے خون کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے دورافتادہ علاقوں سے تیل اور گیس اور اس طرح کا دوسرا ایندھن حاصل کرنے کے لیے ٹرانسپورٹ کے منظّم سلسلے کی ضرورت ہوتی ہے جس میں بحری جہاز، سڑکیں، ریلیں ٹینکر اور پائپ لائنیں وغیرہ شامل ہیں۔

1.5 افرادی قوت کا حصول

کارخانوں میں کام کرنے کے لیے مزدور نہ صرف مقامی آبادیوں سے حاصل کیے جاتے ہیں بلکہ روزگار کے لیے یہ لوگ دور دراز علاقوں سے بھی آتے ہیں لہٰذا انہیں ذرائع آمد و رفت کا سہارا لینا پڑتا ہے مزید برآں اکثر اوقات جدید ترین فنی مہارت کا حصول بھی مقامی طور پر ممکن نہیں ہوتا اس لیے ایک جگہ کے فنی ماہرین کو دوسرے علاقوں میں جا کر کام کرنا پڑتا ہے جیسے کراچی میں مزدوروں کی اکثریت ملک کے شمالی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے

یا مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک میں افرادی قوت اور فنی مہارت دنیا کے مختلف ممالک سے حاصل کی جاتی ہے جس کے لیے ذرائع آمدورفت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔

1.6 لمحہ بہ لمحہ آگاہی

آج کے جدید نظام نقل وحمل اور خبر رسانی کی بدولت ہی یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ کے تاجر، صنعتکار اور صارف دنیا بھر کی منڈیوں کی صورتحال اور مختلف معاشی تبدیلیوں کے بارے میں لمحہ بہ لمحہ آگاہی حاصل کر لیتے ہیں جس سے انہیں بے شمار فوائد حاصل ہوئے، مثلاً۔

(الف) انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ خام مال اور ایندھن فلاں جگہ سے سستے داموں دستیاب ہے لہٰذا وہ اس کی جلد ترسیل کا بندوبست کر کے لاگت پیدائش کو کم سے کم سطح پر لے آتے ہیں۔

(ب) وہ مختلف النوع اعداد وشمار کی دستیابی سے ٹھوس قسم کی معاشی پیش گوئیاں کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جس سے انہیں قیمتوں کے متوقع اتار چڑھاؤ کا مقابلہ کرنے میں آسانی رہتی ہے۔

(ج) انہیں مختلف اشیاء سستے داموں دستیاب ہونے لگتی ہیں۔

(د) انہیں مختلف قسم کے خطرات مثلاً سیلاب، طوفان اور زلزلوں وغیرہ کے متعلق آگاہی ہو جاتی ہے جس سے حفاظتی تدابیر اختیار کر لی جاتی ہیں۔

1.7 اشیاء ضرورت کی ترسیل

جو اشیاء کسی ملک میں پیدا نہیں ہوتیں یا کم پیدا ہوتیں ہیں۔ انہیں ذرائع نقل وحمل کی بدولت دنیا کے دوسرے ممالک سے باآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ غذائی اجناس اور ادویات ضرورت پڑنے پر ہزاروں کلومیٹر دور سے حاصل کر لی جاتی ہیں اور یہ صرف ذرائع آمدورفت کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔

1.8 نئے معاشی ڈھانچے کا قیام

جدید وسائل ارتباط کے وجود میں آنے سے پہلے دنیا کے مختلف ممالک خود انحصاری کے دائرے میں رہنے پر مجبور تھے لہٰذا دنیا میں معاشی ترقی کی رفتار بہت سست تھی ہر ایک ملک صرف وہی اشیاء پیدا کرتا تھا جس سے محض ملکی ضروریات پوری ہوتی ہوں ذرائع نقل وحمل اور خبر رسانی کی ترقی نے معاشی علیحدگی اور خود انحصاری کی حدود توڑ دی ہیں اب نہ صرف مختلف لوگوں بلکہ مختلف ممالک کے درمیان بھی تقسیم کار اور تخصیص کار (Specialization) معرض وجود میں آ گئی ہے کوئی خطہ زرعی پیداوار کے لیے مخصوص ہے تو کوئی صنعتی پیداوار کے لیے کوئی ایندھن پیدا کرتا ہے اور کوئی فنی مہارت مہیا کرتا ہے اسطرح جدید نظام نقل وحمل اور مواصلات کی بدولت ہر ایک ملک یا خطہ اپنی اپنی پیداوار کا باہمی تبادلہ کر کے اپنے لوگوں کی ضروریات پوری کر رہا ہے اس کے علاوہ دنیا میں آبادی پیشہ وارانہ بنیادوں پر مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے اس طرح ہر ایک ملک کی معاشی ترقی کی پہلے سے کئی گناہ بڑھ گئی ہے۔

1.9 اشتہار بازی

اشتہار بازی کا موجودہ ڈھانچہ ذرائع نقل وحمل اورخبررسانی کی بدولت معرض وجود میں آیا ہے اشتہار بازی سے صنعتکار نہ صرف اشیاء کی طلب کوغیر لچکدار اپناتے ہیں بلکہ ان اشیاء کی طلب بھی پیدا کرتے ہیں کہ صارفین جن شے کی بار بار پبلسٹی کی جائے تو صارفین متاثر ہوکر اس شے کو خریدنا شروع کردیتے ہیں، ڈیوڈ کوپر(Cooper) کے الفاظ میں اب نہ صرف یہ ہوتا ہے اشیاء منڈی کی طلب کو پورا کریں بلکہ اکثر اوقات منڈی میں لوگوں کی ضروریات پیدا کرلی جاتی ہیں تا کہ اشیاء کو کھپایا جا سکے اس کی ایک مثال فانٹا کا اشتہار ہے وہ یہ ہے ''فانٹا اتنا اچھا جی چاہتا ہے کہ پیاس لگے'' یعنی جدید ذرائع کے ابلاغ کے ذریعے جان بوجھ کر پیاس پیدا کی جا رہی ہے تا کہ فانٹا کی فروخت بڑھے یہی حال دوسری اشیا مثلاً صابن بلیڈ اور تیل وغیرہ کا ہے اشتہار بازی سے مختلف اشیاء کی طلب بڑھتی ہے جس سے تاجرین پیداوار کو بڑھاتے ہیں اور ملک کی قومی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

1.10 روزگار کا حصول

جدید دور میں ذرائع نقل وحمل اورخبررسانی اس قدر اہمیت حاصل کر چکے ہیں کہ اب ان کا شمار ذیلی اداروں میں نہیں بلکہ مکمل صنعتوں کی حیثیت سے ہونے لگا ہے یہ صنعتیں پاکستان میں لاکھوں افراد کے روزگار کا ذریعہ ہیں یہ لوگ جہازرانی، ہوابازی، ریلوے، روڈ ٹرانسپورٹ، ریڈیو، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر اور ٹیلی فون کے محکموں میں ملازمت کررہے ہیں۔

1.11 اہم نکات

(1) ذرائع نقل وحمل میں ریلیں، سڑکیں، موٹرویز، بحری جہاز اور ہوائی جہاز شامل ہیں جبکہ ڈاک، تار، ٹیلی فون، موبائل فون، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کا شمار ذرائع خبر رسانی میں ہوتا ہے۔

(2) کسی ملک کی معاشی ترقی میں ذرائع نقل وحمل اور ذرائع خبر رسانی کی اہمیت ناقابل تردید حقیقت ہے۔

(3) کسی ملک کی صنعتی ترقی ذرائع نقل وحمل اورخبررسانی کی بدولت ہی ممکن ہوتی ہے۔

(4) صنعتی اور زرعی خام مال کی ترسیل کے لیے ذرائع نقل وحمل کا استعمال ناگزیر ہے۔

(5) اشیاء کی منڈی کو دنیا کے ہر ایک کونے تک وسیع کرنے کے لیے ذرائع نقل وحمل اورخبررسانی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

(6) ایندھن اور اشیائے ضرورت کی ترسیل ذرائع نقل وحمل کی مرہون منت ہے۔

(7) قدرتی وسائل کی تلاش اور ان سے استفادہ کرنے کے لیے بھی ذرائع نقل وحمل کی ضرورت پڑتی ہے۔

(8) ذرائع نقل وحمل سے ہی تاجر صنعتکار اور صارفین دنیا بھر میں ہونے والی معاشی تبدیلیوں سے باخبر رہتے ہیں۔

(9) دنیا بھر میں نئے معاشی نظام اور نئے معاشی ڈھانچہ کے قیام کے لیے ذرائع نقل وحمل نے اہم کردار سرانجام دیا ہے۔

(10) ذرائع خبر رسانی نے اشتہار بازی کے شعبہ کو جنم دیا ہے جس کے بغیر معاشی ترقی کا حصول ممکن نہیں۔

(11) آمدورفت اور خبر رسانی کے وسائل لاکھوں لوگوں کے لیے روزگار مہیا کرتے ہیں۔

1.12 خود آزمائی

سوال نمبر 1۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایک ملک کی معاشی ترقی کیونکہ ذرائع نقل وحمل کی بدولت حاصل ہوتی ہے؟۔

سوال نمبر 2۔ یہ بتائے کہ جدید معاشی ڈھانچے کی تشکیل میں ذرائع نقل وحمل وخبر رسانی نے کیا کام سرانجام دیا ہے؟

سوال نمبر 3۔ مختصر طور پر واضح کریں کہ پاکستان میں ذرائع نقل وحمل کی ترقی سے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں؟

سوال نمبر 4 مندرجہ ذیل فقرات کے سامنے صحیح اور غلط پر نشان لگائیے۔

(ا) معاشی ترقی کے ساتھ نقل وحمل کے ذرائع بھی ترقی کرتے ہیں۔

(ب) منڈیوں کے نظام پر ذرائع نقل وحمل وخبر رسانی کی ترقی سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(ج) قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ کرنے کے لیے ذرائع نقل وحمل کا استعمال ناگزیر ہے۔

(د) ذرائع نقل وحمل کی ترقی سے آجروں کے لیے ممکن نہیں رہا کہ وہ بروقت فیصلے کرسکیں۔

(ر) ذرائع نقل وحمل کے جدید نظام کی بدولت اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوا ہے۔

نوٹ:۔عزیز طلبہ وطالبات

پاکستان میں ذرائع نقل وحمل اور خبر رسانی کی مزید تفصیل کے لیے آپ کتاب "معاشیاتِ پاکستان" از فاروق عزیز باب نمبر 11 سے استفادہ کیجیے۔

کتابیات

ا۔ پاکستان اکنامک سروے (موجودہ)

2. Fifty years of Pakistan in Statistics Federal Bureau & Staticits

یونٹ 10

پاکستان کا صنعتی نظام

تحریر
عبدالحلیم خواجہ

فہرست مضامین

	یونٹ کے مقاصد	322
1.1	تعارف	323
1.2	پاکستان میں صنعتی ترقی کی اہمیت	323
	خود آزمائی	324
1.3	پاکستان کی صنعتی پسماندگی	324
1.4	پاکستان کی صنعتی ترقی	325
1.5	کولمبو پلان	325
1.6	پہلا پانچ سالہ منصوبہ	326
	خود آزمائی	329
1.7	1960-70 کا عشرہ	329
1.8	دوسرا پانچ سالہ منصوبہ	330
1.9	تیسرا پانچ سالہ منصوبہ	331
	خود آزمائی	332
1.10	1970-80ء کا عشرہ	333
1.11	1990-2008ء کا عرصہ	335
	خود آزمائی	336
1.12	صنعتی شعبہ سے متعلقہ اہم ادارے	336
1.13	پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن	337
1.14	اغراض و مقاصد	337
1.15	ارتقائی جائزہ	338
1.16	کارکردگی	339
1.17	انتظامی ڈھانچہ	339
1.18	صنعتی قرضے اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن	339

1.19	مالیاتی ڈھانچہ	340
1.20	دائرہ کار	340
1.21	پالیسی اور طریق کار	341
1.22	پاکستان صنعتی ترقیاتی بینک	342
1.23	اغراض و مقاصد	342
1.24	مالیاتی ڈھانچہ	342
1.25	تنظیمی ڈھانچہ	343
	خود آزمائی	343
1.26	توانائی (Energy) کی صورتحال	344
	خود آزمائی	345

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ یہ بتانے کے قابل ہوں گے کہ:

(i) ایک ترقی پذیر ملک کی معیشت کے لئے صنعت کیا اہمیت رکھتی ہے؟

(ii) پاکستان میں 60-1950ء، 70-1960ء 80-1970ء اور 08-2007ء کے عشرے میں ملکی ترقی کیلئے کس نوعیت کی صنعتی پیداوار کی حد کیا تھی؟

(iii) پاکستان میں مختلف سالوں میں صنعتی پیداوار کی حد کیا تھی؟

(iv) پاکستان میں صنعتی ترقی کے لئے کون کون سے اہم ادارے کام کر رہے ہیں اور اب تک ان کی کارکردگی، انتظامی ڈھانچہ، پالیسی اور طریق کار کیا رہا ہے؟

(v) ملک میں توانائی (energy) کی پیداوار اور سپلائی کی عمومی صورتحال کیا ہے اور اس کی ترقی کے لئے کون کون سے ادارے سرگرم عمل ہیں؟

1.1 تعارف:

جب انسان نے چند سادہ سی مشینیں ایجاد کیں تو اس وقت شاید ہی کسی کے ذہن میں آیا ہوگا کہ دھات کے یہ بے ہنگم ٹکڑے، زمین پر ایک نئے سماج کو جنم دیں گے لیکن آج ہم اپنے گردوپیش پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ صنعت صرف مشین یا مشینی پیداوار کا نام ہی نہیں بلکہ یہ ایک پورے سماجی ڈھانچے کا نام ہے جسے ہم صنعتی معاشرہ کہتے ہیں۔ جاگیردارانہ نظام معیشت میں مستعمل اور رائج سادہ ذرائع پیدائش اور آلات پیداوار، جب موجودہ معاشرے کے لئے انتہائی پیچیدہ ذرائع پیدائش اور آلات پیداوار میں تبدیل ہوئے تو اس سے پیدائشِ دولت کے مختلف عاملین کے درمیان باہمی رشتوں میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوگئیں۔ اس طرح تیز رفتار ذرائع پیدائش نے انسان کو جغرافیائی فاصلے سمیٹنے پر مجبور کردیا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ تیز تر ذرائع مواصلات کی بدولت مختلف قسم کی اشیاء و خدمات کے لئے ہی منڈیوں کا حصول ممکن ہوگیا ہے اور یوں خام مال کی ترسیل میں حائل ہر قسم کی رکاوٹیں دور ہوگئی ہیں۔

1.2 پاکستان میں صنعتی ترقی کی اہمیت:

اگر ہم پاکستان کی معاشی ترقی کے حوالہ سے ملک کی صنعتی ترقی کا جائزہ لیں تو یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے صنعتوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ہماری قومی معیشت کے لئے صنعتی ترقی کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں:۔

(1) بنیادی طور پر ہماری معیشت ایک زرعی معیشت ہے کیونکہ ملک کی کل آبادی کے تقریباً تین چوتھائی حصے کا ذریعہ روزگار زراعت اور اس سے ملحقہ پیشے ہیں۔ ملک کی زرعی ترقی جدید صنعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح صنعت کی بدولت تیار کی جانے والی کیمیائی کھادیں زرعی شعبہ کی ترقی کے لئے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

(2) ایک معیشت میں بالائی ڈھانچے کی تعمیر و ترقی بھی صنعت سے وابستہ ہوتی ہے مثلاً ذرائع مواصلات صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں زرعی اجناس کی نقل و حمل آسان ہو جاتی ہے۔

(3) صنعت کی ترقی سے ملکی معیشت کے دیگر شعبے خود بخود ترقی کرنے لگتے ہیں۔ جس سے مجموعی پیداوار بڑھتی ہے اور قومی آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

(4) اگر صنعتی ترقی ملک کے معاشی مسائل حل کرنے میں مدد دے رہی ہے تو یقینی بات ہے کہ

غریب ممالک میں صنعت کے جاذب محنت منصوبوں (Labour- Intensive Projects) میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے جب کہ دولت مند ممالک میں جاذبہ سرمایہ منصوبوں (Capital-Intensive Projects) میں سرمایہ کاری ہوتی ہے جس سے ملک میں مجموعی روزگار کی سطح بلند ہوتی ہے۔

(5) معاشی خود کفالت حاصل کرنے کیلئے مختلف شعبوں میں صنعتی پیداوار بڑھائی جاتی ہے جس سے ملکی درآمدات کا حجم کم ہو جاتا ہے اور برآمدات بڑھ جاتی ہیں۔ اس طرح ادائیگیوں کا توازن (Balance of Payments) درست کرنے میں مدد ملتی ہے۔

(6) ملک میں صنعتی ترقی سے لوگوں کا عمومی معیار زندگی بلند ہو جاتا ہے ان کی ہنرمندی اور صلاحیتوں میں بے انتہا تنوع پیدا ہو جاتا ہے جس سے ایک معیشت کی بنیادیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔

(7) اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ملک کی مجموعی پیداوار میں اضافہ اور ملکی ذرائع کی مکمل کھپت صرف جدید صنعتی ترقی سے ہی ممکن ہے، ہم یہ نتیجہ با آسانی اخذ کر سکتے ہیں کہ خود انحصاری کی منزل پر پہنچنے اور حقیقی سیاسی آزادی حاصل کرنے کے لئے ملکی صنعت کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینی چاہئے۔

(8) جاگیردانہ معاشرت کی خامیوں، جاہلانہ طرز فکر اور فرسودہ اقدار سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک صنعتی معاشرے کا قیام ازحد ضروری ہے۔

خود آزمائی

سوال نمبر 1 ملکی معیشت کی ترقی کے لئے صنعت کی اہمیت پر روشنی ڈالئے۔

سوال نمبر 2 مختصر طور پر بیان کیجئے کہ صنعتی ترقی ملک کے معاشی اور سماجی ڈھانچے میں کیا تبدیلیاں پیدا کرتی ہے؟

1.3 پاکستان کی صنعتی پسماندگی:

1947ء میں برصغیر ہند کی تقسیم کے وقت پاکستان کے حصہ میں جو صنعتیں آئیں وہ محض چند آٹا پیسنے کی ملوں، چاول چھڑنے کی ملوں، کپاس بیلنے کی ملوں، ایک سیمنٹ پلانٹ اور چند سادہ سی کنفیکشنریوں (Confectionaries) پر مشتمل تھیں۔ اس کے علاوہ بنیادی ڈھانچے (Basic Infrastructure) میں

صنعتی ترقی کے دیگر لوازمات مثلاً مالیاتی ادارے، ذرائع نقل وحمل، پیشہ ورانہ مہارتیں اور مربوط منصوبہ بندی وغیرہ کی سہولتیں بالکل ناپید تھیں۔ لہٰذا ملک کی صنعتی اساس بہت کمزور تھی۔

آزادی سے قبل ہندوستان میں بڑی بڑی صنعتوں کے کل 1063 کارخانے تھے جن میں سے صرف پچاس پاکستان کے حصے میں آئے۔ ان کارخانوں کی پیداوار ملک کی خام پیداوار کا محض 2.2 فی صد تھی۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ بڑی صنعت سے مراد ایسے پلانٹ یا پراجیکٹ ہیں جن میں بیس سے زائد مزدور کام کرتے ہوں اور وہ پلانٹ بجلی سے جلائے جاتے ہوں۔ مزید برآں ملک میں آجر، سرمایہ اور فنی مہارتوں کی اس قدر کمی تھی کہ ملک میں نہ تو ضروری بنیادی صنعتوں کے قیام کی اہلیت نظر آتی تھی اور نہ ہی سرمایہ کاری شعبہ میں زرمبادلہ کی کمی کے باعث ایک خاص حد سے زیادہ سرمایہ کاری کی گنجائش دکھائی دیتی تھی۔

ان حالات میں ملکی معیشت کی صنعتی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے دو ادارے تشکیل دیئے گئے جو 1948-49ء میں قائم کی جانے والی اقتصادی امور کی وزارت (Ministry of Economic Affairs) اور ایک ایک ترقیاتی بورڈ ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اقتصادی کمیٹی (Economic Committee) کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ذیل کی سطور میں اہم اس بات کا جائزہ لے رہے ہیں کہ ان اداروں نے آنے والے عشروں میں صنعتی پالیسی کی کی راہ متعین کی اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوئے۔

1.4 پاکستان کی صنعتی ترقی: 1950-60ء کا عشرہ

1950-60ء کے عشرے میں ملک کی صنعتی ترقی کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا گیا، کیا کیا ہدف متعین کئے گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے کیا کیا نتائج مرتب ہوئے؟ ان سوالوں کے جواب کے لئے ہم اس عشرہ کے دوران تشکیل پانے والے دو منصوبوں یعنی کولمبو پلان اور پہلے پانچ سالہ منصوبے کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

آیئے ہم دیکھیں کہ ان دونوں منصوبوں کے اہم خدوخال کیا تھے۔

1.5 کولمبو پلان

1951ء میں دولت مشترکہ کے آٹھ آزاد ممالک نے معاشی ترقی کے لئے ایک مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرتے ہوئے کولمبو میں ایک منصوبہ تیار کیا تھا جسے ''کولمبو پلان'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پاکستان ان آٹھ ممالک میں شامل تھا۔

پاکستان نے اس منصوبے کی مدت 1951-57ء یعنی چھ سالوں میں ملک کے اندر مجموعی طور پر 2600 ملین روپے کے ترقیاتی اخراجات کا تخمینہ تجویز کیا۔ منصوبے کی رو سے اس رقم کے 1700 ملین روپے پر مشتمل حصے

کے لئے اندرونی ذرائع کو بروئے کار لانا تھا جب کہ باقی ماندہ 900 ملین روپے غیر ملکی امداد سے حاصل کرنا تھے۔

2600 ملین روپے کی اس رقم کا 37 فیصد حصہ مجموعی طور پر صنعت، ایندھن اور ذرائع قوت کے لئے مخصوص کیا گیا۔ انفرادی طور پر اس میں 19 فیصد صنعت پر اور 18 فیصد ایندھن اور قوت کے لئے مخصوص کیا گیا۔ ذرائع مواصلات، جو صنعتی ترقی کے لئے روح رواں کی حیثیت رکھتے ہیں کے لئے منصوبے کی مجموعی رقم کا بیس فیصد حصہ مختص کیا گیا۔

اس منصوبے کو ایک لمبی مدت تک کی جانے والی معاشی ترقی کے ابتدائی مرحلے کے طور پر لیا گیا، چنانچہ جو ترجیحات متعین کی گئیں، وہ ان شعبوں کے لئے تھیں جو ایک لمبے عرصہ میں ہونے والی مجوّزہ معاشی ترقی کے لئے بنیاد فراہم کرسکتی تھیں۔ اسی لئے ذرائع مواصلات، بجلی، جہاز رانی اور ٹیکسٹائل کے شعبے میں زیادہ سے زیادہ ترقی کا پروگرام بنایا گیا۔ اس منصوبے پر عملدرآمد کا کام منصوبہ بندی کمیشن اور اقتصادی کونسل کے سپرد کردیا گیا۔

پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کے لئے یہ ایک ابتدائی تجربہ تھا۔ لہٰذا اس کی تیاری میں جس فنی مہارت کی ضرورت تھی وہ دستیاب نہ ہوسکی اور پھر یہ منصوبہ بڑی عجلت سے تیار کیا گیا، اس طرح نتیجہ یہ نکلا کہ نہ تو بنیادی ذرائع کے لئے صحیح تخمینے تیار ہوسکے اور نہ ہی منصوبے پر عملدرآمد کرنے والی مشینری کوئی مؤثر کردار ادا کرسکی۔ یوں یہ منصوبہ مکمل طور پر اپنے مطلوبہ اہداف تک نہ پہنچ سکا۔ مزید یہ کہ 1953ء اور 1956ء میں بالترتیب دو دفعہ بین الاقوامی سطح پر قیمتوں میں اضافہ ہوا جس کے نتیجے میں منصوبے کے حجم (Size of Plan) پر نظر ثانی کی گئی جس سے مجموعی خرچ 2600 ملین روپے سے 3620 ملین اور پھر 5640 ملین روپے ہوگیا۔

بہرحال اس تمام حقائق کے باوجود اس منصوبے نے جزوی کامیابیاں حاصل کیں۔ پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن (PIDC) جس کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا، نے اس منصوبے کی مدت کے دوران 19 صنعتی منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ اس کے علاوہ ذرائع مواصلات اور خبر رسانی کے شعبے نے نمایاں ترقی کی۔ مزید برآں بجلی کی پیداوار، جو کہ تقسیم پاکستان و ہند کے وقت تقریباً K.W 110,000 سالانہ تھی بڑھ کر 280,000 K.W. سالانہ ہوگئی۔ اس طرح سیمنٹ کی پیداوار تین لاکھ بیس ہزار ٹن سالانہ سے بڑھ کر پونے سات لاکھ ٹن سالانہ تک پہنچی۔ مجموعی طور پر 55-1954ء کے مالی سال کے دوران ملک کی صنعتی پیداوار 50-1949ء کے مقابلہ میں اڑھائی گنا بڑھ گئی۔

1.6 پہلا پانچ سالا منصوبہ 60-1955ء

کولمبو پلان کی مذکورہ بالا خامیوں اور کامیابیوں کی روشنی میں حکومت پاکستان نے ملک کے منصوبہ بندی بورڈ کو ہدایت دی کہ 60-1955ء کی مدت کے لئے ملک کا پہلا پانچ سالا منصوبہ ٹھوس بنیادوں پر تشکیل دے۔

اس سلسلے میں بڑے غور و خوص کے بعد بورڈ نے اپنی رپورٹ 1956ء کے وسط میں حکومت کو پیش کردی جسے 1957ء کے اوائل میں قومی اقتصادی کونسل نے منظور کیا اور اس طرح یہ منصوبہ اپنے مجوزہ وقت آغاز سے دو سال بعد یعنی اپریل 1957ء میں میدان عمل میں آیا۔

اس منصوبے کا حجم شروع میں 11500 ملین روپے تھا۔ لیکن بعد میں نظر ثانی کے بعد اسے گھٹا کر 10800 ملین روپے کردیا گیا۔ اس رقم کے 6600 ملین روپے مقامی ذرائع یعنی سرکاری اور نجی بچتوں سے اور 4200 ملین روپے غیر ملکی امداد سے حاصل کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ مزید یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اس رقم کا 7500 ملین روپے پر مشتمل حصہ سرکاری شعبہ کے زیر انتظام ترقیاتی کاموں پر خرچ ہوگا اور 3300 ملین روپے نجی شعبہ کے تحت خرچ ہوں گے۔

اس منصوبے کے کل ترقیاتی اخراجات میں سے تقریباً ایک تہائی یعنی 3000 ملین روپے صرف صنعتی شعبے کے لئے مختص کئے گئے۔ اس رقم میں سے 1600 ملین روپے سرکاری شعبے اور 1400 ملین روپے نجی شعبے میں چلنے والی صنعتوں کے لئے مخصوص کئے گئے۔

نظام مواصلات کی اہمیت کے پیش نظر 2110 ملین روپے کی رقم ذرائع نقل وحمل و مواصلات پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا جبکہ صنعت میں قریبی طور پر متعلقہ شعبے یعنی پانی اور بجلی کے ذرائع پر 2700 ملین روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ نجی شعبے میں معدنیات کے لئے 350 ملین روپے کی رقم خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔

مذکورہ بالا اخراجات کی مدد سے ملک کی صنعتی پیداوار کو منصوبے کی مدت (1955-60ء) کے دوران 60 فیصد تک بڑھانے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس کے علاوہ برآمدات میں 15 فیصد، فی کس آمدنی میں 7 فیصد اور قومی پیداوار میں 15 فیصد تک اضافے کا پروگرام بھی بنایا گیا۔

صنعت کے شعبہ میں مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل لائحہ عمل تیار کیا گیا۔

(i) ایسی صنعتوں کو ترجیح دینا جن سے قومی آمدنی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔

(ii) ایسی صنعتوں میں سرمایہ کاری کو ترجیح دینا جو برآمدی اشیا پیدا کرتی ہوں یا درآمدی اشیا کے نعم البدل تیار کرتی ہوں تاکہ برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی سے ملک کی ادائیگیوں کا توازن درست ہوسکے۔

(iii) ملک میں صنعتی ترقی سے روزگار کی سطح کو بلند کرنا اور اس مقصد کے لئے ایسے صنعتی شعبوں کا انتخاب کرنا جو نہ تو مکمل طور پر جاذب سرمایہ (Capital Intensive) ہوں نہ ہی مکمل طور پر جاذب محنت (Labour Intensive) ہوں۔

(iv) صنعتی انتظامی تربیت اور تحقیق کو بطور اہم مطالعاتی مضمون اور پیشے کے آگے بڑھانا۔ اس مقصد

کے لئے یونیورسٹی کی سطح پر طلباء کو صنعتی انتظامی تربیت کا مضمون پڑھانا اور موجودہ صنعتی انتظامیہ کو مختلف پروگراموں کے ذریعہ جدید صنعتی انتظامی طریقہ کار سے آگاہ کرنا۔

(v) پیداواری استعداد اور کوالٹی کو بہتر بنانے کیلئے مقابلے کے رجحان کو فروغ دینا۔ آجروں کے کاروباری گٹھ جوڑ (Cartel) کی حوصلہ شکنی کے لئے کم قیمت اور معیاری درآمدات کی حوصلہ افزائی کرنا۔

(vi) صنعتی پیداوار بڑھانے کے لئے فنی سرمایہ کاری کے ساتھ ساتھ موجودہ پلانٹوں کی استعداد میں اضافہ کرنا۔

(vii) کل 3000 ملین روپے کی سرمایہ کاری میں سے 2700 ملین روپے نئے پلانٹوں پر اور 300 ملین روپے موجودہ پلانٹوں کی تجدید پر خرچ کرنا اور نئی سرمایہ کاری کو چند بڑے شہروں تک محدود ہونے سے روکنا۔

(viii) 3000 ملین روپے کی اس مجوزہ سرمایہ کاری میں سے 1600 ملین روپے اشیائے سرمایہ کی پیداوار اور 1400 ملین روپے اشیائے صرف پیدا کرنے والی صنعتوں پر خرچ کرنا۔

(ix) سرکاری شعبہ کے تحت سرمایہ کاری کے لئے ایسی صنعتوں کا انتخاب کرنا جن میں نجی شعبہ تکنیکی مہارت اور سرمائے کی کمی کی وجہ سے سرمایہ کاری نہ کرسکتا ہو۔

(x) نجی شعبہ میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لئے مشترکہ سرمایہ کی انجمنوں کے ذریعے ہونے والی سرمایہ کاری کے منافع پر ٹیکس میں چھوٹ اور ذاتی سرمایہ کاری پر ٹیکس کی معافی دینا۔ علاوہ ازیں 1949ء میں قائم شدہ پاکستان صنعتی مالیاتی کارپوریشن (PIFCO) کے ساتھ ساتھ صنعتکاروں کو قرضہ فراہم کرنے کے لئے ایک نئے ادارے ''پاکستان صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن'' (PICIC) کا قیام

(xi) حکومت اور نجی شعبہ کے لئے صنعتی منصوبہ بندی اور مشاورت کے سلسلے میں سرکاری محکمے ''صنعتی منصوبہ بندی اور ترقیاتی تنظیم'' (Industrial Planing and Development Organistion) کو سرگرم عمل کرنا۔

مذکورہ بالا لائحہ عمل کو عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی گئی لیکن پھر بھی منصوبے کے متوقع نتائج مجموعی طور پر 90 فی صد کی حد تک حاصل ہوسکے۔ بڑی صنعتوں میں پیداوار منصوبے کے اہداف سے آگے نکل گئی۔ اشیائے صرف کی پیداوار مجموعی ملکی طلب کے 22 فیصد سے بڑھ کر 92 فیصد تک جا پہنچی۔ کل صنعتی پیداوار میں سالانہ 8 فیصد سے زائد اضافہ ہوا۔ دس لاکھ مزید افراد کو روزگار مہیا کیا گیا۔ قومی آمدنی میں 11 فیصد اور فی کس آمدنی میں 3 فیصد اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ سرمایہ کاری میں بھی 12 فیصد اضافہ ہوا۔

خود آزمائی

سوال نمبر 1	آزادی کے وقت ملک کی صنعتی صورتحال کیا تھی؟ کولمبو پلان اور پہلے پانچ سالہ منصوبے کے دوران اس میں کیا کیا اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔
سوال نمبر 2	کولمبو پلان اور پہلے پانچ سالہ منصوبے کا تنقیدی جائزہ پیش کیجئے۔
سوال نمبر 3	60-1950ء کے عشرے میں صنعتی ترقی کے لئے حکومت پاکستان نے جو پالیسی اختیار کی، اس کے اہم نکات پر روشنی ڈالئے۔

1.7 70-1960ء کا عشرہ

جس طرح 60-1950ء کے عشرے کے دوران صنعتی ترقی کے سلسلہ میں حکومت کی پالیسی کولمبو پلان اور پہلے پانچ سالہ منصوبے کی شکل میں متعین کی گئی تھی، اس طرح 70-1960ء کے عشرے کے دوران حکومت کی صنعتی پالیسی کا مظہر دوسرا پانچ سالہ منصوبہ 65-1960ء اور تیسرا پانچ سالہ منصوبہ 70-1965ء کی پہلی کڑی بھی ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ان دونوں منصوبوں کے بنیادی خدوخال ایک جیسے ہیں۔ پہلے عشرے کے برعکس اس عشرہ کے دوران صنعتی شعبے میں ترقیاتی کام کا زیادہ تر بوجھ بتدریج نجی شعبہ پر ڈال دیا گیا اور سرکاری شعبے کی سرمایہ کاری آہستہ آہستہ پس منظر میں چلی گئی۔ لہٰذا نجی شعبے کے صنعتکاروں اور سرمایہ کاروں کو بھرپور انداز میں سہارا دیا گیا اور انہیں بے پناہ معاونت فراہم کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ بونس واؤچر سکیم اس سلسلے کی ایک مشہور کڑی ہے۔ نجی شعبے کی اس حد تک معاونت نے آجروں کے لئے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی راہیں کھول دیں لیکن بدقسمتی سے نجی شعبے نے منافع کمانے کے ساتھ ساتھ ملکی صنعت وتجارت کو بین الاقوامی معاشی حالات سے ہم آہنگ کرانے کیلئے کوئی مثبت کردار سرانجام نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عشرے کے اواخر تک پہنچتے پہنچتے ملکی ادائیگیوں کا توازن خراب سے خراب تر ہوتا گیا اور اندرون ملک سرمایہ کاری بھی، (چاہے وہ نجی شعبہ ہو یا سرکاری)، زوال پذیر رہی، چنانچہ ملکی معیشت کڑی سے کڑی شرائط پر حاصل کئے ہوئے غیر ملکی قرضوں پر انحصار کرنے پر مجبور تھی۔ اس صورتحال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ گو دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے متوقع نتائج حاصل کر لئے گئے تھے لیکن اس کے باوجود حکومت کی فراخدلانہ پالیسیوں کے نتیجہ میں ملکی دولت کا ارتکاز محض چند خاندانوں تک محدود ہو چکا تھا۔ یہ عشرہ نجی صنعتکاروں کے لئے ایک سنہری دور تھا جبکہ صنعتوں کے لئے ایک تاریک دور تھا۔ رابرٹ میکنا مارا کے الفاظ میں پاکستان کے صنعتکار، صنعت چلانے میں نہیں بلکہ محض صنعت لگانے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

ذیل میں ہم دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبے کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔

1.8 دوسرا پانچ سالہ منصوبہ

پہلے پانچ سالہ منصوبے کے 10800 ملین روپے کے اخراجات کے مقابلہ میں دوسرے پانچ سالہ منصوبے کی مدت کے دوران مجموعی طور پر 23000 ملین روپے ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اس رقم کا 12050 ملین روپے پر مشتمل حصہ اندرونی ذرائع سے اور 10950 ملین روپے کا حصہ بیرونی ذرائع سے حاصل کیا جانا تھا۔ مزید برآں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ کل اخراجات میں سے 12400 ملین روپے سرکاری شعبہ کے تحت اور بقیہ 10600 ملین روپے نجی و نیم سرکاری شعبہ کے تحت خرچ کئے جائیں گے۔

ابتدائی طور پر صنعت کے لئے 4050 ملین روپے کی رقم مختص کی گئی جس کا محض 125 ملین روپے کا حصہ سرکاری شعبہ کے تحت خرچ ہونا تھا۔ اسی طرح صنعت سے متعلقہ ایندھن اور معدنیات کے شعبہ کے لئے 850 ملین روپے کی رقم میں سے صرف 125 ملین روپے سرکاری شعبہ کے تحت خرچ ہونا تھا۔ صرف ذرائع مواصلات و خبر رسانی ہی ایسے شعبے تھے جن کے لئے مختص کی گئی 3350 ملین روپے کی رقم کا صرف 830 ملین خالصتاً نجی شعبہ کے تحت خرچ کیا جانا تھا۔

اس منصوبہ کے تحت جو مقاصد پیش نظر تھے ان میں بڑی صنعتوں کی پیداوار میں 60 فیصد، قومی آمدنی میں 24 فی صد فی کس آمدنی میں 12 فیصد اور ملکی بچتوں اور زرمبادلہ کے ذخائر میں 10 فیصد اضافہ کرنا شامل تھا۔ اس کے علاوہ مزید 25 لاکھ افراد کو روزگار مہیا کرنے کا منصوبہ بھی بنایا گیا۔

مختلف صنعتی شعبوں کے سلسلے میں سیمنٹ کی پیداوار 1050 ہزار ٹن سے بڑھا کر 3000 ہزار ٹن، سپر فاسفیٹ کھاد کی پیداوار 1500 ٹن سے بڑھا کر 18000 ٹن، گھی کی پیداوار 22000 سے 50,000 ٹن اور کاغذ کی پیداوار 40 ہزار ٹن سے بڑھا کر 80 ہزار ٹن سالانہ تک لے جانے کا منصوبہ بنایا گیا۔

منصوبے کے مقاصد کی تکمیل کے لئے جو لائحہ عمل اختیار کیا گیا اس کے اہم نکات یہ ہیں:-

(i) ترجیحات کی بنیاد پر سب سے پہلے ایسی سرمایہ کاری کو لانا جس سے موجودہ پلانٹوں کی پیداوار بڑھے۔ اس کے بعد موجودہ پلانٹوں کو جدید خطوط پر چلانا اور آخر میں نئے پلانٹوں میں سرمایہ کاری کرنا۔

(ii) بڑی صنعتوں کی اہمیت کے ساتھ ساتھ چھوٹی صنعتوں کو ترجیحی بنیادوں پر اہمیت دینا اور ہر دو قسم کی صنعتوں کے درمیان سرمایہ کاری اور تحفظ کا توازن قائم کرنا۔

(iii) چند بڑے شہروں تک صنعت کے ارتکاز کو روکنا۔

(iv) صنعتی ترقیاتی پروگرام کے سلسلہ میں بنیادی طور پر صرف اور صرف نجی شعبہ پر انحصار کرنا۔

(v) سرکاری شعبہ کے تحت سرمایہ کاری صرف ان شعبوں تک محدود کرنا جن میں نجی شعبہ کو یا تو کوئی دلچسپی نہیں

یا پھر وہ مالی اور تکنیکی طور پر ان شعبوں میں انتظامی اور مالی امور سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ نجی شعبہ کو سرمایہ کاری کی ترغیب دلانے کے مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کئے گئے۔

(الف) نیا قائم شدہ ادارہ انویسٹمنٹ پروموشن بیورو (Investment Promotion Bureau) نجی سرمایہ کاروں کو ہر ممکن سہولیات فراہم کرے جس میں لائسنسوں کی فراہمی، فنی معلومات کی فراہمی اور مشاورتی خدمات شامل ہیں۔

(ب) صنعتی سرمایہ کاری کے نئے شیڈول کے تحت چند خاص صورتوں میں سرمایہ کاری کو حکومت کی پیشگی اجازت سے مستثنیٰ قرار دینا۔

(ج) حکومت کی طرف سے قیمتوں پر کنٹرول کی پالیسی کو نرم کرنا۔

(د) مشینری اور خام مال کی درآمد پر کنٹرول نرم کرنا۔

(ر) قرضہ کی عام سہولتوں کی بہم رسائی۔

(س) نجی فرموں کے تعاون سے صنعتی تربیت اور تحقیق کے پروگرام کو آگے بڑھانا۔

اس منصوبے کے تحت مطلوبہ نتائج خاصی حد تک حاصل کر لئے گئے یعنی صنعتی ترقی کی رفتار 8.3 فیصد سالانہ تک جا پہنچی اور برآمدات میں سالانہ 7 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا جبکہ بحیثیت مجموعی قومی آمدنی 30 فیصد اور فی کس آمدنی میں 12 فیصد اضافہ ہوا۔

1.9 تیسرا پانچ سالہ منصوبہ 70-1965ء

تیسرا پانچ سالہ منصوبہ ایک تناظری منصوبہ 85-1965ء کی پہلی کڑی تھی۔ تناظری منصوبہ کے اہم مقاصد میں خام قومی پیداوار (G.N.P) میں چار گنا اضافہ، ملک کے دونوں حصوں کے درمیان معاشی تفاوت کا خاتمہ، مکمل روزگار کی سطح تک پہنچنا، غیر ملکی امداد سے نجات اور ملک کی مکمل آبادی کو تعلیم یافتہ ہونے کی سطح تک پہنچانا تھا۔

تیسرے پانچسالہ منصوبے کے تحت 52 بلین روپے کی رقم ترقیاتی کاموں کے لئے مختص کی گئی تھی، جس کا 55 فیصد ملکی اور 45 فیصد غیر ملکی ذرائع سے حاصل کیا جانا تھا۔ 52 بلین روپے کی اس رقم میں سے 13.46 بلین روپے صنعتی شعبہ کی ترقی کے لئے مخصوص کئے گئے تھے جبکہ 7.21 بلین روپے کی رقم ذرائع مواصلات وخبر رسانی کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ کل رقم میں 30 بلین روپے سرکاری شعبہ اور 22 بلین روپے نجی شعبہ میں رکھے گئے تھے۔

تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے چند اہم اور متعلقہ مقاصد میں بھاری بنیادی صنعتوں کا قیام، صنعتی پیداوار میں 12 سے 21 فیصد تک اضافہ، قومی آمدنی میں 37 فیصد اور نجی بچتوں میں 20 فیصد اضافہ شامل تھا۔ اس کے علاوہ تقریباً 55 لاکھ مزید افراد کو روزگار کی فراہمی بھی اس کا ایک اہم مقصد تھا۔ تیسرے پانچ سالہ منصوبے کے

دوران جو صنعتی پالیسی اختیار کی گئی اس کے چند اہم نکات یہ تھے۔

(i) پہلے اور دوسرے منصوبے کے صنعتی پروگرام کے برعکس اشیا سرمایہ کی پیداوار میں اضافہ کرنا۔

(ii) بھاری اور بنیادی صنعتوں میں سرمایہ کاری کو ترجیح دینا۔

(iii) ایسی صنعتوں میں سرمایہ کاری کرنا جن سے یا تو قومی آمدنی میں تیزی سے اضافہ ہو یا ادائیگوں کے توازن کی صورتحال بہتر ہوتی ہو یا پھر بھاری تعداد میں لوگوں کو روزگار مہیا ہوتا ہو۔

(vi) ملک میں اشیائے صرف کی مانگ کو برقرار رکھنے کے لئے غیر منصفانہ تقسیم دولت کی صورتحال کو بہتر بنانا۔

(v) صنعتی ترقیاتی پروگرام کی ذمہ داری بدستور نجی شعبہ کو سونپنا اور اس کی بدولت ملکی دولت کا ارتکاز اگر چند ہاتھوں میں ہوجائے، تو اسے بھی روکنے کی کوشش کرنا۔

(vi) غیرملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنا۔

(vii) چند بڑے شہروں میں صنعتوں کے ارتکاز کی حوصلہ شکنی کرنا۔

(viii) چھوٹی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی پالیسی جاری رکھنا۔

(ix) صنعتی تربیت اور تحقیق کے کام کو آگے بڑھانا۔

صنعتی پالیسی کے مذکورہ بالا مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے تیسری پانچ سالہ منصوبہ کا آغاز کی گیا لیکن یہ منصوبہ مکمل طور پر ناکام رہا۔ منصوبے کی مدت کے پہلے دو سال جنگ اور اس کے بعد خراب اقتصادی صورتحال میں گزرے۔ بعد میں خراب موسمی حالات اور حکومت وقت کے خلاف اٹھنے والی تحریک نے اس منصوبے کے تمام مقاصد خاک میں ملادیئے۔ 1970ء کے اعداد وشمار کی رو سے صنعتی پیداوار میں 10 فیصد کی بجائے صرف 7.6 فیصد اضافہ ہوا۔ 52 بلین روپے کے مجوزہ اخراجات کی بجائے صرف 39 بلین روپے کے ترقیاتی اخراجات ممکن ہوسکے۔ بعینہٖ خام قومی پیداوار میں بھی 37 فیصد کی بجائے 32 فیصد اضافہ ہوا۔

خود آزمائی

سوال نمبر1	1950-60ء کے عشرہ کے مقابلہ میں 1960-70ء کے عشرہ میں پاکستان کی صنعتی پالیسی میں کیا تبدیلی ہوئی؟
سوال نمبر2	دوسرا پانچ سالہ منصوبہ ایک کامیاب منصوبہ تھا لیکن اس منصوبے کے دوران اختیار کی جانے والی صنعتی پالیسی کے نتائج حوصلہ افزا نہیں تھے، تبصرہ کیجئے۔
سوال نمبر3	تیسرے پانچ سالہ منصوبے کی ناکامی کے اسباب بیان کیجئے۔

1.10 1970-80ء کا عشرہ

یہ عشرہ ملک میں بنیادی سیاسی و معاشی تبدیلیوں اور ہنگامہ خیزیوں کے ساتھ شروع ہوا۔ ملک کا مشرقی حصہ علیحدہ ہوگیا اور مغربی حصے کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئی ان کا طرز عمل پرانے حکمرانوں سے بہت مختلف تھا۔ نتیجتاً ملکی معیشت کی راہیں بھی تبدیل ہوگئیں۔ اس دور میں پچھلے تئیس سال کی پالیسیوں کے برعکس پہلی بارنجی شعبہ سے کہیں زیادہ سرکاری شعبے کو اہمیت دی گئی۔

اگرچہ چوتھا پانچ سالہ منصوبہ اس عشرے کے لئے اختیار کی جانے والی پالیسیوں کا ایک حصہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ چوتھا پانچ سالہ منصوبہ جو ملک کے دونوں بازوؤں کی ضروریات اور وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے تشکیل دیا گیا تھا، 1970ء کے اوائل ہی میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے نتیجہ میں بے معنی ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد دو سال کا عرصہ ملکی حالات سنبھالنے، نئی ضروریات، نئے تقاضوں اور وسائل کی نئی صورتحال سے سمجھوتہ کرنے میں گزرا۔ بہرحال 1972ء کے آغاز ہی سے اس وقت کی حکومت نے اپنی پالیسیوں کا اطلاق شروع کردیا۔ زرعی اصلاحات کا نفاذ ہوا۔ صنعتوں کے سلسلہ میں حکومت نے جو پالیسی اختیار کی وہ متنازعہ فیہ ہے۔ اس کے حق اور مخالفت میں دلائل دیئے جاتے رہے ہیں۔ بہرطور اس پالیسی کے تحت 31 بڑے صنعتی یونٹوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ اس کے ایک ہی سال بعد یعنی 1973ء میں گھی کی صنعت بھی قومیائی گئی۔ 1974ء میں جہاز رانی اور بینکاری کے شعبوں کو بھی سرکاری انتظام میں لے لیا گیا۔ اس کے فوراً بعد چاول اور کپاس کی برآمدی تجارت بھی سرکاری شعبے کا حصہ بنا دی گئی۔

جہاز رانی کا کام پاکستان شپنگ کارپوریشن (PSC) کے سپرد کردیا گیا۔ بنکاری کے امور پاکستان بینکنگ کونسل نے سنبھال لئے اور چاول اور کپاس کی تجارت کے لئے علی الترتیب رائس ایکسپورٹ کارپوریشن اور کاٹن ٹریڈنگ کارپوریشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔

قومیائے گئے 32 صنعتی یونٹوں کو ان کی قسم کے اعتبار سے 10 مختلف گروپوں میں بانٹ دیا گیا اور ہر ایک گروپ کے انتظام کی خاطر ایک ایک کارپوریشن کی تشکیل دی گئی۔ ان دس صنعتی گروپوں کے لئے بنائی گئی کارپوریشنوں میں سے چند ایک نام درج ذیل ہیں۔

1۔ نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن (N.F.C)
2۔ پاکستان آٹوموبائل کارپوریشن (P.A.C)
3۔ پاکستان انڈسٹریل ڈیویلپمنٹ کارپوریشن (PIDC)
4۔ اسٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن آف پاکستان (SCCP)

ان سب کارپوریشنوں کا مجموعی انتظام نئے قائم شدہ ''بورڈ آف انڈسٹریل مینجمنٹ'' (BIM) کے سپرد کیا گیا۔ لیکن بعد ازاں نئی سیاسی تبدیلیوں کے بعد حکومت نے اس بورڈ کو توڑ کر براہ راست ان سب کارپوریشنوں کا انتظام وزارت پیداوار کے سپرد کردیا۔

سرکاری شعبے کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دینے کی پالیسی کو نجی شعبہ کے آجروں نے بہت زیادہ ناپسند کیا چنانچہ اس دور حکومت میں نجی شعبے نے ترقیاتی پروگراموں میں کوئی قابل ذکر دلچسپی نہیں لی۔

1977ء میں وقوع پذیر ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے بعد نئی حکومت نے ایک بار پھر نجی شعبے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ چنانچہ پانچویں پانچ سالہ منصوبہ 83-1978ء کے لئے پیش کی جانے والی صنعتی پالیسی کے مطابق:۔

(i) صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری کے لئے لائحہ عمل اسی طرح متعین کیا گیا ہے کہ سرکاری شعبہ پہلے سے طے شدہ پروگراموں پر عمل جاری رکھے گا جبکہ ملکی صنعت کی ترقی کے لئے نجی شعبہ کی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

(ii) صنعتی پیداوار میں 10 فیصد سالانہ اضافہ کو ممکن بنایا جائے گا۔

(iii) خام قومی پیداوار میں اضافے کی شرح 7.2 فیصد سالانہ تک بڑھائی جائے گی۔

(iv) غیر ملکی امداد کا تناسب رفتہ رفتہ کم کیا جائے گا۔

(v) زندگی کے ہر شعبہ میں سادگی کو اپنایا جائے گا۔

(vi) نجی اور سرکاری شعبے میں مجموعی طور پر 40 ملین روپے کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے مختص کی گئی 210 بلین روپے کی رقم میں سے 148 بلین روپے سرکاری اور 62 بلین روپے نجی شعبہ کے لئے رکھے گئے۔ صنعتی ترقی کے لئے مخصوص کی گئی 40 بلین روپے کی رقم میں سے 21 بلین سرکاری شعبے کے تحت اور 19 بلین روپے نجی شعبے کے تحت خرچ ہونے تھے۔ مختلف صنعتی شعبوں میں پیدوار کے جو اہداف متعین کئے گئے ہیں۔ ان کا گوشوارہ حسب ذیل ہے۔

صنعتی شعبہ	پیداواری اکائی	78-1977 میں پیداوار	83-82ء میں پیداوار	فیصد اضافہ
ا۔ چینی	ہزار میٹرک ٹن	800	1000	25
۲۔ گھی اور خوردنی تیل	ایضاً	412	650	58
۳۔ سوتی دھاگہ	ملین کلوگرام	295	548	86
۴۔ سوتی کپڑا	ملین مربع میٹر	1500	2465	64

۵۔ ٹیکسٹائل فنشنگ	ملین مربع میٹر	1035	1440	39
۶۔ سیمنٹ	ہزار میٹرک ٹن	3150	6000	90
۷۔کھاد	ہزارٹن	334	1381	313
۸۔آئرن اینڈ سٹیل	ہزارٹن	-	800	-

1.11 1990-2008 کا رعرصہ

1990ء کے عشرہ میں پاکستان کی معیشت مختلف مراحل میں زیادہ تر جمود کا شکار رہی اس کے بعد والے سالوں میں حکومت کی نئی حکمت عملی کے زیر اثر صنعتی شعبہ میں نت نئی ٹیکنالوجی کے استعمال کو فروغ ملا۔ 2000-01ء سے پھلتی پھولتی معیشت کے بدولت بڑے پیانے کے صنعتی شعبہ کو وجود ملا۔ پچھلے تین سالوں میں ہماری معیشت نے بڑے پیانے کے صنعتی شعبہ کی بدولت 4.8 فیصد نشوونما کی شرح Growth rate حاصل کیا۔

اس نشوونما کی شرح (4.87) میں جن صنعتی اشیا نے معاونت کی ان میں سے دوا سازی (30.76فیصد) ہلکڑی کی اشیاء (21.9 فیصد)، انجنیئرنگ کی اشیاء (19.5 فیصد)، خوراک ومشروبات (11.1 فیصد)، پیٹرولیم کی اشیاء (6.03 فیصد)، کیمیائی اشیاء (3.1 فیصد) ان کے علاوہ انفرادی اشیاء میں کاٹن کے کپڑے (4.8فیصد) کاٹن کی پیداوار 3.3 فیصد ٹیکسٹائل گروپ میں ، خوردنی تیل (1.1 فیصد)، چینی (33.9 فیصد) اورسگریٹ (5.1 فیصد) کھانے پینے کی اشیاء میں، سیمنٹ (17.9 فیصد) غیر دھاتی معدنی اشیاء کے گروپ میں، اور بسیں (32.0 فیصد) چھوٹی گاڑیاں (16.4 فیصد) اور موٹر سائیکل (28.06 فیصد)، آٹوموبیل گروپ میں بعض گروپوں کی پیداوار کم ہوئی جن میں زرعی ادویات (16.89 فیصد)، الیکٹرونکس (4.6 فیصد)، کاغذ اور کاغذی گتے (5.5 فیصد)، لوہے اور سٹیل کی اشیاء (7.6 فیصد)۔ البتہ کچھ انفرادی اشیاء میں منفی نشوونما کا رجحان پایا گیا جن میں کاریں اور جیپیں(3.9فیصد) فاسفیٹک زرعی ادویات (24.0 فیصد) اور بلٹس Billets 20.6 فیصد۔

اعداد وشمار کے مطابق ٹی وی سیٹوں کی تعداد میں نشونما کی شرح 19.3 فیصد (موجودہ نظرثانی کے سال میں) رہی۔ اسی طرح موجودہ مالیاتی سال 2008ء میں پچھلے مالیاتی سال کے مقابلہ میں 21.2 فیصد سے 32.0 فیصد ریکارڈ پیداواری اضافہ ہوا ہے جبکہ پرنٹنگ ، پیکنگ میٹریل، کاغذی گتہ اور چپ بورڈ کی پیداوار میں 5.6 فیصد کمی واقع ہوئی ہے جس کی وجہ گندم، تنکوں اور دوسرے خام مال کی پیداوار میں کمی ہے۔ (مندرجہ ذیل ٹیبل دیکھئے۔)

صنعتی شعبہ	پیداواری اکائی	1990-91 میں پیداوار	2007-08 میں پیداوار
1۔ چینی	000 ٹن	1934	4351.1
2۔ گھی	000 ٹن	656	856.8

3۔کل دھاگا	ملین کلوگرام	1041.2	2750.6
4۔کل کپڑا	ملین مربع میٹر	292.9	1031.2
5۔سیمنٹ	000 ٹن	7762	19401
6۔کھاد	000 ٹن	2957.4	4259
7۔آئرن اینڈ سٹیل	000 ٹن	2127.5	1153.6
8۔پیپر اور بورڈ	000 ٹن	152.8	308.7
9۔پینٹ اور وارنش	ٹن	14308	18957

موجودہ عشرہ کے آغاز میں مالیاتی اور دیگر شعبہ جات نے کافی ترقی کی ہے اور اس میں نشوونما (Growth) کی شرح سال 03-2002 سے 9.7 فیصد رہی ہے جبکہ سال 08-2007 ء میں یہ شرح کم ہوئی ہے اور موجودہ سال یعنی 2008 ء میں بھی پچھلے سال کی طرح صنعتی شعبہ کی نشوونما کی شرح میں کمی برقرار ہے جو پہلے 9 ماہ کے دوران موجودہ مالیاتی سال میں 5.4 فیصد رہی جبکہ صنعتی شعبہ کی نشوونما کی شرح کا ہدف 10.9 فیصد امید کی جارہی تھی اور پچھلے سال یہ شرح 8.1 فیصد تھی۔ بڑے پیمانے کی صنعت جو کہ کل پاکستانی صنعتی شعبے کا 70 فیصد بنتی ہے کی نشونما کی شرح صرف 4.8 فیصد 08-2007 کے مالیاتی سال میں رہی جبکہ اس شرح کا متوقع ہدف 12.5 فیصد تھا اور پچھلے سال 2007 میں یہ شرح 8.6 رہی تھی۔ صنعتی شعبہ کی شرح میں یہ کمی، سیاسی رسہ کشی، امن وامان میں نقص، بجلی اور گیس کی کمی اور زر کی کمی کے ساتھ کاروباری لاگت میں زیادتی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ اس 4.8 فیصد کل صنعتی نشونما کی شرح میں جن صنعتوں نے حصہ ڈالا ان کی تفصیل ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

خود آزمائی

سوال نمبر 1 80-1970ء کے عشرہ میں ملک کی صنعتی حالت کا جائزہ پیش کریں۔

سوال نمبر 2 1990 ء سے 08-2007 ء کے عرصہ میں ملک کی صنعتی پالیسی میں رونما ہونے والی تبدیلی کا ایک سرسری جائزہ پیش کیجئے۔

1.12 صنعتی شعبہ سے متعلق اہم ادارے

کسی ملک میں صنعتی ترقی کے لئے جہاں زیادہ سے زیادہ کلیدی اہمیت کی صنعتوں کا قیام ضروری ہے وہاں ان صنعتوں کو تقویت پہنچانے اور انہیں موثر طریقے پر چلانے کیلئے مختلف مالیاتی اداروں اور فنی مہارتوں سے لیس مشاورتی اداروں کا قیام بہت ضروری ہوتا ہے۔ پاکستان میں ایسے اداروں کو چلانے کا وجود خاص طور پر بہت زیادہ

اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہاں نہ صرف وسیع پیانے پر سرمایہ کاری کے امکانات محدود ہیں بلکہ مختلف شعبوں میں تجربہ اور فنی مہارتوں کا بھی فقدان ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے تقسیم ہند کے وقت جہاں پاکستان میں بنیادی صنعتوں کا فقدان تھا، وہاں مختلف سطح کے مالیاتی، فنی، مشاورتی اورانتظامی ادارے بھی تقریباً ناپید تھے۔ بہرحال وقت گزرنے کے ساتھ حکومت نے ان مسائل کے ٹھوس حل کے لئے کئی قسم کے ادارے قائم کئے۔ ان اداروں میں پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن(PIDC)، پاکستان صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن (PICIC) اورصنعتی ترقیاتی بینک پاکستان (IDPB) سب سے زیادہ اہم اور مؤثر کردار ادا کرنے والے ادارے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے انتظامی ڈھانچے، مقاصد، طریقہ کار اور دائرہ عمل کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیں گے۔

1.13 پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن(PIDC)

پس منظر

تقسیم برصغیر کے وقت پاکستان کے حصہ میں جو صنعتیں آئیں ان کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کرچکے ہیں یہاں یہ کہنا ہی کافی ہوگا کہ یہ صنعتیں تقریباً غیر اہم تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے وقت مجموعی قومی پیداوار کا 2.2 فیصد ہی بڑی صنعتوں سے حاصل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور مایوس کن بات یہ ہے کہ ملک کی صنعتی ترقی کے لئے، خاص طور پر نجی شعبے میں اتنی اہمیت نہ تھی کہ وہ جدید فنی مہارتوں کو حاصل کرے اور اسے بروئے کار لاتے ہوئے کلیدی اہمیت کی صنعت کاری کرے اور ان صنعتوں کا مالیاتی اور فنی انتظام چلا سکے۔

ان مسائل کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ سرکاری شعبہ یہ ذمہ داری خود سنبھالے اور یوں ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی دس سالوں میں زیادہ تر صنعتی سرمایہ کاری اور انتظام سرکاری شعبے نے اپنے ذمہ لئے رکھا۔ اس سلسلے میں کام کو مربوط طریقے پر چلانے کے لئے بنیادی ڈھانچے میں انتظامی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کا قیام 1950ء میں عمل میں لایا گیا۔

1.14 اغراض مقاصد

(i) کارپوریشن کا بنیادی کام ملک میں بڑی صنعتوں کا قیام اور ان کی ترقی کی رفتار تیز کرنا قرار پایا۔ ابتدائی طور پر جن چودہ قسم کے صنعتوں کو کارپوریشن کے سپرد کیا گیا ان میں سے چند نام یہ ہیں:۔

1۔ پٹ سن　　2۔ کاغذی بورڈ اور نیوز پرنٹ　　3۔ بھاری انجنیئر نگ

4۔ جہاز سازی　　5۔ بھاری کیمیائی صنعت　　6۔ کھادیں

(ii) کارپوریشن کی ذمہ داری صرف ان صنعتوں کے قیام اور ترقی تک محدود رکھی گئی جبکہ ان کی ملکیت کارپوریشن کے سپرد نہیں کی گئی۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ جہاں نجی سرمایہ دستیاب ہو وہاں نجی حصہ داروں کو زیادہ سے زیادہ اس میں شامل کیا جائے اور بتدریج حالات کے ساتھ ساتھ صنعتی ملکیت نجی شعبے کو ہی منتقل کردی جائے۔

(iii) کارپوریشن کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ ملک کے چند بڑے بڑے شہروں میں صنعتی ارتکاز کو حتی الامکان روکے۔

(iv) صنعتوں کے قیام سے قبل ان کے بارے میں سائنسی وفنی تحقیق اور مطالعاتی پروگرام بھی کارپوریشن کے سپرد ہوئے۔

(v) صنعتوں کے قیام کے ساتھ ساتھ ملک کے معدنی، سمندری اور جغرافیائی ذرائع (Resources) کی تلاش اوران کا بھرپور استعمال بھی کارپوریشن کوتفویض کیا گیا۔

(vi) کارپوریشن کے ذمہ یہ کام بھی کیا گیا کہ وہ جہاں مناسب ہوحکومت کی نمائندگی کرتے ہوئے صنعتی شعبے کے حصص کی خرید وفروخت کرتی رہے تاکہ صنعتی سرمایہ کاری کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہوسکے۔

1.15 ارتقائی جائزہ

ابتدائی طور پر پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن 10 ملین روپے کے منظور شدہ سرمائے سے قائم کی گئی۔ یہ سرمایہ ایک ایک لاکھ روپے کے 100 حصص پر مشتمل تھا۔ مجموعی سرمایہ کا 89 لاکھ روپے پر مشتمل حصہ سرکاری سرمایہ کاری پر مشتمل تھا۔

1962ء میں نئے آئین کے تحت صنعتوں کو مرکز کی بجائے صوبوں کی نگرانی میں دے دیا گیا چنانچہ کارپوریشن کو بھی دو انتظامی یونٹوں میں تقسیم کردیا گیا۔ جس یونٹ نے مشرقی پاکستان کی صنعتوں کے امور کا کام سنبھالا، اس کا نام ''مشرقی پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن'' (EPIDC) اورمغربی پاکستان سے متعلقہ یونٹ کا نام ''مغربی پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن'' (WPIDC) رکھ دیا گیا۔ ہر دو یونٹوں کا منظور شدہ سرمایہ اس وقت دس دس ملین روپے تھا۔ بہرحال بنگلہ دیش کے قیام کے بعد مغربی پاکستان سے متعلقہ یونٹ نے پھر پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کی صورت اختیار کرلی۔ جس کا ادا شدہ سرمایہ 1978ء کے اعداد وشمار کے مطابق 50 ملین روپے تک پہنچ چکا تھا۔

1972ء میں حکومت نے 32 بڑے بڑے کارخانے قومی ملکیت میں لے لئے۔ 1974ء میں کارپوریشن

کے زیر انتظام چلنے والے کارخانے اور قومی ملکیت میں لئے جانے والے کارخانوں کو اپنی قسموں کے اعتبار سے اس مقصد کے لئے بنائی جانے والی دس کارپوریشنوں کے انتظام میں دے دیا گیا۔ پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن بھی انہی دس کارپوریشن میں سے ایک تھی۔ جن کا مشترکہ انتظام ایک نئے قائم شدہ ''بورڈ آف انڈسٹریل مینجمنٹ' (Board of Industrial Management) کے سپرد کردیا گیا۔ 1979ء میں یہ بورڈ بھی توڑ دیا گیا اور تمام کارپوریشنیں براہ راست وزارت پیداوار کے زیر انتظام دے دی گئیں۔

1.16 کارکردگی

کارپوریشن نے حکومت کی پالیسیوں کے مطابق وقتاً فوقتاً لگائی جانے والی تمام ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کیا ہے۔ دسمبر 1973ء کے اختتام تک کارپوریشن 1242.6 ملین روپے کے سرمائے سے 52 مختلف منصوبے پایۂ تکمیل تک پہنچا چکی تھی۔ جن میں سے مشین ٹول فیکٹری لانڈھی، ہیوی مکینیکل ٹیکسلا، کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئر نگ ورکس، متعدد کھاد فیکٹریاں اور نمک اور کوئلے کی کانیں شامل ہیں۔

1978ء کے اعداد و شمار کے مطابق آٹھ مختلف فیکٹریاں کارپوریشن کے زیر انتظام چل رہی ہیں جن میں چینی، کپڑے، قدرتی گیس، اونی کپڑے وغیرہ کی ملیں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ 12 مزید پروجیکٹ اس کارپوریشن کے زیر انتظام مکمل ہورہے ہیں۔ ان میں سوتی کپڑے، کاغذ، معدنیات اور لوہے کے کارخانے شامل ہیں۔

1.17 انتظامی ڈھانچہ

یہ کارپوریشن جس میں ساڑھے سات ہزار کے لگ بھگ لوگ ملازم ہیں، ایک چیئرمین، ایک فنانس ڈائریکٹر اور ایک ڈائریکٹر پر مشتمل بورڈ آف ڈائریکٹرز کی زیرنگرانی کام کرتی ہے جو حکومت کی جاری کردہ ہدایات کی روشنی میں اپنی پالیسی مرتب کرتا ہے اور تمام کاروباری، مالی اور تنظیمی فیصلے کرتا ہے۔

1.18 صنعتی قرضے اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن (PICIC)

پس منظر

گو تقسیم برصغیر کے کچھ عرصہ بعد ہی ملک میں تجارتی بینکوں کا ایک نظام قائم ہو چکا تھا اور کچھ مالی ادارے جن میں پاکستان کی صنعتی مالیاتی کارپوریشن (Pakistan Industrial Fianance Corporation) شامل ہے، بھی معرض وجود میں آچکے تھے لیکن ان سب کی مالیاتی حیثیت اتنی مضبوط نہ تھی کہ یہ ملک میں صنعتی سرمایہ

کاری کی ضرورت کو پورا کرسکتے کیونکہ پاکستان کی صنعتی مالیاتی کارپوریشن (PIFCO) سمیت تمام بینک اور ادارے تھوڑی بہت سرمایہ کاری کی ضروریات کو پورا کررہے تھے۔ جو محض مقامی کرنسی میں ہی ممکن تھی۔ غیر ملکی سرمایہ کی صورت میں قرضوں کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس کے علاوہ ملک میں کوئی ایسا ادارہ موجود نہ تھا جو نئے ابھرنے والے سرمایہ کاروں کو ایسے مشورے فراہم کرتا جن کی بنیاد پر وہ بڑے بڑے نقصانات سے بچتے ہوئے ملکی پیداوار میں اضافہ کے لئے کوئی عملی قدم اٹھا سکتے۔ چنانچہ سرمایہ کاری اورمشاورت کے اس خلاء کو پُر کرنے کیلئے حکومت پاکستان اور عالمی بینک کے تعاون سے اکتوبر 1957ء میں صنعتی قرضے اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ 2001ء میں PICIC نے گلف کمرشل بینک کو اپنے ساتھ ضم کرلیا اوراپنے گاہکوں کوتمام مالی لین دین کی سہولت پہنچانے کیلئے PICIC کمرشل بینک کے نام سے نیا ادارہ کھولا۔

1.19 مالیاتی ڈھانچہ

یہ کارپوریشن تکنیکی لحاظ سے نجی شعبے کا ایک مالیاتی ادارہ ہے جس کا عمومی طریقہ کار ایک ترقیاتی بینک کا سا ہے۔ ابتدائی طور پر اس کارپوریشن کا ادا شدہ سرمایہ 20 ملین روپے تھا جو 1963ء تک دوگنا ہوگیا اور اس وقت 2008ء میں یہ 3000 ملین روپے تک جا پہنچا ہے جبکہ آتھورائزڈ سرمایہ(Authorised Capital) 5000 ملین ہے۔ اس میں سے 63 فیصد حصہ پاکستان کے نجی سرمایہ کاروں اور کچھ مالیاتی اداروں کی ملکیت ہیں جبکہ باقی ماندہ 37 فیصد غیر ملکی سرمایہ کاروں اور اداروں کے ہیں جن میں امریکہ، برطانیہ، جاپان اورجرمنی کے حصہ دار شامل ہیں۔حکومت پاکستان نے اس کارپوریشن میں براہ راست سرمایہ کاری نہیں کی بلکہ قومیائے گئے بینکوں کے توسط سے کی ہے۔

1.20 دائرہ کار

اس کارپوریشن کے چیدہ چیدہ اوراہم کام درج ذیل ہیں:۔

(i) یہ کارپوریشن نجی شعبے میں صنعتی سرمایہ کاروں کوقرضے فراہم کرتی ہے۔ یہ قرضے جو مقامی اور غیر ملکی کرنسی میں ہوسکتے ہیں، لمبی اور درمیانی مدت کے لئے جاری کئے جاتے ہیں۔

(ii) یہ کارپوریشن سرمایہ کاری حصص کی خرید وفروخت کرتی ہے۔

(iii) مختلف قرضوں کے لئے گارنٹی فراہم کرتی ہے۔

(iv) مختلف صنعتی شعبوں میں لوگوں کوسرمایہ کاری کے مواقع فراہم کرتی ہے۔

(v) مختلف صنعتی شعبوں کے لئے غیر ملکی سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کرتی ہے۔

(vi) ملک کے نجی شعبہ کے لئے انتظامی اور فنی مشاورتی خدمات فراہم کرتی ہے۔

1.21 پالیسی اور طریق کار

کارپوریشن کی پالیسی اور طریق کار پر مبنی اہم نکات یہ ہیں۔

(i) یہ کارپوریشن عام طور پر نجی شعبے کی ان صنعتوں کو خدمات فراہم کرتی ہے جن کے لئے خام مال ملک کے اندر ہی دستیاب ہوسکتا ہے اور جو زرمبادلہ کمانے یا بچانے میں کوئی کردار ادا کرسکتی ہوں۔

(ii) یہ کارپوریشن اپنی سرمایہ کاری کی پالیسی میں تنوع رکھتی ہے یعنی یہ کئی قسم کی صنعتوں اور مختلف علاقوں میں سرمایہ کاری کرتی ہے خاص طور پر پسماندہ علاقوں اور صنعتوں کو ترجیح دیتی ہے۔

(iii) کارپوریشن اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ نئے نئے سرمایہ کاروں اور آجروں کو ابھرنے کا موقع ملے۔

(iv) کارپوریشن کی سرمایہ کاری چونکہ سرکاری پالیسیوں سے مطابقت رکھتی ہے اس لئے یہ سرمایہ کاری کے لئے ایسی صنعتوں کا چناؤ کرتی ہے جو پاکستان کے صنعتی سرمایہ کاری شیڈول کے تحت آتی ہے۔

(v) قرضہ کے لئے دی جانے والی درخواست کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ پروجیکٹ کی پوری تفصیل دی جائے۔ درخواست کی وصولی کے بعد کارپوریشن پروجیکٹ کی چھان بین کے لئے ایک ورکنگ پارٹی تشکیل دیتی ہے جس میں ایک مالیاتی تجزیہ نگار (Financial Analyst) ایک صنعتی انجنیئر اور ایک مارکیٹ ایکسپرٹ شامل ہوتا ہے۔ یہ ورکنگ پارٹی منصوبے کا جائزہ لیتے وقت، آجروں کی فنی صلاحیت، منصوبے کے تکنیکی اور تنظیمی امور، سرمایہ کاری کی ساخت اور منصوبے کی متوقع پیداوار (Returns) کا تکنیکی اور قومی نقطۂ نظر سے جائزہ لیتی ہے۔ اس مقصد کے لئے کارپوریشن درخواست دھندگان سے قرضہ کی رقم کا 1/2 فیصد بطور فیس وصول کرتی ہے۔

(vi) غیر ملکی کرنسی کی شکل میں دیئے گئے قرضے پر 10.50 سے 11 فیصد سالانہ اور ملکی کرنسی کی شکل میں 8 سے 10 فیصد سالانہ سود وصول کیا جاتا ہے۔

(vii) قرضہ کی فراہمی کے بعد منصوبے کی انتظامی ذمہ داری کارپوریشن کے پاس نہیں ہوتی۔ بہرحال کارپوریشن ہر ممکن طریقے سے اس بات کا انتظام کرتی ہے کہ قرضہ کا غیر پیداواری استعمال نہ ہونے پائے اور منصوبہ ٹھوس بنیادوں پر چلتا رہے، چنانچہ اور کئی اقدامات کے ساتھ ساتھ کارپوریشن یہ بھی کرتی ہے کہ تمام غیر

ملکی قرضوں سے کی جانے والی خریداری اپنی نگرانی میں کرائے اور غیر ملکی آلات وغیرہ کی دائیگی خود کرے۔

(viii) قرضہ کے خواہش مند درخواست دہندگان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کارپوریشن کی درخواست کے ساتھ اپنے اثاثوں کی شکل میں ضمانت فراہم کریں۔

(ix) قرضے کے تحفظ کی خاطر کارپوریشن درخواست دہندگان سے یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ وہ منصوبہ کے ایک بڑے حصے کے لئے خود بھی سرمایہ کاری کریں۔

1.22 پاکستان صنعتی ترقیاتی بینک: (IDBP)

پس منظر

قیام پاکستان کے دو سال بعد یعنی 1949ء میں پاکستان کی نوزائیدہ صنعت کی سرمایہ کاری کی ضروریات پورا کرنے کے لئے پاکستان صنعتی مالیاتی کارپوریشن (Pakistan Industrial Finance Corporation) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کارپوریشن کے تین چھوٹے چھوٹے یونٹ، لاہور، ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں مصروف عمل تھے۔ کارپوریشن کا دائرہ کار صرف پہلے سے قائم شدہ صنعتی یونٹوں کی مالی معاونت اور قرضوں کی فراہمی تک محدود تھا اور قرضہ وغیرہ کی زیادہ سے زیادہ لمیٹڈ کمپنیوں کی صورت میں 15 لاکھ روپے اور دوسری کمپنیوں کی صورت میں 5 لاکھ روپے تھی۔ 1961ء میں اس کارپوریشن کو پاکستان صنعتی ترقیاتی بینک (IDBP) کا نام دیا گیا۔

1.23 اغراض و مقاصد

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ پاکستان صنعتی مالیاتی کارپوریشن (PIFCO) کی سرگرمیاں صرف پہلے سے قائم شدہ صنعتی یونٹوں تک ہی محدود تھیں۔ کارپوریشن کو بینک میں تبدیل کرنے کے بعد اس ادارے کے فرائض میں یہ بات بھی شامل کردی گئی کہ نئی صنعتوں کے قیام کی غرض سے نئے صنعتکاروں کو بھی قرضہ فراہم کیا جائے۔ بینک کی پالیسی کے مطابق ایسی صنعتوں میں سرمایہ کاری کے لئے قرضہ ترجیحی بنیادوں پر جاری کیا جاتا ہے جن کے لئے خام مال مقامی طور پر ہی مل سکتا ہو، جو درآمدات کا مقابلہ کرسکتی ہوں یا جو برآمدات پیدا کرتی ہوں۔

1.24 مالیاتی ڈھانچہ اور کارکردگی

شروع کے چند سالوں میں بینک کا ادا شدہ سرمایہ 30 ملین روپے تک محدود تھا۔ جو 1978ء کے اعداد و

شمار کے مطابق بڑھ کر 50 ملین روپے تک پہنچ چکا ہے۔ مجموعی طور پر بینک کے سرمایہ کی مالیت 1490 ملین روپے کے لگ بھگ ہے۔ 78-1977ء کے مالی سال کے دوران بینک کی 150 ملین روپے کی آمدنی کے مقابلہ میں اخراجات 130 ملین روپے تھے اور اس طرح منافع تقریباً 20 ملین روپے کے لگ بھگ تھا۔ بینک کے مجموعی سرمائے کا 73.6 فیصد وفاقی حکومت اور بقایا صوبائی حکومتوں، سرکاری کارپوریشنوں اور بینکوں کی ملکیت ہے۔

بینک کی کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے قیام کے پہلے تین سال کے اندر اندر بینک کی طرف سے 462 منصوبوں میں سرمایہ کاری کی جاچکی تھی۔

78-1977ء کے مالی سال کے دوران بینک نے تقریباً 61 منصوبوں میں سرمایہ کاری کی جبکہ اس سے پچھلے سال بھی 41 منصوبوں میں سرمایہ کاری کی گئی تھی۔ بینک کی طرف سے سرمایہ کاری کے طفیل پونے چار ہزار افراد کو روزگار کے مواقع میسر ہیں۔

IDBP مختلف پراجیکٹس مثلاً UHT پیک دودھ، ریڈیو، وائرلیس سیٹ، ماربل کا کام، کان کنی، گرینائیٹ ایسٹک دھاگا، PVC سمندری فشنگ پر بھی کام کررہاہے۔ سال 2008ء کے اعداد و شمار کے مطابق ان جیسے پراجیکٹس کے ذریعے IDBP نے 100,000 سے زیادہ افراد کو روزگار کے مواقع دیئے ہیں اور ملک میں برآمدات کی صلاحیت میں 8 بلین سالانہ اضافہ کیا ہے۔ IDBP کے تکمیل شدہ پراجیکٹس کا زرعی تخمینہ 15 بلین سالانہ ہے۔

1.25 تنظیمی ڈھانچہ

بینک کے معاملات کی عمومی تنظیم اور نگرانی کا کام ایک بورڈ آف ڈائریکٹر سرانجام دیتا ہے۔ یہ بورڈ ایک چیئرمین، ایک مینجنگ ڈائریکٹر اور وفاقی حکومت کے نامزد کردہ پانچ دوسرے ڈائریکٹروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ صنعتی شعبے کے دوسرے اداروں میں ''پاکستان کی سرمایہ کاری کارپوریشن'' (Investment Crop. of Pakistan) قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ (National Investment Trust) ''چھوٹے کاروبار کی مالیاتی کارپوریشن''(Small Business Finance Corporation) ''مساوی شمولیت کا فنڈ'' (Equity Partieipation Fund) ''قومی ترقیاتی مالیاتی کارپوریشن'' (National Development Finance Crop.) اور ''چھوٹی صنعتوں کی کارپوریشن'' (Small Industries Corporation) شامل ہیں۔

خود آزمائی

سوال نمبر1 پاکستان میں صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے فرائض پر روشنی ڈالیئے۔ نیز یہ بھی بتایئے کہ کارپوریشن

نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کیا کارکردگی دکھائی ہے۔

سوال نمبر 2 پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے دائرہ کار میں کون کون سے صنعتی شعبے شامل کئے گئے ہیں۔

سوال نمبر 3 صنعتی قرضے اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن کے طریقہ کار کا تفصیلی جائزہ پیش کیجئے۔

سوال نمبر 4 پاکستان میں صنعتی ترقیاتی بینک کے اغراض و مقاصد اور اس کی کارکردگی کا خلاصہ بیان کیجئے۔

1.26 توانائی (Energy) کی صورتحال

بجلی توانائی کا ایک سستا، کارآمد اور انتہائی مفید ذریعہ ہے۔ پاکستان میں 1947ء کے دوران بجلی کی پیداوار 68 میگاواٹ تک محدود تھی۔ اس میں سے 10.7 میگاواٹ ہائڈل (Hydel) اور 57.3 میگاواٹ تھرمل (Thermal) تھی جبکہ جوہری ذرائع سے بجلی پیدا نہیں کی جارہی تھی۔ بجلی کی پیداوار کے تین اہم ادارے ''کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن''، ''ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی''، ''راولپنڈی الیکٹرک پاور کمپنی'' تھے جو بالترتیب 1913ء، 1922ء اور 1923ء میں قائم کئے گئے تھے۔

بعد ازاں بجلی پیدا کرنے والے ملک کے سب سے بڑے ادارے واپڈا (Water & Power Development Authotiy) کا قیام 1958ء میں عمل میں آیا۔ اُس وقت ملک میں بجلی کی سالانہ مجموعی پیداوار 3,42,400 K.W. کے لگ بھگ تھی۔ 1972ء میں ''ملتان الیکٹرک سپلائی کمپنی'' (MESCO) اور راولپنڈی الیکٹرک پاور کمپنی (REPCO) کو نجی شعبہ سے سرکاری شعبہ میں منتقل کردیا گیا جبکہ اس سے قبل 1952ء ہی میں ''کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن'' (KESC) کے بیشتر حصص حکومت نے خرید لئے تھے۔ مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ کراچی نیوکلیئر پاور پروجیکٹ (KANUPP) جوہری توانائی سے بجلی پیدا کرنے کا کام کرتا ہے۔

توانائی کسی بھی ملک کی ترقی اور انسانی زندگی کے معیار کو بلند کرنے کیلئے بہت ضروری ہے۔ پوری دنیا کو روز بروز توانائی کی طلب میں اضافہ کو پورا کرنے کے چیلنج کا سامنا ہے۔ یہ توانائی کی طلب اگلے بیس سالوں میں تقریباً دوگنی ہو جائے گی۔ پاکستان کے کیس میں یہ مسئلہ کچھ زیادہ گھمبیر ہے۔ اس لئے اس کے حل کے لئے حکومت کئی میدانوں میں مصروف عمل ہے جس میں ایران سے گیس اور بجلی کی درآمد (Import)، کوئلہ کے 185 بلین ذخیرہ کا استعمال، چھوٹے ہائیڈرو پراجیکٹ کی تیاری، توانائی کے بہتر طور پر استعمال کی کوشش اور گیس، بجلی اور تیل کے علاوہ توانائی کی دوسری شکلوں کی دریافت اور تیاری شامل ہے۔ یہ تمام کوششیں اس لئے ضروری ہیں کہ سال 08-2007ء کے پہلے نو ماہ میں پیٹرولیم، گیس، بجلی اور کوئلہ کا استعمال 10.1%، 2.8%، 5.7% اور 11.9% بالترتیب بڑھ گیا ہے۔

خام تیل کی پیداوار جولائی۔ مارچ 08-2007ء کے دوران 70,166 بیرل یومیہ ہے جبکہ پچھلے سال

66,485 بیرل یومیہ تھی، اس طرح خام تیل کی پیداوار میں 5.54 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اوسطاً 50.9 فیصد پیٹرولیم مصنوعات ٹرانسپورٹ کا شعبہ استعمال کرتا ہے۔ اس کے بعد 32.8 فیصد توانائی کا شعبہ صنعت 11.0 فیصد، گھریلو استعمال 1.9 فیصد دوسرے حکومتی استعمال 2.2 فیصد اور زراعت 1.2 فیصد (دس سالوں کے دوران یعنی 98-1997ء سے 07-2006ء تک)

قدرتی گیس کی اوسطاً یومیہ پیداوار جولائی 2007 تا مارچ 2008ء کے دوران 3965.9 ملین کیوبک فیٹ رہی ہے جبکہ پچھلے سال یہ پیداوار اوسطاً 3876.4 ملین کیوبک فیٹ یومیہ تھی۔ اس طرح یہ اضافہ 2.3 فیصد ہوا۔ اوسطاً توانائی کا شعبہ 36.8 فیصد قدرتی گیس استعمال کرتا ہے اس کے بعد کھاد کا شعبہ 20.7 فیصد، صنعتی شعبہ 19.8 فیصد، گھریلو استعمال 17.4 فیصد، تجارتی شعبہ 2.7 فیصد اور سیمنٹ 1.1 فیصد (گذشتہ دس سالوں کی بنیاد پر یعنی 98-1997ء سے 07-2006ء تک)

بجلی کی پیداواری گنجائش سال جولائی۔ مارچ 08-2007ء میں 19566 میگاواٹ تک بڑھی ہے جبکہ یہ گنجائش اس پہلے 19440 میگاواٹ تھی، اس طرح بہت کم اضافہ یعنی صرف 0.65 فیصد بنتا ہے جو بجلی کی طلب اور ضرورت سے بہت کم ہے۔ صنعتی اور کمرشل استعمال کے علاوہ گھریلو استعمال میں اضافہ اس اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ان گاؤں کی تعداد جن میں بجلی مہیا کی گئی ہے۔ مارچ 2008ء میں 126,296 تک پہنچ گئی ہے (جبکہ 07-2006ء میں یہ تعداد 113,605 تھی یعنی 11.2 فیصد اضافہ ظاہر ہوتا ہے)۔

آج کل تقریباً 2068 سی این جی سٹیشن ملک میں کام کررہے ہیں۔ مارچ 2008ء تک تقریباً 1.70 ملین گاڑیاں CNG میں تبدیل ہوچکی ہیں۔ پاکستان ایشیا کا سب سے بڑا اور دنیا کا تیسرا بڑا CNG استعمال کرنے والا ملک بن گیا ہے۔

خود آزمائی

خالی جگہ پُر کریں

(الف) قیام پاکستان کے وقت ملک میں بجلی کی مجموعی پیداوار .... یونٹ تھی۔

(ب) اس وقت ملک میں بجلی کی پیداوار .... یونٹ پر مشتمل ہے۔

(ج) قدرتی گیس کی اوسطاً یومیہ پیداوار 08-2007 میں .... رہی ہے۔

(د) پاکستان ایشیا کا سب سے بڑا اور دنیا کا تیسرا بڑا .... استعمال کرنے والا ملک بن گیا ہے۔

فرہنگ

1۔	بلین روپے (Billion)	=	ایک ارب روپے
2۔	پانچواں پانچ سالہ منصوبہ	=	1978-79ء سے 1982-1983ء کی مدت کیلئے تیار کردہ ترقیاتی منصوبہ
3۔	پہلا پانچ سالہ منصوبہ	=	1955ء تا 1960ء کی مدت کیلئے نافذ ہونے والا ترقیاتی منصوبہ
4۔	تیسرا پانچ سالہ منصوبہ	=	1965ء سے 1970ء تک نافذالعمل رہنے والا ترقیاتی منصوبہ
5۔	چوتھا پانچ سالہ منصوبہ	=	1970ء سے 1975ء تک کی مدت کے لئے بنایا جانے والا ترقیاتی منصوبہ جس پر سقوط ڈھاکہ کے سبب عمل درآمد نہ ہوسکا۔
6۔	دوسرا پانچ سالہ منصوبہ	=	1960ء سے 1965ء کے عرصے کے لئے چلنے والا ترقیاتی منصوبہ
7۔	سالانہ ترقیاتی پروگرام	=	1972ء سے 1978ء تک سال بہ سال بنائے جانے والے ترقیاتی پروگرام
8۔	قومیانا	=	کس صنعت یا کارخانہ کوقومی ملکیت میں لینا۔
9۔	کولمبو پلان	=	1951ء سے 1957ء تک نافذ رہنے والا چھ سالہ منصوبہ
10۔	ملین روپے	=	= دس لاکھ روپے

REFERENCE

1- Planning Commission, Govt. of I, II , III , five year Plans.

2- Pakistan Economic Survey 1978-79, 2007-08

3- Goverment Sponsored Corp. 1977-78

یونٹ 11

مزدوروں کے مسائل

تحریر
عبدالرحیم نیر

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد		350
1۔ پاکستان میں افرادی قوت		351
1.1	افرادی قوت کی تعدادی اور وصفی نوعیت	351
1.2	افرادی قوت میں شمولیت کی شرح	351
1.3	روزگار کی کیفیت	352
1.4	افرادی قوت کی نقل مکانی	352
1.5	نقل مکانی کے اثرات	353
1.6	مختلف پیشوں کے لحاظ سے روزگار کی کیفیت	354
1.7	بیروزگاری کا حل	356
1.8	اہم نکات	357
1.9	خود آزمائی	358
2۔ محنت کش طبقے کے مسائل اور حل		359
2.1	پست معیار اجرت	359
2.2	ناقص حالات	359
2.3	خواتین کی عدم شمولیت	360
2.4	اجتماعی سودا بازی	360
2.5	مسائل کا حل	360
2.6	اہم نکات	361
2.7	خود آزمائی	361

3۔ پاکستان میں مزدور انجمن تحریک	362
3.1 تعارف	362
3.2 پاکستان میں ارتقاء	362
3.3 حاصل کلام	363
3.4 اہم نکات	363
3.5 خود آزمائی	364
4۔ محنت کش طبقے کی فلاح کے قوانین	365
4.1 کم از کم اجرت سے متعلق قوانین	365
4.2 فیکٹری والے مزدوروں کے قوانین	366
4.3 اہم نکات	368
4.4 خود آزمائی	368
5۔ بین الاقوامی ادارہ عمّال (ILO)	370
5.1 ادارہ کا مقصد	370
5.2 ادارہ کا طریق کار	370
5.3 پاکستان اور ادارہ	371
5.4 اہم نکات	371
5.5 خود آزمائی	371

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ آپ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ :۔

1۔ پاکستان کے مزدوروں کے مسائل سے واقف ہو جائیں۔

2۔ پاکستان میں ملازمت اور بیروزگاری کی نوعیت کو سمجھ سکیں۔

3۔ ٹریڈ یونینوں اور ان کے کردار کے بارے میں صورتحال سے آشنا ہوسکیں اور

4۔ لیبر پالیسی اور مزدوروں کے حالات کار کے بارے میں قوانین سے آگاہ ہوسکیں۔

1۔ پاکستان میں افرادی قوت

1.1 افرادی قوت کی تعداد اور وصفی نوعیت

پاکستان کے معاشی جائزہ 07-2006ء کے مطابق پاکستان کی آبادی تقریباً 158.17 ملین افراد پر مشتمل تھی جن میں 50.33 ملین افراد محنت کشوں کی فہرست میں شامل تھے۔ سویلین Civilian افرادی قوت میں برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ 1951ء میں ایک کروڑ افراد سے بڑھ کر 1951ء میں ایک کروڑ چالیس لاکھ افراد اور پھر 1972ء میں دو کروڑ افراد تک پہنچ گئی۔ جمعیت محنت میں ہر سال 3 فیصد کی شرح سے اضافہ ہوتا رہا ہے یعنی ہر برس اس میں 7 لاکھ افراد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ذیل کا گوشوارہ گذشتہ چند برسوں کے دوران افرادی قوت کی تقسیم، روزگار اور پیداواری صلاحیت کی کیفیت بارے میں معلومات مہیا کرتا ہے۔

گوشوارہ

افرادی قوت کی تقسیم، روزگار اور پیداواری صلاحیت کی کیفیت

	شماریاتی اکائی	1974-75ء	1977-78ء	1978-79ء	1979-80ء	2006-07ء
1۔ افرادی قوت	ملین	20.42	22.22	22.93	23.65	50.33
2۔ افرادی قوت میں اضافہ کی شرح	فیصد	2.9	2.9	3.2	3.1	3.2
3۔ روزگار	ملین	20.07	21.84	22.54	23.25	47.65
4۔ پیداواری صلاحیت	فی کس روپے	434	452	466	482	2129.25

1.2 افرادی قوت میں شمولیت کی شرح

پاکستان میں آبادی کی جمعیت محنت میں شمولیت کی شرح کافی کم ہے۔ جبکہ ساری دنیا میں آبادی کی افرادی قوت میں شمولیت کی شرح 42 فیصد ہے اور صنعتی ممالک میں یہ شرح 44.8 فیصد ہے۔ پاکستان میں یہ شرح صرف 30 فیصد ہے۔ مردوں کی شمولیت کی شرح کل آبادی کا 27.49 فیصد ہے جبکہ یہ کل مرد آبادی کا 52.08

فیصد ہے۔

1.3 روزگار کی کیفیت

پاکستان میں بے روزگاری کی صورتحال دو خصوصیات کی حامل ہے:۔

(الف) شہری علاقوں میں کھلی بیروزگاری

(ب) دیہی علاقوں میں نیم بے روزگاری

بے روزگاروں کا تقریباً 64 فیصد ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کی عمر دس برس اور چوبیس برس کے درمیان ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہیں جو اسکول اور کالج کی تعلیم سے فارغ ہوکر روزگار ڈھونڈتے ہیں اور جب تک روزگار نہیں ملتا بے کار رہتے ہیں۔ گویا یہ بے روزگاری زیادہ تر کشمکشی نوعیت کی ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں بیروزگاری کا تناسب کافی زیادہ ہے۔ زرعی شعبے میں مستور بیروزگاری (ایسی بے روزگاری جو بظاہر نظر نہیں آتی لیکن درحقیقت موجود ہوتی ہے) کافی زیادہ ہے۔ معاشی زبان میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی مختم پیداوار زرعی شعبے میں صفر ہے۔ زرعی پیشے میں اس قدر بیروزگاری کا ہی نتیجہ ہے کہ لوگ روزگار کی تلاش میں دیہات سے شہروں کا رخ کرتے ہیں اور اس طرح وہ مسائل جنم لے رہے ہیں جو شہروں میں آبادی کے اضافہ کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں یعنی مکانات کی فراہمی، تعلیم وصحت کی سہولتوں کا مہیا کیا جانا، پانی اور بجلی کی فراہمی کے مسائل۔

1.4 افرادی قوت کی نقل مکانی

ملک کے اندر بیروزگاری کے مسئلہ نے جہاں ایک طرف آبادی کے دیہات سے شہروں کی جانب نقل مکانی میں اضافہ کردیا ہے وہاں بیرون ملک ہجرت میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں تیل پیدا کرنے والے مشرق وسطیٰ کے ممالک کی قومی آمدنیوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے کیونکہ تیل کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں ان ممالک میں ترقیاتی سرگرمیوں میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ جنہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے ان ممالک کو مختلف قسم کے ہنرمند اور نیم ہنرمند افراد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تعداد میں انجنیئر، ٹیکنیشن اور دوسرے کارکن پاکستان اور دوسرے ممالک سے حاصل کئے ہیں گذشتہ برسوں کے دوران بیرون ملک جانے والے لوگوں کی تعداد برابر بڑھتی جارہی ہے جیسا کہ ذیل کا گوشوارہ ظاہر کرتا ہے۔

گوشوارہ

پاکستان سے افرادی قوت کی بیرون ملک نقل مکانی

سال	کارندوں کی تعداد
1971	3734
1972	4530
1973	12300
1974	16328
1975	23077
1976	41690
1977	80271
1978	81922
1979	118259
2008	287033

بیرون ملک ہنرمند افراد کی طلب میں نمایاں اضافہ کے پیش نظر حکومت پاکستان نے اپنے کارکنوں کی فنی تربیت کے بڑے پیمانے پر انتظامات کئے ہیں۔ 1976ء سے 1980ء کی درمیانی مدت میں پچاس ہزار افراد کی فنی تربیت کا بندوبست کیا گیا اور اس مدت میں اس اسکیم کے تحت 16285 افراد نے ٹریننگ مکمل کی۔حکومت یہ کوشش بھی کررہی ہے کہ موجودہ تیکنیکی تربیت کے اداروں کی تعداد دگنی کردی جائے۔

1.5 نقل مکانی کے اثرات

ملک سے باہر جانے والے افراد کی نقل مکانی نے ملکی معیشت پر کئی موافق اور غیر موافق اثرات مرتب کئے ہیں جن کا مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

موافق اثرات

1۔ بیرون ملک روزگار کے مواقع نے اندرون ملک بے روزگاری کے مسئلہ کی شدت کو کافی کم

کر دیا ہے۔

2۔ بیرون ملک کام کرنے والے افراد کثیر مقدار میں زرمبادلہ وطن بھیج رہے ہیں جو ملک کی ادائیگیوں کے توازن کے خسارہ کو دور کرنے میں بہت مددگار ثابت ہورہا ہے۔

3۔ حکومت نے باہر کام کرنے والے لوگوں کو بہت سی ایسی ترغیبات دی ہیں جو انہیں ملک کے اندر روزگار بڑھانے والی صنعتوں کے قیام پر آمادہ کرسکیں۔

4۔ جو لوگ بیرون ملک ہجرت کرتے ہیں انہیں ایک اجنبی ماحول میں رہنے اور کام کرنے کا موقعہ ملتا ہے، اس طرح ان میں خود اعتمادی اور روشن خیالی پیدا ہوتی ہے۔

غیر موافق اثرات

1۔ بڑی تعداد میں ہنرمند افراد کے باہر چلے جانے سے کئی شعبوں میں افرادی قوت کی قلت پیدا ہوگئی ہے اور ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں دقت پیش آ رہی ہے۔

2۔ بیرون ملک سے وافر مقدار میں ملک کے اندر آنے والی رقم یا تو سامان تعیش کی درآمد پر خرچ کی جارہی ہیں یا زمین اور جائیداد کی خرید پر خرچ ہورہی ہیں، اس سے ان کی قیمتوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

3۔ اس صورتحال سے سماجی بے اطمینانی بھی جنم لے رہی ہے کیونکہ باہر کی دولت نے بعض لوگوں کے معیار زندگی میں آناً فاناً انقلاب برپا کردیا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے کیلئے اپنے وسائل سے تجاوز کررہے ہیں جس سے قومی بچت متاثر ہورہی ہے۔ لیکن حکومت ان مسائل سے واقف ہے اور وہ مناسب تدابیر کے ذریعہ انہیں حل کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ تربیت یافتہ افراد کی قلت دور کرنے کے لئے تربیتی اداروں کی کارکردگی بہتر بنائی جارہی ہے۔ نئے تربیتی ادارے قائم کئے جارہے ہیں اور زرمبادلہ کے بہتر استعمال کے لئے بیرون ملک کام کرنے والے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ ملک میں صنعتیں قائم کریں تاکہ ملک کے اندر روزگار کے مواقع پیدا ہوں۔

1.6 مختلف پیشوں کے لحاظ سے روزگار کی کیفیت

مختلف پیشوں میں روزگار کے مواقع کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ زرعی شعبہ میں برسرروزگار لوگوں کی بھاری اکثریت یعنی 71.7 فیصد لوگ کھیتی باڑی، پرورش حیوانات، جنگلات اور ماہی گیری کے

شعبوں سے روزی کماتے ہیں اور 14.7 فیصد لوگ پیداوار سے متعلق دیگر کاموں سے یا ٹرانسپورٹ سے یا پھر مزدوری کرکے روزی حاصل کرتے ہیں۔ شہری علاقوں میں تقریباً 40 فیصد لوگ پیداوار اور اس سے متعلقہ شعبوں میں ، ٹرانسپورٹ میں اور مزدوری کرکے روزی کماتے ہیں۔ ذیل کا گوشوارہ 07-2006 ء میں مختلف پیشوں کے لحاظ سے روزگار کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔

گوشوارہ

10 برس اور اس سے اوپر کے برسرروزگار لوگ مختلف پیشوں میں

(اکنامک سروے 08-2007ء)

بڑے بڑے پیشے	دونوں پیشے دیہی/شہری	شہری	دیہی
کل پاکستان	100.00	100.00	100.00
تعمیرات	6.56	6.61	6.54
کان کنی	0.11	0.04	0.14
بجلی گیس اور پانی	0.75	1.24	0.54
ہول سیل ، ریٹیل کاروبار ہوٹل ، ریسٹورنٹ	14.42	27.16	8.83
رئیل سٹیٹ ، انشورنس ، فنانس	1.14	2.86	0.39
زراعت ، پرورش حیوانات ، جنگلات ، ماہی گیری	43.61	6.52	59.90
پیداوار اور متعلقہ کارکن	13.54	23.38	9.22
ٹرانسپورٹ اور کمیونیکیشن	5.39	7.99	4.25
کمیونٹی ، سوشل اور شخصی خدمات	14.41	24.10	10.16
دوسرے	0.05	0.10	0.03

کنامک سروے 08-2007 میں ایک جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ زراعت اور متعلقہ پیشوں میں روزگار حاصل کرنے والوں کا تناسب 91-1990ء میں 51.15 فیصد سے کم ہوکر 08-2007ء میں 43.61 فیصد رہ گیا۔ کان کنی اور صنعت سے متعلق کارکنوں کا تناسب 12.84 فیصد سے بڑھ کر 13.65 فیصد ہوگیا اور تعمیرات

کے کارکنوں کا تناسب 6.38 فیصد سے بڑھ کر 6.56 فیصد ہوگیا۔ بجلی، گیس اور پانی سے متعلق کارکنوں کا تناسب 0.59 فیصد سے بڑھ کر 0.79 فیصد ہوگیا اور ٹرانسپورٹ سے متعلق کارندوں کا تناسب 1990ء اور 2008ء کے درمیان 4.8 فیصد سے بڑھ کر 5.39 ہوگیا۔

1.7 بے روزگاری کا حل

بے روزگاری اور نیم بے روزگاری پاکستان کے معاشی مسائل میں سب سے اہم مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی جاسکتی ہیں:۔

(الف) دیہی علاقوں میں گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں بہت بڑی تعداد میں لگائی جائیں تاکہ ان علاقوں کے محنت کش اپنے گھروں کے قریب ہی روزگار حاصل کرسکیں۔

(ب) زرعی پیداوار میں نمایاں اضافہ کیا جائے تاکہ زراعت پیشہ لوگوں کی آمدنیوں میں اضافہ ہو اور وہ زیادہ بچت کرکے سرمایہ کاری پر خرچ کریں۔

(ج) بیرون ملک کام کرنے والے افراد کے ارسال کردہ زرمبادلہ کو سامان تعیش کی درآمد کی بجائے اشیائے سرمایہ اور خام مال کی درآمد پر خرچ کیا جائے تاکہ ملک کی زرعی اور صنعتی ترقی تیز رفتاری سے بڑھ سکے۔

(د) مختلف ترغیبات کے ذریعہ بیرون ملک کام کرنے والے لوگوں کو اپنے وطن میں صنعتیں قائم کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

(ر) من حیث القوم سادگی کو اپنایا جائے ور بے دریغ صرف دولت اور نمود نمائش سے پرہیز کیا جائے۔

(س) محنت کش طبقے کو اس کا جائز حق ضرور دیا جائے تاکہ وہ قومی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرے۔

(ش) جاذب محنت ٹیکنالوجی استعمال کی جائے، اس سے روزگار کے مواقع میں وسعت پیدا ہوگی۔

(ص) ملک کے اندر افراط زر کی روک تھام کی جائے، اس طرح ملکی کرنسی کی قیمت میں استحکام پیدا ہوگا اور قومی بچت کو فروغ ملے گا۔

(ض) برآمد کے لئے اشیا بنانے والی صنعتوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ غیر ملکی زرمبادلہ کما کر اس سے اشیائے سرمایہ درآمد کی جاسکیں۔

(ط) ملک کے اندر اشیائے سرمایہ بنانے کی صنعتوں کا قیام زیادہ سے زیادہ تعداد میں عمل میں لایا

جائے تاکہ قیمتی زرمبادلہ بچایا جاسکے۔

(ظ) ملک کی تعلیمی پالیسی ملکی تقاضوں کے مطابق مرتب کی جائے جو ملک کے اندر جدید قسم کی ٹیکنالوجی کو اپنانے میں مددگار ثابت ہو اور قومی پیداوار میں تیزی سے اضافہ کا موجب بنے۔

(ع) بیرونی امداد صرف پیداواری مقاصد کے لئے استعمال کی جائے جس سے ملک کی زرعی اور صنعتی ترقی کی رفتار تیز ہو سکے۔

(غ) ہر شخص اپنی اپنی جگہ خوف خدا، جذبہ حب الوطنی اور دیانتداری سے اپنے فرائض سرانجام دے کیونکہ صرف اسی صورت میں قوم ہر شعبہ میں ترقی کرسکتی ہے۔

1.8 اہم نکات

1۔ 2006-07 ء میں ایک جائزے کے مطابق پاکستان کی آبادی تقریباً 158.17 ملین ہے۔

2۔ کل آبادی میں اس وقت محنت کشوں یا جمعیت محنت کی تعداد 50.33 تھی۔

3۔ جمعیت محنت میں ہر برس 3 فیصد کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔

4۔ پاکستان کی آبادی کی جمعیت محنت کی شمولیت کی شرح کافی کم ہے یعنی 30 فیصد جبکہ دنیا کی اوسط 42 فیصد ہے۔

5۔ پاکستان کے شہری علاقوں میں کھلی بے روزگاری پائی جاتی ہے جبکہ دیہی علاقوں میں مستور بیروزگاری غالب ہے۔

6۔ دیہی علاقوں میں بے روزگاری سے ایک جانب تو شہری آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری جانب بیرون ملک محنت کش طبقے کی ہجرت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

7۔ شہری آبادی میں اضافہ سے مکانات کی فراہمی، تعلیمی اور طبی سہولتوں، ٹرانسپورٹ، پانی اور بجلی کی فراہمی کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے جبکہ بیرون ملک ہجرت سے مختلف موافق اور غیر موافق اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔

8۔ مختلف پیشوں کے لحاظ سے روزگار کی کیفیت کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی سے زیادہ جمعیت محنت کا ذریعہ روزگار اب بھی زراعت اور اس سے متعلقہ پیشے ہیں۔

9۔ بے روزگاری کے مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے کہ دیہی علاقوں میں چھوٹے پیمانے پر صنعتیں اور گھریلو صنعتیں قائم کی جائیں، زرعی پیداوار میں نمایاں اضافہ کیا جائے، زرمبادلہ کو سامان تعیش کی بجائے اشیائے سرمایہ کی درآمد پر صرف کیا جائے، سادگی کو اپنا شعار بنایا جائے،

محنت کش طبقے کو اس کا جائز حق ادا کیا جائے، جاذب محنت ٹیکنالوجی اپنائی جائے، افراط زر کی روک تھام کی جائے، برآمد کیلئے اشیا بنانے والی صنعتوں اور اشیائے سرمایہ بنانے والی صنعتوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جائے، ملک کی تعلیمی پالیسی ملکی تقاضوں کے مطابق ڈھالی جائے اور دیانتداری اور حب الوطنی کے جذبہ سے کام لیا جائے۔

1.9 خود آزمائی

(1) مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہوں کو پر کیجئے۔

(الف) 2006-07ء میں پاکستان میں جمیعت محنت کی تعداد .... تھی۔

(ب) پاکستان کی جمیعت محنت میں ہر سال .... فیصد اور .... لاکھ افراد کا اضافہ ہورہا ہے۔

(ج) پاکستان کے شہری علاقوں میں .... بیروزگاری اور دیہی علاقوں میں .... بیروزگاری موجود ہے۔

(2) مندرجہ ذیل کا جواب درست ہے یا غلط۔

(الف) بیرون ملک روزگار کے مواقع نے اندرون ملک بیروزگاری کے مسئلہ کی شدت کافی کم کردی ہے۔

صحیح	غلط

(ب) بیرون ملک کام کرنے والے لوگوں کی طرف سے بھیجا ہوا غیر ملکی زرمبادلہ ادائیگیوں کے توازن پر ناخوشگوار اثر ڈال رہا ہے۔

صحیح	غلط

(ج) ملک کے اندر افراط زر کی ایک بڑی وجہ وہ روپیہ ہے جو بیرون ملک کام کرنے والے لوگ وطن بھیج رہے ہیں۔

صحیح	غلط

(د) بڑی تعداد میں ہنرمند افراد کے باہر چلے جانے سے کئی شعبوں میں افرادی قوت کی قلت پیدا ہوگئی ہے۔

صحیح	غلط

(3) بیروزگاری کے مسئلہ کو کیسے حل کیا جاسکتا ہے؟ دلائل دیجئے۔

2۔محنت کش طبقہ کے مسائل اور ان کا حل

پاکستان میں محنت کش طبقہ کئی مسائل سے دوچار ہے جن میں سے ایک بہت اہم مسئلہ بے روزگاری ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اہم مسائل ہیں، جن کا ذیل میں جائزہ لیا جا رہا ہے۔

2.1 پست معیار اجرت

پاکستان میں محنت کش طبقہ کی اجرتوں کا معیار دنیا کے ترقی یافتہ ممالک اور تیل پیدا کرنے والے ممالک کی نسبت کافی پست ہے۔ گذشتہ برسوں میں ظاہری اجرت (زر کی صورت میں اجرت) میں اضافہ کے باوجود حقیقی اجرت میں قابل ذکر اضافہ نہیں ہو پایا۔ مزدوروں کی اجرتوں کے پست معیار کی کئی وجوہات ہیں:

(الف) ملک کے اندر مزدوروں کی خدمات کی طلب ان کی رسد کی نسبت کم ہے۔ چونکہ کسی عامل پیداوار کی رسد کے زیادہ ہونے سے اس کی مختتم پیداوار کم ہو جاتی ہے، لہٰذا ملک میں محنت کی رسد زیادہ ہونے کے باعث اس کی مختتم پیداوار کم ہے اس لئے وہ کم اجرت حاصل کر پاتے ہیں۔

(ب) پاکستان میں مزدوروں کی استعداد دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی نسبت کم ہے جس کا سبب ان کا پست معیار زندگی ہے، یعنی خوراک کا ناقص ہونا اور بیماریوں کی کثرت ان کی صحت کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس طرح مزدور طبقے کی پیدا آوری کم ہونے کے باعث وہ کم اجرتیں حاصل کر پاتے ہیں۔

(ج) مزدوروں کی پیدا آوری کا ان آلات اور مشینوں کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے جو آجر لوگ اپنے کارخانوں میں استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ یہ آلات ناقص ہیں، لہٰذا مزدوروں کی پیدا واری صلاحیت بھی کم رہتی ہے۔

(د) یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ مزدوروں کی پیداواری بھی اس لئے کم ہے کہ ان کی اجرتیں کم ہیں کیونکہ کم اجرتوں کا مطلب ہے پست معیار زندگی اور اس کا مطلب ہے کم پیدا واری۔

(ذ) آجر طبقے کا غیر ہمدردانہ رویہ بھی جزوی طور پر اس صورتحال کا ذمہ دار ہے کیونکہ ہمارے ملک کا آجر نفع تو زیادہ کمانا چاہتا ہے لیکن وہ اس میں سے مزدور طبقے کو اس کا جائز حق دینے میں بخل سے کام لیتا ہے۔

(ر) مزدور طبقے کی حیثیت پاکستان جیسے افراط آبادی والے ملک میں آجر کے مقابلے میں کافی کمزور ہے کیونکہ وہ اپنی محنت کا ذخیرہ نہیں کر سکتے ہیں اور اپنی محنت بیچنے پر مجبور ہیں خواہ انہیں زیادہ اجرت ملے یا کم۔

2.2 ناقص حالات

پاکستان ایک پسماندہ ملک ہے اور فی الحال یہاں کام کے حالات زیادہ خوشگوار نہیں۔ کام کے اوقات

زیادہ ہیں۔ کارخانوں میں صفائی کا معقول انتظام نہیں ہے۔ کئی ملوں میں مل مالکان معمولی معمولی باتوں پر مزدوروں کو ملازمت سے الگ کر دیتے ہیں۔

2.3 خواتین کی عدم شمولیت

ہمارے ملک میں عورتیں معاشی جدوجہد میں کم حصہ لیتی ہیں۔ عورتیں زیادہ تر تعلیم اور طب کے پیشے میں ملازمت حاصل کرتی ہیں، گو کہ اب آہستہ آہستہ دیگر محکموں میں بھی داخل ہو رہی ہیں۔

2.4 اجتماعی سودا بازی

پاکستان میں مزدور انجمن تحریک ابھی ابتدائی دور میں ہے اور محنت کش طبقے کا ایک بہت بڑا حصہ اس تحریک سے منسلک نہیں ہو پایا۔

2.5 مسائل کا حل

اوپر جن مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے انہیں حل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:۔

(الف) بے روزگاری کے مسئلہ کے حل کیلئے گذشتہ صفحات میں جو تجاویز پیش کی گئی ہیں ان پر عملدرآمد سے یہ مسئلہ بڑی حد تک حل ہوسکتا ہے۔

(ب) پاکستان میں مزدور طبقے کی اجرتوں کا معیار بلند کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان کی استعداد کار میں اضافہ کرکے پیداوار بڑھائی جائے۔

(ج) افراط زر کی روک تھام کے مؤثر اقدامات کئے جائیں تاکہ مزدور طبقے کی قوت خرید برقرار رہے نیز قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ ان کی اجرتوں میں متناسب اضافہ کیا جائے۔

(د) کارخانوں میں کام کے حالات بہتر بنا کر بھی مزدوروں کی پیداواری صلاحیت بڑھائی جاسکتی ہے۔ کارخانے صاف ستھرے ہوں، ہوا دار ہوں، کام کے اوقات مناسب ہوں تو پیداوار زیادہ ہو جاتی ہے۔

(ر) خواتین کے لئے کام کے ماحول کو بہتر بنا کر اور ان کے لئے ملازمت کے مواقع بڑھا کر ملک کی معاشی جدوجہد میں انہیں پہلے سے زیادہ شرکت کا موقع دیا جاسکتا ہے۔

(س) پاکستان میں مزدور انجمن تحریک کو مقبول بنانے کی ضرورت ہے۔ محنت کش طبقے کا ایک بہت بڑا حصہ ابھی تک اس تحریک سے منسلک نہیں۔

2.6 اہم نکات

1۔ پاکستان میں اجرتوں کا معیار کافی پست ہے۔

2۔ اجرتوں کے کم ہونے کے اسباب میں مزدوروں کی رسد کا طلب کے مقابلہ میں زیادہ ہونا، ان کے لئے تعلیم اور صحت کی سہولتوں کی کمی، ناقص آلات کا استعمال اور آجر طبقے کا غیر ہمدردانہ رویہ شامل ہے۔

3۔ پاکستان میں مزدور طبقے کے لئے کام کے حالات زیادہ خوشگوار نہیں ہیں۔

4۔ جمعیت محنت میں خواتین کا حصہ بہت کم ہے۔

5۔ مزدور طبقے کو اجتماعی سودا بازی کے طریقہ کار کو اپنانے میں دشواریوں کا سامنا ہے۔

6۔ مزدور طبقہ کے مختلف مسائل کو حل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ملک میں روزگار کے مواقع میں وسعت پیدا کی جائے، مزدوروں کی استعداد کار بڑھائی جائے، آجر حضرات مزدوروں کو ان کا جائز حق دینے میں بخل سے کام نہ لیں، کارخانوں میں کام کے حالات بہتر بنائے جائیں، خواتین کے لئے روزگار کے مواقع میں اضافہ کیا جائے اور مزدور انجمن تحریک صحت مند بنیادوں پر چلائی جائے۔

2.7 خود آزمائی

1۔ مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہوں کو پُر کیجئے۔

(الف) گذشتہ برسوں میں ظاہری اجرت میں اضافہ کے باوجود مزدوروں کی .... میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہو پایا۔

(ب) پاکستان میں محنت کی رسد زیادہ ہونے کے باعث اس کی .... کافی کم ہے۔

(ج) کم پیدا آوری کا مطلب ہے کم اجرت اور کم .... کا مطلب ہے کم ....

(د) مزدور طبقہ اپنی محنت کا .... نہیں کرسکتا۔

2۔ مندرجہ ذیل باتیں درست ہیں یا غلط؟

(الف) پاکستان میں مزدور انجمن تحریک بہت ترقی کر چکی ہے۔

(ب) پاکستان کی جمیعت محنت میں خواتین کا حصہ کافی زیادہ ہے۔

(ج) مزدوروں کی پیدا آوری میں اضافہ کئے بغیر ان کی اجرتوں میں اضافہ ممکن نہیں ہے۔

3۔ پاکستان میں مزدور طبقے کے مسائل اور ان کے حل پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجئے؟

3۔ پاکستان میں مزدور انجمن تحریک

3.1 تعارف

مزدور انجمن سے مراد مزدور طبقے کی جانب سے ایک ایسا رضا کارانہ اتحاد ہے جو وہ اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ اپنے جائز مفادات کا تحفظ کرسکیں۔ مزدور طبقے کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی محنت کا ذخیرہ نہیں کرسکتے، اس لئے انفرادی طور پر ان کی قوت سودا بازی بہت کمزور ہے چنانچہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے وہ باہم مل کر ایک انجمن بنالیتے ہیں اور مشترکہ طور پر آجروں یا مل مالکوں کے ساتھ شرائط ملازمت طے کرتے ہیں، جسے اجتماعی سودا بازی کا اصول بھی کہا جاتا ہے۔

3.2 پاکستان میں ارتقاء

برصغیر پاک و ہند میں مزدور انجمن تحریک کا آغاز 1880ء میں ہوا اور اس تحریک کو باقاعدہ شکل دینے کے لئے 1926ء میں پہلی بار ٹریڈ یونین ایکٹ پاس کیا گیا۔

قیام پاکستان کے مختلف ملک میں رجسٹرڈ مزدور انجمنوں کی تعداد صرف 75 تھی اور وہ بھی صرف مغربی پاکستان میں۔ ان انجمنوں کا زیادہ حصہ ریلوے اور ٹرانسپورٹ کے شعبہ سے متعلق تھا اور اب بھی اس شعبہ میں مزدور طبقہ سب سے زیادہ ہے۔ 2005ء میں مزدور انجمنوں کی تعداد 7204 سے بڑھ چکی تھی جن کے ساتھ دس لاکھ سے زیادہ مزدور منسلک تھے۔ گو کہ پاکستان میں مزدور انجمنوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے لیکن انہیں کئی مشکلات کا سامنا ہے جو درج ذیل ہیں:۔

(الف) ہمارے ملک کے زرعی شعبہ کے مزدور اس تحریک سے استفادہ نہیں کرپائے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہونے کی وجہ سے باہمی رابطہ سے محروم ہیں۔

(ب) آجرحضرات مزدور انجمن کو اپنے مفادات کا دشمن سمجھتے ہیں اور ان کی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ مزدور انجمنیں قائم نہ ہونے پائیں۔

(ج) مالکان میں بھی روشن خیالی پیدا نہیں ہوئی اور ان میں یہ احساس پیدا نہیں ہو پایا کہ مطمئن اور خوشحال محنت کش طبقہ صنعتی سکون کی ضمانت ہے۔

(د) مزدوروں کی اکثریت تعلیم یافتہ نہیں ہے اسلئے وہ اپنے آپ کو صحیح طور پر منظم نہیں کرپاتے۔ بسا

اوقات مالکوں کا آلہ کار بن کر اجتماعی مفادات کو ذاتی مفاد کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔

(ر) مزدور ملازمت سے برطرفی کے خوف سے ٹریڈ یونینوں سے گریز کرتے ہیں۔ بعض اوقات مزدور انجمنیں سیاست دانوں کی آلہ کار بن جاتی ہیں اور اس طرح وہ اپنے صحیح مقصد سے دور ہو جاتی ہیں۔

ان تمام کمزوریوں کے باوجود ہمارے ملک میں مزدور انجمن تحریک آگے بڑھ رہی ہے۔ 1960ء تک ہمارے ہاں کچھ ترمیموں کے ساتھ وہی 1926ء کا ٹریڈ یونین ایکٹ چل رہا تھا۔ 1960ء میں اس ایکٹ میں پھر ترمیم کی گئی جس کی رو سے مل مالکان کے لئے لازمی ہوگیا کہ وہ مزدور یونینوں کو تسلیم کریں اور سودا کاری کے ایجنٹ کی حیثیت سے ان سے گفت وشنید کریں۔ 1965ء میں کم از کم اجرت اور سماجی تحفظ کے قوانین نافذ کئے گئے۔ 1969ء میں لیبر پالیسی بنائی گئی اور اس میں مالک اور مزدور کے تعلقات پر زور دیا گیا۔ 1972ء میں ایک اور لیبر پالیسی وجود میں آئی جس میں مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے مزید مؤثر اقدامات کئے گئے۔

3.3 حاصل کلام

مزدور انجمن تحریک کو صحت مند بنیادوں پر چلانے کیلئے حکومت پاکستان وقتاً فوقتاً اقدامات کرتی رہی ہے جن سے یقیناً مزدوروں کی فلاح و بہبود میں اضافہ ہوا ہے۔ موجودہ حکومت ایک نئی لیبر پالیسی وضع کرنے کی کوشش کررہی ہے تاکہ ایک جانب صنعتی سکون قائم ہوکر قومی پیداوار میں اضافہ ہو اور دوسری جانب محنت کش طبقے کو اس کا جائز حق دلانے کے اقدامات کئے جائیں۔

3.4 اہم نکات

1۔ مزدور انجمن سے مراد مزدوروں کا ایک رضا کارانہ اتحاد ہے جو وہ اپنے مشترکہ مفادات کے تحفظ کیلئے کرتے ہیں۔

2۔ پاکستان میں مزدور انجمن تحریک ابھی ابتدائی منازل طے کر رہی ہے۔

3۔ 1948ء میں مزدور انجمنوں کی تعداد 75 سے بڑھ کر 2005ء میں 7204 ہوچکی ہے جن سے دس لاکھ سے زیادہ مزدور استفادہ کر رہے ہیں۔

4۔ زرعی شعبہ اس تحریک سے یکسر محروم ہے۔

5۔ کئی خارجی اور داخلی اسباب مزدور انجمنوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ خارجی اسباب میں مل مالکان کا مخاصمانہ رویہ اور آجروں کی جانب سے انتقامی کارروائی کا خطرہ اور داخلی اسباب میں

مزدوروں کی تعلیمی کمی، مفاد پرستی، مزدور لیڈروں کا مخلص نہ ہونا، مزدوروں کی مالی مشکلات اور سیاست دانوں کا آلہ کار بننا وغیرہ شامل ہیں۔

6۔ خامیوں کے باوجود بھی پاکستان میں مزدور انجمن تحریک آگے بڑھ رہی ہے اور اس کے نتیجہ میں مزدور طبقے کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت نے وقتاً فوقتاً کئی مفید قوانین پاس کئے اور لیبر پالیسیاں مرتب کیں۔

7۔ موجودہ حکومت ایک نئی لیبر پالیسی بنانے کی کوشش کر رہی ہے جو آجروں اور مزدوروں دونوں کیلئے قابل قبول ہو۔

3.5 خود آزمائی

1۔ مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہ پُر کیجئے۔

(الف) برصغیر پاک و ہند میں مزدور انجمن تحریک کا آغاز .... میں ہوا اور پہلی بار .... میں ٹریڈ یونین ایکٹ پس ہوا۔

(ب) قیام پاکستان کے وقت مزدوروں کی تعداد .... تھی اور جو 2005 ء میں بڑھ کر .... ہوگئی۔

(ج) پاکستان کے زرعی شعبہ کا مزدور اجتماعی سودابازی سے تا حال .... نہیں کر پایا۔

(د) 1960ء میں 1926ء کے ٹریڈ یونین ایکٹ میں ترمیم کی گئی جس کی رو سے مل مالکان کو مزدور انجمن کو تسلیم کرنا.................. ہوگیا۔

2۔ مندرجہ ذیل باتیں درست ہیں یا غلط؟

(الف) مزدوروں کی پیداواری میں اضافہ کئے بغیر مزدور انجمنیں ان کی اجرتوں میں نمایاں اضافہ کروانے میں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔

درست	غلط

(ب) مل مالکوں کا رویہ مزدوروں کے حق میں انتہائی ہمدردانہ رہا ہے۔

درست	غلط

(ج) مزدور انجمن تحریک کی بدولت ہی ملک میں مزدوروں کی فلاح و بہبود سے متعلق کئی اہم قوانین پاس ہوئے۔

درست	غلط

3۔ پاکستان میں مزدور انجمن تحریک کی ترقی کا ناقدانہ جائزہ پیش کیجئے۔

4۔محنت کش طبقے کی فلاح کے قوانین اور لیبر اصلاحات

گذشتہ صفحات میں آپ نے معلوم کیا ہے کہ حکومت پاکستان وقتاً فوقتاً مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے اور کارخانوں میں کام کے حالات بہتر بنانے کیلئے قوانین نافذ کرتی رہی ہے۔ ذیل میں ان کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔

4.1 کم سے کم اجرت کے متعلق قوانین

پاکستان میں مزدوروں کی اجرتوں کی عام سطح بہت پست ہے اور اس کی وجہ سے ان کا معیار زندگی بھی پست ہے۔ ہر مہذب معاشرے میں اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مزدور کو کم از کم اتنی اجرت ضرور ملنا چاہئے کہ جس سے اسے کم از کم معیار زندگی کی ضمانت مل جائے۔ کم از کم اجرت کے حق میں یہ دلائل دیئے جاتے ہیں:۔

(الف) کم از کم اجرت مزدور طبقے کے اندر کام کے جذبہ کو پیدا کرتی ہے۔

(ب) آجر طبقہ مزدوروں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کا استحصال نہیں کرسکتا ہے۔

(ج) کم از کم اجرت صنعتی سکون پیدا کرتی ہے اور مالکوں اور مزدوروں کے جھگڑے کم ہوتے ہیں۔

(د) اس طرح صرف مستعد آجر ہی منڈی میں رہ سکتے ہیں، غیر مستعد آجر کاروبار چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ لیکن ان فوائد کے ساتھ ساتھ بعض خامیوں کی نشاندہی بھی ضروری ہے۔ جو یہ ہیں:۔

(الف) کم از کم اجرت مقرر کرنے سے آجروں کا نفع کم ہو جاتا ہے۔

(ب) اگر کم از کم اجرت مروجہ شرح اجرت سے زیادہ ہوتو اس طرح مصارف پیداوار کے بڑھ جانے سے اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(ج) کم از کم اجرت سے، زیادہ قابل اور مستعد مزدوروں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے کیونکہ ایک ہی پیشے میں سب مزدوروں کو ایک جتنی اجرت ملتی ہے۔ (لیکن یہ خامیاں مناسب تدابیر سے دور کی جاسکتی ہیں)۔ حیقت یہی ہے کہ کم از کم اجرت کا اصول بنیادی طور پر درست ہے۔

پاکستان میں مزدوروں کے لئے کم از کم اجرت مقرر کرنے کی تجویز پہلے پانچ سالہ منصوبہ میں پیش کی گئی تھی۔ 1960ء میں (West Pakistan Employment of Labour Standing Order) نافذ ہوا جس میں پیشہ کی بنیاد پر ملازمتوں کی درجہ بندی، اوقات کار، تعطیلات اور شرح اجرت وغیرہ کی تشریح کی گئی۔ اسی سال کوئلہ کی کانوں میں کام کرنے والوں کا آرڈیننس منظور کیا گیا جس کے تحت کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی کم از کم اجرت

نوے روپے ماہوار اور کانوں سے باہر کام کرنے والوں کی کم از کم اجرت ساٹھ روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ اس طرح پہلی بار ایک صنعت میں کم از کم اجرت قانون نافذ ہوا۔

پھر 1960ء میں کم از کم اجرتوں کا ایک اور قانون نافذ ہوا جس کے تحت کچھ خاص صنعتوں میں کم از کم اجرت مقرر کی گئی۔ پھر 1969ء میں کم از کم اجرت کا ایک اور قانون نافذ ہوا جس کے مطابق ہر ہنر مند مزدور کی تنخواہ کراچی میں 140 روپے ماہوار، دوسرے صنعتی شہروں میں 125 روپے ماہوار اور باقی تمام جگہوں پر 115 روپے ماہوار مقرر کی گئی۔ بے ہنر کارکنوں اور شاگرد کے طور پر کام کرنے والوں کی اجرتیں اور بھی کم تھیں۔ اس کے بعد بھی گاہے گاہے ان شرحوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ 2000ء میں بے ہنر مزدور کی اجرت کم از کم 2150 روپے سے بڑھا کر 2500 روپے کر دی گئی لیکن اس اضافے کو مصارف زندگی کے مطابق نہیں ڈھالا گیا۔ پاکستان کے منصوبہ بندی بورڈ نے مزدور پالیسی کے ضمن میں چند اقدامات کئے ہیں (جن کا اعادہ چوتھے پانچ سالہ منصوبہ میں بھی کیا گیا) جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) تمام بڑے پیمانے کی صنعتوں کیلئے کم از کم اجرتیں مقرر کرنا جو ایک خاندان کی کم از کم اور معقول ضروریات کو پورا کر سکیں۔

(ب) حکومت کو چاہئے کہ پیدا آوری کی قابلیت کے مسلسل مطالعے کرائے اور اجرتوں کو اس کے مطابق ڈھالا جائے۔

4.2 فیکٹری والے مزدوروں کے قوانین

1۔ فیکٹری ایکٹ 1924ء کا اطلاق پہلے چیدہ چیدہ صنعتی اداروں پر ہوتا تھا لیکن 1972ء میں اس قانون میں ترمیم کردی گئی اور اب اس کا دائرہ تمام فیکٹری اور کارخانوں تک پہنچ گیا ہے جن میں مزدوروں کی تعداد دس یا زیادہ ہے۔

2۔ اگر فیکٹری میں مزدوروں کی تعداد ایک ہزار سے کم ہو تو مہینے کے اختتام کے بعد سات دن کے اندر اور اگر تعداد زیادہ ہو تو دس دن کے اندر اجرتیں ادا کردی جائیں۔

3۔ 1959ء کے ایک آرڈیننس کے تحت ہر اس صنعت میں جہاں 250 مزدور کام کرتے ہوں رعائتی نرخوں پر کھانے پینے کی اشیا فراہم کرنے کے لئے مالکان کو کینٹین قائم کرنا ہوگی اور اس کے سب اخراجات برداشت کرنا ہوں گے۔

4۔ ملازمین کے سماجی تحفظ کے آرڈیننس مجریہ 1965ء کے تحت مزدور کو طبی سہولتیں بہم پہنچانے کی اسکیم کا اجرا ہوا اس اسکیم میں شامل فرموں کے مزدوروں کی تنخواہ سے دو فیصد کٹوتی ہوتی تھی اور

اتنی ہی رقم آجرین ادا کرتے تھے لیکن 1972 ء کی لیبر اصلاحات کے تحت اب اس اسکیم کی پوری لاگت آجروں کے ذمہ ہوگی۔

5۔ گروپ انشورنس اسکیم کے تحت اگر کام کے دوران یا بعد میں مزدور کو کوئی حادثہ پیش آجائے جس کے نتیجہ میں وہ جسمانی طور پر ناکارہ ہو جائے یا وہ فوت ہو جائے تو ہر دوصورت میں ایک معقول رقم بطور تلافی نقصان ادا کی جاتی ہے۔ اس اسکیم کا اطلاق نجی اور سرکاری دونوں شعبوں پر ہوتا ہے۔

6۔ جس فیکٹری میں ملازمین کی تعداد کم از کم بیس ہے، سالانہ بونس کی ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔ پچاس یا اس سے زیادہ ملازم رکھنے والا صنعتی ادارہ اپنے سالانہ منافع کا 5 فیصد حصہ ایک شراکتی فنڈ میں جمع کرتا ہے۔ اس فنڈ کا حساب و کتاب مزدور اور انتظامیہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک ٹرسٹ کے ذمہ ہوتا ہے۔

7۔ 1972ء کی لیبر پالیسی کے تحت پراویڈنٹ فنڈ کی کٹوتی لازمی کردی گئی ہے۔ نصف رقم خود انتظامیہ اس میں شامل کرتی ہے۔ نئے قوانین کے مطابق جو ملازم کسی بڑی کمپنی میں متواتر 15 سال تک کرے وہ پنشن کا حقدار ہوگا۔

8۔ جس فیکٹری یا کارخانے میں 20 یا زیادہ مزدور ملازم ہوں اس کا مالک ہر سال بحساب ایک سو روپے فی مزدور تعلیمی ٹیکس حکومت کو ادا کرے گا تا کہ ہر مزدور تعلیمی ٹیکس حکومت کو ادا کرے گا تا کہ ہر مزدور کم از کم ایک بچہ میٹرک تک مفت تعلیم حاصل کر سکے۔

9۔ صنعتی تنازعات کے ایکٹ 1929ء میں 1958ء میں اور 1968ء میں ترمیم کی گئی اور یہ طے پایا کہ اگر انتظامیہ اور مزدوروں کے درمیان تنازعہ پیدا ہو جائے تو اسے ورکس کونسل میں پیش کیا جاتا ہے جو دونوں پارٹیوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر کونسل کسی متفقہ فیصلے پر نہ پہنچ سکے تو مزدور تین روز کے اندر انتظامیہ کو ہڑتال کا نوٹس دے سکتے ہیں یا کوئی بھی فریق اس معاملے کو لیبر کورٹ میں لے جاسکتا ہے۔ کورٹ 20 دن کے اندر فیصلہ دینے کی کوشش کرے گی تا کہ غیر یقینی صورتحال ختم ہو کر صنعتی امن بحال ہو سکے۔

10۔ صنعتی اداروں کی انتظامیہ میں مزدوروں کی شمولیت کا قانون 1972ء میں پاس ہوا۔ اس کے مطابق کمپنی کی انتظامیہ میں بیس فیصد تک مزدوروں کو نمائندگی کا حق دیا جائے گا۔ انہیں یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے محاسب یا آڈیٹر مقرر کروا کے حسابات کی جانچ پڑتال کروا سکتے ہیں۔

11۔ تحریری طور پر وجوہ بتائے بغیر کسی مزدور کو ملازمت سے برطرف نہیں کیا جاسکتا۔

4.3 اہم نکات

1۔ کم از کم اجرت سے مراد وہ معاوضہ ہے جو کسی محنت کش کو کم از کم معیار زندگی کی ضمانت دینے کیلئے ضروری ہے۔

2۔ کم از کم اجرت سے مزدور طبقے کی پیداواری صلاحیت بڑھتی ہے، وہ آجروں کے استحصال سے محفوظ ہو جاتے ہیں، صنعتی سکون پیدا ہوتا ہے، آجروں کو مستعد ہونا پڑتا ہے۔ تاہم بعض خامیوں بھی ہیں مثلاً یہ کہ آجروں کا منافع نسبتاً کم ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ سرمایہ کاری میں کمی کردیتے ہیں۔ اگر کم از کم اجرت زیادہ بلند ہو تو اس سے مصارف پیداوار بڑھ جانے سے اشیا کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، تازہ مستعد مزدوروں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے لیکن ان خامیوں کے باوجود دور حاضر کے ہر مہذب معاشرے میں اس اصول کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔

3۔ پاکستان میں پہلی بار 1960ء میں اور پھر اس کے بعد 1961ء، 1969ء اور 2000ء میں کم از کم اجرت کے قوانین پاس ہوئے۔

4۔ پاکستان کے منصوبہ بندی بورڈ نے یہ سفارش کی تھی کہ تمام بڑے پیمانے کی صنعتوں میں کم از کم اجرتیں مقرر کی جائیں اور ان پر ہر سال نظر ثانی کی جائے۔

5۔ 1972ء میں فیکٹری ایکٹ 1934ء کے دائرہ عمل کو وسیع تر کردیا گیا۔

6۔ مزدوروں کی اجرت مہینے کے اختتام کے بعد 7 دن اور دس دن کے اندر ادا کیا جانا لازمی ہے۔ علاوہ ازیں رعایتی نرخوں پر مزدوروں کو کھانے پینے کی اشیا فراہم کرنے کیلئے کینٹین قائم کرنا، مزدوروں کے لئے سماجی تحفظ کی اسکیم، گروپ انشورنس سکیم، بونس کی ادائیگی، کمپنیوں کے منافع میں مزدوروں کی شرکت، پروویڈنٹ فنڈ اور پنشن کی سہولت، مزدوروں کے بچوں کے لئے تعلیم کی سہولت، صنعتی تنازعات کو دور کرنے کیلئے ورکس کونسلوں کا قیام، صنعتی اداروں کی انتظامیہ میں مزدوروں کی شمولیت اور ملازمت کا تحفظ وغیرہ چند ایسے اہم اقدامات ہیں جو وقتاً فوقتاً ان کی فلاح و بہبود کیلئے کئے جاتے رہے ہیں۔

4.4 خود آزمائی

1۔ مندرجہ ذیل فقروں یں خالی جگہیں پر کیجئے۔

(الف) کم از کم اجرت کا اصول مزدور طبقہ کو.................. کی ضمانت دیتا ہے۔

(ب) کم از کم اجرت کا اصول پاکستان میں پہلی بار.................. میں پاس ہوا۔

(ج) پچاس یا اس سے زیادہ ملازم رکھنے والا صنعتی ادارہ اپنے سالانہ منافع کا.................. فیصد ایک شرکتی فنڈ میں جمع کرواتا ہے۔

(د) 1972ء کی اصلاحات کے مطابق کمپنی کی انتظامیہ میں.................. فیصد تک مزدوروں کو نمائندگی کا حق دیا گیا ہے۔

2۔ درست ہے یا غلط؟

(الف) کم از کم اجرت مقرر کرنے سے زیادہ مستعد مزدوروں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

(ب) مزدوروں کی پیداواری کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی اجرتوں میں متناسب اضافہ ممکن نہیں۔

(ج) کمپنیوں کے منافع میں مزدوروں کی شراکت سے ان کی استعداد کار بڑھ سکتی ہے۔

(د) لیبر قوانین کے تحت تحریری وجوہ بتائے بغیر کسی محنت کش کو ملازمت سے برطرف نہیں کیا جاسکتا۔

3۔ قیام پاکستان سے لیکر اب تک حکومت پاکستان گاہے بگاہے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے جو قوانین اور اصلاحات نافذ کرتی رہی ہے ان کا جائزہ لیجئے؟

5۔ بین الاقوامی ادارہ عمال

(I.O.L)

5.1 ادارہ کے قیام کا مقصد

بین الاقوامی سطح پر مزدوروں کے فلاح و بہبود کے لئے جو اقدامات کئے گئے ہیں ان میں سے سب سے اہم قدم اقوام متحدہ کے تحت بین الاقوامی ادارہ عمال یا (International Labour Organization) کا قیام ہے۔ درحقیقت یہ وہ واحد خصوصی ادارہ ہے جو پہلی جنگ عظیم (18-1914) کے بعد کے لئے امن معاہدوں میں سے اپنی اصلی شکل میں موجود رہا۔ یہ ادارہ خودمختار حیثیت سے لیگ آف نیشنز کے ساتھ ملحق تھا اور پھر اقوام متحدہ کے تحت بھی ایک خصوصی ادارہ کی حیثیت سے کام کررہا ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر جنیوا میں ہے۔

بین الاقوامی ادارہ اس امر کے احساس کے پیش نظر وجود میں آیا تھا کہ عالمی امن اسی صورت میں قائم ہوسکتا ہے اگر اس کی بنیاد سماجی انصاف پر ہو۔ دنیا کے محنت کش افراد اپنے آپ کو احساس محرومیت میں مبتلا نہ پائیں اور انہیں اپنی محنت کا جائزہ حق ضرور ملے۔

پس اس ادارے کے قیام کا بڑا مقصد عالمی سطح پر مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے اقدامات کرنا ہے۔

5.2 ادارہ کا طریق کار

یہ تنظیم سہ فریقی نمائندگی کے ذریعہ کام کرتی ہے یعنی اس میں حکومت، آجروں اور مزدوروں کے نمائندے موجود ہوتے ہیں۔ ہر ممبر ملک ادارے کی کانفرنسوں میں شمولیت کے لئے چار نمائندے بھیجتا ہے۔ دو نمائندے اس ملک کی حکومت کی جانب سے ہوتے ہیں، ایک نمائندہ آجروں کی جانب سے اور ایک ممبر ملک میں کام کرنے والے مزدوروں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ادارہ اپنے قیام سے لیکر اب تک عالمی مزدور برادری کے فلاح و بہبود کے لئے بہت سے مفید اقدامات کرچکا ہے۔ ان میں ایسی سفارشات شامل ہیں۔

(الف) تمام دنیا کے مزدوروں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو مزدور انجمنوں میں شامل کرکے اجتماعی سودا بازی کے ذریعہ اپنے کام کے حالات کو بہتر بنائیں۔

(ب) تمام ممبر ملکوں کو سفارش کی گئی ہے کہ وہ مزدوروں کے اجتماعی سودا بازی کے حق کو تسلیم کریں۔

(ج) ممبر ملکوں سے درخواست کی گئی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو مختلف پیشوں میں مزدوروں کے لئے

کم از کم اجرت مقرر کی جائے۔

(د) خطرناک پیشوں میں بچوں اور عورتوں کو کام پر نہ لگانے کی سفارش کی گئی ہے۔

(ر) حادثات کی صورت میں مزدوروں کو مناسب معاوضہ ادا کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

(س) کارخانوں میں صفائی ، روشنی، ہوا اور پانی جیسی سہولتیں مہیا کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

(ص) صنعتی تنازعات کے فیصلہ کیلیئے ورکس کونسلوں اور لیبر کورٹ کے قیام کی بھی سفارش کی گئی ہے۔

5.2 پاکستان اور ادارہ

پاکستان اقوام متحدہ کا رکن ہے اور اس حیثیت سے وہ بین الاقوامی ادارہ عمال کا بھی ممبر ہے۔ اس ادارے کا رکن ہونے کی حیثیت سے پاکستان نے وہ تمام سفارشات تسلیم کرلی ہیں جو یہ ادارہ وقتاً فوقتاً کرتا رہا ہے۔ حکومت پاکستان مزدوروں کے اجتماعی سودا بازی کے حق کو تسلیم کرتی ہے اور انہیں ٹریڈ یونین بنانے کی قانونی طور پر اجازت ہے۔

5.4 اہم نکات

1۔ بین الاقوامی ادارہ عمال لیگ آف نیشنز کے تحت قائم ہوا تھا اور اقوام متحدہ کے تحت بھی خصوصی ادارہ کی حیثیت سے چل رہا ہے۔

2۔ اس ادارہ کے قیام کا مقصد پوری دنیا میں محنت کشوں کے حالات کار کو بہتر بنانا ہے۔

3۔ یہ تنظیم سہ فریقی نمائندگی کے ذریعہ کام کرتی ہے جس میں حکومت، آجروں اور مزدوروں کے نمائندے شامل ہوتے ہیں۔

4۔ اس ادارے نے مزدوروں کے حق میں بہت سی اہم سفارشات کی ہیں جن میں اجتماعی سودا بازی، کم از کم اجرت کی ادائیگی، حادثات کی صورت میں معاوضہ، صنعتی تنازعات کے فیصلہ کے لئے لیبر دالتوں کا قیام وغیرہ شامل ہیں۔

5۔ پاکستان بھی بین الاقوامی ادارہ عمال رکن ہے اور اس کی سفارشات کو عملی جامعہ پہنا رہا ہے۔

5.5 خود آزمائی

1۔ بین الاقوامی ادارہ عمال کی تنظیم اور کارکردگی پر ایک مفصل نوٹ لکھیئے؟

فرہنگ

اجتماعی سودا بازی	وہ اصول جس کے تحت مزدور مشترکہ طور پر اپنی شرائط کار طے کرتے ہیں۔
ادائیگیوں کا توازن	کسی ملک کی وصولیات اور واجبات کی مالیت کا تفصیلی حساب۔
افرادی قوت	عملی طور پر معاشی جدوجہد میں حصہ لینے والے لوگ۔
افراط زر	اشیا و خدمات کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ
بین الاقوامی ادارہ عمال	اقوام متحدہ کا خصوصی ادارہ جو دنیا کے مزدوروں کی فلاح کیلئے کام کرتا ہے۔
ترغیبات	ایسے اقدامات جو کسی شخص کو زیادہ کام کرنے پر آمادہ کرسکیں۔
جاذب محنت ٹیکنالوجی	پیداوار کے ایسے طریقے جن میں محنت کا استعمال نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔
جمعیت محنت	معاشی جدوجہد کرنے والوں کی کل تعداد
حقیقی اجرت	قوت خرید۔
صنعتی سکون	ایسا ماحول جس کے طفیل کارخانوں کی پیداوار میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔
ظاہری اجرت	زر کی شکل میں ملنے والی اجرت۔
کم ازکم اجرت	اجرت کی وہ سطح جس سے مزدور مناسب معیار زندگی برقرار رکھ سکے۔
کھلی بیروزگاری	ایسی بیروزگاری جو بالکل واضح ہو۔
لیبر پالیسی	ایسی پالیسی جس کے ذریعے مزدوروں کے حالات کار بہتر کئے جاتے ہیں۔
مزدوروں کی پیداواری	مزدوروں کی پیداواری صلاحیت۔
مستور بیروزگاری	ایسی بیروزگاری جو پوشیدہ ہو
مختتم پیداوار	کسی عامل کی ایک اضافی اکائی کی ذاتی پیداوار

REFERENCES

1- Pakistan Economis surveys of different year. Govt. of Pakistan

2- Reports of the Labour Dept. and Manpower Division.

3- Reports of the International Labour Organisation.

یونٹ 12

تجارت خارجہ

تحریر
اقبال بخت

فہرست

یونٹ کے مقاصد		376
1۔تجارت خارجہ کی اہمیت		377
1.1	تعارف	377
1.2	اہمیت	377
1.3	اہم نکات	380
1.4	خود آزمائی	381
2۔پاکستان کی برآمدات و درآمدات		382
2.1	تعارف	382
2.2	برآمدات	382
2.3	درآمدات	385
2.4	اہم نکات	390
2.5	خود آزمائی	390
3۔توازن ادائیگی		392
3.1	تعارف	392
3.2	اقسام	392
3.3	طویل عرصہ کی کیفیت	392
3.4	فاضل توازن ادائیگی کے سال اور اسباب	392
3.5	توازن ادائیگی کی خرابی کی وجوہات	393
3.6	توازن ادائیگی کی اصلاح	395

3.7	اہم نکات	396
3.8	خود آزمائی	397

4۔تجارتی پالیسی 398

4.1	تعارف	398
4.2	پاکستان کی تجارتی پالیسی	398
4.3	اہم نکات	400
4.4	خود آزمائی	400
	فرہنگ	401
	جوابات	402
	کتابیات	402

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کو پڑھنے کے بعد آپ کو اس قابل ہو جانا چاہیئے کہ:

1۔ آپ پاکستان جیسے کسی ترقی پذیر ملک کے لئے تجارت خارجہ کی افادیت بیان کرسکیں۔

2۔ آپ پاکستان کی اہم درآمدات کے نام گنوا سکیں اور ان کی مالیت بتا سکیں۔

3۔ آپ پاکستان کے توازن ادائیگی میں خرابی کے اسباب جان سکیں، نیز اس بات کا اظہار کرسکیں کہ ان خرابیوں کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں حکومت پاکستان نے کیا اقدامات کئے ہیں وہ بھی بتا سکیں۔

4۔ آپ پاکستان کی تجارت خارجہ کی پالیسی کے اہم نکات سے آگاہ ہوسکیں۔

1۔ تجارت خارجہ کی اہمیت

1.1 تعارف

غیر ممالک سے تجارت تہذیب انسانی کے اولین دور سے ہی ہوتی آ رہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسکی وسعت، اہمیت اور ضرورت میں اضافہ ہوتا جارہاہے۔ آج کی دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جو دوسرے ممالک سے تجارت نہ کرتا ہو۔ موجودہ دور میں ہر معیشت کھلی معیشت (Open Economy) کا درجہ رکھتی ہے۔ پاکستان نے بھی اپنے قیام سے ہی دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کو اپنا رہنما اصول قرار دے رکھاہے۔ پاکستان یا پاکستان جیسے کسی بھی ترقی پذیر ملک کے لئے تجارت خارجہ جو اہمیت رکھتی ہے وہ ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

1.2 اہمیت

1۔غیر ملکی اشیا کا استعمال

پاکستان جیسے ملک کے لئے یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے کہ یہاں کے عوام کا معیار زندگی بلند ہو۔ معیار زندگی کی بہتری کا دارومدار اشیا کی مقدار پر ہے جو استعمال میں آتی ہیں۔ معیار زندگی میں بلندی کے لئے ہم کئی ممالک سے ایسی اشیا درآمد کررہے ہیں جو ہمارے ہاں بالکل پیدانہیں ہوتیں مگر ان کو استعمال کرنے کی خواہش ہم سب رکھتے ہیں مثلاً گھڑیاں، ریفریجریٹر، موٹر کاریں، ٹھنڈے مشروبات وغیرہ۔ یہ اشیا دوسرے ممالک میں بنتی ہیں۔ تجارت خارجہ کی بدولت یہ اشیا ہمارے استعمال میں بھی آ رہی ہیں۔

2۔مقامی مہنگی پیداوار

تجارت خارجہ کے ذریعہ ایک فائدہ یہ پہنچتا ہے کہ پاکستان وہ اشیا درآمد کرلیتا ہے جو ہمارے ہاں بھی پیدا ہورہی ہیں یا ہوسکتی ہیں مگر ان کو پیدا کرنے کی لاگت بہت زیادہ آتی ہے۔ اشیا کی مقامی پیدائش پر زیادہ مصارف آنے کی بنا پر یہ اشیا درآمد کرنا بھی سود مند ہوتاہے۔ ایسی اشیا جو اس ضمن میں آتی ہیں، یہ ہیں، پٹ سن، پیٹرول، فولاد اور مشینیں وغیرہ۔ تجارت خارجہ نے ان اشیا کو کم لاگت پر درآمد کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

3۔فاضل مقامی پیداوار

بیرونی دنیا سے تجارتی روابط نے ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم اپنی فاضل پیداوار کا نکاس کر سکیں۔ اگر عالمی تجارت نہ ہوتی تو ہماری بے شمار فاضل پیداوار کے سبب یہیں گل سڑ جاتیں اور ہمارے کاشتکار بھائیوں کی محنت رائیگاں جاتی۔ پاکستان کپاس، تمباکو، کھیلوں کے سامان، جراحی کے آلات، قالین اور چاول وغیرہ کے مقابلے میں فاضل پیداوار رکھتا ہے۔ یہ تجارت خارجہ کا ذریعہ ہی ہے کہ ہم اس فاضل پیداوار کو ضرورت مند ملکوں کے ہاتھ اچھی قیمت پر فروخت کر لیتے ہیں۔

4۔ہنگامی حالات میں امداد

ہنگامی حالات کسی بھی وقت کسی بھی معیشت کو پیش آ سکتے ہیں۔ ملک گیر ہڑتالیں، سیلاب، قحط سالی، خشک سالی، وبائیں، سمندری طوفان، زلزلے اور جنگ وغیرہ کے حالات اکثر پھوٹ پڑتے ہیں۔ ان حالات میں متاثرہ ملک میں پیداوار کی شدید کمی لاحق ہوجاتی ہے۔ ان ہنگامی حالات میں تجارت خارجہ کا سہارا ہی کام آتا ہے۔ ان حالات میں دوست ممالک سے ضروریات کا سامان خریدا جاسکتا ہے پاکستان میں کئی طرح کے ہنگامی حالات رونما ہوئے اور ہم نے ان حالات میں پیدا ہونے والی قلتوں کا تجارت خارجہ کے ذریعہ ہی مقابلہ کیا۔

5۔معاشی ترقی

تجارت خارجہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں معاشی ترقی کی رفتار بڑھی ہے۔ تجارت خارجہ کے ذریعہ ہم نے وہ خام مال، نیم تیار شدہ مصنوعات اور مشینیں حاصل کیں جو ہمارے ہاں تیار نہیں ہوتیں۔ کپڑے کے کارخانوں کے پلانٹ، تربیلا ڈیم کی مشینری، ریلوے کا سامان اور بندرگاہوں کیلئے مختلف نوعیت کا خام لوہا اور فولادی اشیا پاکستان نے بیرونی تجارت کے بل بوتے ہی پر حاصل کیں۔ ان اشیا اور منصوبوں کی بدولت ہمارے ہاں معاشی ترقی کی رفتار تیز ہوئی ہے۔

6۔بڑے پیمانے کی کفایات

تجارت خارجہ کے بل بوتے پر کئی دیگر فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ان فوائد میں ایک اہم فائدہ بڑے پیمانے کی پیدائش کی کفایات ہیں۔ غیر ملکی تجارت کے سبب پاکستان کو کئی اشیا نہ صرف اپنے لئے بنانی پڑتی ہیں بلکہ دوسرے ممالک کی ضروریات کے لئے بھی تیار کرنی پڑتی ہیں۔ اس طرح بھاری مقدار میں اشیا تیار کرنے کی ضرورت بڑے کارخانے قائم کرنے اور بڑی کاشتکاریوں کے قیام کی راہ ہموار کرتی ہے۔ جب اشیا بڑے پیمانے پر تیار ہوتی ہیں تو کارخانوں کو اپنے اندر سے اور باہر سے کئی فوائد خود بخود ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی فوائد کفایات

شعار ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی سے فی اکائی لاگت کم ہو جاتی ہے۔

7۔فنی معلومات

تجارت خارجہ کے ذریعے پاکستان نے وہ فنی معلومات حاصل کی ہیں جو اس کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ غیر ممالک سے تجارتی روابط کے ذریعے اس بات سے آگاہی ہوتی ہے کہ دوسرے ممالک کئی طرح کی اشیا کی پیدائش میں کیا طریقہ استعمال کررہے ہیں۔ انہوں نے کون سا فارمولا دریافت کرلیا ہے، ان کی لاگتوں کو کم کرنے اورزیادہ وسیع منڈیوں تک رسائی حاصل کرنے کے کیا کیا ذرائع ہیں۔ ان فنی معلومات کے بل بوتے پر کوئی بھی ملک غلطیوں کے ارتکاب سے بچ جاتا ہے اور وہاں کم وقت میں زیادہ ترقی ممکن ہو جاتی ہے۔

8۔روزگار میں اضافہ

بیرونی دنیا سے تجارتی رشتے استوار ہونے سے پاکستان میں بیروزگاری کا مسئلہ حل کرنے میں مدد ملی ہے۔ نہ صرف یہ کہ غیر ممالک کے لئے اشیا بنانے کے جذبہ کے تحت کارخانوں میں پاکستانیوں کو پہلے سے زیادہ روزگار دستیاب ہے بلکہ دیگر ممالک سے روابط کے وسیلے سے ان ممالک میں روزگار کے مواقع سے پاکستانی مستفید ہورہے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق 27 لاکھ پاکستانی بیرونی ممالک میں برسرروزگار ہیں۔ اگر تجارتی تعلقات کا وسیلہ موجود نہ ہوتا تو اس قدر بڑی مقدار کا ملک سے باہر جا کر ملازمتیں کرنا ناممکن ہوتا۔

9۔امن عالم کوتقویت

غیر ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ دنیا میں امن قائم رہے۔ جنگ سرمایہ کاری کی فضا کو آلودہ کردیتی ہے۔ تجارت کے ذریعے حاصل ہونے والے ممکنہ فوائد سے دنیا کی قومیں اس وقت مستفید ہوسکتی ہیں جب کہ ہر خطے میں امن عالم کی ضمانت دی گئی ہو۔ دنیا کی قومیں ''جنگ یا ترقی'' کے نعرہ میں ترقی کی حمایت کرتی ہیں۔ ترقی کی خاطر وہ جنگ کو مسلسل ملتوی کرتی جارہی ہیں۔ تجارت خارجہ کے ذریعے اس طرح امن عالم کوتقویت ملتی ہے۔

10۔قرضے اور امداد

1945ء کے بعد خاص طور پر عالمی تجارت میں وسیع اضافہ ہوا ہے۔ تجارت خارجہ ہی کا سبب ہے کہ دنیا کے تقریباً سب ہی ممالک اب ایک دوسرے کی مالی امداد کرتے ہیں۔ کبھی یہ امداد قرضوں کی شکل میں ہوتی ہے اور کبھی عطیات کی شکل میں۔ ان قرضوں اورعطیات کی بدولت ترقی یافتہ ممالک زائد از ضرورت سرمایہ سازی کے مضر

اثرات سے محفوظ ہوگئے ہیں اور ترقی پذیر ممالک کی سرمایہ کی قلت کی دشواری دور ہوگئی ہے۔ اس باہمی تعاون کی بدولت دونوں طرح کے ملکوں میں ترقی کی رفتار تیز ہوگئی ۔ یہی حال پاکستان کا ہے۔

11۔حکومت کی آمدنی میں اضافہ

غیر ممالک سے تجارتی روابط درآمدی اور برآمدی اشیا سے منسلک ہیں۔ کچھ ممالک سے ہم صرف درآمدات کرتے ہیں اور کچھ دیگر ممالک کو صرف برآمد کرتے ہیں۔ پاکستان کی حکومت درآمدی اور برآمدی اشیا پر مختلف شرحوں سے ٹیکس لگائے ہوئے ہے۔ جنہیں کسٹمز ڈیوٹی کہا جاتا ہے۔ کسٹمز ڈیوٹی سے ہر حکومت کو خطیر رقم ملتی ہے۔ ہمارے ہاں تجارت خارجہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے سبب حکومت کی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ 08-2007ء کے سال کے دوران حکومت پاکستان نے صرف کسٹمز ڈیوٹی کے ذریعے قریباً 154000 ملین روپیہ کمایا۔

12۔ماہرانہ خدمات کا حصول

معاشی ترقی کا ایک اہم بنیادی تقاضا یہ ہے کہ متعلقہ ملک کو ماہرین کی خدمات دستیاب ہوں۔ ماہرانہ خدمات کے لئے زرمبادلہ کی ضرورت ہوتی ہے جو برآمدات کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ پاکستان نے بھی عالمی شہرت کے ماہرین کی خدمات حاصل کی ہیں۔ تربیلا ڈیم، اسلحہ ساز فیکٹری، ریلوں کے ڈبے بنانے کا ادارہ، قاسم پورٹ کی تعمیر اور چشمہ رائٹ بینک کینال وہ شعبے ہیں جہاں ہمیں غیر ملکی ماہرین کی خدمات کی اشد ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ کام ایسی نوعیت کے تھے کہ ہم ملکی ماہرین پر اکتفا کرکے انہیں جلد مکمل نہ کر سکتے تھے۔ ان ماہرین کا گراں قدر معاوضہ ہم نے تجارت خارجہ کے ذریعے کمائے ہوئے زرمبادلہ سے ادا کیا۔

1.3 اہم نکات

1۔ موجودہ دور میں کوئی بھی ملک بین الاقوامی تجارت کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتا۔
2۔ بین الاقوامی تجارت سے بہت فائدے وابستہ ہوتے ہیں اس لئے ہر ملک اس تجارت میں شرکت کا خواہش مند ہوتا ہے۔
3۔ تجارت خارجہ کی اہمیت کا اندازہ کئی امور سے لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً اس تجارت کے ذریعے غیر ملکی اشیا استعمال میں آنے لگتی ہیں۔
4۔ مقامی مہنگی پیداوار کی جگہ باہر سے سستی اشیا کا حصول تجارت خارجہ کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔
5۔ فاضل مقامی پیداوار کا نکاس غیر ملکی تجارت کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔

6۔ ہنگامی حالات کا مقابلہ غیر ملکی تجارت کی بنا پر با آسانی کیا جاسکتا ہے۔

7۔ معاشی ترقی کی ضمانت، بڑے پیمانے کے فوائد اور فنی معلومات کا حصول غیر ملکی تجارت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

8۔ غیر ملکی تجارت اس لئے ہی اہم ہے کہ اس سے امن عالم کو استحکام ملتا ہے ۔قرضے اور امداد کا بندوبست ہوتا ہے، روزگار میں وسعت، حکومت کی آمدنی میں اضافہ اور ماہرانہ خدمات کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

1.4 خود آزمائی

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے۔

1۔ پاکستان کی معیشت کی نوعیت کیسی ہے۔

بند	کھلی

2۔ پاکستان کی برآمدی اشیا غیر ملکی تجارت کے ذریعے ہی بیرونی ممالک میں فروخت ہوتی ہیں۔

ہاں	نہیں

3۔ پاکستان کو کوئی قسم کی فنی معلومات اور ماہرانہ خدمات بین الاقوامی تجارت میں شریک ہونے کی بنا پر ہی ملی ہیں۔

ہاں	نہیں

4۔ یہ بتائیے کہ اگر ہم نے غیر ملکی تجارت کو فروغ نہ دیا ہوتا تو ہماری معاشی ترقی کی رفتار بہت آہستہ ہوتی یا بہت تیز۔

آہستہ	تیز

5۔ بین الاقوامی تجارت میں شرکت سے شریک ممالک کے روزگار کے وسائل وسیع ہو جاتے ہیں یا قلیل۔

وسیع	قلیل

6۔ ملکی تجارت سے وابستگی کے سبب ہر ملک کی خواہش ہوتی ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں امن قائم رہے۔ کیا یہ بات درست ہے۔

ہاں	نہیں

2- پاکستان کی برآمدات و درآمدات

2.1 تعارف

شروع ہی سے پاکستان اس بات کا آرزومند رہا ہے کہ اس کی غیر ممالک سے تجارت میں توسیع ہو۔ اس توسیع کا اظہار اس چیز سے ہوتا ہے کہ ہم دنیا کے مختلف ملکوں سے درآمدات بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ کر رہے ہیں اور دوسرے ملکوں کو ہماری برآمدات بھی پہلے سے بڑھ رہی ہیں۔ ذیل میں ہم پاکستان کی چیدہ چیدہ برآمدات اور درآمدات کا جائزہ لے رہے ہیں۔

2.2 برآمدات

پاکستان کی اہم برآمدات درج ذیل ہیں۔

1۔کپاس

پاکستان کی یہ اہم ریشہ دار فصل ہے۔ ہماری برآمدی کمائی میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیامیں کپاس کی عالمی پیداوار کا 20 فیصد حصہ صرف پاکستان میں پیدا ہوتا ہے۔ ہماری کپاس کے زیادہ تر خریدار جاپان، برطانیہ، چین، پولینڈ، رومانیہ اور ہانگ کانگ ہیں۔

برآمدی مالیت

2006-07ء میں پاکستان نے قریباً 45.3 ملین ڈالر کی کپاس برآمد کی جبکہ 2007-08ء میں یہ برآمدی مالیت بڑھ کر 58.1 ملین ڈالر ہوگئی۔

2۔کپاس کی مصنوعات

شروع میں ہماری کپاس کی مصنوعات کی برآمدات بہت محدود تھی۔ بعد میں ان کی برآمد کوفروغ حاصل ہوا۔سوتی کپڑے کی صنعت نے پاکستان میں بہت ترقی کی ہے۔کئی ملکوں نے ہمارے کپڑے کے مقابلے میں اپنی صنعت کوتامین دی ہوئی ہے۔

خریدار

کپاس کی مصنوعات کے زیادہ تر خریدار افغانستان، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا ہیں۔ ہانگ کانگ، برما اور سری

لنکا وغیرہ پاکستان سے سوتی دھاگہ منگواتے ہیں۔

برآمدی مالیت

2006-07ء کپاس کی مصنوعات کی برآمد سے پاکستان کو قریباً 8829.7 ملین ڈالر کی آمدنی ہوئی۔ 2007-08 میں یہ آمدنی کم ہوکر 8591.5 ملین ڈالر ہوگئی۔

3۔چاول

چاول پر پاکستان کی اہم زرعی فصل ہے۔ پاکستان میں اس کا استعمال بڑھ رہاہے۔شروع میں چاول برآمد نہیں کیا جاتا تھا۔مگر اب چاول کی اعلیٰ قسموں کی پیداوار اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ اسے برآمد کرنا پڑتا ہے۔

خریدار

ہمارے چاول کے خریدار سعودی عرب، کویت، برطانیہ، روس اور عراق وغیرہ ہیں۔

برآمدی مالیت

پاکستان نے 2006-07ء میں قریباً 942 ملین ڈالر کا چاول برآمد کیا جبکہ 2007-08 ء میں پاکستان کو چاول کی برآمد سے 1210.9 ملین ڈالر کی آمدنی ہوئی۔

4۔کھالیں اور چمڑا

ہماری ایک اہم برآمدی شے کھالیں اور چمڑا بھی ہے۔ ہمارے ہاں اچھی نسل کے جانور پالے اور قربان کئے جاتے ہیں۔ ان جانوروں کی کھالیں بیرون ملک جوتے بنانے اور چمڑے کی مصنوعات تیار کرنے کے کام آتی ہیں۔

خریدار

پاکستان سے کھالیں اور چمڑا خریدنے والے ملکوں میں برطانیہ، جرمنی اور امریکہ شامل ہیں۔ 1976ء کے بعد خود ہمارے ہاں کھالوں اور چمڑے کا استعمال اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب کئی ملکوں کو ہم یہ چیزیں برآمد نہیں کرتے۔

برآمدی مالیت

2006-07ء میں ہم نے 279.8 ملین ڈالر کی مالیت کی کھالیں اور چمڑا برآمد کیا۔2007-08ء میں

یہ مالیت 338.6 ملین ڈالر ہوگئی۔

5۔مچھلی

مچھلی اور مچھلی سے تیار کردہ دوسری اشیا کی برآمد بھی ہمارے ملک کے لئے زرمبادلہ کا آسان اور معقول راستہ ہے۔کھلا اور محفوظ سمندر، دریا اور جھیلیں موجود ہونے کی بناء پر مچھلی پکڑنا، اس کی مصنوعات تیار کرنا اور برآمد کرنا نسبتاً سستا معاملہ ہے۔

خریدار

مچھلی اور اس کی مصنوعات پاکستان سے مشرق وسطیٰ کے ممالک کو برآمد کی جاتی ہیں۔

برآمدی مالیت

2006-07 ء میں مچھلی کی برآمد سے پاکستان نے قریباً 158.2 ملین ڈالر کمایا جبکہ اس شعبے سے 2007-08 ء میں ہماری برآمدی کمائی 165.9 ملین ڈالر سے بھی زیادہ ہے۔

6۔قالین اور غالیچے

پاکستانی اون، سستی مزدوری اور مقامی ہنرمندوں کی وساطت سے ہم نے قالین اور غالیچے برآمد کرنے کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ بیرونی ممالک میں ان اشیا کی منڈیاں وسیع ہیں۔ان کی برآمد میں مسلسل حوصلہ افزا اضافہ ہورہاہے۔

خریدار

قالین اور غالیچوں کے خریدار یورپ، مشرق وسطیٰ کے علاوہ امریکہ میں بھی ہیں۔

برآمدی مالیت

2006-07ء میں قالینوں اور غالیچوں کی برآمد سے پاکستان نے قریباً 193.3 ملین ڈالر کمایا۔ 2007-08ء میں یہی کمائی 182.3 ملین ڈالر ہوگئی ہے۔

7۔متفرقات

ان اشیا کے علاوہ پاکستان سے باہر جانے والی اشیا کی تعداد میں گذشتہ 60 سالوں میں متعدد بار اضافہ ہوا

ہے۔ برآمدی تجارت میں نئی متعارف ہونے والی اشیاء میں جوتے، رنگ و روغن، تمباکو، سلے سلائے کپڑے، ،ادویات، آلات جراحی، کٹلری، ماربل کی اشیا، مولاسس اورکھیلوں کا سامان وغیرہ شامل ہیں۔ ان اشیا کی برآمدی مالیت میں بھی گذشتہ دس سالوں میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ ان اشیا سے حاصل ہونے والی برآمدی کمائی کی تفصیلات درج ذیل گوشوارے میں موجود ہیں:۔

گوشوارہ

نمبرشمار	اشیائے برآمدات	سال 2000ء میں برآمدی مالیت	سال 2005ء میں برآمدی مالیت
1	کٹلری	22.9 ملین ڈالر	30.9 ملین ڈالر
2	جوتے ، ماربل اشیا	10 ملین ڈالر	8.3 ملین ڈالر
3	مولاسس	42.5 ملین ڈالر	71.8 ملین ڈالر
4	سلے سلائے کپڑے	771.7 ملین ڈالر	1108.6 ملین ڈالر
5	ادویات	100.0 ملین ڈالر	381.9 ملین ڈالر
6	آلات جراحی	120.1 ملین ڈالر	172.2 ملین ڈالر
7	کھیلوں کا سامان	279.2 ملین ڈالر	315.0 ملین ڈالر

مختلف وجوہات کے سبب درج بالا برآمدات میں مختلف شرح سے اضافہ ہوا ہے۔مگر یہ بات مسلمہ ہے کہ مذکورہ بالا اعداد وشمار سے برآمدات میں مسلسل اضافہ کا پتہ چلتا ہے

2.3 درآمدات

درآمدی پالیسی

پاکستان میں درآمدات سرکاری کنٹرول میں ہیں۔کوئی شخص یا ادارہ حکومت کی اجازت کے بغیر یعنی لائسنس کے بغیر کسی ملک سے کوئی چیز درآمد نہیں کرسکتا۔ حکومت سال میں دو مرتبہ درآمدی پالیسی کا اعلان کرتی ہے۔ ہر پالیسی چھ ماہ (جولائی تا دسمبر اور جنوری تا جون) کے عرصے کے لئے مؤثر ہوتی ہے۔ ہماری درآمدات کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے۔

اوّل: وہ درآمدات جو حکومت خود کرتی ہے مثلاً کوئلہ، اناج اور دفاع کا سامان۔
دوئم: وہ اشیاء جو لائسنس حاصل کرنے کے بعد منگوائی جاسکتی ہیں:۔

درآمدات کی نوعیت

ہماری درآمدی اشیا کی نوعیت تین طرح کی ہے۔ پہلی قسم اشیائے سرمایہ کی ہے یعنی مشینیں، پلانٹ، فاضل پرزے وغیرہ۔ دوسری قسم صنعتی خام مال کی ہے، اس میں لوہا، فولاد، تیل و پٹرول اور دھاتیں وغیرہ شامل ہیں۔ تیسری قسم اشیائے صارفین کی ہے۔ ان اشیاء میں کاربن، زیبائش کا سامان، کپڑا، آرائشی سامان وغیرہ شامل ہیں۔

ہماری چیدہ چیدہ درآمدات حسب ذیل ہیں:۔

1۔لوہا اورفولاد

لوہا اور فولاد صنعتی ترقی کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ پاکستان میں ان کی درآمد بڑھتی چلی گئی ہے۔ ہر شعبہ کا ساز و سامان انہی دو چیزوں سے بنتا ہے۔ یہ دونوں ہی ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوتیں۔ ہمارا فولاد کا پہلا کارخانہ کراچی میں کام کرنا شروع کر چکا ہے۔

ذرائع

لوہے اور فولاد کی درآمد پاکستان میں امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس اور جاپان سے ہوتی ہے۔

مالیت

2006-07ء میں لوہے اور فولاد کی درآمد پر 294.0 ملین ڈالر خرچ ہوا جبکہ 2007-08ء میں ان کی درآمدی مالیت 511.6 ملین ڈالر سے تجاوز کرگئی۔

2۔ پٹرول

صنعت، ریلوے، ٹرانسپورٹ اور دیگر تجارتی شعبوں کی ترقی و توسیع کے لئے پٹرول قوت محرکہ کا کام کرتا ہے۔ پٹرول خود ہمارے ہاں بھی پیدا اور صاف ہوتا ہے مگر ہماری مجموعی ضروریات کے مقابلے میں اس کی رسد محدود ہے۔ طلب و رسد کے درمیان پایا جانے والا فرق درآمد سے پورا کیا جاتا ہے۔

ذرائع

ہمیں بھی دیگر ممالک کی طرح پٹرول مشرق وسطیٰ کے ممالک سے باآسانی مل جاتا ہے۔ سعودی عرب،

کویت، عرب امارات وغیرہ سے پاکستان تیل اور پٹرول درآمد کرتا ہے۔

مالیت

2006-07ء میں پٹرول وغیرہ کی درآمد پر پاکستان نے 5896.6 ملین ڈالر خرچ کیا جبکہ 2007-08ء میں اس مد پر 8670.4 ملین ڈالر صرف ہوا۔

خوردنی تیل

خوردنی تیل کے معاملے میں بھی پاکستان خودکفیل نہیں۔ روز مرہ استعمال میں آنے والا خوردنی تیل کافی بڑی مقدار میں درآمد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اب اس کی مقامی پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔ مگر خودکفالت کی منزل ابھی بہت دور ہے۔

ذرائع

خوردنی تیل پاکستان کو مہیا کرنے والے ممالک میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ اور آسٹریلیا شامل ہیں۔

مالیت

2006-07ء میں خوردنی تیل کی درآمد پر قریباً 768.4 ملین ڈالر صرف ہوا جبکہ اس مد میں 2007-08ء میں 309.2 ملین ڈالر سے زیادہ خرچ ہوا۔

4۔خوردنی اجناس

لگاتار کوششوں کے طفیل پاکستان 1980-81ء میں آ کر خوراک والی اجناس کے سلسلے میں خودکفیل ہوگیا ہے مگر اس سال سے پیشتر تک حالت یہ تھی کہ دالیں، آٹا اور دوسری خوردنی اجناس باہر سے درامد کی جاتی تھیں تاکہ عوام کو خوراک کی قلت کا سامنا نہ ہو۔

ذرائع

خوردنی اجناس جن ملکوں سے درآمد کی جاتی رہی ہیں ان میں امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا شامل ہیں۔

مالیت

2006-07ء میں خوردنی اجناس کی درآمد پر تقریباً 2371.8 ملیں ڈالر خرچ ہوا جبکہ 2007-08 میں

ان کی درآمد پر تقریباً 3523.7 ملین ڈالر خرچ کرنا پڑا۔

5۔کھاد

بنیادی طور پر زرعی ملک ہونے کے ناطے سے پاکستان کو اپنی کثیر زرعی آبادی کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے کھادیں باہر سے منگوانی پڑتی ہیں۔ زرعی پیداوار میں ترقی کا دارومدار کھادوں کی فراہمی پر ہے۔حکومت اس سلسلے میں ''اعانہ'' بھی دیتی ہے۔کھاد کے چند کارخانے ہمارے ملک میں کام کررہے ہیں۔مگر ان کی مجموعی پیداوار ہماری کل طلب سے بہت کم ہے۔

ذرائع

پاکستان زیادہ تر امریکہ، جرمنی، آسٹریلیا اور فرانس سے کھادیں درآمد کرتا ہے۔

مالیت

2006-07ء میں کیمیاوی کھادوں کی درآمد کی مد پر 280.9 ملین ڈالر خرچ ہوا جبکہ 2007-08ء میں یہ خرچہ بڑھ کر 823.3 ملین ڈالر سے بھی زیادہ ہوگیا۔

6۔مشینیں

صنعتی، تجارتی اور زرعی شعبے کے لئے مشینیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔مشینوں کے استعمال سے وقت کی بچت، لاگت میں کمی اور پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ملک میں بھی بنتی ہیں اور باہر سے درآمد بھی کی جاتی ہیں۔

ذرائع

یہ مشینیں زیادہ تر یورپی اور امریکی ملکوں کے علاوہ چین اور جاپان سے بھی منگوائی جاتی ہیں۔

مالیت

2006-07ء میں بجلی اور اس کے بغیر چلنے والی مشینوں کی درآمد پر 3953.6 ملین ڈالر کا خرچہ ہوا۔ 2007-08ء میں یہ خرچ بڑھ کر 4224.5 ملین ڈالر ہوگیا۔

7۔ٹرانسپورٹ

ریلوے، سڑکوں اور دوسرے نقل وحمل کے ذرائع کیلئے سازوسامان بھی باہر سے منگوایا جاتا ہے۔ اس شعبہ

میں بھی درآمدی خرچ بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے جو دراصل معاشی ترقی کا تقاضا ہے۔ بسیں، ٹرک، پک اپ، موٹریں، فاضل پرزے اور ریلوے کا سامان اس شعبے میں شامل ہے۔

ذرائع

ٹرانسپورٹ کا سامان جاپان، جرمنی، چین، امریکہ اور یورپی ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے۔

مالیت

ٹرانسپورٹ کا سامان منگوانے پر 07-2006ء میں پاکستان نے 1199.7 ملین ڈالر خرچ کیا یہ خرچ 08-2007ء میں کم ہوکر 1096.3 ملین ڈالر ہوگیا۔

متفرقات

مذکورہ بالا اشیا کے علاوہ کئی دیگر اشیا بھی پاکستان میں درآمد ہوتی ہیں۔ آیئے ان کی مالیت کا اندازہ درج ذیل گوشوارے سے کرتے ہیں۔

گوشوارہ

(ملین ڈالر میں)

نمبر شمار	درآمدی اشیاء	07-2006ء میں مالیت	08-2007ء میں مالیت
1	کیمیاوی اشیا	1848.5	2362.0
2	بجلی کا سامان	531.6	607.7
3	چائے	184.3	167.4
4	چینی	256.1	13.3
5	مصنوعی دھاگا	193.6	240.3
6	پلاسٹک	951.2	1068.3
7	کیڑے مار دوائیں	79.5	80.3

مذکورہ بالا گوشوارے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درآمدات کی مالیت میں گذشتہ دس سالوں میں

بہت تیزی سے اضافہ رونما ہوا ہے۔ اس رفتار سے ہماری برآمدی اشیا کی مالیت میں اضافہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا توازن تجارت (اور توازن ادائیگی بھی) ہمیشہ سے غیر موافق رہا ہے۔

2.4 اہم نکات

1۔ پاکستان معاشی ترقی کر رہا ہے۔ اس معاشی ترقی کی بدولت ہمارے ہاں کی اشیا کی پیداوار اس تیزی سے بڑھی ہے کہ اب ہم نے انہیں برآمد کرنا شروع کر دیا ہے۔

2۔ ہماری برآمدات میں کپاس، کپاس کی مصنوعات، چاول، اون، کھالیں اور چمڑا، مچھلی، قالین، رنگ و روغن، جوتے، تمباکو اور آلات جراحی وغیرہ شامل ہیں۔

3۔ ہماری برآمدی اشیاء کے خریدار برطانیہ، امریکہ، چین، جاپان، مشرق وسطیٰ اور یورپی ممالک ہیں۔

4۔ ہماری درآمدی اشیا تین طرح کی ہیں مثلاً اشیا سرمایہ، صنعتی خام مال اور اشیائے صارفین۔

5۔ درآمدات پاکستان میں یا تو حکومت خود کرتی ہے یا لائسنس کے ذریعے کسی شخص یا ادارہ کو اس کا مجاز بنا دیا جاتا ہے۔ بغیر اجازت درآمدات کرنا ممنوع ہے۔

6۔ ہماری درآمدی اشیاء میں لوہا، فولاد، پٹرول، خوردنی تیل، کھاد، مشینیں، ٹرانسپورٹ کا سامان، رنگ، چینی، دھاتیں، چائے اور کاغذ وغیرہ شامل ہیں۔

2.5 خود آزمائی

صحیح جواب منتخب کیجئے

7۔ پاکستان میں کپاس کی پیداوار، عالمی پیداوار کا 20 فیصد ہوتی ہے۔ کیا یہ درست ہے۔

ہاں	نہیں

8۔ کھالیں اور چمڑا پاکستان کی اہم برآمدات میں شامل ہیں۔

ہاں	نہیں

9۔ تمباکو پاکستان کی اہم برآمدی اشیا میں شامل ہے۔

ہاں	نہیں

10۔ امریکہ پاکستان سے کوئی بھی شے درآمد نہیں کرتا۔ کیا یہ بیان درست ہے۔

ہاں	نہیں

11۔ ہماری تمام درآمدی اشیا، نوعیت کے لحاظ سے ایک جیسی ہیں۔ کیا آپ اس بات سے اتفاق کریں گے۔

ہاں	نہیں

12۔ قانونی طور پر پاکستان میں درآمدات حکومت کی مرضی اوراجازت کے بغیر بھی کی جاسکتی ہیں کیا یہ بیان درست ہے۔

ہاں	نہیں

13۔ تیل اور پٹرول کی درآمد پر پاکستان کا خرچ گھٹ رہا ہے یا بڑھ رہا ہے۔

گھٹ رہا ہے	بڑھ رہا ہے

14۔ کیا یہ بات درست ہے کہ لوہے اور فولاد کی پیداوار کے سلسلے میں پاکستان خود کفیل ہے۔

ہاں	نہیں

15۔ 09-2006ء کے مقابلے میں 08-2007ء میں لوہے اور فولاد کی درآمد پر پاکستان کا خرچ کتنے گنا ہوگیا۔

تقریباً 4 گنا	تقریباً 14 گنا	تقریباً 2 گنا

16۔ پاکستان پٹرول کی درآمد بنگلہ دیش سے کرتا ہے کیا یہ بات درست ہے۔

ہاں	نہیں

3۔ توازن ادائیگی

3.1 تعارف

ہر ملک دوسرے ممالک کو اشیا اور خدمات فراہم کرتا ہے اور ان کے بدلے زرمبادلہ حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے ممالک پہلے ملک کو اشیا اور خدمات مہیا کرتے ہیں اور پہلے ملک سے انہیں کمائی زرمبادلہ میں ملتی ہے۔ اس طرح ہر ملک دوسروں کی ادائیگی کا ذمہ دار اور دوسرے سے وصولیات لینے کا حق دار بھی ہوتا ہے۔ ادائیگیوں کو واجبات کہا جائے تو ہم یوں بیان کرسکتے ہیں کہ کوئی ایسا کھاتہ جو کسی ملک کے واجبات اور وصولیات کا حساب کتاب پیش کرتا ہو اسے توازن ادائیگی (Balance of Payments) کہا جائے گا۔

3.2 اقسام

توازن ادائیگی تین طرح کا ہوسکتا ہے: فاضل، متوازن اور خسارے والا۔ فاضل توازن ادائیگی (Surplus) وہ ہوتا ہے جب کسی ملک کو ملنے والی وصولیات زیادہ اور واجبات کم ہوں۔ متوازن توازن ادائیگی وہ ہوتا ہے جس میں وصولیات اور واجبات دونوں برابر ہوتے ہیں۔ خسارے والا توازن ادائیگی وہ ہوتا ہے جس میں کسی ملک کی وصولیات کم اور واجبات زیادہ ہوں۔

3.3 طویل عرصے کی کیفیت

توازن ادائیگی میں اگر خسارہ ہوتو غیرممالک سے قرضے لیکر اس خسارہ کو پورا کرلیا جاتا ہے اور جب توازن ادائیگی فاضل نوعیت کا ہوتو سابقہ قرضے اتار کر فاضل رقوم سے خلاصی حاصل کی جاتی ہے۔ طویل عرصے میں توازن ادائیگی نہ مثبت (فاضل) ہوتا ہے نہ منفی (خسارے والا)۔ قلیل عرصے میں تو ممکن ہے کہ کسی ایک ملک کے توازن ادائیگی میں وصولیات اس کی واجبات سے بڑھ جائیں یا واجبات زیادہ اور وصولیات کم ہوں مگر طویل عرصہ میں وصولیات اور واجبات دونوں برابر ہوتے ہیں۔

3.4 فاضل توازن ادائیگی کے سال اور اسباب

پاکستان کا توازن ادائیگی 1947ء سے لیکر اب تک خسارہ میں رہا، ماسوائے پانچ سالوں کے۔ جن

پانچسالوں میں ہمارا توازن ادائیگی فاضل رہا وہ یہ تھے۔ 51-1950ء، 55-1954ء، 56-1955ء، 59-1958 ء اور 60-1959ء۔ پہلی مرتبہ ہمارے توازن ادائیگی نے خسارہ سے نکل کر فاضل حیثیت 51-1950ء میں حاصل کی۔ اس کی وجہ جنگ کوریا تھی۔ اس جنگ کے طول پکڑ جانے کے خوف نے صنعتی ممالک کو خام مال ذخیرہ کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے پاکستان سے کپاس اور پٹ سن مہنگے داموں خریدے۔ 55-1954ء میں حکومت کی طرف سے سخت پابندیوں کے باعث توازن ادائیگی فاضل ہوگیا۔ 56-1955ء میں ہمارے توازن ادائیگی کے فاضل بننے کا باعث پاکستانی روپے کی بیرونی قدر میں کمی (Devaluation) تھی۔ 59-1958ء میں توازن ادائیگی کا فاضل رہنا حکومت کی سخت پالیسیوں اور درآمدی لائسنسوں کا اجرا کا مرہون منت تھا۔ 60-1959ء میں توازن ادائیگی اس لئے فاضل رہا کہ پہلی مارشل لاء حکومت نے ترقیاتی پروگراموں کے لئے تمویل خاسر (Deficit Financig) یعنی نئے نوٹ چھاپنے کی پالیسی پر انحصار ترک کردیا اور ساتھ ہی برآمدات کے فروغ کے لئے کئی اقدامات کئے۔

3.5 توازن ادائیگی کی خرابی کی وجوہات

مذکورہ بالا پانچ سالوں کے علاوہ پاکستان کا توازن ادائیگی ہمیشہ غیر موافق رہا ہے۔ ادائیگی کے توازن میں خرابی کی وجوہات درج ذیل ہیں:۔

1۔درآمدات

ترقی پذیر ملک ہونے کی وجہ سے پاکستان کی زراعتی، صنعتی اور دیگر منصوبوں کے لئے مشینیں، خام مال، پرزے، ریلوے کے انجن، بجلی کا سامان، کیمیاوی اشیا، کھادیں اور کئی دیگر اشیا باہر سے منگوانی پڑتی ہیں ان درآمدات میں مسلسل اضافہ ہورہاہے۔ 07-2006ء میں درآمدات پر ہمارا خرچ 26614 ملین ڈالر تھا۔ 08-2007ء میں بڑھ کر 28586 ملین ڈالر ہوگیا۔

2۔درآمدات کی قیمتوں میں اضافہ

عالمی معاشی حالات کسی ایک ملک کے زیراثر نہیں ہیں۔ عالمی منڈیوں میں صنعتی اورنیم صنعتی اشیا کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہاہے۔ ایک اندازے کے مطابق عالمی سطح پرصنعتی اشیا کی قیمتوں میں کم ازکم اوسط اضافہ 15 فیصد سالانہ ہے۔ اس اضافہ کی بدولت ہمارے واجبات زیادہ ہو جاتے ہیں۔

3۔عالمی مقابلہ

برآمدات ہی ہمارے لئے زرمبادلہ کی کمائی کا اہم ذریعہ ہیں۔ ہمارے لئے برآمدات کا بڑھانامشکل ہو

جاتا ہے۔ بین الاقوامی منڈیوں میں مقابلہ کی شدت اس قدر زیادہ ہے کہ ہماری برآمدی اشیا کا معیار عالمی معیار سے کافی کم ہے، اس لئے بھی عالمی منڈیوں میں ہماری اشیا کے لئے گنجائش کم ہوتی ہے۔ عالمی مقابلہ کے سبب ہماری وصولیات محدود ہو جاتی ہیں۔

4۔ غیر مرئی درآمدات میں اضافہ

ملک میں صنعتی ترقی تیز نہ ہونے کے سبب اور کچھ عالمی مجبوریوں کے تحت ہماری غیر مرئی درآمدات بڑھتی جارہی ہیں۔ غیر ملکی جہاز ران کمپنیوں کی خدمات، غیر ملکی بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کی خدمات، ہوائی سفر کی سہولتیں مہیا کرنے والی غیر ملکی کمپنیوں کی خدمات، غیر ملکوں میں ہمارے طلبہ کا تعلیم حاصل کرنا، غیر ممالک میں پاکستانیوں کا سیاح بن کر جانااور سفارتی سطح پر مختلف اخراجات کے باعث ہمارے واجبات بڑھتے جارہے ہیں۔

5۔ ملکی مصرف میں اضافہ

قیام پاکستان کے وقت ہم کئی طرح کا خام مال باہر بھیجتے تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان اشیا کی ملکی مانگ بڑھتی چلی گئی بلکہ صرف خام مال ہی نہیں دیگر اشیائے صارفین اور مصنوعات کے زمرے میں بھی ملکی کھپت بڑھ جانے کے باعث ان کی برآمد کم ہوگئی۔ برآمد میں کمی کے باعث زرمبادلہ کی کمائی متاثر ہوئی اور توازن ادائیگی خراب ہوگیا۔

6۔ برآمدات کی قیمتوں میں کمی

ترقی پذیر ممالک کی برآمدات زیادہ تر خام مال یا نیم تیار شدہ (Semi finished) مصنوعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ پاکستان سے گنا، چاول، تمباکو، کپاس، دھاگہ، سیمنٹ وغیرہ برآمد ہوتا ہے۔ عالمی سطح پر ان اشیا کی قیمتوں میں کمی آرہی ہے۔ اس کمی کا باعث ایک تو مقابلہ کی شدت ہے دوسرے ان اشیا کے متبادلات کا ایجاد ہوجانا ہے۔ اس لئے ہماری برآمدات کی قیمتوں میں کمی آرہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نسبت درآمد و برآمد (Terms of Trade) گرتی جارہی ہے۔ 96-1995ء میں ہماری نسبت درآمد برآمد 99.9 تھی جو 08-2007ء میں کم ہوکر 58.35 رہ گئی۔

نسبت درآمد و برآمد نکلنے کا فارمولا یہ ہے:

$$100\text{x}\ \frac{\text{برآمد کا اشاری عدد}}{\text{درآمدات کا اعشاری عدد}}$$

3.6 توازن ادائیگی کی اصلاح

ذیل میں ہم ان اقدامات کا ذکر کر رہے ہیں جو اب تک حکومت پاکستان نے توازن ادائیگی کی اصلاح کے لئے اُٹھائے ہیں یا جن پر عملدرآمد سے توازن ادائیگی کی خرابی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ اصلاحی اقدامات یہ ہیں۔

1۔مرئی درآمدات میں کمی

درآمدات میں تخفیف سے توازن ادائیگی کی خرابی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ 55-1954ء ، 59-1958ء اور 1972-1971ء میں حکومت پاکستان نے درآمدات پر سخت پابندیاں نافذ کیں اور حوصلہ افزا نتائج حاصل کئے۔ اس وقت کراکری، بسیں، ریلوے کے ڈبے،تعیشات کا سامان، پھل، نیوز پرنٹ، پنکھے، اردو فلمیں، ماچس وغیرہ پر پابندی تھی۔

2۔غیر مرئی درآمدات میں کمی

توازن ادائیگی کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ ہم غیر ملکی جہازوں، بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کی خدمات سے استفادہ کم کرتے چلے جائیں۔ ان کے مقابلے میں مقامی جہازوں، بینکوں اور بیمہ کے اداروں پر انحصار کریں۔ اپنے قومی اداروں کی خدمات سے زیادہ استفادہ کے ذریعے ہی ہم زرمبادلہ میں کفایت کرسکیں گے۔ بینکوں کو قومی ملکیت میں لیکر اور اندرون ملک پی آئی اے کی اجارہ داری قائم کرکے حکومت نے غیر مرئی درآمدات کے عوض ادائیگیوں میں کمی کی کوشش کی تھی۔

3۔ضبط مبادلہ

زرمبادلہ کے استعمال پر حکومت نے پابندی لگائی ہوئی ہے۔ ایک قانون کے ذریعے زرمبادلہ کے استعمال کی اجازت اسٹیٹ بینک آف پاکستان دیتا ہے۔ حج، عمرہ، علاج اور زیارتوں کے لئے زرمبادلہ مخصوص مقدار میں جاری کیا جاتا ہے تاکہ اس کے فضول صرف کو روکا جاسکے۔

4۔ سکے کی قیمت میں کمی

حکومت پاکستان نے پہلی بار 1955ء میں اور دوسری بار 1972ء میں روپے کی بیرونی قیمت میں کمی کا اعلان کیا۔ سکے کی قیمت میں کمی سے برآمدات سستی ہوگئیں اور درآمدات اسی قدر مہنگی ہوگئیں۔ اس طرح برآمدات کی حوصلہ افزائی اور درآمدات کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ سکے کی قیمت میں کمی سے کافی حد تک توازن ادائیگی کے خسارہ پر

قابو پایا گیا۔

5۔ برآمدات میں اضافہ

حکومت پاکستان نے کئی اقدامات ایسے کئے جن کے توسط سے برآمدات میں اضافہ ہوا۔ 96-1995ء میں ہماری برآمدات کی مالیت تقریباً 294741 ملین روپے تھی جو 08-2007 ء میں بڑھ کر 940484 ملین روپے ہوگئی زرمبادلہ کی کمائی میں اضافہ سے توازن ادائیگی کی خرابی کو دور کرنے میں مدد ملی۔

6۔نئی برآمدی اشیا کا تعارف

نہ صرف یہ کہ پاکستان کی روایتی برآمدات میں اضافہ ہوا ہے بلکہ پاکستان سے نئی اشیا بھی باہر کی دنیا میں متعارف ہوئیں اور اب ان کی برآمدات معقول سطح تک پہنچ گئی ہے۔ روایتی برآمدی اشیا (کپاس، اون، کھالیں، چمڑا) کے ساتھ ساتھ اب نئی اشیا بھی برآمد ہورہی ہیں۔ ان نئی اشیا میں سیمنٹ ، فروٹ، جوتے، رنگ و روغن، سلے سلائے کپڑے، غالیچے اور قالین وغیرہ شامل ہیں۔

7۔ برآمدات کی حوصلہ افزائی

برآمدات میں اضافہ سے توازن ادائیگی کی خرابی با آسانی دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے حکومت پاکستان نے برآمدات کو بڑھانے کی غرض سے کئی ترغیبی اقدامات کا اعلان کیا ہے۔ برآمدکنندگان (EXporters) کی حوصلہ افزائی کے لئے کئی اسکیمیں نافذ کیں، ٹیکسوں میں چھوٹ دی اور تجارتی معاہدے کئے۔

3.7اہم نکات

1۔ زرمبادلہ کی شکل میں کمائی اور خرچ کو وصولیات اورواجبات کہتے ہیں۔ ان دونوں کا حساب کتاب رکھنے والی فہرست کوتوازن ادائیگی کہا جاتا ہے۔

2۔ توازن ادائیگی اس وقت فاضل ہوتا ہے جب وصولیات زیادہ اور واجبات کم ہوں، یہ اس وقت متوازن ہوتا ہے جب وصولیات اور واجبات برابر ہوں۔ جس وقت وصولیات کم اورواجبات زیادہ ہوں تو اس وقت توازن ادائیگی منفی، غیر موافق یا خسارہ والا ہوتا ہے۔

3۔ پاکستان کا توازن ادائیگی صرف پانچ سال فاضل رہا یعنی 51-1950ء میں،55-1954ء میں، 56-1955ء میں،59-1958ء میں اور 60-1959ء میں۔

4۔ پاکستان کے توازن ادائیگی کی خرابی کے کئی اسباب ہیں۔ ان میں درآمدات کا کثیر ہونا،

درآمدات کی قیمتوں کا بڑھنا، عالمی مقابلہ کی شدت، غیر مرئی درآمدات میں اضافہ ہونا، ملکی مصرف کا بڑھنا اور برآمدات کی قیمتوں میں کمی آنا شامل ہیں۔

5۔ توازن ادائیگی کی اصلاح کے لئے حکومت پاکستان نے جو اقدامات کئے ہیں ان میں یہ شامل ہیں، مرئی درآمدات میں کمی، غیر مرئی درآمدات میں تخفیف، ایکسچینج کنٹرول، سکے کی قیمت میں کمی، برآمدات میں اضافہ، نئی برآمدی اشیاء کا تعارف اور برآمدات کی حوصلہ افزائی۔

3.8 خود آزمائی

17۔ کسی ملک کی کل وصولیات اور واجبات کے حساب کتاب کو فنی زبان میں کیا کہا جاتا ہے۔

توازن تجارت	
توازن ادائیگی	
فرم کا توازن	
نفی	مثبت

18۔ جب کسی ملک کے واجبات کم اور وصولیات زیادہ ہوں تو توازن ادائیگی کی اس کیفیت کو کیا کہا جاتا ہے۔

منفی	مثبت

19۔ منفی توازن ادائیگی، خسارہ والا توازن ادائیگی، غیر موافق توازن ادائیگی ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ کیا یہ درست ہے۔

ہاں	نہیں

20۔ پاکستان کا توازن ادائیگی کتنے سال فاضل رہا

5 سال	15 سال	25سال

21۔ اب تک پاکستان سے مخصوص اشیا ہی برآمد ہورہی ہیں اور نئی برآمدات کا عالمی منڈیوں میں بالکل تعارف نہیں ہوا۔ کیا یہ بات درست ہے۔

ہاں	نہیں

4۔تجارتی پالیسی

4.1 تعارف

غیر ممالک سے تجارت کے میدان میں ہر ملک مخصوص ترجیحات رکھتا ہے۔کسی ملک سے وہ تجارت کرنا چاہتا ہے۔کسی سے وہ تجارت کا خواہشمند نہیں ہوتا۔کسی ملک سے وہ صرف درآمدات کرتا ہے اور کسی سے صرف برآمدات اور کسی سے درآمدی اور برآمدی دونوں رشتے استوار کرتا ہے۔کسی ملک سے تجارتی معاہدے کرتا ہے اور کسی سی نہیں کرتا،کسی ملک کو تجارت میں ٹیکس کی چھوٹا دیتا ہے اور کسی ملک پر پہلے سے بھی زیادہ محصولات عائد کردیتا ہے۔ بہرحال غیر ممالک سے تجارت کے شعبے میں کوئی ملک جس راستے کا انتخاب کرتا ہے اسے اس کی تجارتی پالیسی کہتے ہیں:۔

4.2 پاکستان کی تجارتی پالیسی

پاکستان کی تجارتی پالیسی کا جائزہ تین عنوانات کے تحت لیا جاسکتا ہے:۔

اول: برآمدات کا شعبہ

دوئم: درآمدات کا شعبہ

سوئم: تجارتی معاہدے

1۔برآمدی شعبہ

برآمدات کے بارے میں حکومت پاکستان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ نہ صرف ان کی مقدار میں اضافہ ہو بلکہ ان کا معیار بھی پہلے سے بہتر ہو۔ برآمدات کی حوصلہ افزائی کے لئے حکومت نے جو اسکیمیں نافذ کیں، وہ درج ذیل ہیں۔

(i)ایکسپورٹ بونس اسکیم:۔ یہ اسکیم (1959ء سے 1972ء تک نافذ رہی۔ اس اسکیم کے تحت برآمدات سے کمائے ہوئے زرمبادلہ کا کچھ حصہ برآمدکنندگان کو انعام کے طور پر دے دیا جاتا تھا جو درآمدات کے لئے استعمال ہوسکتا تھا۔

(ii)ایکسپورٹ پروموشن بیورو:۔ یہ ادارہ 1963ء میں قائم کیا گیا اس ادارے کا حصہ برآمدات کا معیار بہتر کرنا، برآمدی اشیا تیار کرنے والی صنعتوں کے قیام کی سفارش کرنا اور تجارتی وفدوں کے تبادلے وغیرہ ہے یہ ادارہ جانفشانی

سے اپنا کام کر رہا ہے۔

(iii) ایکسپورٹ مارکیٹ ڈیولپمنٹ:۔ پاکستانی تاجروں کو بیرونی منڈیوں میں پاکستانی اشیا کی مانگ اور کھپت سے آگاہ کرنے کے لئے حکومت نے یہ فنڈ اپنے پیسے سے قائم کیا ہے۔ اس فنڈ کے قیام سے نئی اشیا برآمد کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔

(iv) ایکسپورٹ کریڈٹ گارنٹی سکیم:۔ برآمد کنندگان کو تجارتی اور سیاسی خطرات کے نتیجے میں رونما ہونے والے نقصانات سے بچانے کے لئے حکومت نے ''پاکستان انشورنس کارپوریشن'' قائم کی گئی ہے جو ان خطرات کی ذمہ داری اٹھاتی ہے جو عام بیمہ کمپنیاں قبول نہیں کرتیں۔

(v) آر سی ڈی:۔ ایران اور ترکی کے ساتھ مل کر پاکستان نے 1964ء میں علاقائی تعاون برائے ترقی (R.C.D) کا ایک معاہدہ کیا جس کے تحت دونوں ممالک سے پاکستان کی بیرونی تجارت میں کچھ اضافہ ہوا۔

(vi) ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان:۔ پانچ کروڑ روپے کے سرمایہ سے حکومت نے یہ ادارہ 1967ء میں قائم کیا۔ اس ادارہ کا مقصد تجارتی معاہدوں کو عملی شکل دینا ہے۔ یہ ادارہ ان لوگوں کے لئے ایکسپورٹ ہاؤس کا کام کرتا ہے جو خود اتنی اشیا برآمد نہیں کر سکتے۔ یہ ادارہ اس وقت کافی زیادہ اشیا کی درآمد و برآمد کا کام کرتا ہے۔

2۔ درآمدی شعبہ

درآمدات کے بارے میں حکومت پاکستان کی پالیسی کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

(i) درآمدی اشیا کی تعداد کم سے کم کی جائے تاکہ زرمبادلہ بچایا جاسکے۔

(ii) درآمدی اشیا پر ٹیکس زیادہ سے زیادہ لگائے جائیں تاکہ ان کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی جاسکے۔

(iii) درآمدات کے متبادلات ملک کے اندر تیار کئے جائیں تاکہ ملک خود کفیل ہو سکے۔

(iv) درآمدات کی کھلی اجازت کی جگہ درآمدی لائسنسوں کا نظام رائج رکھا جائے۔

(v) غیر ضروری اشیا اور منشیات کی درآمد ممنوع ہے۔

(vi) صنعتی ترقی کے لئے ضروری خام مال درآمد ہوتا ہے۔

(vii) درآمدی اشیا زیادہ سے زیادہ اپنے جہازوں سے ملک میں لائی جائیں اور ان کا بیمہ بھی قومی بیمہ کمپنیوں سے ہو۔

3۔ تجارتی معاہدے

حکومت پاکستان نے مشرقی اور مغربی سبھی ممالک سے مختلف اوقات میں تجارتی معاہدے کئے ہیں تاکہ

ہماری اشیا کو ان ممالک میں محفوظ منڈیاں دستیاب ہوجائیں اور دوسری طرف ان ممالک سی ہمیں درآمدات لگاتار جاری رہیں۔ دوطرفہ معاہدوں کے علاوہ پاکستان کئی کثیر المملکتی تنظیموں کا بھی رکن رہا ہے۔ ان تنظیموں میں آر، سی، ڈی (R.C.D)، جی اے ٹی ٹی (G.A.T.T) اور دولت مشترکہ COMMON WEALTH وغیرہ شامل ہیں۔ ان تنظیموں میں شرکت سے اراکین ممالک ایک دوسرے سے ترجیحی بنیادوں پر اشیا کا تبادلہ کرتے ہیں اور باہمی تجارت پر کم شرح سے درآمدی و برآمدی محصولات نافذ کرتے ہیں۔ ان تنظیموں میں شرکت سے پاکستان کی تجارت کو توسیع ملی ہے۔

4.3 اہم نکات

1۔ تجارتی میدان میں جس طرز کا راستہ کوئی ملک اختیار کرتا ہے وہ اس کی تجارتی پالیسی ہوتی ہے۔

2۔ پاکستان کی تجارتی پالیسی کا تین شعبوں کے حوالے سے جائزہ لینا ممکن ہے یعنی برآمدات، کا شعبہ درآمدات کا شعبہ اور تجارتی معاہدے۔

3۔ جہاں تک برآمدی شعبے کا تعلق ہے وہاں پاکستان کی کوشش یہی ہے کہ اس کی برآمدات کو فروغ حاصل ہو۔ برآمدات کی حوصلہ افزائی کی لئے جو اسکیمیں شروع کی گئیں، ان میں یہ شامل ہیں: ایکسپورٹ کریڈٹ گارنٹی اسکیم، آر سی ڈی، ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان وغیرہ۔

4۔ درآمدی شعبے میں حکومت کی یہ کوشش ہے کہ درآمدات کو گھٹایا جائے، ان کے نعم البدل ملک میں تیار ہوں، غیر ضروری درآمدات ممنوع ہیں، درآمدات کے لئے لائسنس حاصل کرنا پڑتا ہے۔

5۔ تجارتی معاہدے زیادہ سے زیادہ ملکوں کے ساتھ کئے جا رہے ہیں۔ کئی کثیر الطرفین تنظیموں کا پاکستان بھی رکن ہے۔ ان تنظیموں میں R.C.D ، G.A.T.T، SAARC اور COMMON WEALTH شامل ہیں۔

خود آزمائی

24۔ 'ایکسپورٹ بونس اسکیم' پاکستان میں آج بھی رائج ہے۔ کیا آپ اس بات سے متفق ہیں؟

ہاں	نہیں

25۔ (Export Promotion Bureau) کا قیام کب عمل میں آیا؟

1961ء میں

1963ء میں
1965ء میں

26۔ ’’پاکستان انشورنس کارپوریشن‘‘ آپ کے مکان کو آگ لگنے کے خطرہ کا بیمہ کر لیتی ہے کیا یہ بات درست ہے؟

ہاں	نہیں

27۔ ’آر سی ڈی‘ کی تنظیم میں انڈونیشیا بھی شامل ہے۔کیا یہ درست ہے؟

ہاں	نہیں

فرہنگ

1۔آر سی ڈی (R.C.D) ایران ترکی اور پاکستان کی معاشی ترقی اورتجارت کی توسیع کے لئے 1964ء میں کیا ہوا علاقائی معاہدہ۔

2۔ایکسپورٹ کریڈٹ گارنٹی سکیم (EXport Credit Guarantee Scheme)
وہ سکیم جس کے تحت، پاکستان انشورنس ، برآمد کنندگان کو بیرونی ممالک سے پیسہ نہ ملنے کے خطرات کا بیمہ کرنے کی سہولت دیتی ہے۔

3۔ایکسپورٹ بونس سکیم (Export Bonus Scheme)
وہ سکیم جس کے تحت برآمد کنندگان کو اس کے کمائے ہوئے زرمبادلہ کا کچھ حصہ اس لئے دبا دیا جاتا ہے کہ وہ اسے درآمد کے لئے استعمال کر سکے۔

4۔بیرونی کفایات کسی فیکٹری یا کارخانے کو بغیر کچھ خرچ کئے فیکٹری کی حدود سے باہر سے ملنے والی آسانیاں مثلاً پکی سڑک، اس کا روٹ وغیرہ۔

5۔تجارتی پالیسی تجارت اور ٹیکس کے بارے میں کسی ملک کا طرزِ عمل

6۔تجارت ومحصول کا معاہدہ عام (G.A.T.T)
اقوام متحدہ میں اکثر قوموں کا یہ معاہدہ کہ وہ ایک دوسرے سے تجارت کرتے ہوئے کم از کم محصول عائد کریں گی۔

7۔تمویل خاسر نئے نوٹ چھاپ کر منصوبوں کے لئے روپیہ فراہم کرنا۔

8۔توازن ادائیگی وصولیات اور واجبات کا کچا چٹھہ۔

9۔ دولت مشترکہ — برطانیہ کی نو آبادیات پر مشتمل ایک تنظیم جس کے رکن ممالک تجارت میں ایک دوسرے کو ہر لحاظ سے ترجیح دیتے ہیں اور کم محصول عائد کرتے ہیں۔

10۔غیر مرئی درآمدات — غیر ملکی بینکوں، جہازوں اور کمپنیوں کی خدمات وغیرہ سے استفادہ کرنے پر پیسہ خرچ کرنا۔

11۔فاضل توازن ادائیگی — وصولیات کا واجبات سے زیادہ ہونا۔

12۔کھلی معیشت — وہ ملک جو دوسرے ملکوں سے تجارت کرتا ہو۔

جوابات

1۔ کھلی	2۔ ہاں	3۔ ہاں	4۔ آہستہ
5۔ وسیع	6۔ ہاں	7۔ ہاں	8۔ ہاں
9۔ ہاں	10۔نہیں	11۔نہیں	12۔نہیں
13۔ بڑھ رہا ہے۔	14۔نہیں	15۔قریباً چار گنا	16۔نہیں
17۔توازن ادائیگی	18۔مثبت	19۔ ہاں	20۔ 5 سال
21۔نہیں	22۔ دیکھئے سیکشن 3.5	23۔ دیکھئے سیکشن 3.6	24۔نہیں
25۔ 1963ء میں	26۔نہیں	27۔نہیں	

کتابیات

1۔ اکنامک سروے آف پاکستان (08-2007) .... وزارت خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد۔

2۔ پاکستان: ایک ترقی پذیر معیشت (انگریزی) .... ڈاکٹر ایس ایم اختر

3۔ بنیادی حقائق (انگریزی) .... وزارت خزانہ، حکومت پاکستان، اسلام آباد۔

یونٹ 13

پاکستان کی گھریلو تجارت

تحریر
عبدالرحیم نیّر

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد	406
1۔ پاکستان میں منظّم گھریلو منڈی کی ضرورت اور اہمیت	407
1.1 منظّم منڈی کا مفہوم	407
1.2 منظّم منڈی اور بنیادی معاشی فیصلے	407
1.3 پاکستان میں منظّم منڈیوں کا فعال کردار	409
1.4 اہم نکات	410
1.5 خود آزمائی	410
2۔منڈی کی ناکاملیات	412
2.1 ناکاملیات کا مفہوم	412
2.2 منڈی کی خامیاں	412
2.3 منڈی کی خامیوں کا تدارک	413
2.4 اہم نکات	414
2.5 خود آزمائی	415
3۔پاکستان کی منڈیوں کی خصوصیات	416
3.1 پاکستان میں منڈیاتی نظام	416
3.2 زرعی اجناس کی منڈی	416
3.3 زرعی منڈیوں کی اصلاح	418
3.4 صنعتی اشیا کی منڈی	419
3.5 عاملینِ پیداوار کی منڈی	420

3.6	زر اور سرمایہ کی منڈی	421
3.7	اہم نکات	424
3.8	خود آزمائی	426
	فرہنگ	427
	جوابات خود آزمائی	428
	کتابیات	428

یونٹ کے مقاصد

امید ہے اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں کہ یہ معلوم کرسکیں کہ :

(i) پاکستان کی معاشی ترقی میں مربوط اور منظّم منڈیوں کا مقام

(ii) پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کی منڈی میں کیا کیا خامیاں (یا ناکاملیات) موجود ہیں اور وہ قومی پیداوار پر کس طرح غیر موافق اثرات ڈالتی ہیں۔ ان خامیوں کو دور کرنے کیلئے کیا کچھ کیا گیا ہے اور کیا کچھ کیا جاسکتا ہے۔

(iii) پاکستان میں زرعی اجناس کی منڈیوں کی خصوصیات کیا ہیں۔

(iv) ہمارے ملک کی صنعتی اشیا کی منڈیوں سے متعلق مسائل کیا ہیں۔

(v) پاکستان میں عاملین پیداوار کی خدمات کی منڈی کی کیفیت کیا ہے۔

(vi) ہمارا بازار زر اور بازار سرمایہ کن اداروں پر مشتمل ہے اور کن مسائل سے دوچار ہے۔

1۔ پاکستان میں منظّم گھریلو منڈی کی ضروریات و اہمیت

1.1 منظّم منڈی کا مفہوم

ہمارا روزمرہ زندگی کا تجربہ ہے کہ ضروریات زندگی خریدنے کے لئے ہم بازار جاتے ہیں اور دکانداروں یا تاجروں سے مختلف اشیا و خدمات مثلاً آٹا، گھی، چاول، صابن، کپڑا وغیرہ خریدتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے ہماری حیثیت ایک خریدار کی ہوتی ہے اور تاجر یا دوکاندار کی حیثیت ایک فروخت کار کی۔ گویا تجارت میں دوفریق شریک ہوتے ہیں اور ان کے باہمی رابطہ اور سودا بازی سے کسی شے کی ایک قیمت مقرر ہو جاتی ہے۔ جس قیمت پر کوئی ایک خریدار جتنی مقدار میں چاہے شے خرید سکتا ہے اور فروخت کار جتنا چاہے بیچ سکتا ہے۔ گویا ایک منظّم منڈی میں مکمل مقابلہ کی شرائط موجود ہوتی ہیں۔

1.2 منظّم منڈی اور بنیادی معاشی فیصلے

ہر معاشی نظام کو تین بنیادی فیصلے کرنا پڑتے ہیں۔

(الف) کیا شے بنائی جائے۔

(ب) کیسے بنائی جائے۔

(ج) کس کے لئے بنائی جائے۔

یہ تینوں اہم فیصلے ایک آزاد اور مخلوط معیشت میں منڈی کی میکانیت یا قیمتوں کے طریقہ کار سے طے پاتے ہیں۔ آجر حضرات (یعنی اشیا بنانے والے) صرف وہ اشیا پیداواری مراکز یعنی کھیتوں اور کارخانوں میں تیار کرکے منڈی میں بھیجتے ہیں۔ جن کی قیمت زیادہ ہو۔ اگر منڈی میں گندم کی قیمت زیادہ ہے تو زیادہ سے زیادہ رقبہ زمین پر گندم کاشت کی جائے گی اور اگر چنے کی قیمت زیادہ ہے تو گندم کی بجائے چنے کی کاشت زیادہ ہوگی۔

پیدا کنندہ کو دوسرا اہم فیصلہ یہ کرنا ہوتا ہے کہ جس شے کو اس نے بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے وہ کیسے بنائی جائے گی۔ ہر شے کو بنانے کے لئے عاملین پیداوار یعنی زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک آزاد معیشت میں تنظیم یا آجر باقی تین عاملین پیداوار یعنی زمین، محنت اور سرمائے کی خدمات خرید کر ان سے کام لیتا ہے اور انہیں معاوضے ادا کرتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کا کم سے کم لاگت والا اشتراک حاصل کرے۔

تیسرا بنیادی فیصلہ کہ شے کس کے لئے بنائی جائے یہاں پھر منڈی ہی رہنمائی کرتی ہے چونکہ تمام معاشی

دولت، عاملین پیداوار کے تعاون اور اشتراک سے وجود میں آتی ہے، اس لئے انہیں عاملین پیداوار میں لگان، سود، اجرت اور نفع کی صورت میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ وصولیاں درحقیقت عاملین پیداوار کی خدمات کی قیمتوں ہی کا دوسرا نام ہے۔ جیسا کہ ذیل کی شکل واضح کرتی ہے۔

زمین	محنت	سرمایہ	تنظیم
قومی آمدنی			
لگان	اجرت	سود	منافع

جس طرح اشیا کی منڈی ہوتی ہے اسی طرح عاملین پیداوار کی خدمات کی منڈی ہوتی ہے۔ جہاں ان کی خدمات کی باہمی طلب اور رسد سے ان کی قیمتیں مقرر ہوتی ہیں۔

مکمل طور پر آزاد معیشت دور حاضر میں شاذونادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ زیادہ تر ملکوں میں مخلوط نظام پایا جاتا ہے۔ پاکستان کی معیشت بھی مخلوط نوعیت کی ہے۔ یعنی ہمارے ملک میں سرکاری شعبہ اور نجی شعبہ ساتھ ساتھ کام کررہے ہیں۔ سرکاری شعبہ میں حکومت پاکستان مندرجہ ذیل قسم کی اشیا اور خدمات کی پیداوار اور تجارت کرتی ہے۔

1۔ وہ اشیا و خدمات جن میں نجی افراد، سرمایہ کاری کرنا سود مند نہیں سمجھتے کیونکہ وہاں سرمایہ کی کھپت زیادہ ہے۔ جبکہ آمدنی دیر سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً ریلوں، سڑکوں، ڈیموں اور نہروں کی تعمیر کا کام، زمینوں کی سیم اور تھور سے اصلاح وغیرہ۔

2۔ وہ اشیاء و خدمات جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہے اور جن میں نجی مقابلہ نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے: مثلاً ڈاک، تار اور ٹیلیفون کی خدمات، بجلی کی پیداوار اور اس کی تقسیم، آبپاشی کے لئے پانی کی فراہمی کا کام وغیرہ۔

3۔ وہ اشیاء و خدمات جن کا تعلق ملک کی سالمیت کے ساتھ ہے: مثلاً سامان دفاع کی تیاری اور اس کی خرید و فروخت، بنیادی اور بھاری صنعتوں کا قیام اور اس کی مصنوعات کی خرید و فروخت۔

مندرجہ بالا کے علاوہ باقی زیادہ تر اشیاء و خدمات کی تیاری اور ان کی تجارت نجی ہاتھوں میں ہے۔ مثلاً ہر قسم کے کپڑے کی پیداوار اور اس کی تجارت، روزمرہ استعمال کی بیشتر اشیائے صرف کی پیداوار اور ان کی خرید و فروخت اور بیشتر زرعی اجناس کی پیداوار اور ان کی تجارت کا کام، پاکستان میں نجی تاجر بھی سرانجام دیتے ہیں، البتہ حکومت پاکستان اپنی مالیاتی اور زرعی پالیسیوں سے بالواسطہ طور پر نجی تجارت میں باقاعدگی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور مختلف اشیاء کی قیمتوں میں معقولیت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

1.3 پاکستان میں منظّم منڈیوں کا فعال کردار

پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں منڈی کی میکانیت بہت اہم کردار کی حامل ہے۔

1۔وسائل کا بہتر استعمال

پیداواری وسائل کے بہتر استعمال میں مددگار ثابت ہوتی ہے کیونکہ پیدا کنندگان انہی اشیاء و خدمت کی پیداوار مہیا کرتے ہیں۔ جن کی طلب منڈی میں زیادہ ہو یعنی جن چیزوں کو لوگ زیادہ پسند کریں اور جن کی زیادہ قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔

2۔آمدنی کی ترغیب

منڈی کا نظام صارفین کو زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ منڈی میں طرح طرح کی چیزیں پیداواری مراکز سے فروخت کیلئے پہنچتی رہتی ہیں انہیں دیکھ کر صارفین میں یہ تحریک پیدا ہوتی ہے کہ وہ زیادہ محنت کرکے اپنی آمدنی میں اضافہ کریں تا کہ اپنا معیار زندگی بلند کرسکیں۔

3۔جدت و اختراع

تجارت سے جدت و اختراع کو بھی فروغ ملتا ہے۔ موجدوں کو ترغیب ملتی ہے کہ وہ نئی نئی اشیاء بنائیں اور پیداوار کے نئے اور بہتر طریقے معلوم کریں تا کہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات بطریق احسن پوری ہوسکیں۔

4۔تشکیل سرمایہ

تجارت سے سرمایہ اندوزی کو بھی تقویت پہنچتی ہے کیونکہ منڈی جتنی وسیع ہوگی اور اشیا کی مانگ جتنی زیادہ ہوگی اشیائے سرمایہ کی طلب میں بھی اتنا ہی زیادہ اضافہ ہوگا۔ پاکستان میں اشیائے سرمایہ کی مانگ اس لئے بڑھ رہی ہے کہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بہت زیادہ مقدار میں اشیائے صرفی کی ضرورت ہے جو کہ سرمایہ اندوزی کی رفتار تیز کرکے ہی وجود میں آسکتی ہیں۔

5۔صارفین کا مفاد

منظّم منڈی سے مکمل مقابلہ کی فضا جنم لیتی ہے۔ آجر حضرات اپنی استعداد کار کو بہتر بنا کر اچھی سے اچھی اشیا منڈی میں فروخت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ جس سے صارفین کو فائدہ پہنچتا ہے۔ انہیں عمدہ اور سستی اشیا با آسانی استعمال کے لئے میسر آتی ہیں۔

6۔روزگار میں اضافہ

تجارت سے روزگار کے مواقع میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔تجارت کی ترقی سے بہت سے لوگوں کو براہ راست اس شعبہ میں روزگار میسر ہوتا ہے: مثلاً تھوک فروش، پرچون فروش، ریڑھی والے، چھابڑی والے، ٹرانسپورٹر، گوداموں والے، انشورنش والے وغیرہ۔

1.4 اہم نکات

1۔ منظّم منڈی سے مراد وہ منڈی ہے جس میں خریداروں اور فروخت کاروں کے مابین آزادانہ میل جول اور رابطہ سے کسی شے کی ایک قیمت مقرر ہو جائے۔

2۔ کیا، کیسے اور کس کے لئے یہ تینوں بنیادی معاشی فیصلے ایک آزاد معیشت میں منڈی کی میکانیت کے واسطے سے طے پاتے ہیں۔

3۔ ایک مخلوط معیشت جس میں نجی شعبہ غالب ہوتا ہے، اس میں بھی بنیادی معاشی فیصلے زیادہ تر منڈی کے واسطے ہی طے پاتے ہیں۔

4۔ پاکستان کی معیشت مخلوط ہے۔سرکاری شعبہ میں صرف ان اشیا و خدمات کی تجارت ہوتی ہے۔ جن کا تعلق لوگوں کی عام بھلائی کے کاموں سے ہو یا جن میں نجی لوگ سرمایہ کاری کرنا زیادہ نفع مند نہیں سمجھتے یا جن کا تعلق ملک کی سلامتی سے ہے۔ باقی تمام کام نجی شعبہ میں انجام پاتے ہیں۔ تاہم حکومت نجی تجارت میں باقاعدگی پیدا کرنے کی غرض سے بالواسطہ طور پر چند مالیاتی اور زرعی اقدامات کرتی ہے۔

5۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کی معاشی ترقی میں منظّم منڈی بنیادی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس سے قومی وسائل بہتر طور پر استعمال ہوتے ہیں، صارفین کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے، پیداواری شعبے میں جدت و اختراع فروغ پاتے ہیں۔ سرمایہ اندوزی کو تقویت پہنچتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے۔

1.5 خود آزمائی

سوال نمبر1 مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہیں پُر کیجئے۔

(i) منظّم منڈی وہ منڈی ہے جس میں فریقین کے باہمی رابطہ سے کسی شے کی ایک ....

مقرر ہو جائے۔

(ii) ہر معاشی نظام کو تین بنیادی فیصلے کرنا ہوتے ہیں۔

(الف) .... شے بنائی جائے۔

(ب) .... بنائی جائے۔

(ج) .... بنائی جائے۔

(iii) منظّم منڈی کی مدد سے صارفین کو اپنی آمدنی .... کی ترغیب ملتی ہے۔

(iv) جن اشیاء و خدمات کا تعلق مفاد عامہ سے ہو ان میں نجی مقابلہ .... ثابت ہوسکتا ہے۔

سوال نمبر 2 مندرجہ ذیل فقروں میں سے کون کون سے درست ہیں۔

(i) تجارت سے منڈی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

(ii) منظّم منڈی میں ایک ہی شے کے مختلف فروخت کار مختلف قیمتیں وصول کرتے ہیں۔

(iii) پاکستان میں کپڑے کی پیداوار اور اس کی تجارت سرکاری شعبے میں کی جاتی ہے۔

(iv) تجارت کی ترقی نہ صرف اس شعبہ میں براہ راست روزگار کے مواقع پیدا کرتی ہے بلکہ بہت سے دیگر شعبوں میں بھی اس کی بدولت روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔

(صحیح جواب کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

2۔منڈی کی ناکاملیات

2.1 ناکاملیات کا مفہوم

منظّم منڈی وہ منڈی ہوتی ہے جو ان تمام نقائص سے پاک ہو جو طلب اور رسد کی قوتوں کے آزادانہ طور پر کام کرنے میں مزاحم ہوتی ہیں۔ ذیل میں ان چند نقائص کا ذکر کیا گیا ہے جو پاکستان جیسے ترقی پذیر ملکوں کی منڈیوں میں پائے جاتے ہیں:۔

2.2 منڈی کی خامیاں

منڈی کے خلاف عموماً دو قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

(الف) منڈی اپنے فرائض بہتر طور پر سرانجام دینے میں ناکام رہتی ہے۔

(ب) منڈی کی کارکردگی بسا اوقات ناخوشگوار نتائج پیدا کرتی ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کہ منڈی اپنے فرائض بخوبی سرانجام دینے میں ناکام رہتی ہے اس کی وجہ یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ لوگوں کو صحیح طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ منڈی کیسے کام کرتی ہے اور یا اس معاشرے کے لوگوں میں معاشی ترغیبات سے فائدہ اٹھانے کا احساس کمزور ہوتا ہے۔ اگر لوگوں کو منڈی کے طریقۂ کار یا اس میں واقع ہونے والے تغیرات کا علم نہیں ہے تو اس خامی کو حکومت مناسب معلومات فراہم کرکے اور تعلیم کے ذریعہ دور کرسکتی ہے۔ دوسری صورت کی اصلاح کے لئے لوگوں کے اندر مادی فوائد حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا ورنہ وہ ملک معاشی ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جائے گا۔

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور ہمارے ملک کے آجر حضرات یقیناً نفع کے محرک کے تحت کام کرتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے لئے اسلامی تعلیم کے مطابق مادی منفعت کا حصول جائز ہے۔ (بشرطیکہ زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ اسے پاک کردیا جائے) اس لئے منڈی کی یہ خامی ہمارے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

منڈی پر دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ بعض اوقات وہ ایسے نتائج پیدا کرتی ہے جو سماجی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے خوشگوار نہیں ہوتے۔ اس میں مندرجہ ذیل قسم کی باتیں شامل ہوتی ہیں۔

1۔ بعض اوقات نجی افراد کا مفاد قومی مفاد سے ٹکرا سکتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں نجی ٹرانسپورٹ کے مالک ڈرائیوروں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ مسافر حاصل کریں۔ زیادہ

سواریاں حاصل کرنے کے لئے بسیں تیز چلائی جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں حادثات ہوتے ہیں اور بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

2۔ منڈی کی میکانیت قومی آمدنی کی تقسیم میں عدم توازن کا موجب بنتی ہے۔ کیونکہ آجر لوگ وہی اشیا تیار کرکے منڈی میں فروخت کے لئے بھیجتے ہیں جن کی انہیں زیادہ قیمت مل سکتی ہے اور زیادہ قیمت وہی لوگ دے سکتے ہیں جن کی آمدنی زیادہ ہو۔ گویا ایک منڈیاتی معیشت میں زیادہ تر وہی اشیا تیار کی جاتی ہیں جو امیر طبقہ استعمال کرتا ہے۔ اس طرح قومی پیداواری وسائل کا بہترین استعمال نہیں ہوتا اور معاشرے کا ایک بہت بڑا طبقہ اپنی بنیادی ضروریات بھی بطریق احسن پوری کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

3۔ منڈی کے نظام پر ایک اور اہم اعتراض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ معاشی ترقی کی رفتار سست رہتی ہے کیونکہ نجی افراد صرف ان صنعتوں اور شعبوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں جن سے انہیں فوری اور زیادہ منافع حاصل ہونے کی امید ہو۔

2.3 منڈی کی خامیوں کا تدارک

پچھلے سیکشن میں منڈیاتی معیشت (Market Economy) کی جن خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے وہ خود بخود دور نہیں ہوسکتیں جب تک کہ حکومت مداخلت نہ کرے۔ منڈی کے نظام کا یہ دعویٰ کہ وہ خود کار ہے اور کسی رہنمائی کے بغیر معاشی نظام کو بخوبی چلا سکتا ہے، باطل ثابت ہو جاتا ہے، لیکن یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔
منڈی کے نظام کی اصلاح اور خامیوں کے لئے حکومت درج ذیل اقدامات کرسکتی ہے اور کرتی بھی ہے۔

1۔قیمتوں میں اعتدال

حکومت بنیادی ضرورت کی اشیا کی قیمتوں میں اعتدال پیدا کرتی ہے تاکہ پیداکنندہ کو بھی نقصان نہ ہو اور صارفین کے مفاد کا بھی تحفظ ہو جائے۔ جیسا کہ حکومت پاکستان آٹا، چینی، گھی، سیمنٹ، کیمیاوی کھاد جیسی اشیا کی قیمتیں خود مقرر کرتی ہے جس میں ترغیب کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے۔

2۔دولت کی منصفانہ تقسیم

حکومت دولت کی تقسیم کو منصفانہ بناتی ہے۔ حکومت متزائد نظام ٹیکس (Progressive Tax) کے ذریعہ مفاد عامہ کے کاموں میں اضافہ کرسکتی ہے۔ حکومت پاکستان بھی متزائد طور پر ٹیکس عائد کرتی ہے۔ تعلیم وصحت پر بھاری رقوم خرچ کرتی ہے۔ نیز بنیادی ضرورت کی اشیا مثلاً آٹے اور کیمیاوی کھاد پر رعانے بھی دیتی ہے۔

3۔قلت پر قابو

جن اشیائے صرفی کی ملک میں قلت ہو یا آجر طبقہ مصنوعی قلت پیدا کردے تو ایسی اشیا غیر ممالک سے درآمد کر کے ان کی قلت کو دور کیا جاسکتا ہے اور ان کی قیمتوں کو معقول سطح پر برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

4۔مزدوروں کے حقوق کا تحفظ

مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کیلئے حکومت ایسے قوانین نافذ کرسکتی ہے جو آجر طبقہ کو ان کی کمزور قوت سودا بازی سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے باز رکھیں۔ مزدوروں کو کم از کم اجرت حاصل کرنے کی ضمانت دی جائے اور انہیں ملازمت کا تحفظ حاصل ہو۔ مناسب پروپیگنڈہ اور تعلیم کے ذریعہ لوگوں کے جذبۂ حب الوطنی کو ابھارا جاسکتا ہے کہ وہ ناجائز منافع خوری سے اجتناب کریں۔

اگر بالواسطہ اقدامات کی بجائے حکومت براہ راست مداخلت کرے اور ساری کی ساری تجارت اور سرمایہ کاری اپنے ذمہ لے لے تو اس سے معاشی ترقی متاثر ہوسکتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ معاشی ترقی کے ابتدائی دور میں منڈی کی ترغیبات سے آجروں کو نفع کمانے کا موقع ملنا چاہیئے اور کچھ عرصے کے بعد جب ملک ترقی کی ایک خاص سطح پر پہنچ جائے تو پھر سماجی انصاف کے حصول کا مقصد بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان کی حکومت اسی پالیسی پر عمل پیرا ہے اور نجی سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی کررہی ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ حکومت سرکاری شعبہ میں براہ راست یا نجی سرمایہ کے اشتراک کے ساتھ بھی رقمیں خرچ کررہی ہے تا کہ سرکاری اور نجی دونوں قسم کے کاروباروں کا ایک ایسا امتزاج حاصل کیا جائے جو ملک کو تیز تر معاشی ترقی کی ضمانت دے۔ پاکستان کے مختلف پانچ سالہ منصوبوں میں بھی نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے لئے کئی ترغیبات دی گئی ہیں۔

2.4 اہم نکات

1۔ منڈی کے خلاف عموماً دو قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

(الف) منڈی اپنے فرائض بخوبی سرانجام نہیں دے پاتی۔

(ب) منڈی کی کارکردگی بعض اوقات سماجی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ نتائج مرتب کرتی ہے۔

2۔ منڈی اپنے فرائض صحیح طور پر اس لئے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے کہ یا تو لوگ منڈی کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے یا پھر ان کے اندر منڈی کی ترغیبات یعنی قیمتوں میں اضافہ سے فائدہ اٹھانے کے جذبہ کا فقدان ہوتا ہے۔ پاکستان میں معاشی جذبہ کی کمی نہیں ہے، تاہم منڈی

کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے حکومت مناسب تعلیم و تربیت سے منڈی کی خامیوں کو دور کرسکتی ہے۔

3۔ منڈی کے عمل سے جو ناخوشگوار نتائج نکلتے ہیں ان میں نجی افراد کا نفع کی لالچ میں قومی مفاد کو قربان کردینا اور قومی آمدنی کی تقسیم میں عدم توازن کی کیفیت شامل ہے۔

4۔ منڈی کی خامیوں کی اصلاح کے لئے مختلف پالیسیاں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

5۔ اگر حکومت ساری کی ساری تجارت اپنے ذمہ لے لے تو اس سے معاشی ترقی کی رفتار سست پڑ سکتی ہے کیونکہ نجی شعبہ کا تعاون حاصل نہ ہو پائے گا۔

2.5 خود آزمائی

سوال نمبر3 مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہ پُر کیجئے۔

(i) پسماندہ ممالک میں منڈی کا نظام اپنے فرائض بخوبی سرانجام دینے میں .... رہتا ہے۔

(ii) پاکستان کے لوگوں میں معاشی جذبہ کی ....نہیں ہے۔

(iii) حکومت کی جانب سے مکمل سرمایہ کاری معاشی ترقی کی رفتار کو................کرسکتے ہیں۔

(iv) متزائد نظام ٹیکس قومی آمدنی کی تقسیم کو................ بنا سکتا ہے۔

(صحیح جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر4 مندرجہ ذیل باتوں میں سے کون کون سی درست ہیں۔

(i) منڈی کا نظام خود کار ہوتا ہے اور ہر قسم کے نقائص سے پاک۔

(ii) حکومت مالیاتی اور زری تدابیر سے منڈی کی ناکاملیات بڑی حد تک دور کرسکتی ہے۔

(iii) نجی افراد میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ فوری نفع دینے والے کاموں پر روپیہ لگاتے ہیں۔

(iv) نجی افراد کا مفاد اور قومی مفاد آپس میں کبھی متصادم نہیں ہوتے۔

(صحیح جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر5 بحث کیجئے کہ حکومت منڈی کی ناکاملیات دور کرنے کے لئے کیا کچھ کرسکتی ہے۔

(جوابات کے لئے ملاحظہ کیجئے سیکشن 2.3)

3۔ پاکستانی منڈیوں کی خصوصیات

3.1 پاکستان میں منڈیاتی نظام

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور دیگر پسماندہ ممالک کی طرح ہمارے ملک کی منڈیوں میں بھی کئی قسم کی ناکاملیات اور خامیاں پائی جاتی ہیں جوملک کی تیز تر معاشی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں تاہم قیام پاکستان سے لیکر اب تک حکومت پاکستان نے ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ تاہم ابھی اس ضمن میں اصلاح کی کافی گنجائش موجود ہے۔

ہم پاکستانی منڈیوں کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(الف) اشیا کی منڈیاں جو دوقسم کی ہیں۔

(i) زرعی اجناس کی منڈیاں۔

(ii) صنعتی اشیا کی منڈیاں

(ب) عاملین پیداوار کی منڈیاں۔

(ج) بازار زر اور بازار سرمایہ (یا زر اور سرمائے کی منڈی)

ذیل میں ان منڈیوں کی خصوصیات اور مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔

3.2 زرعی اجناس کی منڈیاں

پاکستان اب بھی بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ ہماری خام گھریلو پیداوار کا تقریباً 30 فیصد حصہ زرعی پیداوار پر مشتمل ہے۔ زرعی اجناس نہ صرف یہ کہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کی خوراک کی ضرورت پورا کرتی ہیں۔ بلکہ بہت سی صنعتوں کے لئے خام مال بھی مہیا کرتی ہے۔ نیز برآمد کے لئے فاضل مال بھی ان سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ملک کی 54 فیصد آبادی زرعی پیشوں سے روزی کماتی ہے اور ملک کی تجارتی اور صنعتی ترقی کا دارومدار بھی بڑی حد تک زرعی ترقی پر ہے۔

ہماری زرعی منڈیاں مندرجہ ذیل خامیوں کا شکار ہیں۔

1۔ درجہ بندی کا فقدان

زرعی منڈیوں میں زرعی اجناس کی درجہ بندی نہیں ہوتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمدہ جنس بھی ناقص جنس

کے بھاؤ بکتی ہے، حالانکہ اگر درجہ بندی ہو جائے تو کاشتکار کو زیادہ قیمت وصول ہوسکتی ہے۔

2۔درمیانی واسطوں کی کثرت

ہمارے ہاں درمیانی واسطوں کی کثرت ہے۔ یعنی کاشتکار اور خریدار کے درمیان بہت سے لوگ پیداوار میں سے اپنا حصہ وصول کرنے آ جاتے ہیں۔ جن میں کمیشن ایجنٹ، آڑھتی، دلال، جنس تولنے والے، حساب کرنے والے، چوکیدار، جھاڑو بردار اور سقہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح کسان کو اپنی پیداوار کی بہت کم مالیت وصول ہوتی ہے۔

3۔گوداموں کی قلت

غیر منظّم منڈیوں میں گوداموں کی بھی قلت ہے کہ جہاں کاشتکار اپنی جنس کا ذخیرہ کرسکیں اور نرخ بہتر ہونے کا انتظار کرسکیں۔ چونکہ جنس کے جلد خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے کاشتکار اسے جلد فروخت کرنا چاہتا ہے۔

4۔کسان کی مقروضیت

کسان کی قوت انتظار اس لئے کم ہوتی ہے کہ اسے فصل کو بیچ کر اپنا پرانا قرضہ چکانا ہوتا ہے۔ اکثر تو ایسے ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے اس نے قرض لیا ہوتا ہے۔ وہ اسی شرط پر ہوتا ہے کہ انہی لوگوں کے ہاتھ کم نرخ پر غلہ فروخت کیا جائے گا۔

5۔باٹوں اور پیمانوں کا غیر معیاری ہونا

غیر منظّم منڈیوں میں غیر معیاری باٹ اور پیمانے استعمال ہوتے ہیں جن کے ذریعہ کاشتکار سے زیادہ فصل حاصل کرلی جاتی ہے لیکن دام تھوڑی فصل کے دیئے جاتے ہیں۔

6۔ذرائع حمل ونقل کا ناقص ہونا

دیہات کو شہروں کی منڈیوں سے ملانے والی سڑکیں زیادہ تر کچی ہوتی ہیں جو بارش کے دنوں میں تو بالکل ناقابل استعمال ہوتی ہیں۔ اس طرح کاشتکار اپنی جنس گاؤں میں ہی کسی بیوپاری کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

3.3 زرعی منڈیوں کی اصلاح

کاشتکار کو اپنی جنس کی صحیح قیمت دلانے کے لئے ماضی میں کئی اقدامات کئے گئے جو درج ذیل ہیں:۔

1۔منظّم منڈیوں کا قیام

یہ ایسی منڈیاں ہیں جن میں زرعی اجناس کی فروخت باقاعدہ حکومت کے نافذ کردہ قوانین اور ضابطوں کے تحت ہوتی ہے۔ اس قسم کی منڈیوں کے قیام کے لئے ملک کے مختلف صوبوں میں وقتاً فوقتاً قوانین منظور کئے گئے۔ پنجاب زرعی پیداوار کی فروخت کا قانون 1939ء میں منظور ہوا جس کی رو سے۔

(الف) منڈی کے علاقے میں ایک مارکیٹ کمیٹی قائم کی جاتی ہے جس میں تمام فریقوں یعنی کاشتکاروں، کمیشن ایجنٹوں، تاجروں اور حکومت کے نمائندوں کو شامل کیا جاتا ہے۔

(ب) مارکیٹ کمیٹی دلالوں کو ناجائز کارروائیوں سی باز رکھتی ہے۔ منڈی میں صحیح باٹ اور پیمانے استعمال کرواتی ہے اور جھگڑوں کا تصفیہ کرواتی ہے۔

(ج) اس قانون کے مطابق دلالوں اور منڈی میں کام کرنے والے کارندوں کے لئے لائسنس حاصل کرنا ضروری ہے۔ گویا ایک منظّم منڈی میں کاشتکار کو اپنی فصل کے صحیح دام ملتے ہیں اور وہ کئی قسم کی زیادتیوں اور بدعنوانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

2۔تعاونی فروخت کی انجمنوں کا قیام

اگر ایک گاؤں کے سب کاشتکار ملکر ایک تعاونی فروخت کی انجمن بنالیں اور اپنی جنس اس انجمن کے حوالے کردیں، وہ انجمن اس کی بالآخر فروخت کا بندوبست کریگی۔ اس طرح کسان درمیانی واسطوں کی زیادتیونسے محفوظ رہے گا اور اسے اپنی جنس کے صحیح دام ملیں گے۔

پنجاب تعاونی انکوائری کمیٹی 1955ء نے پنجاب کے بارے میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے تجویز پیش کی تھی کہ ابتدائی انجمن گاؤں کی سطح پر کاشت کار کی پیداوار کی فروخت کا انتظام کریگی۔ ان منڈیوں کا الحاق ثانوی اداروں سے ہوگا جو زرعی اجناس کی بالآخر فروخت کا انتظام کریں گے۔

3۔دیگر اقدامات

حکومت پاکستان نے اس ضمن میں چند اہم اقدامات کئے تھے۔

(i) بڑی بڑی زرعی اجناس مثلاً گندم، چاول اور کپاس کی ’’خریداری قیمت‘‘ حکومت خود مقرر کرتی

ہے اور ان اجناس کو خرید کر گوداموں میں رکھ لیتی ہے۔ گندم تو اس لئے خریدتی ہے تاکہ عوام کو راشن ڈپوؤں کے ذریعے معقول قیمت پر آٹا فراہم کرے۔ چاول اور کپاس کی خریداری اس لئے کرتی ہے کہ ان اجناس کو برآمد کر کے قیمتی زرمبادلہ حاصل کر سکے۔ اس طرح کاشتکاروں اور صارفین کے مفادات کا تحفظ ہو جاتا ہے۔

(ii) 1973ء میں ''پاکستان ایگریکلچرل سٹوریج اینڈ سروس کارپوریشن''
(Pakistan Agricultural Storage & Services Corporation)
(یعنی پاسکو) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کارپوریشن کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ زرعی اشیا کے لئے گودام تعمیر کئے جائیں۔ کسانوں کو زرعی مداخل یعنی کھاد بیج اور دیگر لوازمات کاشتکاری مہیا کئے جائیں اور ملک کے اندر زرعی ساز و سامان کی تیاری کا بندوبست کیا جائے۔

(iii) نیشنل لاجسٹک سیل (National Logistic Cell) نے 1980-81ء کے دوران ملک میں ایک لاکھ چالیس ہزار ٹن غلہ ذخیرہ کرنے کے لئے گودام تعمیر کئے۔ علاوہ ازیں یہ ادارہ پنجاب اور سندھ میں پانچ (5) لاکھ ٹن گندم ذخیرہ کرنے کے لئے بھی گودام تعمیر کر رہا ہے۔

(iv) اب ملک کے تجارتی بینکوں ZTBL اور PPCBL نے چھوٹے کاشتکاروں کو ہزاروں روپے کی مالیت تک بلاسود قرضے دینے شروع کر دیئے ہیں اس سے ان کی قوت انتظار بڑھ جائے گی اور کسان فوری طور پر اپنی فصل بیچ دینے کے لئے مجبور نہ ہوں گے۔

3.4 صنعتی اشیا کی منڈی

پاکستانی معیشت کا دوسرا بڑا شعبہ صنعت ہے۔ ہماری خام قومی پیداوار کا 16 فیصد حصہ صنعتی اشیا پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا صنعتی اشیا کی پیداوار اور ان کی تجارت بھی ملک کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

صنعتی اشیا کی تجارت ہمارے ملک میں مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے:

(i) چند بنیادی اہمیت کی صنعتوں کے علاوہ (جن میں سامان دفاع تیار کرنے کی صنعت، بھاری انجنیئر نگ کی صنعت، فولاد کی صنعت اور چند ایک اشیائے صرف جن میں بجلی وغیرہ شامل ہیں) باقی تمام صنعتی اشیا کی پیداوار اور تجارت نجی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

(ii) صنعتی اشیا بڑے پیمانے پر بھی تیار کی جاتی ہیں اور چھوٹے پیمانے پر بھی۔ چھوٹے پیمانے کے تاجروں اور صنعتکاروں کو بڑے پیمانے کے صنعتکاروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا انہیں اپنی اشیا کی مناسب قیمت حاصل کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔

(iii) تھوک تاجر کارخانے داروں سے اشیا خریدتے ہیں اور پرچون تاجروں کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں۔ عام صارفین اپنی روزمرہ ضرورت کی اشیاء پرچون فروشوں سے خریدتے ہیں۔

(iv) ہمارے ملک میں بڑے پیمانے کی صنعت وتجارت میں اجارہ دارانہ مقابلہ پایا جاتا ہے۔

(v) حالیہ برسوں میں مصنوعات کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہوتا چلا گیا ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے تاجر طبقہ میں نفع خوری کا رجحان قدرے زیادہ ہے۔

(vi) صنعتی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ اس لئے بھی ہوا کہ صنعتوں کے لئے اشیائے سرمایہ اور خام مال زیادہ تر درآمد کیا جاتا ہے جس کی قیمتیں بین الاقوامی افراط زر کے سبب برابر بڑھ رہی ہیں۔

(vii) ملک کے اندر تاجر طبقہ کے نفع خوری کے رجحان کوکم کرنے کے لئے اورعوام کو اشیائے صرفی مناسب قیمتوں پر مہیا کرنے کی غرض سے حکومت نے ایک یوٹیلٹی اسٹورز کارپوریشن قائم کی ہے جس نے بڑے بڑے شہروں اورقصبوں میں اس وقت تک 4500 یوٹیلیٹی اسٹور قائم کئے ہیں۔

3.5 عاملین پیداوار کی منڈی

عاملین پیداوار کی منڈی سے مراد وہ منڈی ہے جس میں زمین، محنت، سرمائے اور تنظیم کے مالک اپنی خدمات عمل پیداوار میں استعمال کے لئے فروخت کرتے ہیں۔ پاکستان میں یہ بھی اشیا کی منڈی کی طرح کئی خامیوں کا شکار ہے۔

(i) زرعی شعبے میں زمین کا بہت بڑا حصہ چند بڑے بڑے زمینداروں کی ملکیت ہے اور لاکھوں کاشتکاران کے پاس مزارعوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ غیر حاضر زمیندار پیداوار کا ایک بہت بڑا حصہ ہتھیا لیتے ہیں۔ 1959ء اور 1972ء میں زرعی اصلاحات کے ذریعہ اس خامی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی لیکن زرعی اصلاحات پرعملدرآمد کی رفتار کافی سست رہی ہے۔

(ii) محنت کی منڈی بھی غیر مکمل ہے کیونکہ ہمارے ملک میں افرادی قوت کی بہتات ہے یعنی محنت کی خدمات کی رسد بہت زیادہ ہے۔ جبکہ زرعی اور صنعتی شعبے میں ان کی طلب نسبتاً کم ہے۔ پھر محنت کش افراد اپنی محنت کا ذخیرہ نہیں کرسکتے، اس لئے انکی قوت سودا بازی بھی کمزور ہے۔ لہٰذا انہیں اپنی محنت کا صحیح صلہ نہیں ملتا اور پاکستان میں اجرتوں کی سطح کافی پست ہے۔ اس خامی کو دور کرنے کے لئے بعض صنعتوں میں کم از کم اجرت کا قانون نافذ کیا گیاہے۔ نیز مزدور

انجمنوں کے ذریعہ ان کا اجتماعی سودا بازی کا حق بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

(iii) محنت کی نقل پذیری بھی کم ہے جس کے اسباب میں تعلیم و تربیت کی کمی، روزگار کے مواقع سے ناواقفیت ، ذرائع حمل و نقل کا ناقص ہونا اور قناعت پسندی وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم حالیہ برسوں میں یہ جمود ٹوٹ چکا ہے اور ہمارے ملک کے مزدور نہ صرف یہ کہ دیہات سے شہروں کی جانب تیزی سے منتقل ہو رہے ہیں بلکہ بیرون ملک جا کر ملازمتیں کر رہے ہیں اور کثیر مقدار میں زرمبادلہ کما کر اور ملک کو بھیج کر قوم کی معاشی ترقی میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔

(iv) سرمائے کی منڈی بھی خامیوں سے خالی نہیں جیسا کہ آگے سیکشن 3.6 میں تفصیلی بحث کی جارہی ہے۔

(v) ہمارے ملک کے آجر طبقہ میں راتوں رات دولت مند بننے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ صرف ان کاموں پر روپیہ لگاتا ہے جہاں سے اسے فوری اور بہت زیادہ نفع کمانے کی امید ہو۔

(vi) ہمارے ملک کی عاملین پیداوار کی خدمات کی منڈی میں سب سے اہم رکن محنت ہے کیونکہ ہمارے ملک کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے ور اسکے نتیجہ میں افرادی قوت میں ہر سال تقریباً سات لاکھ افراد کا اضافہ ہوجاتا ہے جن کے لئے روزگار کے مواقع اسی صورت میں پیدا کئے جاسکتے ہیں جبکہ اس منڈی کو زیادہ سے زیادہ منظم اور مربوط بنایا جائے اور اعلیٰ پیداوار میں ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جو زیادہ جاذب محنت ہوں۔

3.6 زر اور سرمائے کی منڈی

اشیا و خدمات کی منڈی کی ترقی کا دارومدار بڑی حد تک زر اور سرمائے کی منڈی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ پیداواری عمل کے لئے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ بازار زر اور بازار سرمایہ ہی فراہم کرسکتے ہیں۔ بازار زر میں قلیل مدت کے قرضوں کا لین دین ہوتا ہے جبکہ بازار سرمایہ میں طویل مدت کے قرضوں کا لین دین ہوتا ہے۔ سرمائے کی منڈی قومی بچتوں میں تحریک پیدا کرکے انہیں ان لوگوں تک پہنچاتی ہے جو آجرانہ صلاحیت رکھتے ہیں اور ان رقموں سے سرمایہ کاری کرکے زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں۔ پھر معیشت میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو کاروباری صلاحیتیں رکھتے ہیں لیکن مالیات کی کمی کے باعث انہیں بروئے کار لانے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ زر اور سرمائے کی منڈی ایسے لوگوں کو قرضہ کی سہولت فراہم کرکے معاشرے کو ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ فراہم کرتی ہے۔ تیز بازار زر اور بازارسرمایہ سے سرمائے کی نقل پذیری میں اضافہ

ہوتا ہے۔ سرمایہ کم آمدنی والے شعبوں سے نکل کر زیادہ آمدنی والے شعبوں کی طرف منتقل ہوسکتا ہے۔ پاکستان کے بازار زر اور بازار سرمایہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

(i) پاکستان کے بازار زر میں وہ ادارے شامل ہیں جو قلیل عرصے کے لئے قرضوں کا لین دین کرتے ہیں۔ ان اداروں میں تجارتی بینک خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ بینک عموماً ایک ماہ سے لیکر تین ماہ کی مدت کے لئے قرض دیتے ہیں۔

(ii) پاکستان کے بازار سرمایہ میں وہ ادارے شامل ہیں جو طویل مدت کے لئے قرضے دیتے ہیں۔ ان اداروں میں زرعی ترقیاتی بینک (ZTBL) بیمہ کمپنیاں، اسٹاک ایکسچینج منڈیاں اور تعمیر مکانات کی مالی کارپوریشن (H.B.F.C) پاکستان صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کارپوریشن (PICIC)، انوسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان اور قومی امانتی سرمایہ کاری یونٹ (NIT Unit) وغیرہ شامل ہیں۔ انمیں سے بیشتر اداروں کی کارکدگی کی تفصیلات آپ یونٹ نمبر 10 میں پڑھ چکے ہیں۔ ذیل میں بیمہ کمپنیوں اوراسٹاک ایکسچینج منڈی کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بیمہ کمپنیاں

بیمہ کمپنیاں دورحاضر کی صنعت وتجارت کے فروغ میں نمایاں حصہ لیتی ہیں اور ایک طرف تو کاروبار کو مختلف قسم کے خطرات سے بچاؤ کاانتظام کرتی ہیں۔ تو دوسری طرف لوگوں میں تحریک پیدا کرکے ان کی رقموں کو پیداواری شعبوں میں استعمال کے لئے مہیا کرتی ہیں۔

پاکستان میں ملکی کمپنیوں کے ساتھ ساتھ غیر ملکی کمپنیاں بھی بیمہ کا کاروبار کررہی ہیں لیکن آہستہ آہستہ بیمہ کا زیادہ تر کاروبار اب ملکی کمپنیوں کے ہاتھ میں آرہا ہے۔ بیمہ کے کاروبار کو تحفظ مہیا کرنے کی غرض سے حکومت پاکستان نے 1953ء میں ایک پاکستان انشورنس کارپوریشن قائم کی۔ اس کارپوریشن کے قیام کے بعد بیمہ کمپنیوں کو خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے مزید تقویت ملی اور ملک میں اس کاروبار نے خوب ترقی کی۔ 1972ء میں بیمہ کا کاروبار قومی ملکیت میں لے لیا گیا تاکہ صنعتی شعبے میں اجارہ داریوں کا زور توڑا جائے اور پالیسی ہولڈروں کو بیمہ کی رقم حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اور انہیں دور کیا جائے۔ زندگی کے بیمہ کے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے ایک کروڑ روپے کے سرمائے سے 1972ء میں ایک اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن قائم کی گئی۔ اس کارپوریشن کے قیام سے زندگی کے بیمہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

اسٹاک ایکسچینج منڈیاں

اسٹاک مارکیٹ سرمائے کی منڈی کا بنیادی رکن ہے۔ اس کی بدولت مالی سرمایہ کاری کی مختلف شکلوں مثلاً حصص (Shares) ڈی بنچرز (Debenture) میوچل فنڈ (Mutual Fund) سرکاری کفالتوں (Securities) اور تسکات (Bonds) کو نقد شکل میں بدلا جاسکتا ہے۔ اسٹاک مارکیٹ پر رونما ہونے والے واقعات سرمایہ کاروں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کون کون سے کاروبار زیادہ نفع مند ہیں۔ اس وقت ملک میں تین اسٹاک ایکسچینج منڈیاں ہیں، ایک کراچی میں اور دوسری لاہور میں جبکہ تیسری اسلام آباد میں۔ کراچی ایکسچینج 1949ء میں قائم ہوا جبکہ لاہور اسٹاک ایکسچینج 1971ء میں قائم ہوا۔جبکہ اسلام آباد سٹاک ایکسچینج گذشتہ چند سالوں میں قائم ہوئی۔ ان منڈیوں کے کاروبار میں باقاعدگی پیدا کرنے کی غرض سے مزید دو ایجنسیاں قائم کر دی گئی ہیں، ایک سیکوریٹیز اینڈ ایکسچینج اتھارٹی آف پاکستان Securities & Exchange Authority of Pakistan اور دوسری ''کنٹرولر آف کیپٹل ایشوز (Controller of Capital Issues) اول الذکر ادارہ تمام کمپنیوں کے حسابات کی پڑتال کرتا ہے تا کہ کمپنیوں کی کارکردگی کا حصہ داروں کو علم ہوسکے۔ مواخر الذکر ادارہ مشترکہ کاروباری شعبہ کی جانب سے سرمائے کے اجراء کی اجازت دینے کا کام کرتا ہے۔ اپریل 2008ء تک پاکستان میں رجسٹرڈ جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کی تعداد 54000 ہوگئی ہے اور اس وقت تک کراچی اور لاہور کی اسٹاک ایکسچینج منڈیوں میں 914 کمپنیوں کے حصوں کی خرید وفروخت ہورہی تھی۔ 2000 میں کراچی اسٹاک ایکسچینج میں کمپنیوں کی تعداد 762 ہوگئی۔

پاکستان میں زر اور سرمائے کی منڈیوں کی خامیاں

پاکستان کے بازار زر اور بازار سرمایہ میں کئی خامیاں پائی جاتی ہیں۔

1۔ قرضہ دینے والے مختلف اداروں کے مابین ربط نہیں ہے۔ مختلف تجارتی بینک، امداد باہمی کے بینک اور ساہوکارہ وغیرہ اپنے اپنے میدان میں من مانی کرتے ہیں۔ ان کی قرضہ دینے کی پالیسیوں میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی اس لئے قرضہ کی مقدار کو بڑھانے اور گھٹانے کے لئے اسٹیٹ بینک ''شرح بینک'' کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔

2۔ پاکستان میں بازار زر زیادہ تر تجارتی بینکوں تک محدود ہے لیکن وہ بھی ملکی ضروریات کے لئے کافی نہیں ہے۔ نیز تجارتی بینک زرعی شعبہ کو قرضہ دینے سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ زراعت کو ایک غیر محفوظ پیشہ سمجھتے ہیں۔

3۔ ہمارے بازار زر میں ایک اور بڑی خامی یہ ہے کہ قرضہ زیادہ تر بڑے بڑے تاجروں، زمینداروں اور صنعتکاروں تک محدود رہتا ہے۔ جبکہ چھوٹے زمیندار، صنعتکار اور تاجر اس سے بڑی حد تک محروم رہتے ہیں۔ 1959ء قرضہ تحقیقاتی کمیشن (Credit Enquiry Commission) نے انکشاف کیا کہ بینکوں کی امانتوں کا 63 فیصد حصہ صرف 222 کھاتوں میں محدود تھا اس کا تین چوتھائی صرف دوصد خاندانوں نے لے رکھا تھا۔ اس صورتحال کی اصلاح کے لئے مئی 1970ء میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے تمام بینکوں پر لازم قرار دے دیا کہ وہ اپنے قرضوں کا کم از کم 20 فیصد حصہ چھوٹے تاجروں کو دیں جو بینک ایسا نہیں کرے گے اس بات کے پابند ہوں گے کہ 20 فیصد سے جتنی کم رقم قرض دی گئی ہے اتنی اسٹیٹ بینک کے پاس جمع کروا دیں۔ بینکوں کو تحفظ دینے کی غرض سے اسٹیٹ بینک نے قرضہ کی گارنٹی فنڈ کی رقم بڑھا دی ہے۔ جن میں سے تجارتی بینکوں کو اٹھائے جانے والے خسارہ کا 50 فیصد ادا کردیا جاتا ہے۔ (یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب چھوٹے تاجر اور کاشتکار لئے ہوئے قرضے بینکوں کو لوٹانے سے قاصر رہیں۔)

اصلاح احوال

بازار سرمایہ کی خامیوں کو دور کرنے کی غرض سے اور ملک میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے پیش نظر موجودہ حکومت نے گذشتہ تیس (30) برسوں سے سود کو ختم کر کے نفع ونقصان کی شراکت کی بنیاد پر بینکاری کو فروغ دینے کے لئے اہم اقدامات کئے ہیں۔ تمام تجارتی بینکوں میں بلا سود شراکتی کھاتے جنوری 1981ء سے کھولے جا چکے ہیں اور پہلے چھ ماہ کی مدت کے لئے بچت اور معیادی حسابات پر 8 فیصد سے لیکر 15 فیصد تک منافع کا اعلان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں تعمیر مکانات کی مالی کارپوریشن، قومی امانتی سرمایہ کاری اور انوسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان کے جاری کردہ قرضے مکمل طور پر سود سے پاک کردیئے گئے ہیں۔ بینکرز اکوئیٹی لمیٹڈ کمپنی جو 1979ء میں نجی شعبہ میں سرمایہ کاری کے فروغ کے لئے قائم کی گئی تھی اسے ملک میں پہلی 'مضاربہ کمپنی' کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ تاکہ وہ مضاربہ سٹرفکیٹ جاری کرسکے۔ یہ سٹرفکیٹ ایک ایسی دستاویز ہے جو کہ اس کے مالک کو کمپنی نفع ونقصان میں شریک کرتی ہے۔

3.7 اہم نکات

(i) پاکستان میں منڈیوں کے نظام کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(الف) اشیا کی منڈی مثلاً زرعی اجناس اور صنعتی اجناس کی منڈیاں (ب) عاملین پیداوار کی منڈی (ج) زر اور سرمائے کی منڈی

(ii) زرعی اجناس کی منڈی میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ کاشت کار کو اپنی جنس کی صحیح قیمت نہیں ملتی کیونکہ اس کی پیداوار کی درجہ بندی نہیں ہوتی، درمیانی واسطوں کی کثرت ہے۔ گوداموں کی قلت ہے، کسان کی مالی حالت کمزور ہے، باٹ اور پیمانے معیاری نہیں ہیں اور ذرائع حمل و نقل ناقص ہیں۔

(iii) زرعی اجناس کی منڈیوں میں کاشتکار کو اس کی جنس کی صحیح قیمت دلانے کیلئے ضروری ہے کہ منظّم منڈیوں کا قیام عمل میں لایا جائے اور تعاونی فروخت کی انجمنیں قائم کی جائیں۔ حکومت نے بھی اس ضمن میں مفید اقدامات کئے ہیں۔ مثلاً زرعی اجناس کی کم از کم خریداری قیمت کا مقرر کرنا، پاسکو اور نیشنل لاجسٹک سیل کا قیام اور بینکوں کو یہ ہدایت کہ وہ چھوٹے کاشتکاروں کو بلا سود قرضے دیں۔

(iv) صنعتی اشیا کی تجارت میں چھوٹے صنعتکاروں کو بڑے صنعتکاروں کی بنائی ہوئی اشیا سے مقابلہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(v) صنعتی تجارت کے اہم اجزا تھوک و پرچون تجارت ہے لیکن تھوک تجارت پر بڑے بڑے تاجروں کا قبضہ ہے اور صنعتی اشیا کی قیمتوں پر انہیں کافی اختیار حاصل ہے۔

(vi) حالیہ برسوں میں مصنوعات کی قیمتوں میں برابر اضافہ ہوتا چلا گیاہے جس سی ہمارے ملک کے تنخواہ دار طبقہ اور مقرر آمدنی والے لوگون کے مصارف زندگی بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس طبقے کو معقول قیمتوں پر ضروریات مہیا کرنے کی غرض سے حکومت نے یوٹیلٹی اسٹور کارپوریشن قائم کی ہے۔

(vii) پاکستان کے عاملین پیداوار کی خدمات کی منڈی بھی ناکاملیات کا شکار ہے۔ جن میں زمین کی نامنصفانہ ملکیت، محنت کش طبقے کے مسائل، سرمائے کی منڈی کی خامیاں اور آجر طبقہ میں ضرورت سے زیادہ نفع خوری کا رجحان شامل ہیں۔

(viii) زر کی منڈی میں قلیل مدت کے قرضوں کا لین دین ہوتا ہے جبکہ سرمائے کی منڈی میں طویل مدت کے قرضوں کا۔ یہ منڈیاں لوگوں کی بچتوں میں تحریک پیدا کرکے انہیں ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچاتی ہیں جو ان رقموں سے سرمایہ کاری کرکے قومی پیداوار میں اضافہ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(ix) پاکستان میں بازار زر میں زیادہ تر تجارتی بینک شامل ہیں جبکہ بازار سرمایہ میں زرعی ترقیاتی بینک، صنعتی بینک، صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کارپوریشن، انویسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان، قومی امانتی سرمایہ کاری یونٹ، بیمہ کمپنیاں اور اسٹاک ایکسچینج منڈی جیسے ادارے شاملہیں۔

(x) پاکستان میں زر اور سرمائے کی منڈی کئی خامیوں کا شکار ہے۔قرضہ دینے والے مختلف اداروں کی کارکردگی میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ زراعت کے لئے قرضہ بہت کم دیا جاتا ہے۔ چھوٹے تاجر بھی اس سے محروم رہتے ہیں۔ ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کئے گئے ہیں۔ نیز سود سے پاک معاشرہ کے قیام کے لئے بھی کافی پیش رفت ہوئی ہے۔

3.8 خود آزمائی

سوال نمبر6 مندرجہ ذیل فقروں میں خالی جگہیں پُر کیجئے۔

(i) زرعی اجناس کی منڈی میں اصل مسئلہ کاشتکار کو اس کی جنس کی .... قیمت دلانا ہے۔

(ii) تعاونی فروخت کی انجمنیں کاشتکار کو اس کی جنس کی صحیح قیمت دلانے میں ....کردار ادا کرسکتی ہیں۔

(iii) صارفین .... تاجروں سے اشیا خریدتے ہیں............... تاجر .... تاجروں سے اور ....تاجر صنعتکاروں سے۔

(iv) زر اور سرمائے کی منڈی بچتوں میں .... پیدا کرتی ہے اور اس سے سرمائے کی ....میں اضافہ ہوتا ہے۔

(v) 2000ء میں کراچی کے اسٹاک ایکسچینج پر کمپنیوں کی تعداد ....تھی۔

(جوابات کے لئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر7 مندرجہ ذیل میں سے کون کون سے فقرے درست ہیں۔

(i) درمیانی واسطوں کی کثرت کاشتکار کو اس کی جنس کی صحیح قیمت دلانے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

(ii) اگر کاشتکار کی مالی حالت بہتر ہو جائے تو وہ اپنی جنس کے بھی اچھے دام وصول کرسکتا ہے۔

(iii) ہمارے ملک کی حکومت زرعی اجناس کی قیمتیں مقرر کرنے میں کوئی دخل اندازی نہیں کرتی۔

(iv) صنعتی اشیا کی تجارت چند بڑے بڑے تاجروں کے ہاتھ میں ہے۔

(v) ہمارے ملک کے تاجروں میں نفع خوری کا رجحان موجود نہیں۔

(vi) پاکستان میں عاملین پیداوار کی خدمات کی منڈی ہر لحاظ سے مکمل ہے۔

(vii) پاکستان کے بازارِ زر کے مختلف اداروں کے مابین مکمل ربط اور ہم آہنگی موجود ہے۔

(viii) چھوٹے تاجروں اور کاشتکاروں کو تجارتی بینک فراخدلی سے قرضے جاری کرتے ہیں۔

(ix) اسٹاک ایکسچینج منڈی سرمائے کی منڈی کا سب سے اہم رکن ہے۔

(x) ملک میں بلاسود سرمایہ کاری میں کافی پیش رفت ہوئی ہے۔

(جواب کیلئے دیکھئے یونٹ کے آخر پر)

سوال نمبر 8 مندرجہ ذیل پر ایک نوٹ لکھئے۔

(الف) زرعی اجناس کی منظّم منڈیاں۔

(ب) تعاونی فروخت کی انجمن۔

(ج) اسٹاک ایکسچینج منڈی

(دشواری کی صورت میں پھر پڑھئے سیکشن 3.3، 3.6)

سوال نمبر 9 سیکشن تین میں پاکستان میں منڈیوں کے نظام کے بارے میں جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس کا خلاصہ 800 الفاظ میں تحریر کیجئے۔

(دشواری کی صورت میں اسی سیکشن کو بار بار پڑھئے)

فرہنگ

1۔آزاد معیشت	وہ معیشت جس میں نجی افراد کو کاروبار کی مکمل آزادی ہو۔
2۔اشتراکی معیشت	وہ معیشت جن میں تمام ذرائع پیداوار ریاست کی ملکیت ہوں۔
3۔افرادی قوت	روزگار کے متلاشی افرادی گروہ۔
4۔بازارزر	قلیل مدت کے قرضوں کا لین دین کرنے والی منڈی۔
5۔بازار سرمایہ	طویل مدت کے قرضوں کا لین دین کرنے والی منڈی۔
6۔تعاونی فروخت	اپنی مدد آپ کے تحت اجناس کی فروخت کا نظام۔
7۔قیمتوں کی میکانیت	قیمتوں کے ذریعے پورے معاشی فیصلے صادر ہونے کا نظام۔
8۔گھریلو تجارت	ملک کی اندرونی تجارت
9۔مستزائد ٹیکس	زیادہ آمدنی پر زیادہ شرح سے اور کم آمدنی پر کم شرح سے عائد ہونے والے ٹیکس کا نظام۔
10۔مخلوط معیشت	وہ معیشت جس میں سرکاری اور نجی شعبے ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں۔

11۔معاشی بحران		معاشی سرگرمیوں کا ماند پڑ جانا ہے۔
12۔منڈی کی معیشت		وہ معیشت جس کی بنیاد طلب و رسد کے عمل اور ردعمل پر ہو۔
13۔منڈی کی میکانیت		قیمتوں اور طلب و رسد کے ذریعے نافذ ہونے والا نظام
14۔منظّم منڈی		وہ منڈی جو اپنے فرائض بہترین طور پر سرانجام دے۔

جوابات

سوال نمبر1	(i) قیمت (ii) کیا، کیسے، کس کے لئے (iii) بڑھانے (iv) نقصان دہ

سوال نمبر2	(i)، (iv)-

سوال نمبر3	(i) ناکام (ii) کمی (iii) سست (iv) منصفانہ

سوال نمبر4	(ii)، (iii) -

سوال نمبر6	(i) صحیح (ii) مفید (iii) پرچون، پرچون، تھوک، تھوک (iv) تحریک، نقل وحمل (v) 309-

سوال نمبر7	(i)، (ii)، (iv)، (ix)، (x)۔

کتابیات

1.GERALD M. MEIER	Leading Issues in Economic Development.

2.Dr. S.M AKHTAR	Economis Development of Pakistan

3.GOVT. of Pakistan	Economic Survey of Pakistan 2006-07

یونٹ 14

زر اور بینکاری

تحریر
عبدالحلیم خواجہ

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد		432
1۔پاکستان میں نظام بینکاری		433
1.1	تعارف	433
1.2	اسٹیٹ بینک آف پاکستان	434
1.3	نیشنل بینک آف پاکستان	434
1.4	حبیب بینک لمیٹڈ	435
1.5	یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ	436
1.6	مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ	436
1.7	الائیڈ بینک لمیٹڈ	437
1.8	زرعی ترقیاتی بینک آف پاکستان	438
1.9	اہم نکات	439
1.10	خود آزمائی	440
2۔بینکوں کا قومی ملکیت میں آنا		442
2.1	قومی ملکیت کا حکمنامہ	442
2.2	پس منظر اور وجوہات	442
2.3	اغراض و مقاصد	443
2.4	اہم نکات	444
2.5	خود آزمائی	444
3۔افراط زر		446

3.1 تعارف 446
3.2 پاکستان میں افراط زر کے اسباب 446
3.3 افراط زر کا سدباب 447
3.4 اہم نکات 448
3.5 خود آزمائی 449

4۔ پاکستان میں رسد زر اور قیمتیں 450

4.1 تمہید 450
4.2 پاکستان میں رسد زر 451
4.3 قیمتوں میں اتار و چڑھاؤ 452
4.4 اہم نکات 456
4.5 خود آزمائی 457
جوابات 458
فرہنگ 458
فہرست کتب

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ :

(i) پاکستان کا نظام بینکاری کس قسم کا ہے اور قیام پاکستان کے وقت سے اب تک اس میں کیا کیا تبدیلیاں آئی ہیں۔

(ii) مختلف بینکوں کا دائرہ کار کیا ہے اور بینکوں کو قومیائے جانے کے فوائد اور وجوہات کیا کیا ہیں۔

(iii) افراط زر کی شکل بالخصوص پاکستان میں کیا رہی ہے۔ اس کے اسباب و علل کیا ہیں اور اس کا مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔

(iv) قیام پاکستان سے اب تک ملک میں رسد زر کی عمومی صورتحال کیا رہی ہے اور قیمتوں کے نظام اور سطح میں کیا کیا تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔

1۔ پاکستان میں بینکاری کا نظام

1.1 تعارف

ہمارے ملک کا مرکزی بینک جو باقی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو بھی کنٹرول کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے، اسٹیٹ بینک آف پاکستان ہے۔ اس کے علاوہ مختلف تجارتی بینک مثلاً حبیب بینک لمیٹڈ، یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ، الائیڈ بینک، مسلم کمرشل بینک، نیشنل بینک اور ڈاکخانوں کے سیونگ بینک ہیں۔ امداد باہمی کے مختلف بینک اور ان کا مرکزی بینک فیڈرل بینک آف کوآپریٹوز ہیں۔ صنعت کے شعبے کے لئے سرمایہ کاری، قرضوں کی فراہمی اور دیگر امور کی دیکھ بھال کے لئے انڈسٹریل ڈیویلپمنٹ بینک آف پاکستان اور زرعی شعبے کے لئے زرعی ترقیاتی بینک آف پاکستان ہیں۔ ان پاکستانی بینکوں کے علاوہ ملک میں غیر ملکی بینک بھی کام کررہے ہیں جن میں نیشنل اینڈ گرنڈ لیز بینک، بینک آف امریکہ اور مڈل ایسٹ بینک لمیٹڈ قابل ذکر ہیں۔ یہ غیر ملکی بینک بھی پاکستان کی زری پالیسی کے متعین کردہ اصول وضوابط کے تحت کام کرتے ہیں اور ملک کا مرکزی بینک یعنی اسٹیٹ بینک آف پاکستان ہی ان کے جملہ امور کی نگرانی کرتا ہے۔

تقسیم پاک و ہند کے وقت ملک میں بینکوں کی تعداد مجموعی طور پر 23 تھی، جن میں پندرہ ملکی اور آٹھ غیر ملکی بینک تھے۔

جون 1948ء کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں پاکستانی بینکوں کی شاخیں، ملک کے بینکوں کی مجموعی شاخوں کا محض 11.8 فیصد تھیں یعنی کل 195 شاخوں میں سے 23 شاخیں پاکستانی بینکوں کی تھیں۔ اس وقت سے اب تک پاکستانی بینکوں کی کارکردگی میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور اس طرح ان کی شاخوں کی تعداد بھی قابل ذکر طریقے سے پھیل گئی ہے۔ چنانچہ جون 2008ء کے اعداد و شمار کی رو سے پاکستان میں موجود کل بینک شاخوں کا 99 فیصد حصہ پاکستانی بینکوں پر مشتمل ہے۔ بہ الفاظ دیگر ملک میں موجود 54 بینکوں میں سے 49 پاکستانی اور 5 غیر ملکی بینکوں کی تعداد ہے۔ ان 49 پاکستانی بینکوں میں سے 43 ممبر بینک ہیں جبکہ 6 غیر ممبر ہیں۔ (اس تعداد میں ڈاکخانوں کے سیونگ بینک، قومی بچت کے مراکز یا زرعی وصنعتی بینک وغیرہ شامل نہیں ہیں)۔

1947ء سے 1974ء تک پاکستان کے تمام تجارتی بینک (ماسوائے نیشنل بینک) نجی شعبے کی ملکیت تھی۔ جنوری 1974ء میں تمام بینک قومی ملکیت میں لے لئے گئے۔ اس طرح نیشنل بینک اور اسٹیٹ بینک کے تمام نجی حصص بھی حکومت کی ملکیت میں آ گئے۔ فی الوقت پاکستان میں بینکاری کے امور کا انتظام حکومت کی قائم کردہ

بینکنگ کونسل کے پاس ہے۔ 2007ء میں 9 حکومتی بینک ہیں جبکہ 45 بینک نجی شعبے کی ملکیت ہیں۔

آیئے اب ہم مختلف بینکوں کے انتظام، فرائض اور کارکردگی و مالی صورتحال کا فرداً فرداً جائزہ لیں۔

1.2 اسٹیٹ بینک آف پاکستان

پس منظر

تقسیم پاکستان و ہند کے وقت یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ کچھ عرصے تک ہندوستان کا ''ریزرو بینک آف انڈیا'' (Reserve Bank of India) ہی پاکستان کے مرکزی بینک کے بیشتر فرائض سرانجام دے گا۔ تاہم یکم جولائی 1948ء اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا باقاعدہ قیام عمل میں لایا گیا اور ملک کے مرکزی بینک کے جملہ فرائض اور اختیارات اسے تفویض کردیئے گئے۔ اس وقت اس کی ملک بھر میں صرف تین شاخیں تھیں یعنی لاہور، کراچی اور ڈھاکہ میں۔

فرائض و اختیارات

اپنے فرائض کی بجا آوری اور اختیارات کے استعمال کے لئے اسٹیٹ بینک نے تین شعبے قائم کئے ہوئے ہیں۔ ہم انہی تین شعبوں کے حوالے سے بینک کے فرائض و اختیارات کا جائزہ لیں گے۔ یہ شعبے مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ شعبہ اجرا

2۔ شعبہ ایکسچینج کنٹرول

3۔ شعبہ بینکاری

(ان شعبوں کے بارے میں معلوم فراہم کرنے کے علاوہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان پر مفصل بحث یونٹ نمبر 15 میں کی گئی ہے۔ اس بینک کے بارے میں تفصیلات وہیں سے پڑھیئے۔ وہاں اس کے فرائض ،ترقیاتی کارناموں اور زر اعتبار کے کنٹرول کے کردار پر بحث کی گئی ہے۔)

1.3 نیشنل بینک آف پاکستان

نومبر 1949ء میں یہ بینک حکومت اور عوام کے مشترکہ سرمایہ سے بنیادی طور پر پٹ سن کی صنعت کو سنبھالا دینے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ بعد ازاں کپاس کے شعبے کی مالی بنیادوں کی مضبوطی کا کام بھی اسی بینک کے سپرد کیا گیا۔ 1952ء میں اس بینک کو اسٹیٹ بینک کے ایجنٹ کے فرائض بھی تفویض کردیئے گئے ہیں۔

کارکردگی وفرائض

ہ بینک وہی فرائض سرانجام دیتا ہے جو کسی بھی تجارتی بینک کے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ اسٹیٹ بینک کے ایجنٹ کے طور پر بھی کام کرتا ہے۔ خاص طور پر کپاس کی تجارت کے لئے مالیات کی فراہمی اس کا اہم فریضہ ہے۔ مزید برآں یہ سرکاری ونجی تجارت کے لئے بھی حصص کی خرید وفروخت اور مالیات کی فراہمی کا کام کرتا ہے۔

اپنے قیام سے لے کر اب تک اس بینک کی 1656 سے زائد شاخیں قائم ہوچکی ہیں جن میں سے 38 غیر ممالک میں کام کررہی ہیں۔ 2006ء کے اعداد وشمار کی رو سے بینک کی امانتوں کی مالیت 501872 ملین روپے اور بینک کی طرف سے جاری شدہ قرضے 316110 ملین روپے تک پہنچ چکے ہیں۔ 2006 ء کے کیلنڈر سال میں بینک کا منافع 26311 ملین روپے تھا۔

مالی حالت اور انتظامی ڈھانچہ

بینک کا سرمایہ 7091 ملین روپے ہے۔ اس (Paid-up Capital) سمیت بینک کا کل گردشی سرمایہ (Employed Capital) 635133 ملین روپے سے زائد ہے۔

بینک کا انتظام ایک ایگزیکٹو بورڈ کے سپرد ہے جو ایک صدر ایک چیف ایگزیکٹو اور وفاقی حکومت کی طرف سے نامزد کردہ 4 دیگر ممبران پر مشتمل ہے۔

1.4 حبیب بینک لمیٹڈ

قیام اور موجودہ انتظامی ڈھانچہ

تقسیم برصغیر سے چھ سال قبل یعنی 1941ء میں حبیب بینک کا قیام ایک (Public Limited Company) کی حیثیت سے عمل میں لایا گیا اور قومیائے جانے تک اسکی یہی حیثیت برقرار رہی۔ بہرحال 1974ء کے بعد سے یہ باقی بینکوں کی طرح قومی تحویل میں اور پاکستان بینکنگ کونسل کے زیر انتظام کام کررہا تھا۔ یہی کونسل اس کے انتظامی بورڈ کی تشکیل کرتی ہے جو وفاقی حکومت کے نامزد کردہ پانچ ممبرون پر مشتمل ہے۔ جون 2002ء میں نجکاری کمیشن نے اس سے 51 فیصد کا حصہ دار پرائیویٹ سیکٹر کو کردیا۔

مالی صورتحال اور کارکردگی

بنیادی ایسٹ (Asset Base) 565 بلین روپے ہے۔ آج کل بینک کے امانت فنڈ وغیرہ کی مالیت 451 بلین روپے سے زائد ہے۔

بینک کی 1480 شاخوں میں 55 غیر ممالک میں کام کررہی ہیں۔

حبیب بینک درآمدی و برآمدی تجارت کا سب سے بڑا سرمایہ فراہم کنندہ ہے۔

چنانچہ صرف 2007ء ہی میں بینک نے 329 بلین روپے کے قرضے فراہم کیے۔ اس قرضے میں سے 13.3 بلین زرعی مقاصد کے لئے اور بقیہ چھوٹے بڑے یونٹوں کے لئے دیئے گئے۔

حبیب بینک مالیاتی خدمات لمیٹڈ (HBFSL) کے بورڈ نے 20 ستمبر 2007ء کو پہلے حبیب بینک مضاربہ کے منافع کی تقسیم کی منظوری کا اعلان کیا جو 1.30 روپے فی مضاربہ سٹرفکیٹ تھا۔

1.5 یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

قیام اور موجودہ انتظامی ڈھانچہ

یونائیٹڈ بینک نے 7 نومبر 1959ء کو ایک فہرستی بینک کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ یکم جنوری 1974ء کو قومیائے جانے کے بعد سے بھی پاکستان بینکنگ کونسل کی تحویل میں دے دیا گیا۔ بعد ازاں 30 دسمبر 1974ء کو کامرس بینک لمیٹڈ کو بھی اس بینک میں ضم کردیا گیا۔

قومیائے جانے کے بعد اس کا اپنا بورڈ آف ڈائریکٹرز ختم کردیا گیا اور اس کی جگہ وفاقی حکومت کی جانب سے ایک ایگزیکٹو بورڈ بنا دیا گیا جو ایک صدر اور چار ممبران پر مشتمل ہے۔ یہ چار ممبران بینک کے ہی 4 سینیئر منتظمین میں سے منتخب کئے جاتے ہیں۔

مالی صورتحال اور کارکردگی

1980ء میں بینک کا منظور شدہ سرمایہ 9.6 کروڑ روپے تھا جبکہ اس کا ادا شدہ سرمایہ 5.8 کروڑ روپے کی مالیت کے 5,806,000 حصص پر مشتمل تھا جن میں سے ہر ایک کی مالیت دس روپے تھی۔ 2007ء میں بینک کے کل اثاثہ جات (Asset) تقریباً 550 بلین روپے کے لگ بھگ ہوگئے ہیں سال 2007ء تک بینک کی کل 1096 برانچوں میں سے 17 بیرون ممالک کام کررہی ہیں۔

یہ بینک زرعی، تجارتی و صنعتی سرمایہ کاری اور قرضوں کے ساتھ ساتھ کم لاگت کے مکانوں کی تعمیر اور طلبہ کی بہبود کے لئے بھی قرضہ فراہم کرتا ہے۔ بینک کی کل سرمایہ کاری سال 2006ء کے مطابق 104 بلین روپے ہے۔

1.6 مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ

قیام اور موجودہ انتظامی ڈھانچہ

مسلم کمرشل بینک کا قیام تقسیم برصغیر سے صرف ایک ماہ قبل یعنی جولائی 1947ء میں کلکتہ کے مقام پر عمل

میں آیا۔ تقسیم کے بعد اس کا صدر دفتر کلکتہ سے چٹا گانگ منتقل کردیا گیا۔ جہاں اس نے اگست 1948ء میں اپنا کام شروع کردیا۔ بعد ازاں اگست 1958ء میں اسے چٹا گانگ سے بھی منتقل کرکے کراچی میں رجسٹرڈ کرا لیا گیا۔ جنوری 1974ء میں قومیائے جانے کے بعد اس سال ہی جون میں پریمیئر بینک لمیٹڈ کا انضمام بھی اسی بینک میں کردیا گیا۔

قومیائے جانے کے ایکٹ مجریہ 1974ء کے تحت ہی اس بینک کا بورڈ آف ڈائریکٹرز توڑ کر ایک ایگزیکٹو بورڈ تشکیل دیا گیا جو ایک صدر اور بینک کے چار سینئر ایگزیکٹوز پر مشتمل ہے۔

سال 2002ء میں اس بینک کی نجکاری عمل میں آئی جو برانچیں غیر منافع بخش تھیں انہیں بند کردیا گیا۔

بینک کا منظور شدہ سرمایہ 5.4 کروڑ روپے ہے جبکہ اس کا ادا شدہ سرمایہ (Paid-up Capital) 2.7 کروڑ روپے ہے اور دس دس کروڑ روپے کے 27 لاکھ حصص پر مشتمل ہے۔

سال 2007ء کے مطابق بینک کی 1020 شاخیں پاکستان میں اور 6 غیر ممالک میں کام کررہی ہیں جن کے پاس مجموعی طور پر 280 بلین روپے سے زائد امانتیں جمع ہیں۔

مسلم کمرشل بینک کے کل اثاثہ جات (Asset) سال 2007ء کے مطابق 300 بلین روپے ہیں۔

1.7 الائیڈ بینک لمیٹڈ

قیام اور موجودہ انتظامی ڈھانچہ

الائیڈ بینک دراصل آسٹریلیشیا بینک کا ہی نیا نام ہے جو 1942ء میں قائم کیا گیا تھا۔ جنوری 1974ء میں تمام بینکوں کے قومیائے جانے کے بعد اسی سال یکم جولائی کو انتظامی سہولتوں اور کفایتوں کے پیش نظر تین اور بینک یعنی سرحد بینک لمیٹڈ، لاہور کمرشل بینک لمیٹڈ اور پاک بینک لمیٹڈ بھی آسٹریلیشیا بینک میں ضم کردیئے گئے اور بینک کا نام الائیڈ بینک آف پاکستان رکھ دیا گیا۔

مرکزی طور پر بینک کا انتظام ایک ایگزیکٹو بورڈ کرتا ہے جو ایک صدر (چیف ایگزیکٹو) اور چار دوسرے ممبران (سینئر ایگزیکٹو) پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان سب کو وفاقی حکومت نامزد کرتی ہے۔

سال 2002ء میں اس بینک کی بھی نجکاری عمل میں آئی۔ اس طرح اس کی انتظامیہ اور انتظامی امور کافی حد تک تبدیل ہوگئے۔ سال 2006ء میں بینک کے کل اثاثہ جات 252027 ملین روپے تھے جبکہ کل ذمہ داریاں (Liabilities) 234339 ملین روپے تھی۔

بینک نے اپنی شاخوں میں اضافہ کرکے جہاں 2006ء کے مالی سال میں 206031 ملین روپے سے

زائد امانتیں حاصل کیں وہیں دیہاتی اور قصباتی عوام کے لئے روزگار کے مواقع بھی فراہم کئے۔
سال 2006ء میں بینک کی طرف سے جاری کئے گئے کل قرضوں کی مالیت تقریباً 19050 ملین تھی۔ بینک نے ایک (Students Loan Scheme) جاری کرنے کے علاوہ نچلے طبقے کو مختلف نوعیت کے قرضے فراہم کرنے کا کام بھی سنبھالا ہوا ہے۔2006ء میں ہی بینک نے مجموعی طور پر 6661 ملین روپے منافع کمایا۔

1.8 زرعی ترقیاتی بینک آف پاکستان

قیام اور موجودہ انتظامی ڈھانچہ

زرعی شعبے کی مالی معاونت کے لئے علی الترتیب 1952ء اور 1957ء میں دو ادارے ایگریکلچرل ڈیویلپمنٹ فنانس کارپوریشن اور ایگریکچرل بینک آف پاکستان قائم کئے گئے تھے۔ بعد ازاں انتظامی سہولتوں میں بہتری اور استعداد کار میں اضافے کی غرض سے 1961ء میں ان دونوں اداروں کو ضم کردیا گیا اور ایک نئے بینک کی شکل دے دی گئی۔جس کا نام ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ بینک آف پاکستان رکھا گیا۔
اس مقصد کے لئے 1961ء کا ایگریکلچرل ڈیویلپمنٹ بینک آرڈیننس جاری کیا گیا جس کی مختلف دفعات اور ہدایات کے تحت بارہ ممبران پر مشتمل بورڈ آف ڈآئریکٹرز اس کا انتظام سنبھالتا ہے اور بینک کا چیف ایگزیکٹو ہی بورڈ کا چیئرمین ہوتا ہے۔ممبران میں وزارت خزانہ، وزارت زراعت اور سٹیٹ بینک کا ایک ایک نمائندہ، چاروں صوبائی حکومتوں کا ایک ایک نمائندہ اور تمام صوبوں کی طرف سے وفاقی حکومت کا نامزد کردہ ایک ایک نمائندہ شامل ہوتا ہے۔
بینک کا صدر دفتر اسلام آباد میں اور علاقائی دفتر کراچی میں ہے۔ یہ مرکزی دفاتر 341 شاخوں کے نظام کو کنٹرول کرتے ہیں۔

مالی صورتحال اور کارکردگی

زرعی ترقیاتی بینک کا کل منظور شدہ سرمایہ (Authorised Capital) 25 بلین روپے ہے۔
یہ بینک زرعی معیشت کے مختلف شعبوں کے لئے وسیع پیمانے پر مختلف النوع قرضے فراہم کرتا رہتا ہے۔ صرف 08-2007ء کے مالی سال میں مختلف شعبوں کو اس بینک کی جانب سے 39561.17 ملین روپے سے زائد رقم کے قرضے فراہم کئے گئے۔

1.9 اہم نکات

1۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان ہمارے ملک کا مرکزی بینک ہے جو باقی تمام بینکوں کے امور کی نگرانی کرتا ہے۔

2۔ 1948ء میں ہمارے پاکستانی بینکوں کی شاخوں کا تناسب تمام بینکوں کی مجموعی شاخوں کے قریباً 12 فیصد تھا۔ 2008ء میں بڑھ کر 99 فیصد ہوگیا۔

3۔ 2008ء میں پاکستان میں تمام قسم کے بینکوں کی تعداد 54 ہے جن میں سے 49 پاکستانی تھیں اور 5 غیر ملکی تھیں۔

4۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان یکم جولائی 1948ء کو معرض وجود میں آیا۔

5۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نوٹ جاری کرنے کا واحد مجاز ادارہ ہے جو 30 فیصد محفوظ ذخائر کی بنیاد پر کرنسی نوٹ چھاپتا ہے۔ یہی بینک زرمبادلہ کا نگران اور وصول کنندہ ہے۔ یہی بینک حکومت کا بینک بھی ہے جو حکومت کی مالی اور مالیاتی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کا ذمہ دار ہے۔

7۔ نیشنل بینک آف پاکستان نومبر 1949ء میں پٹ سن اور کپاس کی صنعتوں کی مالی سرپرستی کی غرض سے قائم کیا گیا۔ اس کا ادا شدہ سرمایہ 7091 ملین روپے ہے۔ یہ بینک نجی و سرکاری تجارت کی حوصلہ افزائی کے لئے قرضے فراہم کرتا ہے۔

8۔ حبیب بینک کے اثاثہ جات 565 ملین روپے کے ہیں۔ یہ تجارتی بنیادوں پر کام کرتا تھا۔ اسے 1974ء میں قومی ملکیت میں لیا گیا۔ اس نے 2007ء میں 329 بلین روپے کے قرضے فراہم کئے۔ 2008ء میں اس کے پاس 451 بلین روپے امانتیں ہیں۔

9۔ یونائیٹڈ بینک 1959ء میں قائم ہوا اور 1974ء میں قومی ملکیت میں آیا۔ 1980ء میں اس کا منظور شدہ سرمایہ 9.6 کروڑ روپے تھا۔ اسکے پاس 20 ارب روپے سے زیادہ کی امانتیں موجود تھیں۔ 2007ء میں اس کے اثاثہ جات 550 بلین روپے کے تھے۔

10۔ مسلم کمرشل بینک 1947ء میں معرض وجود میں آیا۔ اسے 1974ء میں قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ اس کے کل اثاثہ جات سال 2007ء میں 300 بلین روپے ہوگئے۔

11۔ الائیڈ بینک 1974ء میں کئی چھوٹے بینکوں کے ادغام کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا۔ 2006ء میں اس کے پاس 206031 ملین روپے کی امانتیں موجود تھیں اور اس کا منافع 6661 ملین روپے تھا۔

12۔ زرعی ترقیاتی بینک 1961ء میں قائم ہوا۔ اس کا منظور شدہ سرمایہ 25 بلین روپے ہے۔ اس نے 2007-08ء میں 39561.17 ملین روپے کے قرضے فراہم کئے۔

1.10 خود آزمائی

1۔ صحیح جواب کا انتخام کیجئے۔

(i) اسٹیٹ بینک کب قائم ہوا؟

1948ء	1958ء	1968ء

(ii) نیشنل بینک آف پاکستان کب معرض وجود میں آیا؟

1949ء	1959ء	1969ء

1949ء 1959ء 1969ء

(iii) حبیب بینک کا قیام کب عمل میں آیا؟

1941ء	1951ء	1961ء

1941ء 1951ء 1961ء

(iv) یونائیٹڈ بینک کس سال قائم ہوا؟

1959ء	1969ء	1979ء

1959ء 1969ء 1979ء

(v) مسلم کمرشل بینک کا قیام کس سال عمل میں آیا؟

1947ء	1957ء	1967ء

(vi) تجارتی بینکوں کو کس سال قومی ملکیت میں لیا گیا؟

1970ء	1972ء	1974ء

2۔ درج ذیل بیانات درست ہیں یا غلط

(i) اسٹیٹ بینک آف پاکستان کرنسی نوٹ جاری کرنے کا واحد مختار ادارہ ہے۔

درست	غلط

(ii) 2008ء میں پاکستانی بینکوں کی شاخوں کا تناسب تمام بینکوں کی کل شاخوں کے 99فیصد سے بھی بڑھ گیا۔

غلط	درست

(iii) پاکستان زرعی ترقیاتی بینک آف پاکستان کا ظہور 1961ء میں عمل میں آیا۔

غلط	درست

(iv) الائیڈ بینک دراصل 1974ء میں کئی چھوٹے بینکوں کے انضمام سے عمل میں آیا۔

غلط	درست

(v) قومیائے گئے بینکوں کا انتظام بینکنگ کونسل آف پاکستان کے سپرد تھا۔

غلط	درست

3۔ پاکستان کے نظام بینکاری پر مفصل مضمون سپرد قلم کیجئے۔

(جواب کے لئے دیکھئے 1.2 تا 1.9)

2- بینکوں کا قومی ملکیت میں آنا

2.1 قومی ملکیت کا حکم نامہ

یکم جنوری 1974ء کو بینک نیشنلائزیشن آرڈیننس مجریہ 1974ء کے تحت ملک کے شعبہ بینکاری کو قومی ملکیت میں لئے جانے کا اعلان کردیا گیا۔ اس حکم کے خاص نکات یہ تھے:۔

1۔ ملک میں آئندہ بینک قائم کرنے کا اختیار صرف وفاقی حکومت یا اس مقصد کے لئے قائم کی گئی کارپوریشن کو ہوگا۔

2۔ غیرملکی بینکوں کو نہیں قومیایا جائے گا۔ تاہم آئندہ انہیں بھی ملک میں نئی شاخیں کھولنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

3۔ جن بینکوں کو نہیں قومیایا جائے گا وہ بھی انہیں پابندیوں اور اختیارات و مراعات کے تحت کام کریں گے جو وفاقی حکومت قومیائے گئے بینکوں کے لئے متعین کرے گی۔

4۔ جن نجی شعبے کے سرمایہ کاروں کے حصص بینکوں میں موجود ہیں انہیں وفاقی حکومت کے طے شدہ لائحہ عمل کے تحت معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

5۔ قومیائے گئے بینکوں کی غیر ملکی شاخیں بھی قومی ملکیت تصور ہوں گی۔

بعد ازاں بینکاری کے امور سے متعلقہ فرائض کی بجا آوری کے لئے پاکستانی بینکنگ کونسل قائم کی گئی اور تجارتی بینکوں کو بھی از سر نو نئے تنظیمی ڈھانچے میں منظم کیا گیا۔ اس سلسلے میں مختلف قسم کے انضمام کے ذریعے تمام تجارتی بینکوں کو 5 بینکوں کی شکل دے دی گئی۔ ان میں نیشنل بینک آف پاکستان، حبیب بینک، یونائیٹڈ بینک، مسلم کمرشل بینک اورالائیڈ بینک شامل تھے۔

2.2 پس منظر اور وجوہات

اگرچہ قیام پاکستان کے بعد پاکستانی معیشت کے شعبۂ بینکاری نے بجائے خود خاصی ترقی کی، بہرحال یہ بھی پاکستان کے نجی شعبے کے دوسرے حصوں کی طرح ان خرابیوں اور بدعنوانیوں سے محفوظ نہ رہ سکا جو پاکستان کے نجی شعبے کے مخصوص مزاج کا حصہ ہیں۔

ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

(الف) ملک کی دولت اور نتیجتاً معاشی قوت چند افراد کے قبضے میں مرکوز ہو کر رہ گئی تھی۔ مثال کے طور پر ایک طرف تو چھوٹے تاجر اور کاشتکار وغیرہ بینکوں سے قرضوں کے حصول کے سلسلے میں مشکلات کا سامنا کر رہے تھے اور دوسری طرف تقریباً 75 فیصد قرضے مخصوص دو سو کے قریب افراد، خاندانوں اور گروپوں نے لے رکھے تے۔

(ب) ان بڑی بڑی امانتوں میں سے بھی بیشتر ایسی ہیں جو ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی خفیہ دولت پر مشتمل تھیں۔ اس طرح کی امانتیں جہاں مختلف قسم کے ٹیکسوں سے نجات کا باعث تھیں وہیں ان کے مالک بڑے تاجر انہی امانتوں کی بنیاد پر وسیع پیمانے پر مزید قرضے بھی لیتے رہتے تھے۔

(ج) بیک وقت کئی علیحدہ علیحدہ بینکوں سے تعلقات کی بنیاد پر بڑے تاجر ایک ہی وقت میں کئی بینکوں سے ناجائز مقاصد کے لئے قرضے حاصل کر لیتے تھے۔

(د) خود بینکوں کے اعلیٰ افسران اور منتظمین بھی بھاری تنخواہیں لیتے رہے اور غیر ملکی برانچوں میں دوروں کے بہانے قومی دولت اور وسائل میں اسراف کا باعث بنتے تھے۔

(ر) محض منافع کے خیال سے بعض علاقوں میں ضرورت سے زیادہ بینک کی شاخیں موجودہ ہوتی تھیں اور بعض جگہ جہاں ضرورت ہوتی تھی (مثلاً زرعی علاقے) وہاں کوئی شاخ نہیں ہوتی تھی۔

(س) سب سے زیادہ نقصان دہ پہلو یہ تھا کہ بینکوں کی طرف سے قرضہ محض چند افراد کو اور وہ بھی ناپسندیدہ مقاصد کے لئے دے دیا گیا تھا جو سٹاک مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ اور سٹے بازی پر خرچ ہوتا رہا۔

2.3 اغراض و مقاصد

ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جب نئی بینکاری پالیسی تشکیل دی گئی تو اس کے سامنے مندرجہ ذیل مقاصد سامنے رکھے گئے:۔

(i) قومیائے جانے کے ذریعے بینکوں کے سرمائے دو ایک مربوط پالیسی کے تحت ایک جائز تناسب میں مختلف شعبوں میں لگایا جائے گا۔

(ii) صرف ایک مخصوص طبقے ہی کو قرضے کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے گا۔

(iii) ناجائز دولت چھپانے کے مواقع کم کئے جائیں گے۔

(iv) بینکوں کے درمیان مقابلہ بازی، اشتہار بازی وغیرہ کے اخراجات کم ہو جائیں گے۔

(v) علیحدہ علیحدہ بینکوں کے انتظامی اخراجات بھی کم ہو جائیں گے۔

(vi) بینکوں کی شاخیں صرف منافع کی توقع میں ہی نہیں بلکہ علاقے کی ضرورت کے خیال سے بھی کھلیں گی۔

(vii) تمام بینکوں کا انتظام مربوط ہونے کی وجہ سے کوئی بھی فرد، گروپ یا خاندان بیک وقت کئی بینکوں سے قرضہ نہ لے سکے گا۔

(viii) پہلے کی طرح محض معاشی درجہ بندی اور اثر و رسوخ کی بنیاد پر ملازمین کا تقرر کرنے کی بجائے لوگوں کی انتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر تقرریاں کی جائیں گی۔

(ix) امانتوں کے حصول کے لئے ناجائز ذرائع کا استعمال بند ہوجائیگا۔

(x) ملک کی مالی پالیسی کا نفاذ زیادہ مؤثر طریقے سے ہو سکے گا۔

2.4 اہم نکات

1۔ یکم جنوری 1974ء کو پاکستان کے بڑے بڑے تجارتی بینک قومی ملکیت میں لے لئے گئے، البتہ غیرملکی بینکوں کو قومی تحویل میں نہیں لیا گیا۔

2۔ دولت کا چند گھرانوں میں ارتکاز، ناجائز آمدنیوں کا سراغ لگانے کی نیت، بینکوں کے عملہ کی بلا جواز بھاری تنخواہیں، شاخوں کا چند علاقوں میں انجماد اور سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی وہ وجوہات تھیں جن کے سبب بینکوں کو قومی ملکیت میں لیا گیا۔

3۔ بینکوں کو قومی ملکیت میں لینے کے مقاصد یہ تھے: ناجائز دولت کا پتہ چلانا، قرضوں کی مربوط پالیسی اختیار کرنا، تمام طبقوں کو قرضوں کی سہولت دینا، مستعد ملازمین کا بھرتی کیا جانا، ناجائز ذرائع کی بندش کرنا اور مالی پالیسی کو مؤثر بنانا۔

2.5 خود آزمائی

4۔صحیح جواب کا انتخاب کیجئے۔

(i) بینکوں کو قومی ملکیت میں اس لئے بھی لیا گیا کہ بینکوں کے قرضے چند گھرانوں اور چند شہریوں تک محدود ہوکر رہ گئے تھے۔

ہاں	نہیں

(ii) ناجائز دولت (کالے دھن) کا سراغ لگانے کی خاطر بھی بینکون کو قومی ملکیت میں لیا گیا۔

ہاں	نہیں

(iii) قومی ملکیت میں آنے سے پیشتر بینکوں کا عام دستور یہ تھا کہ امانتیں وصول کرنے کے لئے رشوت اور ناجائز ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے تھے۔

ہاں	نہیں

(iv) بینکوں کو قومی ملکیت میں لئے جانے کے حکم نامے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ غیر ملکی بینک کو بھی قومی ملکیت میں لیا جائے گا۔

ہاں	نہیں

(v) بینکوں کو قومی ملکیت میں لئے جانے کے حکم نامہ کے مطابق غیر ملکی بینکوں پر کئی طرح کی پابندیاں عائد کردی گئیں۔

ہاں	نہیں

5۔ پاکستان میں بینکوں کے قومی ملکیت میں لئے جانے کی وجوہات اور اغراض پر روشنی ڈالئے؟

(جوابات کے لئے دیکھئے 2.2 اور 2.3)

3۔افراط زر

3.1 تعارف

افراط زر (Inflation) سے ہماری مراد پاکستان جیسی معیشت میں قیمتوں کی عمومی سطح میں ایک مستقل اضافہ ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ایسی صورتحال ہے کہ جب ''بہت سی رقم بہت کم اشیا کے تعاقب'' میں ہو۔

جہاں تک افراط زر کے مسئلے کا تعلق ہے، پاکستانی معیشت کا بھی اپنا ایک مخصوص مزاج رہا ہے۔ اعداد و شمار کا بغور جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک مندرجہ بالا ہر قسم کا افراط زر مختلف اوقات میں یہاں کی معیشت میں موجود رہا ہے۔

3.2 پاکستان میں افراط زر کے اسباب

قیام پاکستان سے لے کر اب تک کے اعداد وشمار کے بغور جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں افراط زر کے مندرجہ ذیل اسباب رہے ہیں۔

(i) منافع خوری

بدعنوانی کے رجحانات پاکستان کے صنعتکاروں اور تاجروں میں عام ہیں۔ پاکستان کا یہ طبقہ ابھی تک دور رس منصوبوں اور قومی ترقی کو اپنی ترقی نہ سمجھنے پر مصر ہے اور اس لئے فوری فائدہ حاصل کرنے کے لئے قیمتوں میں ناجائز طور پر مسلسل اضافہ کرتا رہتا ہے۔

(ii) سرکاری اخراجات

افراط زر کا اتنا ہی بڑا دوسرا سبب ریاست کے ترقیاتی اور غیر ترقیاتی اخراجات میں بے پناہ اضافہ اور مسلسل نئے نوٹوں کی چھپائی کی وجہ سے ملک میں مقدار زر میں غیر متناسب اضافہ ہے۔ 1950ء میں ملک میں مجموعی طور پر قریباً دو ارب روپے کی کرنسی گردش کررہی تھی جو 58 سال بعد یعنی 2008ء کے اعداد وشمار کے مطابق کئی گنا اضافے کے بعد 4408088 ملین روپے کے لگ بھگ ہوچکی ہے۔

(iii) سکے کی قیمت میں کمی

گوناگوں وجوہات کی بناء پر روپے کی قیمت میں کمی کے باعث ایک طرف تو درآمدات کی قیمتوں میں

اضافہ ہوا اور دوسری طرف برآمدات بڑھ جانے کے باعث ملکی منڈی میں اشیائے صرف کی رسد میں کمی اور نتیجتاً ان کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔

(iv)بیروزگاری

ملک میں متوازن اورصحت مند صنعتی ماحول نہ ہونے کے سبب ایک طرف تو بے روزگاری میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور دوسری طرف صنعتی تنازعات کے نتیجے میں پیداوار میں کمی رہی ہے۔ چنانچہ قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔

(v)افزائش آبادی

ملک میں افزائش آبادی کی شرح تین فیصد سے زائد ہے اور ایک اندازے کے مطابق ہر چوبیس سال میں آبادی دگنی ہوجاتی ہے اس سے ملک میں مجموعی طلب میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور قیمتیں چڑھتی رہی ہیں۔ اس طلب کو پورا کرنے کے لئے پیداوار میں اسی تناسب سے اضافہ نہیں ہوا۔

(iv)عالمی قیمتیں

افراط زر کا ایک سبب پوری دنیا اور عالمی منڈی میں موجود قیمتوں کی بلند ہوتی ہوئی سطح ہے۔ 2007-08ء کے مالی سال کے اعداد وشمار کے مطابق ملکی درآمدات کی مالیت 1979103 ملین روپے اور برآمدات کی کل مالیت 940484 ملین روپے تھی۔ بین الاقوامی منڈی سے اتنے وسیع پیمانے پر لین دین کی وجہ سے بین الاقوامی قیمتوں کی سطح لازمی طور پر اندرون ملک قیمتوں کے نظام کو متاثر کرتی ہے۔

3.3 افراط زر کا سدباب

ممکنہ علاج

عمومی طور پر ملکی معیشت سے افراط زر کو کم کرنے اور مؤثر طریقے پر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف حکومت کی معاشی پالیسیاں صحیح خطوط پر استوار کی جائیں بلکہ ان پر عملدرآمد بھی مؤثر مشینری کے ذریعے کیا جائے۔ قانون کی حکمرانی کے ذریعے تاجروں اور صنعتکاروں کو ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ اور ناجائز منافع کمانے سے روکا جائے۔ قیمتوں پر کنٹرول کیا جائے اور ٹیکسوں کی وصولی زیادہ سے زیادہ مؤثر طریقے سے کی جائے تاکہ نئے نوٹوں کے اجراء سے ممکنہ حد تک بچا جاسکے۔ ریاست کے غیر ترقیاتی اخراجات میں کمی کی جائے۔ اشیائے صرف کی برآمد ہر ممکن حد تک کم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی درآمد پر بھی ممکنہ پابندیاں عائد کی جائیں، ملکی پیداوار

میں اضافہ کیا جائے اور عاملین پیداوار کی ذاتی کارکردگی میں اضافہ کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ آبادی میں اضافے کی شرح کو گھٹانا بھی اسی سلسلے کا ایک اہم قدم ہے۔

عملی اقدامات

اب ہم دیکھیں گے کہ پاکستان میں پچھلے عرصہ کے دوران افراط زر پر قابو پانے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے۔

(i) قیمتوں پر کنٹرول کی غرض سے اور اضافے کے مختلف عوامل کا جائزہ لینے کے لئے وفاقی سطح پر پرائس کمیشن اور صوبائی سطح پر پرائس کنٹرول بورڈ قائم کئے گئے ہیں۔

(ii) اشیائے صرف کی درآمد پر پابندیوں کے ساتھ ساتھ ان میں سے کئی ایک برآمد بھی بند کی گئی ہے۔

(iii) اشیائے صرف کی بہم رسانی کو تیز کرنے کیلئے یوٹیلٹی سٹورز کارپوریشن اور لاجسٹک سیل وغیرہ قائم کئے گئے ہیں۔

(iv) کئی صنعتوں اور بینکوں وغیرہ کو قومی تحویل میں لے لیا گیا ہے تاکہ پیداوار اور کارکردگی میں اضافہ ہو اور منافع بھی سرکاری خزانے میں پہنچے تاکہ نئے نوٹوں کی اشاعت کم کی جاسکے۔

(v) غیر ترقیاتی اخراجات میں تخفیف اور دیگر ذرائع کی مدد سے تمویل خسارکو کم کیا گیا ہے۔

(vi) لوگوں میں خریداری کے رجحان کو کم کرنے (یعنی طلب میں کمی کرنے) کے لئے قومی سطح پر بچت کی کئی سکیمیں مثلاً پرائز بانڈ، ڈیفنس سیونگ سٹرفکیٹ، مختلف النوع بیمہ سکیمیں اور بچت بینک کو رواج دیا گیا ہے بچت پر شرح سود میں اضافہ کیا گیا ہے۔

(vii) بینکوں سے قرضہ وغیرہ لینے کے لئے کئی پابندیاں عائد کی گئی ہیں غیر ترقیاتی مقاصد کے لئے قرضوں پر پابندی لگائی گئی ہے اور قرضے کی شرح سود بھی بڑھا دی گئی ہے۔

(viii) ٹیکسوں کی شرح اور تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کی وصولی کے نظام کو مؤثر بنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔

(ix) ملک میں اعتباری زر کی مقدار میں کمی کی غرض سے سٹیٹ بینک کی شرح سود میں اضافہ کیا جاتا رہا ہے۔

(x) سمگلنگ اور ذخیرہ اندوزی کو روکنے کے لئے قانونی اور انتظامی اقدامات اور اختیارات کا دائرہ وسیع کیا گیا ہے۔

3.4 اہم نکات

1۔ جب بہت زیادہ زر موجود ہو اور اشیا کی تعداد بہت کم ہو تو قیمتوں میں چڑھاؤ کی کیفیت رہتی ہے اسے

افراط زر کہتے ہیں۔

2۔ پاکستان ترقی پذیر ملک ہونے کے سبب افراط زر کا شکار ہے۔ ہمارے ملک میں افراط زر کی کئی وجوہات ہیں جن میں یہ اسباب شامل ہیں:
منافع خوری، سرکاری اخراجات، سکے کی قیمت میں کمی، بیروزگاری، آبادی میں اضافہ اور عالمی قیمتیں

3۔ افراط زر پر قابو پانے کے لئے کئی اقدامات کئے جاسکتے ہیں جن میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت، نئے نوٹوں کی اشاعت کو محدود کرنا، غیر ترقیاتی اخراجات میں کمی، اشیائے صرف کی برآمد کی تنسیخ، پیداوار اور درآمدات میں اضافہ وغیرہ شامل ہیں۔

4۔ پاکستان میں افراط زر کو روکنے اور محدود کرنے کے لئے یہ اقدامات کئے گئے ہیں۔ پرائس کنٹرول بورڈ کا قیام، اشیائے صرف کی برآمد پر پابندی، یوٹیلٹی سٹورز کا قیام، تجارتی بینکوں کا قومی ملکیت میں لینا، غیر ضروری سرکاری اخراجات میں کفایت، بچت کی سکیموں کا نفاذ، بینکوں سے حکومت کا قرضے لینا، ٹیکسوں کا نفاذ اور حصول اور سمگلنگ کی روک تھام۔

3.5 خود آزمائی

6۔ جب زر کی مقدار بہت زیادہ بڑھ جانے اور اشیا کی قلت ہو تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کیفیت کو افراط زر کہتے ہیں۔ کیا آپ متفق ہیں۔

نہیں	ہاں

7۔ پاکستان میں افراط زر کی پیدائش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومتوں نے وقتاً فوقتاً نئے کرنسی نوٹوں کی اشاعت پر انحصار کیا ہے۔ کیا یہ بیان درست ہے۔

نہیں	ہاں

8۔ تیل اور پٹرول کی بڑھتی ہوئی عالمی قیمتوں نے بھی پاکستان میں افراط زر پیدا کیا۔ کیا یہ بات صحیح ہے۔

نہیں	ہاں

9۔ اگر اشیا کی ذخیرہ اندوزی بڑھتی جائے تو کیا افراط زر پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

نہیں	ہاں

10۔ بچت کی سکیموں کے نفاذ اور یوٹیلٹی سٹورز کے قیام سے کیا پاکستان میں افراط زر پر قابو پانے میں مدد ملی ہے۔

نہیں	ہاں

4۔ پاکستان میں رسد زر اور قیمتیں

4.1 تمہید

آیئے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ پاکستان میں زر کی رسد کے اہم اجزا کون کون سے ہیں۔ اگر ہم بینک کی رقم (Bank Mony) کو بھی گردشی کرنسی میں شامل کرلیں تو ہمارے ہاں زر کی رسد کے مندرجہ ذیل اجزا بنتے ہیں۔

(i) طلبی امانتیں (demand deposit) اور مدتی امانتیں (Time deposit)

(ii) سٹیٹ بینک کے پاس دیگر ڈپازٹ

(iii) ملک کی مجموعی گردشی کرنسی

دیگر ترقی پذیر ممالک کی طرح ہمارے ہاں بھی کل رسد زر کا بڑا حصہ گردشی کرنسی پر مشتمل رہا ہے تاہم بینکاری کے نظام کی وسعت کے ساتھ ساتھ جب بینکوں کے ڈپازٹ (Deposit) میں اضافہ ہوا تو گردشی کرنسی کا تناسب کم ہوتا چلا گیا۔ مثلاً 1958ء میں گردشی کرنسی کل رسد زر کا تقریباً 42.2 فیصد تھی اور 50 سال بعد 2008ء میں یہ تناسب گھٹ کر 22.3 فیصد تک آ گیا ہے۔

بہر طور قیام پاکستان کے وقت سے لے کر اب تک معاشی کارکردگی میں پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ زر کی رسد بھی مسلسل بڑھتی رہی ہے۔ اس زری پھیلاؤ کی عمومی شکل حسب ذیل رہی ہے۔

سال	کل زری اثاثے
2004ء	2485492 ملین روپے
2005ء	2960644 ملین روپے
2006ء	3406905 ملین روپے
2007ء	4065155 ملین روپے
مارچ 2008(P)	4408088 ملین روپے

مندرجہ بالا اعداد و شمار کی روشنی میں دیکھا جائے تو صرف 2004ء سے 2008ء کے عرصے میں زر کی رسد میں اضافہ تقریباً 81 فیصد کے لگ بھگ ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، گردشی کرنسی ہمارے ہاں اہم تناسب میں موجود رہی ہے۔ اس کی مالیت 2001ء میں 375465 ملین روپے تھی مارچ 2008ء تک اس کی مالیت 506536 ملین روپے ہو چکی تھی۔

اسی طرح 2001 ء سے مارچ 2008ء تک (Deposits) میں بھی تقریباً 2282950 ملین روپے کا اضافہ ہو چکا تھا۔ یہ مارچ 2008ء میں 3422237 ملین روپے تک پہنچ چکے تھے۔ اسی طرح بینکوں کی طرف سے جاری ہونے والے قرضے بھی جو 2002 ء کو محض 896150 ملین روپے پر مشتمل تھے مارچ2008ء تک 2722452 ملین روپے تک جا پہنچے تھے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یکم جنوری 1974ء کے بعد کے اعداد و شمار میں سابقہ مشرقی پاکستان کی رسد زر کی مقدار شامل نہیں۔ اس کے علاوہ یاد رہے کہ (Deposits) میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں۔

(الف) فہرستی بینکوں کے تمام (Demand) اور (Time) ڈیپازٹ

(ب) سٹیٹ بینک کے دیگر ڈیپازٹ

(ج) ڈاکخانے کے سیونگ بینک ڈیپازٹ

(د) تمام غیر فہرستی اور امداد باہمی کے بینکوں کے ڈیپازٹ

البتہ ان میں غیر ملکی قرضے کے اکاؤنٹ، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کا اکاؤنٹ نمبر1 اور کاؤنٹر پارٹ فنڈ شامل نہیں۔ ذیل میں گوشوارہ 2001 ء سے مارچ 2008ء کے عرصے میں ملک کے زری اثاثوں کی مجموعی مالیت کی تفصیل کو ظاہر کرتا ہے۔ (اعداد و شمار ملین روپوں میں ظاہر کئے گئے ہیں۔)

سال	زر گردش کرنسی	طلبی امانتیں	مدتی امانتیں	مرکزی بینک کے پاس دیگر امانتیں	فہرستی بینکوں کی کل امانتیں	فارن کرنسی میں امانتیں	نمو کی شرح
2001ء	375465	582824	727177	11292	1139287	154154	9.0
2004ء	578116	1092234	1052428	2116	1905260	145694	19.6
2006ء	740390	1475885	1550177	4931	2661584	195501	15.1
2008ء	982001	3339125	561679	3850	3422237	234882	8.4

2001ء سے لیکر 2008ء تک 7 سال کے عرصے میں زیر گردش کرنسی کی مقدار دوگنا سے بھی زیادہ ہوگئی۔ طلبی امانتوں میں 6 گنا سے بھی زیادہ اضافہ ہوا۔ مدتی امانتیں تقریباً 1/3 گنا کم ہوگئیں۔ مرکزی بینک کے پاس دیگر امانتوں کی مالیت قریباً 4 گنا کم ہوگئی البتہ سٹیٹ بینک کے پاس فہرستی بینکوں کی امانتوں کی مالیت 3 گناہ سے زیادہ گئی۔ یہ امانتیں 1139287 ملین روپے سے بڑھ کر 3422237 ملین روپے ہوگئیں۔ فارن کرنسی میں امانتوں کی مالیت جون 2001 ء میں 154154 ملین روپے تھی جو 2008 ء میں بڑھ کر 234882 ملین روپے

ہوگئی۔ اس طرح اس مد میں امانتوں کی مالیت 1/2 گنا سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ان تمام مدات کو جمع کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ 2001ء سے 2008ء کے سالوں میں کل زری اثاثوں کی مالیت 4 گناہ ہوگئی ہے۔

4.3 قیمتوں میں اتار چڑھاؤ

ترقی پذیر معیشتوں میں قیمتوں کی سطح کا اتار چڑھاؤ ایک پیچیدہ اور نازک عمل ہوتا ہے۔ خاص طور پر پاکستان جیسے ملک میں یہ مسئلہ اور زیادہ شدت اختیار کرگیا کیونکہ ملک کی قیام کے وقت سے ہی یہاں کی معیشت کو دوسرے مما لک کے برعکس زرمبادلہ کی بے پناہ قلت، جہاز رانی کی ناکافی سہولیات اور اسی طرح کے دیگر مسائل کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں یہاں کی اشیائے صرف بالخصوص غذائی اور درآمدی اشیا کی قیمتیں بے بناہ چڑھ گئیں۔

ستمبر 1949ء میں برطانیہ نے اپنے سکے (پاؤنڈ سٹرلنگ) کی قیمت میں کمی کا اعلان کردیا۔ ہندوستان سمیت بیشتر متعلقہ مما لک نے اس کی تقلید کرتے ہوئے اپنے سکوں کی قیمت گھٹانے کا اعلان کردیا۔ بہرحال پاکستان نے ایسا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں ایک طرف تو پاکستان نے اپنی برآمدات مثلاً پٹ سن اور کپاس کی قیمتوں کو متاثر ہونے سے بچا لیا اور دوسری طرف یہ برطانوی مصنوعات بھی نسبتاً کم قیمت پر خریدنے کے قابل ہوگیا۔

1954ء میں معاشی صورتحال کچھ بہتر ہوگئی اور خاص طور پر غذائی اجناس کے شعبے میں بہتری کے آثار پیدا ہوگئے۔ آئندہ دوتین برس میں صنعت کے میدان میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوئی۔ کاٹن ٹیکسٹائل، سیمنٹ اور کاغذ کی پیداوار بڑھ گئی۔ بہرحال قلت پوری طرح ختم نہ ہوئی اور اشیائے صرف (بالخصوص درآمدات) کی قیمتوں میں اضافے کا رجحان بدستور موجود رہا۔

اسی دوران ایک بار پھر پاکستانی معیشت خارجی طور پر بین الاقوامی تجارت کے سلسلے میں اور اندرون ملک پیداوار (خاص طور پر غذائی اجناس) کے سلسلے میں بحران کا شکار ہوگئی۔ بیرونی تجارت میں بحران کا بنیادی سبب بڑھتی ہوئی درآمدی قیمتیں تھیں چنانچہ اپنی برآمدات کو سنبھالا دینے کی غرض سے 1955ء کے وسط میں روپے کی قیمت میں کمی کا اعلان کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں برآمدات کی قدر میں ایک سال میں 56 کروڑ روپے سے زیادہ اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اندرون ملک بھی قیمتوں پر کنٹرول کی پالیسی اپنائی گئی۔

ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران ملک میں ہنگامی حالات کا نفاذ کردیا گیا اور اس کے ساتھ ہی مرکزی حکومت نے قیمتوں کو ممکنہ حدتک مستحکم رکھنے اوراشیائے صرف کی رسد کو عام سطح پر بحال رکھنے کی غرض سے مندرجہ ذیل پرائس کنٹرول آرڈر جاری کیے۔

(الف) ضروری اشیاء پر کنٹرول کا حکم مجریہ 1965ء

(ب) کاٹن (کپڑا) کنٹرول کا حکم مجریہ 1965ء اور

(ج) کاٹن (یارن) کنٹرول کا حکم مجریہ 1965ء

بعد ازاں 25 اکتوبر 1965ء کو قیمتوں میں استحکام اور ان کے نظام پر کڑی نظر رکھنے کے لئے وزارت صحت میں Price Stablization wing قائم کیا گیا جس کے فرائض میں قیمتوں کے بارے میں مرکزی حکومت کو سفارشات پیش کرنا بھی شامل تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ اشیائے صرف کی رسد بڑھانے کی غرض سے ایک طرف تو مطلوبہ درآمدات بڑھا دی گئیں اور دوسری طرف اندرون ملک زرعی اور صنعتی اشیاء کی پیداوار میں اضافے کی مہم چلائی گئی۔ نتیجتاً سال 1967-68ء تک حالات بہتر صورت اختیار کرنے لگے۔

بہرحال 1969ء کے دوران قیمتیں بلند ہی رہیں۔ اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے پنج سالہ منصوبے کی مدت میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافے کی سطح اوسطاً 2.9 فیصد سالانہ تھی جبکہ تیسرے پنج سالہ منصوبے کے دوران یہ بڑھ کر 44 فیصد تک جا پہنچی تھی۔

1970ء سے شروع ہونے والے عشرے کے آغاز سے ہی پاکستانی معیشت گوناں گوں وجوہات کی بنیاد پر بری طرح افراط زر اور مہنگائی کی لپیٹ میں آ گئی اور ملک کے پالیسی سازوں کے لئے بھی تشویش کا سامان بن گئی۔ 1970-71ء کے مالی سال میں اس افراط زر کا پہلا دور شروع ہوا اور تھوک نرخوں میں 6.2 فیصد اور پرچون نرخوں میں 5.7 فیصد سالانہ اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔

یہ افراط زر 1973-74ء کے مالی سال میں انتہائی عروج پہنچا اور پھر 1976-77 تک یہی صورتحال قائم رہی۔ 1972-73ء سے 1976-77ء تک کے درمیانی عرصے میں تھوک نرخوں میں اضافے کی شرح 18.4 فیصد اور پرچوں نرخوں میں اضافے کی شرح 17.5 فیصد سالانہ تک جا پہنچی۔ اس شدید اضافے کے بنیادی عوامل میں مندرجہ ذیل باتیں بہت اہم ہیں۔

(i) ملک میں رونما ہونے والی معاشی، سیاسی سماجی تبدیلیاں۔

(ii) ملک میں زری سپلائی میں بے حد پھیلاؤ۔

(iii) 1971ء کی پاک بھارت جنگ

(vi) پیداوار میں بے انتہا کمی۔

(v) خام تیل کی قیمتوں میں اضافہ

(vi) 11 مئی 1972ء سے روپے کی قدر میں بے حد تخفیف۔

(vii) 1973ء میں اوپیک کی جانب سے تیل کی قیمتوں میں اضافہ۔

1977-78ء اور 1978-79ء کے مالی سالوں کے دوران افراط زر کا دباؤ کم ہوا اور تھوک نرخوں میں سالانہ اضافہ 6.5 فیصد اور پرچون نرخوں میں سالانہ اضافہ 6.7 فیصد سالانہ ریکارڈ کیا گیا۔ اگرچہ ان سالوں میں بھی ملک میں مقدار زر میں اضافہ، بیرون ملک جانے والے افراد کی طرف سے آنے والے سرمائے میں اور برآمدات سے حاصل ہونے والے زر مبادلہ میں اضافہ، درآمدات کی قیمتوں میں اضافہ وغیرہ برقرار رہے پھر بھی مختلف طریقوں سے افراط زر پھیلانے والی ان قوتوں کو متوازن کر ہی لیا گیا۔ بعد ازاں سال 2000 ء سے افراط زر پھیلنا شروع ہو گیا۔

2000 ء سے شروع ہونے والے عشرے کے دوران قیمتوں میں ردوبدل کا اندازہ درج ذیل گوشوارہ سے لگایا جا سکتا ہے اسی گوشوارہ میں 2006-07ء اور 2007-08ء کی تھوک قیمتوں کا اشاریہ تیار کیا گیا ہے۔

گوشوارہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ 2006-07ء سے 2007-08ء تک سب سے زیادہ اضافہ ایندھن، تیل اور بجلی کی تھوک قیمتوں کے اشاریہ میں رونما ہوا جو 167 فیصد سے بھی زیادہ تھا۔ خام مال کی قیمتوں میں یہی کمی 15.94 فیصد رہی، خوراک کے معاملے میں اضافہ 96.51 فیصد رہا۔ سالانہ اور عمومی قیمتوں کے سلسلے میں 98.55 فیصد اضافہ رہا۔ سب سے آہستہ اضافہ مصنوعات کی قیمتوں کے اشاریہ میں ریکارڈ کیا گیا۔ 87.50 فیصد تھا۔

حکومت پاکستان کے فراہم کردہ اعداد وشمار کے مطابق ایک گوشوارہ ذیل میں درج ذیل کیا جارہا ہے۔ اس گوشوارہ میں 28 بنیادی اہمیت کی اشیا کی پرچون اوسط قیمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قیمتوں کی یہ سادہ اوسط پاکستان کے مختلف 12 شہروں کی پرچون قیمتوں سے اخذ کی گئی ہے۔ اس گوشوارہ کی مدد سے 2005-06 سے لیکر 2006-07ء تک پرچون قیمتوں میں تبدیلی کے رجحان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

گوشوارہ

(تھوک قیمتوں کی بنیاد)

سال	مجموعی قیمتوں کا اشاریہ	خوراک کی قیمتوں کا اشاریہ	خام مال کی قیمتوں کا اشاریہ	ایندھن، بجلی اور تیل کی قیمتوں کا اشاریہ	مصنوعات کی قیمتوں کا اشاریہ
وزن	100	42.2	7.99	19.29	25.87

3.2	6.0	13.8	8.5	6.9	2006-07 جولائی۔اپریل
6.0	16.0	11.6	16.7	13.7	2007-08ء جولائی ۔اپریل
87.5 فیصد اضافہ	167 فیصد اضافہ	15.94 فیصد کمی	96.5 فیصد اضافہ	98.55 فیصد اضافہ	فیصد اضافہ/کمی

اپنی معلومات کے لئے 2005-06ء کی اوسط پرچون قیمت اور دوسرے آخری کالم میں درج شدہ 2006-07ء کی اوسط پرچون قیمت کا تقابل کرسکتے ہیں اور اضافہ کا فیصد نکال سکتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے آخری کالم خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ جس میں آپ مشق کے طور پر خود قیمتوں میں اضافہ معلوم کر کے لکھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر گندم کی قیمت 11.55 سے بڑھ کر 11.94 ہوگئی یعنی 11.55 کی سطح پر 0.39 کا اضافہ ہوا جسے فیصد میں منتقل کر کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ 2005-06 سے 2006-07ء کے درمیان قریباً 3.37 فیصد اضافہ ہوا۔ باقی 27 اشیا کا فیصد آپ خود معلوم کرسکتے ہیں۔

AVERAGE RETAIL PRICES OF 28 ESSENTIAL ITEMS

(Simple Average for 12 Cities)

S.No.	Commodities	Unit	2005-06	2006-07	%Rrise 2005-06-2006-07
1.	Wheat (AV.Qlty)	Kg.	11.55	11.94	3.37%
2.	Wheat Flour (Av.Qlty.)	Kg.	13.07	13.61	
3.	Rice Basmati (Broken)	Kg.	20.15	22.96	
4.	Gram Pulse (Av.Qlty.)	Kg.	31.17	41.05	
5.	Beef Cow/Buff (with bone)	Kg.	106.8	117.8	
6.	Mutton Goat (Av.Qlty.)	Kg.	202.07	223.94	
7.	Potato White (Av.Qlty.)	Kg.	18.18	17.22	
8.	Onion Dry (Av.Qlty.)	Kg.	12.05	20.95	
9.	Mustrad Oil (Mill)	Kg.	66.7	76.71	
10.	Ghee Vegetable (loose)	Kg.	58.93	70.54	

11.	Salt Rock (Powder)	Kg.	3.94	4.68	
12.	Red Chillies (Av.Qlty.)	Kg.	70.75	94.67	
13.	Sugar	Kg.	31.16	31.85	
14.	Gur (Sup.Qilty.)	Kg.	35.90	39.26	
15.	Milk Buffalo (Unboiled)	Litre	23.89	26.72	
16.	Tea Brooke Bond (W.Rose)	250 Gram	62.62	68.39	
17.	Cigrette (Pkt)	Pkt.10s	7.23	7.98	
18.	Tea Prepared	Cup	5.76	6.31	
19.	Long Cloth 15000	Metre	20	25	
20.	Coarse Lattha	Metre	34.25	35.05	
21.	Voil Printed (Kohinoor)	Metre	36.74	37.90	
22.	Lawn (Hussain)	Metre	76.42	79.69	
23.	Kerosene Oil Blue	Litre	36.19	39.09	
24.	Fire Wood Kikar/Bobul	40 K.gs	166.03	191.72	
25.	MatchBox(40/50 sticks)	each	0.62	0.71	
26.	Washing Soap(707/555)	Cake	7.73	8.13	
27.	Life Buoy	Cake	13.93	14.18	

4.4 اہم نکات

1۔ کسی بھی ملک میں زر کی کل رسد کا انحصار طلبی امانتوں، مدتی امانتوں، زیر گردش کرنسی اور مرکزی بینک کے پاس پڑی ہوئی دوسری امانتوں پر ہوتا ہے۔

2۔ زر کی مجموعی رسد کا پاکستان میں بھی انہی عناصر پر انحصار ہے۔ البتہ مجموعی رسد کا زیادہ حصہ گردشی کرنسی پر مشتمل ہوتا ہے۔

3۔ 2004ء میں ہمارے ملک کے کل زری اثاثے 2485492 ملین روپے کے برابر تھے مارچ 2008ء میں ان کی مالیت 4408088 ملین روپے ہوگئی۔

4۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے بینکوں میں امانتوں کی تعداد اور مالیت بڑھ رہی ہے۔ طلبی امانتیں 2001ء سے 2008ء تک 6 گنا ہوگئیں مگر مدتی امانتیں 1/3 گنا کم ہوگئیں۔

5۔ مجموعی طور پر 2001ء سے 2008ء تک زری اثاثوں کی مالیت 4 گنا ہوگئی۔

6۔ زری مقدار بڑھنے سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی حال پاکستان کا ہے۔ قیمتوں میں اضافہ کئی طبقات کے لئے خوشگوار اثر لاتا ہے مگر کہیں کہیں اس کے اثرات پسندیدہ نہیں بھی ہوتے۔

7۔ پاکستان میں قیمتوں میں اضافہ کی کئی وجوہات ہیں۔ ان میں معاشی اور سیاسی تبدیلیاں، زر کا پھیلاؤ پیداوار کی کمی، سکے کی قیمت میں تخفیف، خام مال کی قیمتوں میں اضافہ اور تیل کی قیمتوں میں اضافہ شامل ہیں۔

8۔ تھوک قیمتوں کی بنیاد پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ 07-2006ء سے 08-2007ء تک عمومی قیمتوں میں 98.55 فیصد اضافہ واقع ہوا۔ خوراک کی قیمتوں میں یہی اضافہ 96.5 فیصد سالانہ ہوا جبکہ خام مال اور توانائی کی قیمتوں میں یہی اضافہ (167-15.94)=151.06 فیصد رہا۔ البتہ مصنوعات کی قیمتوں میں یہی اضافہ 87.5 فیصد تھا۔

4.5 خود آزمائی

11۔ کیا یہ بات درست ہے کہ پاکستان میں رسد زر، طلبی امانتوں، مدتی امانتوں، زیرگردشی اور مرکزی بینک کے پاس موجود دیگر امانتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

ہاں	نہیں

12۔ کیا دسمبر 2004ء میں ہماری زری اثاثوں کی مالیت 2485492 ملین روپے کے لگ بھگ تھی۔

ہاں	نہیں

13۔ 2001 ء سے 2008 ء تک کے سالوں میں پاکستان کے زری اثاثوں کی مالیت کتنے گنا ہوگئی۔

4 گنا	34 گنا	44 گنا

14۔ پاکستان میں قیمتوں کے بڑھنے میں سکے کی قیمت میں تخفیف کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ کیا یہ بیان درست ہے۔

ہاں	نہیں

15۔ 07-2006ء سے 08-2007ء تک قیمتوں کی عمومی سطح میں کتنے فیصد اضافہ ہوا۔

98.55 فیصد	21 فیصد	31 فیصد

16۔ 07-2006ء سے 08-2007ء تک خوراک اور توانائی کی قیمتوں میں اضافہ یکساں رفتار سے ہوا۔

ہاں	نہیں

جوابات

1۔ (i) 1948ء (ii) 1949ء (iii) 1941ء (iv) 1959ء (v) 1947ء (vi) 1974ء

2۔ (i) درست (ii) درست (iii) درست (iv) درست

4۔ (i) ہاں (ii) ہاں (iii) ہاں (iv) نہیں

6۔ ہاں 7۔ ہاں 8۔ ہاں 9۔نہیں

10۔ ہاں 11۔ ہاں 12۔ ہاں 13۔ 4 گنا

14۔ ہاں 15۔ 98.55 فیصد 16۔نہیں

فرہنگ

1۔افراط زر	قیمتوں میں بلندی کا رجحان
2۔افزائش آبادی	آبادی میں اضافہ
3۔انضمام	دو یا دو سے زیادہ کاروباری اداروں یا بینکوں کا مل کر ایک ادارہ بن جانا۔
4۔بلین روپے	ایک ارب روپے
5۔بینک	زر کا لین دین کرنے والا ادارہ۔
6۔تجارتی بینک	منافع کی غرض سے زر کا لین دین کرنے والا ادارہ۔
7۔خسارہ کی سرمایہ کاری	حکومت کی طرف سے نئے نوٹ چھاپ کر سرمایہ کاری کرنا۔
8۔زرمبادلہ	سونے چاندی اور دیگر کرنسیوں پر مشتمل زر اثاثہ جو مرکزی بینک کے پاس موجود ہوتا ہے اور اس میں سے غیر ملکی ادائیگیاں کی جاتی ہیں۔
9۔زری اثاثہ	مرکزی بینک کے پاس موجود مختلف امانتوں کی مجموعی مالیت۔
10۔طلبی امانت	بینکوں میں رکھی ہوئی وہ بچت جو طلب کرنے پر ادا کر دی جاتی ہے۔
11۔مالی ادارہ	بینکوں کے علاوہ زر کا لین دین کرنے والا کوئی دوسرا ادارہ مثلاً سیونگ سینٹرز یا ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن۔
12۔مرکزی بینک	مستحکم بنیادوں پر منافع سے بالا ہو کر نظام بینکاری کو چلانے والا سربراہ بینک۔
13۔مدتی امانت	بینکوں میں رکھی ہوئی وہ بچت جو مخصوص عرصے سے پیشتر نکلوائی نہیں جاسکتی۔
14۔ملین روپے	دس لاکھ روپے

یونٹ 15

زری پالیسی

تحریر
آفتاب احمد قاضی

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد		462
1۔اسٹیٹ بینک کے فرائض		463
1.1	تعارف	463
1.2	انتظام	463
1.3	فرائض	463
1.4	ترقیاتی کردار	466
1.5	اہم نکات	468
1.6	خود آزمائی	469
2۔زری پالیسی		471
2.1	تعریف	471
2.2	مقاصد	471
2.3	زری پالیسی کے آلات	473
2.4	اہم نکات	475
2.5	خود آزمائی	477
3۔زراعتبار		478
3.1	زراعتبار کا پھیلاؤ	478
3.2	پھیلاؤ کے اثرات	478
3.3	پھیلاؤ کی وجوہات	478
3.4	زراعتبار پر کنٹرول	479

3.5	اہم نکات	480
3.6	خود آزمائی	481
	فرہنگ	482
	جوابات	483
	کتابیات	483

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں کہ:

1۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے روایتی اور ترقیاتی فرائض میں تمیز کرسکیں۔

2۔ پاکستان کی زری پالیسی کا مفہوم، مقاصد اور آلات کی شناخت کرسکیں۔

3۔ ان اقدامات سے آگاہ ہوسکیں جو اسٹیٹ بینک نے زر اعتبار کے غیر ضروری پھیلاؤ کے انسداد کے لئے اٹھائے ہیں۔

1- اسٹیٹ بینک کے فرائض

1.1 تعارف

ہر ملک کا ایک مرکزی بینک ہوتا ہے جو اس ملک کے نظام زر کو کنٹرول کرتا ہے اور اسے مستحکم بنیادوں پر رواں دواں رکھتا ہے۔ پاکستان کے مرکزی بینک کا نام ''اسٹیٹ بینک آف پاکستان'' ہے۔ یہ بینک یکم جولائی 1948ء کو معرض وجود میں آیا۔ اس کا افتتاح بانی قائداعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں سے ہوا۔

1.2 انتظام

اسٹیٹ بینک کا انتظام ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز کے سپرد ہے۔ بینک کے تین اہم شعبے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:-

1۔شعبہ اجراء

یہ شعبہ نوٹ جاری کرتا ہے۔ نوٹوں کی پشت پناہی کے لئے یہ شعبہ 30 فیصد سونا، چاندی اور زرمبادلہ اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔

2۔شعبہ بینکاری

یہ شعبہ تجارتی بینکوں کے کام کی نگرانی کرتا ہے اور قرضوں کے لین دین کے معاملات پر نظر رکھتا ہے۔

3۔شعبہ زرمبادلہ

یہ شعبہ زرمبادلہ کے حصول، تحفظ اور تقسیم کا کام کرتا ہے۔ برآمدات کے بدلے حاصل کیا ہوا زرمبادلہ یہیں جمع کرایا جاتا ہے اور درآمد کنندگان کو درآمدات کے لئے زرمبادلہ یہی شعبہ جاری کرتا ہے۔

1- اسٹیٹ بینک کے فرائض

1.3 فرائض

اسٹیٹ بینک کے فرائض حسب ذیل ہیں۔

1۔حکومت کا بینک

وفاقی حکومت کے مالی معاملات نمٹانے کی ذمہ داری اسی بینک کے سپرد ہے۔حکومت کے لئے عوام اور دوسرے اداروں سے قرض لینا اور واپس کرنا اسی بینک کا کام ہے۔سرکاری ملازمین کو تنخواہ کی ادائیگی بھی یہی کرتا ہے۔سرکاری ٹیکسوں کی وصولی کا فریضہ بھی اسی کے ذمے ہے۔حکومت کی امانتوں کی حفاظت کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔

2۔بینکوں کا بینک

اسٹیٹ بینک آف پاکستان ملک میں زر اعتبار کی مقدار بڑھانے اور گھٹانے کا ذمہ دار ہے۔اس مقصد کے لئے وہ عام تجارتی بینکوں کے لئے ایک پالیسی وضع کرتا ہے اور اس پر عملدرآمد کراتا ہے۔عام بینکوں کو اپنی پالیسی کا پابند بنانے کے لئے اسٹیٹ بینک ان سے ان کی امانتوں کا 5 فیصد نقد شکل میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہے۔عام بینکوں کے لئے شرح سود کا تعین کرنا اور ان کی طرف سے ہنڈیوں پر بٹہ لگانے کی شرح کا اعلان کرنا، اسٹیٹ بینک کے فرائض میں شامل ہے۔اس کے علاوہ بینکوں کو مختلف علاقوں میں برانچیں کھولنے کی اجازت بھی اسٹیٹ بینک ہی دیتا ہے۔

3۔نوٹ جاری کرنے کا واحد ادارہ

اسٹیٹ بینک آف پاکستان ملک میں کرنسی نوٹ اور سکے جاری کنے کا واحد ادارہ ہے۔یہ اختیار کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔جتنی مالیت کے نوٹ اس بینک کی طرف سے جاری ہوتے ہیں، ان کے پس پشت 30 فیصد سونا، چاندی یا زرمبادلہ یقیناً محفوظ رکھا جاتا ہے یہ بینک دس، پچاس،سو، پانچ سو، ہزار اور پانچ ہزار کے نوٹ جاری کرتا ہے۔

4۔زرمبادلہ کا محافظ

پاکستان کے روپے کی بیرونی قیمت حکومت مقرر کرتی ہے۔اس قیمت کو برقرار رکھنا اسٹیٹ بینک کا کام ہے۔اس مقصد کے لئے یہ بینک زرمبادلہ کے ذخائر اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔کوئی بھی شہری جو زرمبادلہ حاصل کرتا ہے اسے وہ اسٹیٹ بینک کے پاس جمع کرانا پڑتا ہے۔یہی بینک درآمدات اور دوسرے مقاصد کے لئے زرمبادلہ کو خرچ کرنے کی اجازت بھی دیتا ہے ۔ یہ بینک مختلف کرنسیوں کی خرید وفروخت بھی کرتا ہے تاکہ روپے کی سرکاری قیمت مستحکم رہے۔

5۔بازار زر کا ناظم

اسٹیٹ بینک بازار زر کے ناظم کے طور پر بھی فرائض انجام دیتا ہے۔ ملک میں افراطِ زر اور تفریط زر جیسے حالات پر قابو پانے کے لئے مختلف پالیسیوں کی تشکیل اور نفاذ کی ذمہ داری بھی اسی بینک پر ہے۔کسی بھی ملک کے زراعتبار کا غیر ضروری پھیلاؤ اور اس میں غیر ضروری تخفیف معاشی لحاظ سے غیر پسندیدہ سمجھی جاتی ہے، اس لئے ان دونوں حالات کو قابو میں لانا ضروری سمجھا جاتا ہے اور یہ کام اسٹیٹ بینک کے فرائض کا حصہ ہے۔

6۔معاشی استحکام پیدا کرنا

معاشی نشیب و فراز سے بچا کر ملک کو مستحکم بنیاد فراہم کرنا اسٹیٹ بینک کے فرائض میں شامل ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے وہ زرعی اور صنعتی شعبوں کی متوازن ترقی کا انتظام کرتا ہے اور انہیں ضرورت کے مطابق قرض فراہم کرتا ہے۔قرضوں کی غیر منصفانہ تقسیم اور غیر پسندیدہ استعمال کے تدارک کے لئے یہی بینک قدم اٹھاتا ہے۔

7۔تربیت کا انتظام کرنا

تجارتی بینک ہی کھلی منڈی میں بچتوں، سرمایہ کاری اور قرضوں کی فراہمی اور استعمال کا انتظام کرتے ہیں بینکوں کو ان مخصوص شعبوں کا کاروبار چلانے کے لئے تربیت یافتہ افسران اور عملہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسٹیٹ بینک ان بینکوں کے لئے مطلوبہ معیار کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔

8۔ترقیاتی کاموں کی انجام دہی

اسٹیٹ بینک ملک کے معاشی نظام کے لئے ترقیاتی کام بھی انجام دیتا ہے۔ زرعی، صنعتی، تعمیر مکانات اور سرمایہ کاری کے خصوصی امور کے لئے مختلف اداروں کا قیام اسٹیٹ بینک کے فرائض میں شامل ہے۔ اب تک اس بینک نے کئی ایسے ادارے قائم کئے ہیں اور ان کے کاموں کی نگرانی بھی کی ہے جو خصوصی شعبوں میں قرضے کی فراہمی کے ذمہ دار ہیں۔ مثلاً ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن و سرمایہ کاری کی کارپوریشن اور زرعی ترقیاتی بینک وغیرہ۔

9۔بچتوں کو فروغ دیتا

ترقی پذیر ملک ہونے کی حیثیت سے ہمارے وسائل محدود اور ضروریات لامحدود ہیں۔مختلف پروجیکٹوں اور ترقیاتی کاموں کے لئے سرمایہ کی قلت پر قابو پانے کے لئے اسٹیٹ بینک عوام میں بچتوں کو فروغ دینے کے لئے

کام کرتا ہے۔ بچتوں کی ترقی کے لئے وسیع تر بنیادوں پر تشہیر اور تبلیغ کا انتظام اسی بینک کے سپرد ہے۔

1.4 اسٹیٹ بینک کا ترقیاتی کردار

ابھی ابھی ہم نے اسٹیٹ بینک کے عمومی فرائض کا احاطہ کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان امور کا جائزہ لے رہے ہیں جو اسٹیٹ بینک کے ترقیاتی کام کہلاتے ہیں۔

1۔ابتدائی دشواریوں کا مقابلہ کرنا

قیام پاکستان کے وقت ہمارے پاس نہ اپنی کرنسی تھی، نہ اپنا مرکزی بینک اور نہ نظام بینکاری۔ کسمپرسی کے ایسے عالم میں اسٹیٹ بینک کا قیام قائداعظم کی زندگی کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔ اس بینک نے اپنے قیام کے ساتھ ہی ان تمام مسائل پر قابو پانے کا آغاز کردیا جو کسی بھی ملک کو ابتداً درپیش ہوتے ہیں۔ اس بینک نے تجارتی بینکوں کے قیام اور پھیلاؤ میں مدد دی۔ اس بینک کے ذریعے بیمہ کا کاروبار قائم ہوا اور اس میں وسعت پیدا ہوئی۔ اسٹاک ایکسچینج کی تشکیل اور توسیع میں اس بینک نے بنیادی کام انجام دیا۔ ان مختلف اداروں کے قیام سے پاکستان میں بچت اور سرمایہ کاری کے لئے موزوں فضا قائم ہوئی جس سے تجارت، زراعت اور صنعت کے شعبوں نے فائدہ اٹھایا۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد بھی نازک معاشی حالات میں اسٹیٹ بینک نے ہی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ اور باقی ماندہ پاکستان کو دوبارہ معاشی استحکام بخشا۔

2۔مالی منڈی کا قیام

قیام پاکستان کے وقت ملک میں مالی منڈی موجود نہیں تھی۔ اسٹاک ایکسچینج کے نہ ہونے سے قرضوں کی فراہمی اور حصص کی خرید وفروخت کے سلسلے میں دشواریاں پیش آرہی تھیں۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لئے اسٹیٹ بینک نے 1949ء میں کراچی میں پہلی مالی منڈی قائم کی۔ دوسری منڈی کا قیام لاہور میں 1971ء میں عمل میں آیا۔ ان مالی منڈیوں کے کاروبار میں باقاعدگی پیدا کرنے کی غرض سے دو مزید ایجنسیاں وجود میں لائی گئیں، ایک کا نام سیکیورٹیز اینڈ ایکسچینج اتھارٹی آف پاکستان (Securities and Exchange Authority of Pak.) ہے اور دوسری کا نام کنٹرولر آف کیپٹل ایشوز (Controller of Capital Issues) ہے۔ 2008ء تک پاکستان میں رجسٹرڈ جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کی تعداد 5400 سے تجاوز کرگئی تھی۔ اور صرف کراچی اسٹاک ایکسچینج میں جن کمپنیوں کے حصص کی خرید وفروخت ہورہی تھی، ان کی تعداد 762 سے زائد تھی۔

3۔مخصوص قرضہ جاتی اداروں کا قیام

تجارتی بینک زیادہ تر تجارت پیشہ لوگوں کو ہی قرضہ دینے پر اکتفا کرتے تھے۔ اسٹیٹ بینک نے باقی شعبوں کی حق تلفی محسوس کرتے ہوئے ان کے لئے مخصوص مقاصد رکھنے والے قرضہ جاتی ادارے تشکیل دیئے، مکانات کی تعمیر و مرمت کے لئے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن (H.B.F.C)، سرمایہ کاری کے فروغ کے لئے انویسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان (I.C.P) صنعتوں کو قرض مہیا کرنے کے لئے صنعتی ترقیاتی بینک آف پاکستان (I.D.B.P)، صنعتی اداروں کو زرمبادلہ کی شکل میں طویل مدت قرضوں کی فراہمی کیلئے صنعتی قرضہ وسرمایہ کاری کی کارپوریشن (P.I.C.I.C) وغیرہ قائم ہوئے، ان ادارون کے قیام سے مختلف شعبوں کو قرضے کی فراہمی آسان ہوگئی۔ ان صنعتوں اور شعبوں کے قائم ہونے سے روزگار، پیداوار، آمدنی اور سہولتوں میں اضافہ ہوا۔ ان امور میں اضافہ سے معاشی ترقی رونما ہوئی۔

4۔زرعی قرضوں کا خصوصی اہتمام

ہمارا ملک 60 سال گزرنے کے باوجود ابھی تک زرعی معیشت میں شمار ہوتا ہے۔ ہماری قومی آمدنی میں 20.9 فیصد حصہ اب بھی زرعی آمدنیوں اور پیداوار کا ہے۔ اس شعبہ سے آبادی کے کثیر حصے کا وابستہ ہونا ایک اہم عنصر ہے۔ زراعت جیسے اہم شعبہ کی ترقی کے لئے خصوصی اقدامات کئے گئے۔ ایک طرف زرعی ترقیاتی بینک آف پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو دوسری طرف تمام تجارتی بینکوں کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ زرعی قرضے کی فراہمی کے سلسلے میں اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ قرضے کاشتکاروں کو بروقت دستیاب ہوجائیں۔ زرعی شعبے کی مجموعی بہتری کے لئے کئی دیگر اقدامات بھی اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی زیرنگرانی اٹھائے گئے مثلاً چاول کی برآمدی کارپوریشن اور کپاس کی برآمدی کارپوریشن اور ایگریکلچرل اسٹوریج اینڈ سروسز کارپوریشن (PASSCO) ٹیوب ویل کارپوریشن، وغیرہ کا قیام اور زراعت سے وابستہ لوگوں کو مختلف قرضہ جاتی اداروں نے جو قرضے دیئے ان کی تفصیل یوں ہے:۔

(i) زرعی بینک نے 08-2007ء کے دوران 39561.17 ملین روپے کے قرضے دیئے۔

(ii) عام تجارتی بینکوں نے 08-2007ء کے دوران 65124.83 ملین روپے کے قرضے دیئے۔

(iii) پنجاب صوبائی کارپوریٹو بینک نے 08-2007ء کے دوران 3935.16 ملین روپے کا قرضہ دیا۔

5۔تربیت کی سہولت

قیام پاکستان کے وقت بینکوں کی داغ بیل ڈالی جانے لگی تو تربیت یافتہ عملے کی شدید کمی لاحق ہوئی۔ اس مسئلے کو اسٹیٹ بینک نے حل کیا۔ اسٹیٹ بینک نے تجارتی بینکوں کو عملہ خود بھرتی کرنے کے لئے کہا اور ان کو تربیت دینے کی ذمہ داری خود سنبھالی۔ بینکاری کے مختلف شعبوں میں مستعد نوجوانوں کو تربیت دینے کا ادارہ کراچی میں قائم ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسٹیٹ بینک کی ذمہ داری کم ہوتی گئی اور ہر ایک تجارتی بینک نے اپنے تربیتی ادارے کھول لئے۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ تمام بڑے تجارتی بینکوں کے تربیتی ادارے ہر بڑے شہر میں موجو ہیں۔ اعلیٰ تربیت کے سلسلے میں یہ بینک بھی اسٹیٹ بینک کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔

6۔بچت کی عادت کے لئے پبلسٹی

ہمارے ملک کے لوگوں میں فضول خرچی کا بہت رواج ہے۔ صرف کی حد بڑھی ہوئی ہونے کے سبب بچت کی عادت بہت کم ہے۔ ترقی کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے روپے کی کمی لاحق ہوتی رہی ہے۔ اس کمی پر قابو پانے کیلئے اسٹیٹ بینک نے ملک بھر میں بچت کی عادت ڈالنے کی مہم کا آغاز کیا۔ عوام میں بچت کی اہمیت واضح کرنے کے لئے ایک ''پبلسٹی بورڈ'' تشکیل دیا گیا ہے۔ جو بچت کے ہفتے یا دن منا کر، سیمینار منعقد کرکے، اور تقریری پمفلٹ جاری کر کے عوام میں بچت کی عادت راسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

7۔افراط زر کی روک تھام

پاکستان میں آبادی میں اضافہ، زر کی مقدار میں توسیع، منافع خوری کی روش اور دوسرے قومی اور عالمی نوعیت کے اسباب کی بناء پر افراط زر کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ ہر سال یہ مسئلہ زیادہ اہم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسٹیٹ بینک نے بڑھتی ہوئی گرانی پر قابو پانے میں بھی مدد دی ہے۔ افراط زر کو کنٹرول کرنے کے لئے اس بینک نے شرح بینک میں اضافہ کیا ہے۔ بینکوں کی زیادہ امانتیں اپنے پاس رکھنی شروع کی ہیں اور زیر گردش زر کو مختلف طریقوں سے محدود کرنے کی کوشش کی ہے۔

1.5 اہم نکات

1۔ جس طرح ہر ملک کا ایک مرکزی بینک ہوتا ہے۔ اسی طرح پاکستان کا بھی ایک مرکزی بینک ہے جسے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کہتے ہیں۔

2۔ اسٹیٹ بینک کے تین اہم شعبے ہیں:

(i) شعبہ اجرا: جو 30 فیصد سونے چاندی وغیرہ کی ضمانت پر نوٹ جاری کرتا ہے۔

(ii) شعبہ بینکاری: جو ملک میں تجارتی بینکوں کے کام کی نگرانی کرتا ہے۔

(iii) شعبہ زرمبادلہ: جو زرمبادلہ کے حصول اور تقسیم کا ذمہ دار ہے۔

3۔ اسٹیٹ بینک حکومت کا بینک ہے اور سرکاری وصولیوں اور ادائیگیوں کا انتظام کرتا ہے۔ یہ عام بینکوں کے کام کی نگرانی کرتا ہے اور ان کو برانچیں کھولنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بینک نوٹ جاری کرنے کا واحد ادارہ ہے اور وصول کرتا ہے۔ اسٹیٹ بینک بازار زر کا ناظم ہے اور زر اعتبار میں کمی و بیشی کرتا ہے۔ اس کا کام معاشی استحکام پیدا کرنا بھی ہے۔ یہ بینک عام بینکوں کے لئے افراد کو تربیت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ترقیاتی کام انجام دیتا ہے اور بچتوں کے فروغ کے لئے مدد دیتا ہے۔

4۔ اسٹیٹ بینک نے ملک میں کئی ترقیاتی کام انجام دیئے ہیں۔ ان کاموں میں قیام پاکستان کے وقت کی ابتدائی دشواریوں پر قابو پانا اور مالی منڈی کا قیام شامل ہے۔ اسٹیٹ بینک نے مخصوص قرضہ جاتی ادارے بھی قائم کئے مثلاً زرعی یا صنعتی ترقیاتی بینک ۔ اسٹیٹ بینک نے زرعی شعبے کی سرپرستی کے لئے قرضوں کا خصوصی طور پر بندوبست کیا ہے۔ بینکوں کے لئے تربیت کی سہولتوں کے لئے اس نے عوام میں بچت کی عادت پختہ کرنے اور افراط زر کی روک تھام کے لئے بھی خدمات انجام دی ہیں۔

1.6 خود آزمائی

1۔ درج ذیل بیانات میں سے کون سے بیانات درست ہیں اور کون سے غلط۔

(i) اسٹیٹ بینک آف پاکستان ہمارے ملک کا ایک عام تجارتی بینک ہے۔

صحیح	غلط

(ii) اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا ادا شدہ سرمایہ 6 کروڑ روپے ہے۔

صحیح	غلط

(iii) اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے علاوہ دوسرے تجارتی بینک بھی ہمارے ملک میں کرنسی نوٹ جاری کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

صحیح	غلط

(iv) اسٹیٹ بینک کے زیادہ حصے اقوام متحدہ نے خریدے ہوئے تھے۔

صحیح	غلط

(v) اسٹیٹ بینک آف پاکستان 30 فیصد سونے، چاندی اور زرمبادلہ کی ضمانت پر کرنسی نوٹ جاری کرتا ہے۔

صحیح	غلط

2۔ اگر آپ برآمد کنندہ ہیں تو باہر سے کمایا ہوا زرمبادلہ کس کے حوالے کریں گے۔

اسٹیٹ بنک آف پاکستان	زرعی ترقیاتی بنک آف پاکستان

3۔ کیا یہ بات درست ہے کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان صرف عمومی فرائض ہی انجام دیتا ہے اور ترقیاتی فرائض ادا کرنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہاں	نہیں

4۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن مخصوص قرضہ جاتی ادارہ ہے یا عام تجارتی بینک۔

مخصوص قرضہ جاتی ادارہ	عام تجارتی بنک

5۔ پاکستان میں مالی منڈی کس بینک نے قائم کی۔

اسٹیٹ بنک آف پاکستان	نیشنل بنک آف پاکستان

6۔ 2000ء میں کراچی کی اسٹاک ایکسچینج میں کتنی کمپنیوں کے حصص کی خرید وفروخت ہو رہی تھی۔

قریباً 762	قریباً 3 ہزار	قریباً 3 لاکھ

2۔زری پالیسی

2.1 تعریف

جب مخصوص مقاصد کے حصول کیلئے مرکزی بینک زر کی مقدار اور شرح سود کے بارے میں کمی یا بیشی اختیار کرتا ہے تو اسے زری پالیسی (Monetary Policy) کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی زری پالیسی کی تشکیل اور عملدرآمد کے پیش نظر کچھ مخصوص مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔ یہ مقاصد ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ معاشی ترقی کے مختلف ادوار میں مختلف مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ زری پالیسی کا مقصد کبھی تو قیمتوں میں استحکام پیدا کرتا رہا ہے اور کبھی سرمایہ کاری کا فروغ۔ چونکہ تمام مقاصد ایک ہی وقت میں حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ اس لئے ان میں سے ایک یا دو مقاصد کا چناؤ کرلیا جاتا ہے۔منتخب کردہ مقاصد کے لحاظ سے زری پالیسی کے تحت زر کی مقدار یا شرح سود میں ردوبدل کیا جاتا ہے۔

2.2 مقاصد

معاشی ترقی کے مختلف ادوار میں پاکستان میں زری پالیسی کے پیش نظر جو مقاصد رہے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(i) صرف میں کمی

پاکستان میں عوام غریب ہیں۔ ہمارا فی کس آمدنی کا معیار بھی پست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں صرف کی سطح نسبتاً بلند ہے۔ اس کے علاوہ فیشن پرستوں، نقالی اور شادی بیاہ اور دیگر رسموں کے موقع پر بیجا خرچ کا دستور ہمارے ہاں عام نظر آتا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارا صرف ضرورت سے زیادہ ہے حالانکہ معاشی ترقی غیر ضروری صرف میں کمی کا تقاضا کرتی ہے۔ ہمارے ہاں آمدنی کا کم وبیش 90 فیصد حصہ خرچ کرلیا جاتا ہے۔صرف اس کی سطح میں کمی کرکے ہی معاشی ترقی کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ زری پالیسی کے ذریعے اس صرف میں کمی کی کوششیں کی گئی ہیں۔

(ii) بچتوں کی حوصلہ افزائی

بچت قومی معاشی ترقی کے پروگراموں کے لئے وہی درجہ رکھتی ہے جو انسانی بدن کے لئے خون رکھتا ہے۔

بچتوں میں اضافہ سے معاشی منصوبوں کیلئے سرمایہ فراہم ہوتا ہے۔ ہماری زری پالیسی کا ایک مقصد یہ بھی رہا ہے کہ صرف کی سطح کو کم کر کے زیادہ بچتوں کی راہ ہموار کی جائے۔ اس مقصد کے لئے کئی اقدامات کئے گئے ہیں۔

(iii) سرمایہ کاری کا فروغ

معاشی ترقی ہمارا اولین مقصد رہا ہے۔ معاشی ترقی کا دارومدار پیداوار میں اضافہ پر ہوتا ہے۔ پیداوار میں اضافہ سرمایہ کاری کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ پاکستان میں زری پالیسی کا ایک مقصد سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی بھی رہا ہے تاکہ سرمایہ کاری کے ذریعے نئے کارخانے قائم ہوں۔ مقامی خام مال کا استعمال بڑھے اور بالآخر فی کس معیار زندگی بہتر ہو سکے۔

(iv) قیمتوں کا استحکام

پاکستان میں افراط زر ہمیشہ سے رہا ہے۔ افراط زر کا سبب جہاں زیر گردش کرنسی اور زر اعتبار میں اضافہ رہا ہے وہاں کئی دیگر عناصر کی بناء پر بھی افراط زر کا مسئلہ شدت اختیار کرتا گیا۔ قیمتوں میں ہوشربا اضافہ یا حیرت ناک کمی دونوں ہی معاشی ترقی کے لئے زہر قاتل ہوتے ہیں۔ قیمتوں کے استحکام سے مراد قیمتوں کا اعتدال کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھنا لی جاتی ہے۔ پاکستان میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی اسباب کی بناء پر پیدا ہونے والے افراط زر کا مقابلہ کرنے کیلئے زری پالیسی تشکیل دی گئی۔ اس پالیسی کے ذریعے قیمتوں میں زبردست نشیب و فراز کا انسداد کرنا تھا۔

(v) علاقائی عدم توازن کو دور کرنا

اسٹیٹ بینک کے پیش نظر زری پالیسی کا ایک اہم مقصد یہ بھی رہا ہے کہ بینکوں سے جاری ہونے والے قرضوں کی تقسیم کسی ایک علاقہ تک محدود نہ رہے۔ علاقائی عدم مساوات معاشی ترقی کے لئے رکاوٹ بن جاتی ہے اور سیاسی طور پر مرکز گریز طاقتوں کے ہاتھ مضبوط کرتی ہے۔ پاکستان میں زری پالیسی کے ذریعے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ملک کے طول و عرض میں رہنے والے تمام باشندوں کو قرضے حاصل کرنے کی یکساں سہولتیں میسر آئیں۔

(vi) توازن ادائیگی کی اصلاح

پاکستان کا توازن ادائیگی چند سالوں کے علاوہ ہمیشہ غیر موافق رہا ہے۔ غیر موافق توازن ادائیگی کا سبب یہ تھا کہ ہر سال ہماری وصولیات کم اور واجبات زیادہ ہوتے تھے۔ توازن ادائیگی کی اس خرابی کو دور کرنا بھی زری

پالیسی کا مقصد رہا ہے۔ اسٹیٹ بینک نے زری پالیسی کے ذریعے توازن ادائیگی کی اصلاح کی کوشش کی ہے اور اس کے مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔

2.3 زری پالیسی کے آلات

اب تک ہم نے پاکستان کی زری پالیسی کے مقاصد بیان کئے ہیں۔ آیئے اب ان آلات یا طریقہ کار کا جائزہ لیتے ہیں جسے اختیار کرکے اسٹیٹ بینک نے زری پالیسی کے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان میں زری پالیسی کے آلات درج ذیل ہیں۔

(i) شرح بینک میں تبدیلی

عام تجارتی بینکوں کی طرف سے پیش کردہ ہنڈیوں پر مرکزی بینک جس شرح سے کٹوتی کرتا ہے۔ اسے شرح بینک (Bank Rate) کہتے ہیں۔ پاکستان میں شرح بینک 1947ء سے لیکر 1958ء تک 3 فیصد رہی ہے۔ 1958ء سے لیکر 1965ء تک 4 فیصد رہی۔ یہ شرح بڑھتے بڑھتے 9 فیصد تک گئی مگر پھر اس میں کمی کر کے اسے 6 فیصد پر لایا گیا ہے۔ آج کل 2008ء میں شرح بینک 13 فیصد ہے۔

شرح بینک میں اضافہ سے ''قیمتوں میں استحکام'' کا مقصد پورا ہوا۔ کاروباری لوگ زیادہ شرح پر قرضے لینے سے احتراز کرتے ہیں۔ اس طرح افراط زر رونما نہیں ہو پاتا یا اس کا اثر محدود ہوتا جاتا ہے۔

شرح بینک میں کمی سے ''سرمایہ کاری کے فروغ'' کا مقصد پورا ہوا۔ شرح بینک میں کمی سے کاروباری لوگوں اور سرمایہ کاروں کو زیادہ قرضے لینے کی آسانی ہوئی اور اس طرح نئے کارخانے وجود میں آئے اور روزگار کے مواقع میں اضافہ ہوا۔

(ii) شرح سود میں ردوبدل

عام تجارتی بینکوں میں عوام روپیہ جمع کرتے ہیں اور انہی سے قرضہ کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اسٹیٹ بینک نے عوام کی امانتوں پر دیئے جانے والے سود کی شرح میں اضافہ کیا تاکہ لوگوں میں بچت کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ عام بچت اکاؤنٹ پر اب بینک 1/2-7 فیصد سود ادا کرتے ہیں۔ اس سے بیشتر یہ شرح 4 فیصد بھی رہی ہے۔
شرح سود میں اضافہ سے صرف میں کمی لانے کا مقصد پورا ہوتا ہے جبکہ شرح سود کم کرکے سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

(iii) پی ایل ایس اکاؤنٹ

لوگوں میں بچتوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر اسٹیٹ بینک نے عام بچت اکاؤنٹ کے علاوہ ایک نیا اکاؤنٹ ''PLS'' اکاؤنٹ کے نام سے قائم کیا ہے جس میں امانتدار بینک کے منافع اور نقصان دونوں میں برابر کا شریک رہتا ہے۔ ہمارے بینکوں کی 81-1980ء کی کارکردگی کا اظہار یوں ہوا کہ پی ایل ایس اکاؤنٹ پر سود کی بجائے 8 سے 9 فیصد تک منافع کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس اکاؤنٹ میں کم وبیش 1/2 2 ارب روپیہ جمع کرایا گیا تھا۔ ''پی ایل ایس'' اکاؤنٹ کی بدولت ''زری پالیسی'' کا مقصد نمبر 2 (یعنی بچتوں کی حوصلہ افزائی) پورا ہوا ہے۔

(iv) زرضمانت میں کمی یا بیشی

قانونی طور پر پاکستان کے تمام تجارتی بینک اپنی امانتوں کا کچھ فیصد اسٹیٹ بینک کے پاس لازماً رکھواتے ہیں تاکہ اگر زری پالیسی پر عملدرآمد کے بارے میں تجارتی بینکوں کی طرف سے عمداً کوتاہی کی جائے تو ان امانتوں کو بحق سرکار ضبط کرلیا جائے۔ نیز اسٹیٹ بینک میں امانتوں کی موجودگی سے زیرگردش زر کی مقدار بھی کم ہو جاتی ہے زرضمانت کی شرح 1947ء سے 1963ء تک 2 فیصد تھی۔ 1963ء سے 1967ء کے دوران یہ شرح 5 فیصد ہوگئی۔ اس کے بعد 1/2 6 فیصد اور پھر گھٹا کر 5 فیصد کردی گئی۔

زرضمانت بڑھانے سے زری پالیسی کا مقصد نمبر 1 (قیمتوں میں استحکام) حاصل ہوا اور اس کی شرح گھٹانے سے مقصد نمبر 3 (یعنی سرمایہ کاری کا فروغ) کے حصول میں مدد ملی۔

(v) تجارتی بینک اپنی شاخوں میں اضافہ کرنے کے لئے اسٹیٹ بینک سے اجازت لیتے ہیں۔

اسٹیٹ بینک علاقے کی صنعتی، زرعی اور تجارتی اہمیت کے پیش نظر بینکوں کو شاخیں کھولنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ اجازت دیتے وقت اسٹیٹ بینک اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ تمام بینکوں کی شاخیں ایک ہی علاقے پر مرکوز نہ ہو جائیں اور یہ بھی کہ نئی برانچیں ان علاقوں میں قائم کی جائیں جہاں پہلے سے یہ شاخیں موجود نہیں ہیں۔

زری پالیسی کے اس طریقہ کار کے ذریعے زری پالیسی کا مقصد نمبر 5 (علاقائی عدم توازن کی اصلاح) پورا ہوا۔ نئی شاخیں کھلنے یا ان کی پہلے سے زیادہ تعداد ہو جانے کی بناء پر نہ صرف بچتوں کی حوصلہ افزائی ہوئی بلکہ قرضوں کی تقسیم زیادہ منصفانہ ہوگئی۔

(vi) زراعت کے لئے خصوصی قرضے

پاکستان میں زری پالیسی کا ایک آلہ یہ بھی ہے کہ زراعت کیلئے اسٹیٹ بینک نے قرضوں کا اہتمام کیا

ہے۔قومی ملکیت میں آنے سے پیشتر تجارتی بینک زیادہ تر صنعت یا بھرپور تجارت کے لئے قرضے جاری کرتے تھے۔ زراعت کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ زرعی ملک ہونے کے باوجود ہم زرعی طور پر خودکفیل نہ تھے۔ اسٹیٹ بینک نے زری پالیسی کے تحت یہ انتظام کیا کہ ہر بینک کو زرعی قرضے جاری کرنے کیلئے خصوصی کاؤنٹر کھولنے کی تاکید کی۔ ان بینکوں کے ذریعے قرضے کی فراہمی کاشتکاروں کے لئے آسان ہوگئی۔ 79-1978ء میں ان بینکوں نے قریباً دو ارب روپے کے زرعی قرضے دیئے۔ اس کے علاوہ اسٹیٹ بینک نے زراعت کی سرپرستی کے لئے خصوصی طور پر قائم شدہ زرعی ترقیاتی بینک کو بھی زرعی قرضوں کی فراہمی آسان بنانے کیلئے حکم دیا۔ زرعی ترقیاتی بینک اب گھر گھر جاکر بھی کاشتکاروں کو قرضے دیتا ہے۔ 08-2007ء میں اس بینک نے قریباً 39561.17 ملین روپے کاشتکاروں کو قرضہ دیا۔

زری پالیسی کے اس آلہ کے ذریعے پالیسی کا مقصد نمبر 3 اور نمبر 5 بخوبی حاصل ہوگیا۔ یعنی سرمایہ کاری کو فروغ نصیب ہوا اور علاقائی عدم توازن کم ہوگیا۔

(vii) برآمدات کیلئے خصوصی شرح سود پر قرضے کی فراہمی

توازن ادائیگی کی درستی ہمارے لئے ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ایک طرف تو درآمدات میں کمی کی جائے اور دوسری طرف برآمدات میں اضافہ کیا جائے۔ بین الاقوامی منڈی میں ہماری برآمدات کو سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مقابلے کے علاوہ دوسرے ملکوں کی طرف سے ہماری برآمدات پر عائد ہونے والی پابندیوں نے بھی ہمارے لئے زرمبادلہ کی کمائی میں اضافہ مشکل بنا دیا ہے۔ اس کا حل اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے یہ دریافت کیا ہے کہ برآمدکنندگان کو خصوصی رعایتی شرح پر تجارتی بینکوں سے قرضے فراہم کئے جائیں۔ اس اسکیم کا نام (Export Re-finance Scheme) ہے۔ اس اسکیم کے تحت صفر شرح پر سٹیٹ بینک تجارتی بینکوں کو قرضے فراہم کرتا ہے جنہیں وہ صرف برآمدکنندگان کو قرضے کیلئے استعمال کرسکتے ہیں۔ برآمدکنندگان سے یہ بینک صرف 3 فیصد سود وصول کرتے ہیں جبکہ تجارتی بینکوں سے عام قرضے پر 14 فیصد سودا ادا کرنا پڑتا ہے۔ برآمدکنندگان کو قرض کی تمام رقم دراصل اسٹیٹ بینک ہی مہیا کرتا ہے۔ اس طرح زری پالیسی کے تحت برآمدکنندگان کو عام شرح سود سے 11 فیصد کم شرح پر قرضہ مل جاتا ہے۔ اس اقدام سے زری پالیسی کا مقصد نمبر 6 پورا ہوتا ہے اور زرمبادلہ کی کمائی کو تقویت ملتی ہے۔

2.4 اہم نکات

1۔ مخصوص مقاصد حاصل کرنے کیلئے زر کی مقدار اور سود کی شرح میں رد و بدل کرنے کی پالیسی کو ''زری

پالیسی‘‘ کہتے ہیں ۔ زری پالیسی کا نفاذ ہمارے ملک میں اسٹیٹ بینک کرتا ہے۔

2۔ ہر زری پالیسی کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں یہ تمام بیک وقت حاصل نہیں کیئے جاسکتے۔ ان میں کسی ایک یا دو کو کسی خاص وقت میں ترجیح دینی پڑتی ہے۔

3۔ پاکستان میں زری پالیسی کے کئی مقاصد ہیں جن میں شامل ہیں۔

(i) غیر ضروری صرف میں کمی کرنا (ii) بچتوں میں اضافہ کرنا (iii) سرمایہ کاری کے فروغ کا انتظام کرنا (iv) قیمتوں میں استحکام پیدا کرنا (v) علاقائی عدم توازن کو درست کرنا اور (vi) توازن ادائیگی کی اصلاح کرنا۔

4۔ زری پالیسی کا نفاذ چند آلات کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں زری پالیسی کے آلات یہ ہیں:

(i) شرح بینک میں رد و بدل (ii) شرح سود میں تبدیلی کرنا (iii) پی ایل ایس اکاؤنٹ کا قیام (iv) بینکوں کے زرضمانت میں کمی یا بیشی کرنا (v) نئی برانچوں کا قیام (vi) زراعت کے خصوصی قرضوں کا اہتمام کرنا اور (vii) برآمدات کے لئے نہایت کم شرح پر قرضے مہیا کرنا۔

5۔ شرح بینک بڑھا کر قیمتوں میں استحکام کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

شرح بینک گھٹا کر سرمایہ کاری کے فروغ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

شرح سود بڑھا کر صرف میں کمی کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

شرح سود گھٹا کر سرمایہ کاری کے فروغ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

شرح سود بڑھا کر بچت میں اضافہ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

پی ایل ایس اکاؤنٹ سے بچت کے فروغ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

6۔ زرضمانت میں کمی کرکے سرمایہ کاری کو فروغ ملتا ہے۔

زرضمانت میں اضافہ کرکے قیمتوں کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔

نئی برانچوں کے قیام سے علاقائی عدم مساوات کا خاتمہ ہوتا ہے۔

زراعت کو خصوصی قرضے دیکر شعبہ جاتی اور علاقائی تفاوت دور ہوتا ہے۔

برآمدات کو کم شرح سود پر قرضے دیکر توازن ادائیگی درست ہوتا ہے۔

2.5 خود آزمائی

7۔ زری پالیسی کی تشکیل اور نفاذ کون سا بینک کرتا ہے؟

مرکزی بینک	زراعتی بینک	صنعتی بینک

8۔ زری پالیسی کے تمام مقاصد بیک وقت حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ کیا یہ بیان درست ہے؟

ہاں	نہیں

9۔ شرح بینک بڑھا کر زری پالیسی کا کون سا مقصد پورا ہوتا ہے۔

قیمتوں میں استحکام کا	توازن ادائیگی کی درستی کا

10۔ ”پی ایل ایس اکاؤنٹ“ کھلنے سے بچتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ کیا یہ مشاہدہ درست ہے؟

ہاں	نہیں

11۔ دور افتادہ علاقوں میں بینکوں کی شاخیں کھلنے سے قرضوں کی تقسیم کو منصفانہ بنانے میں مدد ملتی ہے۔ کیا آپ متفق ہیں؟

ہاں	نہیں

12۔ (Export Re-finance Scheme) کا تعلق درآمدات کے شعبے سے ہے۔

ہاں	نہیں

3۔ زر اعتبار

پھیلاؤ اور کنٹرول

3.1 زر اعتبار کا پھیلاؤ

تجارتی بینکوں کا بنیادی مقصد منافع کمانا ہوتا ہے۔ ان کے منافع کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ لوگوں کی طرف سے جمع کرائی ہوئی امانتوں کو کس رفتار سے قرضوں میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آئینی طور پر امانت کا ایک خاص تناسب ، نقد حالت میں رکھ کر باقی امانتیں بطور قرض چلا دیتے ہیں۔ اس طرح قرضوں کی مالیت، امانتوں کی مالیت سے کئی گناہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ اگر امانتوں کا 23 فیصد بطور زر محفوظ رکھنا ضروری ہوتو 100 روپے کی امانت سے 500 روپے کا زر اعتبار پیدا ہوتا ہے۔

3.2 پھیلاؤ کے اثرات

زر اعتبار کے وسیع ہونے سے بینکوں کو فائدہ پہنچا ہے کیونکہ اس طرح ہر قرضہ جو پیدا ہوتا ہے، بینکوں کا ذریعہ آمدنی بنتا ہے تجارتی بینکوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زر محفوظ کی شرح کم سے کم ہو جائے تا کہ منافع کے امکانات بڑھ جائیں مگر زر اعتبار کے پھیلاؤ سے ''افراط زر'' کا مسئلہ رونما ہوتا ہے جس سے عوام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر زر اعتبار کی مقدار مناسب حدود میں رہے تو یہ کاروباری سرگرمیوں کے فروغ اور معاشی ترقی کے پھیلاؤ کی دلیل ہوتی ہے مگر جب یہی مقدار جائز حدود سے تجاوز کر جائے تو مرکزی بینک پر لازم آتا ہے کہ اسے کنٹرول کرے۔ ہمارے ہاں اسٹیٹ بینک آف پاکستان زر اعتبار کو کنٹرول کرتا ہے۔

پاکستان میں زر اعتبار

3.3 پھیلاؤ کی وجوہات

پاکستان میں زر اعتبار کے پھیلاؤ کی درج ذیل وجوہات دیکھنے میں آئی ہیں:۔

1۔ کرنسی کا پھیلاؤ

پاکستان میں زیر گردش کرنسی کی مقدار ہمیشہ سے بڑھتی چلی آئی ہے۔ 1950ء میں اسی کرنسی کی مقدار 2

ارب روپے تھی۔ جو 2008ء میں 982001 ملین روپے ہوگئی۔ کرنسی کی مقدار میں اضافہ سے بینکوں کی امانتیں بڑھ گئیں جن کے سبب زر اعتبار کی مقدار میں پھیلاؤ پیدا ہوا۔

2۔امانتوں میں اضافہ

پاکستان میں عوام اور کاروباری حلقوں کی طرف سے بینکوں میں جمع کرائی ہوئی امانتوں کی مقدار بڑھتی گئی ہے۔ امانتوں میں اضافہ لوگوں کی آمدنیوں میں اضافہ کے سبب واقع ہوا۔ بینکوں میں جمع شدہ امانتوں کی مالیت 1950ء میں سوا ایک ارب روپیہ تھی جو 2008ء میں بڑھ کر 3422237 ملین روپے ہوگئی۔ ان امانتوں سے زر اعتبار میں اضافہ ہوا۔

3۔کاروباری سرگرمیاں

پاکستان کے قیام سے اب تک نئے نئے کاروبار قائم ہوئے۔ پرانے کاروبار وسیع ہوئے۔ پیداواری اور کاروباری سرگرمیوں میں تیزی واقع ہوئی۔ اس تیزی کی بدولت بینک بھی زیادہ رقومات قرض دینے پر مجبور ہوئے۔ 1950ء میں بینکوں کی طرف سے دیئے جانے والے قرضوں کی مالیت 46 کروڑ روپے تھی جو 2008ء میں 2850891 ملین روپے ہوگئی۔

4۔سرمایہ کاری میں اضافہ

1947ء سے اب تک پاکستان میں سرمایہ کاری کے مواقع میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ 70-1969ء میں مجموعی سرمایہ کاری کی مالیت قریباً 7 ارب روپے تھی۔ 2007ء میں بڑھ کر 300145 ملین روپے ہوگئی۔ سرمایہ کاری کے مواقع میں کثیر اضافہ کی بدولت زر اعتبار میں پھیلاؤ پیدا ہوا۔

3.4 زر اعتبار پر کنٹرول

پاکستان میں زر اعتبار کو غیر ضروری طور پر پھیلنے سے روکنے کیلئے اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے ابتک کئی اقدامات کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

1۔شرح بینک کی پالیسی

اسٹیٹ بینک نے شرح بینک میں اضافہ کر کے زر اعتبار کو پھیلنے سے روکا ہے۔ اس وقت 2008ء سے شرح بینک 13 فیصد ہے۔ 1947ء یہ شرح تین فیصد تھی۔ شرح بینک میں اضافے سے ہنڈیوں اور سرکاری کفالتوں وغیرہ کو نقد رقم میں تبدیل کرنے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور زر اعتبار وسیع نہیں ہو پاتا۔

2۔ کھلے بازار کا عمل

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا یہ فرض ہے کہ جب زر اعتبار ضرورت سے زیادہ ہو جائے تو ہنڈیوں کی براہ راست فروخت کا انتظام کرے۔ ہنڈیوں وغیرہ کی فروخت سے نقد سرمایہ کھینچ کر بینک کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح زیرگردش کرنسی کی مقدار کم ہو جانے سے زر اعتبار پر بھی مطلوبہ اثر پڑتا ہے۔

3۔ زرمحفوظ کی شرح میں تبدیلی

اسٹیٹ بینک نے تجارتی بینکوں کو اس بات کا پابند بنایا ہوا ہے کہ وہ اپنی میعادی اور دوسری امانتوں کا کچھ حصہ اس کے پاس رکھیں۔ اس شرح میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ 2008ء میں یہ شرح 5 فیصد ہے۔ قیام پاکستان کے وقت یہ شرح 2 فیصد تھی۔ اس شرح میں اضافہ سے بینکوں کی قرضے دینے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ اور زر اعتبار کی مقدار محدود ہو جاتی ہے۔

4۔ نقدیت کی شرح

قانونی طور پر بینک اس بات کا پابند ہے کہ وہ امانتوں کا مخصوص حصہ اپنے پاس ہر حالات میں نقد شکل میں رکھے اور باقی رقم بطور قرضہ استعمال کرے گا۔ اس شرح میں اضافہ سے بینکوں کے پاس نقد سرمایہ کی مقدار سکڑ جاتی ہے جس کے ذریعے وسیع پیمانے پر قرضہ جاری کرنے کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا۔

5۔ متفرق اقدامات

اسٹیٹ بینک تجارتی بینکوں کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ غیر پیدا آور مقاصد کے لئے قرضے جاری نہ کریں۔ ان پر یہ بھی پابندی ہوتی ہے بچتوں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ ان اقدامات سے بھی زر اعتبار کو کنٹرول میں مدد ملی ہے۔

3.5 اہم نکات

1۔ تجارتی بینک اپنی امانتوں سے زر اعتبار تخلیق کرتے ہیں۔ اگر زرمحفوظ کی شرح 25 فیصد ہو تو 100 روپے کی امانتوں سے 400 روپے کا زر اعتبار پیدا ہوتا ہے۔
2۔ زر اعتبار کی وسعت سے بینکوں کو منافع کمانے کا موقع ملتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ان سے ''افراط زر'' کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

3۔ زر اعتبار کا پھیلاؤ مناسب حدود کے اندر ہی رہنا چاہئے۔ غیر ضروری طور پر وسیع ہو جانے پر بحران کی کیفیت رونما ہونے لگتی ہے۔ غیر مناسب پھیلاؤ کو روکنے کے لئے اسٹیٹ بینک آف پاکستان اقدامات کرتا ہے۔

4۔ پاکستان میں زراعتبار کے پھیلاؤ کے کئی اسباب ہیں۔ مثلاً کرنسی کا پھیلاؤ آمدنیوں، بچتوں اور امانتوں میں وسعت کی بنیاد بنتا ہے۔ بینکوں میں لوگوں کی طرف سے جمع کرائی جانے والی امانتوں میں اضافہ کے سبب زر اعتبار بہت پھیل گیا ہے۔ ملک میں کاروباری سرگرمیوں کی وسعت نے بھی بینکوں کو زیادہ قرضے جاری کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ اس کے علاوہ سرمایہ کاری کی رفتار میں اضافہ سے بھی زر اعتبار کے پھیلاؤ کو وسعت ملی ہے۔

5۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے زر اعتبار کو کنٹرول کرنے کیلئے شرح بینک میں اضافہ کردیا ہے اور اس وقت شرح بینک 13 فیصد ہے اسٹیٹ بینک نے کھلے بازار میں ہنڈیاں فروخت کر کے بھی زر اعتبار کی مقدار کو کم کیا ہے۔ تجارتی بینکوں کو اسٹیٹ بینک نے ان کی امانتوں کا 5 فیصد حصہ جمع کرانے کی تاکید کی ہے۔ زرمحفوظ میں اضافہ سے زر اعتبار کی مقدار محدود ہوگئی ہے۔ امانتوں کا 35 فیصد حصہ نقد حالت میں رکھنے کی پابندی لگا کر اسٹیٹ بینک نے تجارتی بینکوں کو زر اعتبار جاری کرنے کی استطاعت کو محدود کردیا ہے۔ غیر پیداواری مقاصد کے لئے قرضوں کی فراہمی کا سلسلہ کم کر کے بھی زراعتبار کو کنٹرول کیا گیا ہے۔

3.6 خود آزمائی

13۔ پاکستان میں زراعتبار کون سا بینک تخلیق کرتا ہے۔

تجارتی بنک	مرکزی بنک

14۔ کیا زراعتبار کے غیر ضروری پھیلاؤ سے افراط زر کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

ہاں	نہیں

15۔ پاکستان میں زراعتبار کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری کس بینک پر عائد ہوتی ہے۔

نیشنل بنک آف پاکستان	اسٹیٹ بنک آف پاکستان

16۔ 2008ء میں زیر گردش کرنسی کی مقدار کتنی تھی۔

18 ارب روپے	982001 ملین روپے

17۔ تمام تجارتی بینکوں کی مختلف امانتوں کی مالیت 2008ء میں کتنی تھی۔

58 ارب روپے	3422237 ملین روپے

18۔ پاکستان کے تجارتی بینکوں نے 2008ء میں کتنی مالیت کے قرضے دیئے۔

28508.91 ملین روپے	55 ارب روپے

19۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی شرح بینک 2008ء میں کتنی تھی۔

13 فیصد	20 فیصد

20۔ کیا تجارتی بینک عوام کی طرف سے جمع شدہ امانتوں کا کوئی تناسب محفوظ رکھے بغیر قرضے جاری کر سکتے ہیں؟

ہاں	نہیں

فرہنگ

1۔بازار زر	قلیل مدت کے قرضوں کے لین دین کی منڈی
2۔پی ایل ایس اکاؤنٹ	منافع اور نقصان دونوں میں شرکت کے وعدہ پر کھولا جانے والا بچتی اکاؤنٹ۔
3۔توازن ادائیگی	ملک کی عالمی وصولیات اور واجبات کا کچا چھٹا۔
4۔زراعتبار	کرنسی کے علاوہ زر کی دوسری شکلیں مثلاً چیک، ہنڈی، بل وغیرہ
5۔زرمحفوظ کی شرح	جس شرح پر تجارتی بینک اپنی امانتوں کا کچھ حصہ مرکزی بینک کے پاس رکھواتے ہیں۔
6۔زری پالیسی	مخصوص مقاصد کے حصول کیلئے مرکزی بینک کی طرف سے زر کی مقدار میں کمی یا بیشی کے اقدامات۔
7۔اسٹاک ایکسچینج	کمپنیوں کے حصص (Shares) کی خرید وفروخت کا بازار
8۔شرح بینک	مرکزی بینک کی طرف سے ہنڈیوں کو بٹہ لگانے کی شرح
9۔کھلے بازار کا عمل	مرکزی بینک کی طرف سے ہنڈیوں یا بلوں کی خرید وفروخت۔
10۔نقدیت کی شرح	تجارتی بینکوں کی طرف سے امانتوں کا کچھ حصہ نقد حالت میں رکھنے کی شرح۔

جوابات

1۔ (i) غلط (ii) غلط (iii) غلط (iv) غلط (v) صحیح
2۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے
3۔ نہیں
4۔ مخصوص قرضہ جاتی ادارہ
5۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے
6۔ تقریباً 762
7۔ مرکزی بینک
8۔ نہیں
9۔ قیمتوں میں استحکام کا مقصد
10۔ ہاں
11۔ ہاں
12۔ نہیں
13۔ تجارتی بینک
14۔ ہاں
15۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان
16۔ 982001 ملین روپے
17۔ 3422237 ملین روپے
18۔ 28508.91 ملین روپے
19۔ 13 فیصد
20۔ نہیں

BOOK FOR REFERNCE

1. Pakistan Basic Facts (1979-70) , Govt. of Pakistan.
2. Pakistan .... A developing Economy Dr.S.M Akhtar.
3. Economics of Pakistan (In Urdu) By Sh. Manzoor Ali.
4. Pakistan Economic Survey 2007-08

یونٹ 16

مالیاتی مسلک

تحریر
عبدالحمید ڈار

فہرست

یونٹ کے مقاصد 486

1۔مالیاتی مسلک 487

1.1 مالیاتی مسلک کی تعریف 487

1.2 مالیاتی مسلک کی اہمیت 488

1.3 مالیاتی مسلک کے مقاصد 489

1.4 مالیاتی مسلک کے آلات کار 492

1.5 مالیاتی مسلک کی حدود 494

1.6 اہم نکات 495

خود آزمائی 496

2۔سرکاری آمدنی وسرکاری اخراجات 497

2.1 وفاقی حکومت کی آمدنی کے ذرائع 497

2.2 وفاقی حکومت کے اخراجات کی مدات 500

2.3 صوبائی حکومت کی آمدنی کے ذرائع 502

2.4 صوبائی حکومت کے اخراجات کی مدات 503

2.5 اہم نکات 504

خود آزمائی 506

3۔میزانیہ 507

3.1 میزانیہ کی اقسام 507

3.2 میزانیہ کی تیاری 508

3.3 اہم نکات 510

خود آزمائی 511

مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ مکمل کر چکنے کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں کہ:

(i) مالیاتی مسلک کی تعریف اور مفہوم واضح کرسکیں۔

(ii) مالیاتی مسلک کی اہمیت بالخصوص پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے حوالہ سے بیان کرسکیں۔

(iii) مالیاتی مسلک کے مقاصد کی نشاندہی کرسکیں۔

(iv) مالیاتی مسلک کے آلات کار کی وضاحت کرسکیں۔

(v) مالیاتی مسلک کی حدود بیان کرسکیں۔

(vi) وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی آمدنی کے ذرائع اور خرچ کی مدات پر روشنی ڈال سکیں۔

(vii) میزانیہ کا مفہوم، اقسام اور اس کی تیاری کے طریق کار کی وضاحت کرسکیں۔

1۔ مالیاتی مسلک (FISCAL POLICY)

1.1 تعریف

موجودہ زمانے میں ہر حکومت اپنے عوام کی معاشی بہبود کے لئے اہم خدمات انجام دیتی ہے۔ اس مقصد کے لئے اسے ایک طرف آمدنی درکار ہوتی ہے جسے وہ محصولات اور قرضہ کے ذریعہ حاصل کرتی ہے اور دوسری طرف اسے اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے مختلف نوعیت کی خدمات مہیا کرنے اور معاشی ترقی کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ حکومت کی ان ہی سرگرمیوں کو ''مالیاتی مسلک'' کا نام دیا جاتا ہے۔ گویا مالیاتی مسلک کا تعلق حکومت کی مندرجہ ذیل سرگرمیوں سے ہے۔

(الف) حکومت کی محصولات سے حاصل ہونے والی آمدنی

(ب) حکومت کے اخراجات

(ج) حکومت کا قرضہ

(د) حکومت کا انتظام قرضہ (Debt Management)

حکومت کی یہ سرگرمیاں بذات خود کافی واضح ہیں تاہم ذیل میں ہم ان کی اختصار کے ساتھ تشریح کریں گے۔

1۔ حکومت کی آمدنی (Public Revenue)

مالیاتی مسلک کے ضمن میں حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ محصولات (Taxes) ہیں۔ یہ وہ لازمی ادائیگیاں ہوتی ہیں جو شہریوں کو ذاتی مفاد کی بجائے عمومی اور اجتماعی مفاد کے لئے کرنی پڑتی ہیں۔

2۔ سرکاری اخراجات (Public Expenditure)

حکومت عوام کی معاشی و سماجی بہبود کے لئے ملک میں پیداآوری سرگرمیوں کی رفتار تیز کرنے اور سرمایہ کاری کا معیار بلند کرنے کے لئے اخراجات برداشت کرتی ہے۔

3۔ سرکاری قرضہ (Public Debt)

موجودہ زمانہ میں اکثر ممالک میں سرکاری قرضہ بھی حکومت کے مالیات کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔

معمول کے ذرائع آمدنی سے حکومت کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں کئے جانے والے اخراجات کو پورا کر سکے۔ بعض ہنگامی ضروریات مثلاً جنگ اور سیلاب و زلزلہ جیسی آفات سماوی کے نقصانات کو پورا کرنے کے لئے بھی قرضوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

4۔حکومت کا انتظام قرضہ (Debt Management)

معیشت میں قرضوں کی اہمیت کے پیش نظر حکومت کو ان کی وصولی اور ان کی واپسی وغیرہ کا پوری احتیاط کے ساتھ انتظام کرنا پڑتا ہے تاکہ لوگوں کا حکومت پر اعتماد قائم رہے۔ انتظام قرضہ کا تعلق حکومت کفالتوں (Securities) اور تمسکات (Bonds) کے اجراء، شرائط قرضہ کے تعین اور اس کی واپسی کے وقت اور طریق کار سے ہوتا ہے۔

1.2 مالیاتی مسلک کی اہمیت (Importance of Fiscal Policy)

ذیل میں معاشی مسلک کی اہمیت کو مختلف عنوانات کے تحت واضح کیا گیا ہے۔

(1) وسائل کا تعین

''مالیاتی مسلک'' کے ذریعہ حکومت ملکی وسائل کا رخ کم پیدا آور شعبوں سے زیادہ پیدا آور اور سماجی لحاظ سے زیادہ مفید شعبوں کی طرف موڑ سکتی ہے۔ حکومت جس شعبہ میں اپنے اخراجات میں اضافہ کرتی ہے، اس میں معاشی سرگرمیوں کے لئے سازگار ماحول اور ضروری لوازمات وجود میں آجاتے ہیں۔ اس سے ملکی سرمایہ کاروں کا اس شعبہ کی طرف میلان ایک قدرتی امر ہے۔

(2) بہتر تقسیم دولت

مالیاتی مسلک کے ذریعہ حکومت ملک میں تقسیم دولت کے نظام کو بہتر بنا سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے بڑی بڑی آمدنیوں پر متزائید محصول (Progressive Tax) عائد کرکے اور ان محاصل کو کم آمدنی پانے والے طبقات کے مفاد میں خرچ کرکے آمدنیوں میں پائے جانے والے فرق کو کم کیا جاتا ہے۔

(3) تشکیل سرمایہ

پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک عمومی غربت و افلاس کے باعث قلت سرمایہ کا شکار ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ افلاس کے شیطانی چکر (Vicious Circle) سے نجات حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں پاتے۔ ان میں تشکیل

سرمایہ کے لئے مالیاتی مسلک کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ حکومت اشیائے تعیش (Luxuries) اور غیر ضروری صرف کی اشیا پر بھاری محصولات عائد کرکے اپنے محاصل کو بڑھانے اور پھر اس آمدنی کو ملک کے ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر وتکمیل کے لئے استعمال کرے۔

(4)افراط زر پر قابو پانا

ترقی پذیر ممالک کی اکثریت افراط زر سے دو چار ہے۔ اس کی وجہ سے یہاں تشکیل سرمایہ کے عمل میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں مالیاتی مسلک کو افراط زر پر قابو پانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ حکومت محصولات کے ذریعہ زائد قوت خرید کو عوام کے ہاتھوں سے نکال کر اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔

(5)تجارتی دوروں (Trade Cycle) کی شدت کو کم کرنا

تجارتی دور سرمایہ دارانہ آزاد معیشت کا خاصا بن چکے ہیں۔ ان سے مکمل طور پر نجات تو ممکن نہیں تاہم ان کی شدت کو کم کیا جاسکتا ہے۔ معیشت کے توسیعی دور (Expansion Phase) میں فاضل میزانیہ (Surplus Budget) کے ذریعہ آمدنی کو اخراجات سے زیادہ رکھ کر حکومت زر کی زائد رسد کو گردش سے نکال کر ملک کو افراط زر کے گرداب سے بچا سکتی ہے۔ اس کے برعکس جب کساد بازاری (Depression) کے زمانے میں آمدنی کے مقابلہ میں اخراجات میں اضافہ کرکے زر کی رسد کو بڑھایا جاتا ہے جس سے آمدنیوں اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے۔

1.3 مالیاتی مسلک کے مقاصد (Objectives of Fiscal Policy)

مالیاتی مسلک کو ہمیشہ بعض مخصوص مقاصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل مقاصد خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔

(1) قیمتوں میں استحکام پیدا کرنا۔

(2) صرف کے معقول معیار کا حصول۔

(3) آمدنی اور روزگار کے خاطر خواہ معیار کا حصول

(4) مناسب معاشی ترقی کا حصول

(5) آمدنی کی بہتر تقسیم کا حصول

(6) توازن ادائیگی کو متوازن رکھنا

اب ہم ان میں سے ہر ایک مقصد کی وضاحت کریں گے۔

(1) قیمتوں میں استحکام

اشیا و خدمات کی قیمتوں میں تیز رفتاری سے اتار چڑھاؤ معیشت کو متزلزل کردیتا ہے جس سے معاشی سرگرمیوں پر نہایت برا اثر پڑتا ہے۔اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ قیمتوں کی سطح میں استحکام پیدا کیا جائے۔ اس استحکام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیمتوں کی ایک ہی سطح کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھا جائے (یہ بات نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب اور پسندیدہ)۔ قیمتوں میں استحکام کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قیمتیں اگر چڑھیں تو آہستہ روی سے اور اگر کم ہوں تو بھی آہستہ روی سے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مالیاتی مسلک بڑا مؤثر کردار ادا کرسکتا ہے۔ جب اشیا کی قیمتوں میں عمومی سطح بلند ہونے لگے تو حکومت لوگوں پر نئے محصولات لگا کر یا پرانے محصولات کی شرح بڑھا کر زائد قوت خرید کو عوام کے ہاتھوں سے نکال لیتی ہے۔ اس سے اشیا کی طلب کم ہو جاتی ہے اور قیمتوں میں اتار کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس جب قیمتوں کی عمومی سطح پست ہو جائے جیسا کہ عام طور پر تفریط زر (Deflation) کے دور میں ہوتا ہے تو حکومت لوگوں کی قوت خرید اور طلب میں اضافہ کرنے کے لئے اپنے اخراجات میں اضافہ کردیتی ہے جس سے روزگار اور نئی آمدنیاں پیدا ہوتی ہیں اور دوسری طرف محصولات کی شرح کو کم کردیا جاتا ہے۔ اس سے لوگوں کی قوت خرید بڑھ جاتی ہے جو قیمتوں میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

(2) صرف کے معقول معیار کا اصول

معیشت کے فروغ اور استحکام کے سلسلہ میں صرف کا معیار بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ملک میں لوگوں کا معیار صرف بلند ہوگا تو اس سے وہاں بچتوں کا معیار گر جائے گا۔ جس سے سرمایہ کاری کے لئے مطلوبہ وسائل حاصل نہ ہوسکیں گے۔ ان حالات میں حکومت لوگوں پر محصولات عائد کرکے ان کی قوت خرید کو کم کرسکتی ہے۔ حکومت قرضوں کے اجراء کے ذریعہ بھی لوگوں کے میلان صرف کو کم کرسکتی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ اپنی آمدنی کو منافع بخش بنانے کے لئے حکومت کی کفالتیں اور تمسکات خرید لیتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر صرف کا معیار پست ہو جائے اور بچتیں مطلوبہ سرمایہ کاری سے تجاوز کرجائیں تو ملک میں تفریط زر کے رجحانات پیدا ہوجائیں گے اور بے روزگاری کا دور دورہ ہونے لگے گا۔ ان حالات میں ضروری ہوگا کہ حکومت لوگوں کی قوت خرید کو بڑھائے۔ اس مقصد کے لئے حکومت ایک طرف بعض محصولات معاف کرکے اور بعض محصولات کی شرح کم کرکے عوام کی قوت خرید کو بڑھا سکتی ہے۔

(3) آمدنی اور روزگار کے خاطر خواہ معیار کا حصول

ترقی یافتہ ممالک میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ معیشت مکمل روزگار کے معیار پر قائم رہے اور اس

میں افراطی وتفریطی رخنے (Inflationary Defiationar Gaps) رونما نہ ہوں۔ مالیاتی مسلک اس سلسلہ میں بڑا اہم اور مؤثر کردار ادا کرسکتا ہے۔ افراطی رخنہ کی صورت میں حکومت محصولات کو بڑھا دیتی ہے۔ اور اپنے اخراجات میں تخفیف کردیتی ہے۔ اس طرح زیر گردش زائد زرعوام کے ہاتھوں سے نکل کر حکومت کی تحویل میں آجاتا ہے۔ اور اس کی معیشت مکمل روزگار کے اس معیار پر آجاتی ہے جو افراط زر کی آلائش سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر معیشت میں تفریطی رخنہ پیدا ہو جائے تو حکومت اپنے اخراجات بڑھا دیتی ہے اور نئے ترقیاتی منصوبوں پر کام شروع کردیتی ہے۔ اس سے نئے روزگار اور نئی آمدنیاں پیدا ہوتی ہیں اور معیشت مکمل روزگار کے معیار کی طرف مائل بہ پرواز ہونے لگی ہے۔

(4) آمدنی کی تقسیم کے خاطر خواہ نظام کا حصول

مالیاتی مسلک کے ذریعہ دولت کی تقسیم کے نظام کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ حکومت زیادہ آمدنیاں رکھنے والوں پر متزائید شرح سے بھاری محصولات عائد کرکے ان کی قوت خرید کو کم کرسکتی ہے اور ان محاصل کی کم آمدنی پانے والے افراد کی بالواسطہ اور بلا واسطہ امداد پر خرچ کرکے ان کی معاشی حالت کو بہتر بناسکتی ہے۔

(5) مناسب معاشی ترقی کا حصول

کسی ملک کی معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے میں بھی مالیاتی مسلک بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی سب سی بڑی ضرورت معاشی ترقی کی بلند شرح کو برقرار رکھنا ہے۔ اگر اس صورتحال میں کوئی تبدیلی رونما ہوتو وہ فوری طور پر مالیاتی مسلک کے ذریعہ اس کا ازالہ کرلیتے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں زیادہ اہم مسئلہ ترقی پذیر ممالک کو درپیش ہے۔ جو غربت وافلاس کے باعث سرمایہ کی قلت اور قوت خرید کی کمی (یعنی مؤثر طلب کی کمی) سے دوچار ہیں۔ ان ممالک میں حکومت نجی شعبہ کی پیداواری سرگرمیوں کو فروغ دینے اور اس میں سرمایہ کاری کی تحریک پیدا کرنے کے لئے محصولات میں مراعات دے سکتی ہے۔

ترقی پذیر ملکوں میں حکومت دیگر ذرائع کے علاوہ تمویل خاسر (Deficit Financing) کے ذریعہ بھی ترقیاتی منصوبوں پر اپنے اخراجات بڑھا کر معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرسکتی ہے۔

(6) توازن ادائیگی کو متوازن رکھنا

مالیاتی مسلک توازن ادائیگی کی ناسازگاری کو دور کرکے اسے متوازن بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ ادائیگیوں کے توازن کو متوازن بنانے کیلئے حکومت درآمدات پر محصولات کو بڑھا کر ان کی حوصلہ شکنی کرسکتی ہے اور اسی طرح اپنی ادائیگیوں کے حجم کو گھٹا سکتی ہے۔ اس کے برعکس برآمدات پر عائد شدہ محصولات میں تخفیف کرکے ان

کی حوصلہ افزائی کرسکتی ہے۔ برآمدات میں اضافہ سے حکومت کی وصولیاں بڑھ جاتی ہیں اور یوں توازن ادائیگی کے خسارہ کو دور کیا جاسکتا ہے۔

1.4 آلات کار

مالیاتی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ انہیں مالیاتی مسلک کے آلات کار کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ آلات کار دو طرح کے ہوتے ہیں۔

(الف) اندرونی خود کار مستحکم کنندگان (Internal Built-in Stabilizers)

(ب) صوابدیدی مالیاتی اقدامات (Discretionary Fiscal Measures) اب ان دونوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

(الف) اندرونی خود کار مستحکم کنندگان

ان سے مراد وہ عوامل ہیں جو ملکی معیشت میں پیدا ہونی والے عدم استحکام کو خود کار طریقہ پر درست کرنے کے لئے حرکت میں آجاتے ہیں۔ ان مستحکم کنندگان میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(i) متزائید نظام محصولات (Pregressive Taxation System)

جب معیشت خوشحالی (Boom) کے دور میں داخل ہوچکی ہوتو متزائید محصول کے نتیجہ میں حکومت کی محصولاتی آمدنی زیادہ ہو جاتی ہے اور لوگوں کی قابل تصرف آمدنیاں یا قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور یوں افراط زر یا عدم استحکام کو پیدا کرنے والی قوتوں کا زور کم ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر معیشت کساد بازاری (Depression) کا شکار ہو چکی ہوتو شرح محصول بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح حکومت کی محصولاتی آمدنی میں کمی آجاتی ہے لیکن لوگوں کی قابل تصرف آمدنی میں نسبتاً کم تخفیف رونما ہوتی ہے۔ اس طرح ان کا معیار صرف ایک خاص حد تک برقرار رہتا ہے۔ جس سے اشیاء و خدمات کی طلب قائم رہتی ہے۔ یہی چیز معاشی سرگرمیوں کے از سر نو فروغ پانے کی راہ کو کھلا رکھتی ہے۔

(ii) بے روزگاری الاؤنس وغیرہ

موجودہ زمانے میں بالخصوص ترقی یافتہ ممالک میں بے روزگاری کا شکار ہونے والے افراد کو مالی امداد مہیا کی جاتی ہے جس سے وہ اپنے معیار صرف کو کس حد تک برقرار رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ملک کے

اندر اشیاء و خدمات کی مجموعی طلب نمایاں طور پر کم نہیں ہونے پاتی اور معیشت سنگین قسم کے عدم استحکام سے دوچار ہو نے سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس جب خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اورلوگوں کی آمدنیاں بڑھ جاتی ہیں تو اس نوعیت کے انتظامات اور ادائیگیاں ختم کردی جاتی ہیں۔

(iii) امداد قیمت کی پالیسی (Price Support Policy)

زرعی شعبہ میں امداد قیمت کی پالیسی، زرعی اجناس کی قیمتوں کو مستحکم رکھنے میں بڑی مفید ثابت ہوتی ہے۔ جب کساد بازاری کے نتیجہ میں زرعی اجناس کی قیمتیں کم ہونے لگیں تو حکومت بازاری قیمت سے زیادہ قیمت پر انہیں خود خرید لیتی ہے۔ اس سے کاشتکاروں کو ایک کم سے کم قیمت کا یقین ہوجاتا ہے اور ان کے مفادات محفوظ ہو جاتے ہیں۔ خوشحالی کے دور میں جب زرعی اجناس کی قیمتیں زیادہ ہونے لگتی ہیں تو حکومت اپنے ذخائر سے ان اجناس کی رسد معقول قیمت پر مہیا کرتی ہے۔ اس طرح ان اجناس کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ نہیں ہونے پاتا۔

(iv) سرکاری اخراجات میں استحکام

سرکاری اخراجات کو ایک متحکم سطح پر رکھنے کا طریق کار بھی ملکی معیشت کے نشیب و فراز پر خود کار انداز میں قابو پانے میں مدد دیتا ہے۔ خوشحالی کے دور میں افراط اور کاروباری اداروں کی آمدنیاں بڑھ جانے کی وجہ سے حکومت کی آمدنی بھی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اگر حکومت اپنے اخراجات کو مقررہ معیار پر برقرار رکھے اور اس میں اضافہ نہ کرے تو اس سے افراط زر یا معیشت کے ارتفاعی رجحانات (Upward Trend) پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس کساد بازاری کے دور میں حکومتی آمدنی میں کمی کے باوجود اخراجات کے مقررہ معیار کو قائم رکھ کر معیشت کے نشیبی میلان (Downward Trends) کو روکا جاسکتا ہے۔

(v) سرکاری سرمایہ کاری (Public Investment)

حکومت کی سرمایہ کاری بھی ملکی معیشت کے استحکام کو برقرار رکھنے اور اس کے نشیب و فراز پر قابو پانے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ سرمایہ کاری میں تبدیلیاں عموماً نجی سرمایہ کاری کی کمی بیشی کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں۔ جن شعبوں میں نجی سرمایہ آگے نہیں آتا معیشت کے اجتماعی مفاد کی خاطر وہاں حکومت کو اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے برعکس جن شعبوں میں نجی سرمایہ ترغیب محسوس کرتا ہے وہاں سے حکومت اپنا ہاتھ کھینچ لیتی ہے۔

(ب) صوابدیدی مالیاتی اقدامات (Discretionary Fiscal measures)

اب ہم آلات کار کی دوسری قسم کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔

صوابدیدی اقدامات سے مراد وہ اقدامات ہیں جنہیں حکومت مخصوص مقاصد کے حصول کیلئے سوچ سمجھے منصوبے کے مطابق بروئے کار لاتی ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل اقدامات شامل ہیں۔

(i) محصولات کی شرح میں تبدیلی

(ii) سرکاری اخراجات میں تبدیلی

(i) محصولات کی شرح میں تبدیلی (Changes in Tax Rates)

جب معیشت میں افراط زر کے حالات رونما ہورہے ہوں تو حکومت محصولات کی شرح میں اضافہ کردیتی ہے۔ اس سے افراد اور کاروباری اداروں کی قابل تصرف آمدنیوں کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ سے نکل کر حکومت کی تحویل میں آجاتا ہے۔ اس کے برعکس تفریط زر (Deflation) یا کساد بازاری کی صورت میں محصولات کی شرح کم کردی جاتی ہے جس سے افراد اور کاروباری اداروں کی قابل تصرف آمدنیاں بڑھ جاتی ہیں اور ملک میں صرف کا معیار بلند ہوجاتا ہے۔

(ii) سرکاری اخراجات میں تبدیلی (Changes in Public Expenditure)

سرکاری اخراجات معیشت میں استحکام پیدا کرنے اور تجارتی نشیب وفراز پر قابو پانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔ خوشحالی یا افراط زر کے دور میں حکومت اپنے اخراجات کم کردیتی ہے کیونکہ اس دور میں نجی سرمایہ کاری کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تفریط زر کے دور میں جب کہ نجی سرمایہ کاری میں نمایاں کمی رونما ہو جاتی ہے حکومت اپنے اخراجات میں اضافہ کرکے نجی سرمایہ کاری کی کمی کی تلافی کردیتی ہے۔ اس طرح افراط زر یا کساد بازاری پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ حکومت کی اس صوابدیدی مالیاتی پالیسی کو مکمل متلافی مالیاتی پالیسی (Full compensatory Fiscal Policy) بھی کہا جاتا ہے۔

1.5 مالیاتی مسلک کی حدود (Limitations of Fiscal Policy)

موجودہ زمانے میں مالیاتی مسلک کو مخصوص مقاصد کے حصول کیلئے وسیع پیمانے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم بعض حالات اور عوامل ایسے ہیں جو اس کی کامیابی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انہیں مالیاتی مسلک کی حدود کا نام دیا جاتا ہے۔ ان حدود کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

(i) سرکاری منصوبوں میں تبدیلی کی مشکل

حکومت تجارتی نشیب وفراز پر قابو پانے کے لئے اپنے اخراجات میں کمی بیشی کے جو منصوبے تیار کرتی

ہے۔ انہیں بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ملک کے معاشی حالات میں تغیرات بالعموم رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن جو منصوبہ ایک دفعہ شروع کر دیا جائے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔

(ii) منصوبہ پر عملدرآمد کے وقت کے تعین میں دقت

کسی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلہ میں وقت کا عنصر بہت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس بات کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ منصوبہ پر عملدرآمد کب کیا جائے یا کس زیر تعمیر منصوبہ سے کب ہاتھ کھینچ لیا جائے۔

(iii) نجی سرمایہ کاری کا غیر یقینی رخ

سرکاری اخراجات یا محصولات کی پالیسی نجی سرمایہ کاری کے مخالف رخ کی بنا پر بے اثر ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر کساد بازاری کے دور میں اگر حکومت اپنے اخراجات بڑھا دے لیکن نجی سرمایہ کار اسے کساد بازاری کے خطرے کی علامت سمجھ کر متوحش ہو جائیں تو صورتحال سدھرنے کی بجائے اور بگڑ جائے گی۔

(iv) محصولات میں تبدیلی کی مشکلات

حکومت کے لئے حسب منشاء محصولات میں تبدیلی کرنا آسان نہیں ہوتا۔ جمہوری ملکوں میں عام طور پر محصولات میں اضافہ کرنے کے لئے مقنّنہ کی منظوری حاصل کرنی پڑتی ہے۔ محصولات میں اضافہ کی تجاویز پر عوامی اور سیاسی حلقے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں جس سے بعض اوقات حکومت کے لئے سخت مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔

1.6 اہم نکات

(i) مالیاتی مسلک کا تعلق حکومت کے اخراجات برداشت کرنے اور آمدنی حاصل کرنے کے انداز، وقت اور طریق کار کے تعین سے ہوتا ہے۔

(ii) ''مخالف دوری مالیاتی مسلک'' سے مراد محصولات اور سرکاری اخراجات کی شکل بندی کا وہ طریق عمل ہے جو (الف) تجارتی دور کے نشیب فراز کی شدت کو کم کرنے میں مدد دے۔ اور (ب) افراطی وتفریطی طلب کی شدت سے پاک نمو پذیر، اعلیٰ معیار روزگار کی حامل معیشت کے قیام میں معاون ہو۔

(iii) مالیاتی مسلک کا تعلق حکومت کی مندرجہ ذیل سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔
محصولاتی آمدنی، حکومت کے اخراجات، حکومت کا قرضہ اور قرضہ کا انتظام

(iv) مالیاتی مسلک کی اہمیت مندرجہ ذیل پہلوؤں سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔اس کے ذریعہ ملکی وسائل کا رخ پسندیدہ شعبوں اور پیشوں کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔تقسیم دولت کے نظام کو بہتر اور منصفانہ بنایا جاسکتا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں تشکیل سرمایہ کے عمل کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔افراط زر پر قابو پایا جاسکتا ہے اور تجارتی چکروں کی شدت کو کم کیا جاسکتا ہے۔

(v) مالیاتی مسلک کے پیش نظر بالعموم مندرجہ ذیل مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔قیمتوں کی سطح میں استحکام پیدا کرنا، صرف کے خاطر خواہ معیار کا حصول، آمدنی اور روزگار کے خاطر خواہ معیار کا حصول، معاشی ترقی کی خاطر خواہ شرح کا حصول اور توازن ادائیگی کو متوازن رکھنا۔

(vi) مالیاتی مسلک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دو قسم کے آلات کار استعمال کئے جاتے ہیں۔اندرونی خود کار مستحکم کنندگان اور صوابدیدی اقدامات

(vii) اندرونی خود کار مستحکم کنندگان یہ ہیں۔

متزائد نظام محصولات، بیروزگاری الاؤنس، امداد قیمت کی پالیسی، سرکاری، اخراجات کو مستحکم رکھنے کی پیش بندی اور سرکاری سرمایہ کاری۔اس کے برعکس صوابدیدی مالیاتی اقدامات میں یہ امور شامل ہیں۔محصولات کی شرح میں تبدیلی اور سرکاری اخراجات میں تبدیلی

(viii) مالیاتی مسلک کی حدود میں مندرجہ ذیل عوامل شامل ہیں۔

(الف) سرکاری منصوبوں میں تبدیلی کرنے کی مشکل۔

(ب) منصوبہ پر عملدرآمد کے وقت کا تعین کرنے میں دقت

(ج) نجی سرمایہ کاری کا غیر یقینی رخ

(د) محصولات میں تبدیلی کرنے کی راہ میں مشکلات

خود آزمائی

سوال نمبر 1 مالیاتی مسلک کا مفہوم بیان کیجئے۔ مالیاتی مسلک کا تعلق حکومت کی سرگرمیوں کے کس پہلو سے ہوتا ہے؟

(اپنے جواب کی سیکشن 1.1 کی بحث کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے)

سوال نمبر 2 مالیاتی مسلک کی اہمیت پر روشنی ڈالئے؟

(اپنے جواب کا سیکشن 1.2 میں دیئے گئے نکات کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجئے۔)

2۔ سرکاری آمدنی وسرکاری اخراجات

اس سے پہلے یہ بات آپ کو بتائی جاچکی ہے کہ موجودہ زمانے میں حکومت عوام کی بھلائی اور ملک کے معاشی استحکام کی خاطر متعدد فرائض انجام دیتی ہے۔ ان فرائض کی انجام دہی کیلیئے اس کثیر مالی مسائل صرف کرنے پڑتے ہیں جنہیں حاصل کرنے کیلیئے وہ مختلف ذرائع اور تدابیر عمل میں لاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور پر ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ حکومت کی آمدنی کے اہم ذرائع کیا ہوتے ہیں اور وہ انہیں کن مدات پر خرچ کرتی ہے۔

2.1۔ وفاقی حکومت کی آمدنی کے ذرائع:

وفاقی حکومت کے فرائض کا دائرہ چونکہ بہت وسیع ہوتا ہے اور اسے ملکی دفاع اور سلامتی کے علاوہ داخلی و خارجی محاذ پر اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے وسیع اخراجات کو پورا کرنے کے لئے متعدد ذرائع سے وسائل حاصل کرتی ہے۔ ان ذرائع کو دو بڑے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) محصولاتی آمدنی (Tax Revenue)

(2) غیرمحصولاتی آمدنی (Non Tax Revenue)

(1) محصولاتی آمدنی

حکومت درآمدی وبرآمدی اشیاء افراد کی آمدنیوں، جائیدادوں، ملکی مصنوعات اور اس طرح کی متعدد اشیاء پر محصول عائد کرکے آمدنی حاصل کرتی ہے۔ یہ محصولات عام طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ بلا واسطہ اور بالواسطہ۔

(i) بلاواسطہ محصول۔

بلاواسطہ محصول میں انکم ٹیکس، دولت ٹیکس کو شمار کیا جاتا ہے۔

(ii) بالواسطہ محصول۔

بالواسطہ محصول میں درآمدی محصول، بکری محصول وغیرہ کو شامل کیا جاتا ہے۔

(2) غیرمحصولاتی آمدنی۔

حکومت پاکستان کو محصولات کے علاوہ کئی دیگر ذرائع سے بھی آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ ان میں حکومت

کے زیرنگرانی چلائے جانے والے کاروبار، انتظامی محکمے، کرنسی وٹکسالی اور قرضوں پر سود وغیرہ شامل ہیں۔

حکومت پاکستان کی آمدنی کا بڑا حصہ محصولاتی آمدنی پر مشتمل ہے۔ 08-2007ء کے میزانیہ (Budget) کی مجموعی آمدنی میں محصولاتی آمدنی کا تناسب 82.5% اور غیر محصولاتی آمدنی کا تناسب 17.5% تھا۔محصولاتی آمدنی میں بھی بالواسطہ محصولات (Indirect Texes) کا تناسب بہت زیادہ ہے۔مثال کے طور پرصرف 08-2007ء میں محصولات میں بالواسطہ محصولات کا تناسب 60.76% اور بلاواسطہ محصوالات کا تناسب 39.24% تھا۔

ذیل میں وفاقی حکومت پاکستان کی محصولات اور غیر محصولاتی آمدنی کے ذرائع کی وضاحت کی گئی ہے۔

(i) کسٹمز ڈیوٹی

یہ محصول درآمدی وبرآمدی اشیاء پر لگایا جاتا ہے۔ پاکستان میں یہ محصول حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے 08-2007 میں اس ذریعہ سے حکومت کو 154000 ملین روپے کی آمدنی ہوئی۔ درآمدی محصولات حکومت کی آمدنی کا یقینی ذریعہ نہیں ہیں۔کیونکہ بین الاقوامی منڈی کے تغیر وتبدل کیوجہ سے کسی ملک کی خارجہ تجارت میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور درآمد وبرآمد کی مقدار کم وبیش ہوتی رہتی ہے۔

(ii) محصول آب کاری (Excise Duty)

اندورن ملک تیار ہونے والی بعض صنعتی اشیاء پر محصول عائد کیا جاتا ہے۔ اسے محصول آبکاری کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان میں سیمنٹ، تمباکو، چینی، بناسپتی گھی، قدرتی گیس، سگریٹ، پٹرول، دیا سلائی، اونی کپڑا، رنگ وروغن، ٹائر، ٹیوب، بجلی کے بلب اور ریشم وسوت وغیرہ پر آبکاری محصول عائد کیا گیا ہے۔ اندورن ملک صنعتی ترقی کی رفتار تیز ہونے سے اسی ذریعہ سے حکومت کی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ 08-2007ء میں محصول آبکاری سے 98000 ملین روپے وصول ہوئے۔

(iii) سیلز ٹیکس Sales Tax

یہ ٹیکس بعض اشیاء کی فروخت پر عائد کیا جاتا ہے یہ ایک بالواسطہ ٹیکس ہے جس کی ابتداً ادائیگی صنعتکار یا درآمدکنندگان وغیرہ کرتے ہیں لیکن بعد میں وہ اسے قیمت میں شامل کر دیتے ہیں ملک میں تجارتی ومعاشی سرگرمیوں کے وسعت پزیر ہونے سے اس محصول سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ پاکستان میں 08-2007ء میں اس ذریعہ سے مرکزی حکومت کو 375000 ملین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی۔

(iv) آمدنی محصول وکارپوریشن محصول۔

آمدنی محصول ان افراد پر عائد ہوتا ہے جن کی سالانہ آمدنی ایک مخصوص حد سے زائد ہو۔ مثال کے طور پر پاکستان میں جس فرد کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ سے زائد ہو اسے آمدنی محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس کی شرح بھی بڑھتی جاتی ہے۔

کارپوریشن محصول مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کے منافع پر عائد ہوتا ہے۔ اقتصادی ترقی کی رفتار کے تیز ہونے اور افراد وکاروباری فرموں کی آمدنیوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ محصولات دراصل بلاواسطہ محصولات (Direct Texes) ہیں۔ پاکستان میں مرکزی حکومت 08-2007ء میں آمدنی محصول اور کارپوریشن محصول سے 405000 ملین روپے کی آمدنی حاصل ہوئی۔

(v) دیگر محصولات

ان میں محصولات دولت (Wealth Tax)، محصول تحائف (Gift Tax) محصولِ ترکہ (Death Duty) اور محصول بہبودی محنت کاراں (Worker Welfare Tax) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(vii) تجارتی کام

بہت سے تجارتی نوعیت کے کام حکومت کی زیرنگرانی چل رہے ہیں۔ جن میں ڈاک، تار، ٹیلیفون کے محکمے شامل ہیں۔

(viii) سودی وصولیاں

مرکزی حکومت نے صوبائی حکومتوں اور دیگر مالی وغیر مالی اداروں کو جو قرضے دیئے ہوتے ہیں ان پر ہر سال اسے سود کی شکل میں آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

(ix) سول انتظامیہ

حکومت کے نظم ونسق کے محکمے اور دیگر انتظامی شعبے عوام کو جو خدمات مہیا کرتے ہیں ان کے عوض وصولیاں بھی کرتے ہیں۔ یہ وصولیاں بھی حکومت کی آمدنی کا ذریعہ ہیں۔

(x) متفرق وصولیاں

ان میں دفاع، کرنسی، ٹیکسٹائل، اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا منافع اور معاشی خدمات سے وصولیاں وغیرہ

شامل ہیں۔

حکومت کی متذکرہ آمدنی کو ''ذرائع مال'' (Revenue Resources) کہا جاتا ہے ان کے ''علاوہ ذرائع سرمایہ'' (Capital Resources) سے بھی حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ ذرائع سرمایہ، عام طور پر قرضوں وغیرہ کی شکل میں ہوتے ہیں اور ان کی واپسی بھی لازمی ہوتی ہے نیز ان پر سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ ''ذرائع سرمایہ'' دو طرح کے ہیں۔

(i) اندورنی ذرائع (ii) بیرونی ذرائع

(i) اندورن ذرائع میں ملکی ذرائع سے حاصل کئے گئے قلیل المیعاد اور طویل المعیاد قرضوں کے علاوہ حکومت کی نافذ کردہ بچت کی مختلف سکیموں مثلاً ڈاکخانوں کے بچت حسابات، خاص حسابات کے سرٹیفکیٹ، سات سالہ منافع مع بونس حسابات، پراویڈنٹ فنڈ اور ڈاکخانہ کی بیمہ زندگی کی سکیم وغیرہ شامل ہیں۔

(ii) بیرون ذرائع میں دوسرے ممالک اوربین الاقوامی مالی اداروں سے حاصل کردہ قرضے، غیرملکی زرمبادلہ کی شکل میں وصول ہونے والی منصوبہ جاتی امداد (Project Aid)، غذائی امداد (Food Aid) جو غلہ کی درآمد کیلئے استعمال کی جاتی ہے، اجناس کی صورت میں امداد (Commodity Aid) اور روپے کی صورت میں امداد (Rupee Aid) وغیرہ شامل ہیں۔

2.2 وفاقی حکومت کے اخراجات کی مدات

وفاقی حکومت کے اخراجات کو دو حصول میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(الف) غیر ترقیاتی اخراجات (ب) ترقیاتی اخراجات

غیر ترقیاتی اخراجات وہ ہوتے ہیں جو حکومت کے عام فرائض مثلاً امن وامان کے قیام، انصاف کی فراہمی، تعلیم وصحت اور سماجی بہبود وغیرہ پر خرچ کئے جائیں ان خراجات سے براہ راست قومی اثاثوں میں اضافہ نہیں ہوتا۔ ترقیاتی اخراجات سے مرداد وہ اخراجات ہوتے ہیں جو ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر وتکمیل پر برداست کئے جائیں۔ مثلاً آبپاشی وبجلی کے منصوبے نقل وحمل کے ذرائع، صنعتی وزرعی اسکیمیں وغیرہ۔

(الف) وفاقی حکومت کے غیر ترقیاتی اخراجات۔

(i) دفاع

غیر ترقیاتی اخراجات میں سب سے زیادہ اہمیت ملکی دفاع کو دی جاتی ہے کیونکہ مضبوط اور مستحکم دفاع کی

موجودگی میں نہ صرف ملک کی سالمیت برقرار رہتی ہے بلکہ اندورن ملک معاشی سرگرمیوں کے فروغ پانے کی سازگار فضاء بھی قائم ہوتی ہے۔ 08-2007ء میں اس مد پر 277300 ملین روپے خرچ کئے گئے جو کل اخراجات کا 12.4% تھے۔

(ii) انتظامیہ۔

وفاقی حکومت کو اپنے انتظامی محکموں کو چلانے کیلئے کثیر رقم درکار ہوتی ہے۔ ان محکموں میں بیرونی ممالک میں متعین سفیروں، حکومت کے وزراء،قومی اسمبلی وسینٹ کے انتظام، وفاقی پبلک سروس کمیشن، منصوبہ بندی کمیشن، صنعت وحرفت، تعلیم، صحت، زراعت، سپریم کورٹ اور فراہمی محصولات وغیرہ شامل ہیں۔ 08-2007ء میں پاکستان کی وفاقی حکومت نے انتظامیہ پر 368159 ملین روپے خرچ کئے جو کل اخراجات کا 16.5% بنتا ہے۔

(iii) مصارف قرضہ

وفاقی حکومت اپنے منصوبوں کی تعمیر وتکمیل کیلئے اپنے عوام، بیرونی ممالک اور بین الاقوامی مالی اداروں سے قرضے حاصل کرتی ہے۔ ان قرضوں کی واپسی اور سود کی ادائیگی کیلئے اسے کثیر رقم مختص کرنا پڑتی ہے۔ 08-2007 میں اس مد پر 424275 ملین روپے صرف کرنے پڑے۔

(iv) اعانے (Subsidies)

حکومت آجروں اور پیدا کنندگان کے مفادات کا تحفظ کرنے اور انہیں پیداوار کی مناسب قیمت دلانے کا انتظام کرنے کے لئے بعض بنیادی ضرورت کی اشیا کی قیمت کا تعین کردیتی ہے اور اس قیمت پر اشیا خودخرید کرعوام کونسبتاً کم قیمت پر مہیا کردیتی ہے۔ اس طرح آجروں اورعوام دونوں کے مفادات کا بیک وقت تحفظ ہو جاتا ہے۔ اس طرح حکومت جوخرچ برداشت کرتی ہے اسے اعانہ (Subsidy) کہا جاتا ہے۔08-2007ء میں اس مد پر تقریباً 389500 ملین روپے خرچ ہوئے۔

(v) صوبائی حکومتوں کی امداد

وفاقی حکومت صوبائی حکومتوں کو اس کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے امداد مہیا کرتی ہے۔08-2007ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے صوبوں کو 87000 ملین روپے کی امداد مہیا کی گئی۔

(vi) رفاہ عامہ کے محکمے

ان میں وہ محکمے شامل ہیں جو لوگوں کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت اور صحت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان محکموں کی ذمہ داری بنیادی طور پر صوبائی حکومتوں کے دائرہ میں آتی ہے تاہم وفاقی حکومت بھی ان خدمات پر خرچ کرتی ہے۔2007-08ء میں حکومت پاکستان نے صرف معاشرتی خدمات پر 78900 ملین روپے خرچ کئے۔

(ب) ترقیاتی اخراجات

وفاقی حکومت کو ترقیاتی امور کی انجام دہی کے لئے کثیر اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ 2007-08ء میں ترقیاتی منصوبوں پر مجموعی طور پر تقریباً 297300 ملین روپے خرچ کئے گئے۔

2.3 صوبائی حکومت کی آمدنی کے ذرائع

ذیل میں صوبائی حکومت کی آمدنی کے اہم ذرائع بیان کئے گئے ہیں۔

(i) مرکزی حکومت کی امداد

صوبائی حکومت کو مرکزی حکومت کی طرف سے ترقیاتی اور غیر ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر و تکمیل کے لئے مناسب امداد دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہنگامی نوعیت کی ضرورت کے لئے بھی مرکزی حکومت صوبائی حکومت کو امداد مہیا کرتی ہے۔ 2007-08ء کے میزانیہ میں حکومت پاکستان نے صوبائی حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے 87000 ملین روپے مخصوص کئے تھے۔

(ii) آبیانہ

صوبائی حکومت کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ آبیانہ ہے۔ کاشتکار اپنی زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے نہروں سے پانی حاصل کرتے ہیں جس کی وہ حکومت کو قیمت ادا کرتے ہیں اسے آبیانہ کہا جاتا ہے۔

(iii) صوبائی محصول آبکاری

یہ محصول بعض نشہ آور اشیا مثلاً تمباکو، افیون وغیرہ پر لگایا جاتا ہے۔ پاکستان میں شراب وغیرہ کے استعمال کی ممانعت کی وجہ سے اس ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کم ہوگئی ہے۔

(iv) عدالتی فیس

عدالتی وغیر عدالتی اسٹیمپ کی فروخت سے بھی حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں عدالتی فیس (Court Fee) خاص طور پر اہم ہے۔ مقدمات میں اضافہ کی وجہ سے اس ذریعہ آمدنی سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی بڑھ گئی ہے۔

(v) رجسٹری فیس

اس مد میں دستاویزات کی رجسٹری کرنے، رجسٹری کی نقول حاصل کرنے اور پرانی اندراجات (Record) تلاش کرنے کی فیس وغیرہ شامل ہے۔

(vi) جنگلات

جنگلات کی پیداوار مثلاً لکڑی ، بیروزہ اور گھاس وغیرہ سے بھی حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے۔

(viii) موٹر گاڑیوں کے محصولات

ان میں موٹر گاڑیوں کو رجسٹریشن کروانے کی فیس، روڈ ٹیکس، ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرنے کی فیس اور قوانین اور ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں سے وصول ہونے والے جرمانے شامل ہیں۔ موٹر گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اسی ذریعہ سے حکومت کی آمدنی بھی بڑھ رہی ہے۔

(viii) سود کی وصولی

صوبائی حکومت بلدیاتی اداروں، نیم سرکاری کارپوریشنوں اور کاشتکاروں وغیرہ کو قرضے دیتی اور ان پر ہر سال کافی سود وصول کرتی ہے۔

(ix) محکمہ جات سے آمدنی

حکومت کو اپنے نظم ونسق اور سماجی و اقتصادی محکموں سے بھی کافی آمدنی ہوتی ہے۔ ان محکموں میں پولیس، جیل خانہ جات، تعلیم، صحت، سماجی بہبود اور زراعت وغیرہ شامل ہیں۔

2.4 صوبائی حکومت کے اخراجات کی مدات

ذیل میں صوبائی حکومت کے اخراجات کی اہم مدات بیان کی گئی ہیں۔

(i) محصولات کی فراہمی

صوبائی حکومت کو اپنے عائد کردہ محصولات کی فراہمی کے لئے وسیع عملہ رکھنا پڑتا ہے جس پر اسے بھاری اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

(ii) انتظامی محکمے

حکومت کو نظم ونسق کے محکموں کو چلانے کے لئے کثیر اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پولیس، جیل خانہ جات، عدالتیں وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(iii) معاشی خدمات کے محکمے

ان میں آبپاشی، زراعت اور نقل وحمل کے محکمے شامل ہیں۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر زرعی ملک میں ان محکموں کی اہمیت کے پیش نظر حکومت کے اخراجات کا ایک بڑا حصہ ان پر اٹھ جاتا ہے۔

(iv) سماجی خدمات کے محکمے

ان میں تعلیم، صحت اور سماجی بہبود کے محکمے شامل ہیں۔

(v) سود کی ادائیگی

صوبائی حکومت اپنے ترقیاتی منصوبوں کے لئے وفاقی حکومت سے جو قرضے لیتی ہے ان کی واپسی اور سود کی ادائیگی کے سلسلہ میں بھی اسے ہر سال بھاری رقم صرف کرنی پڑتی ہے۔

(vi) ترقیاتی اخراجات

صوبائی حکومت کو اپنے دائرہ کار میں بڑے پیمانے پر ترقیاتی فرائض بھی انجام دینے پڑتے ہیں۔ ان میں زراعت، صنعت، نقل وحمل، تعلیم وتربیت، صحت، پانی، افرادی قوت کی تربیت اور سماجی بہبود سے تعلق رکھنے والے ترقیاتی منصوبے شامل ہوتے ہیں۔

2.5 اہم نکات

(i) حکومت کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے کثیر اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اسے آمدنی حاصل کرنی پڑتی ہے۔

(ii) مرکزی اور صوبائی حکومتوں کا دائرہ کار الگ الگ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی آمدنی کے ذرائع اور خرچ کی مدات بھی الگ الگ ہوتی ہیں۔

(iii) وفاقی حکومت کی آمدنی کے ذرائع دو طرح کے ہوتے ہیں۔
محصولاتی آمدنی اور غیر محصولاتی آمدنی۔

(iv) محصولاتی آمدنی وہ ہوتی ہے جو محصولات سے حاصل ہو اور غیر محصولاتی آمدنی وہ ہوتی ہے جو حکومت کو اپنے کاروباری نوعیت کے محکموں یا ان کی خدمات سے حاصل ہو۔

(v) وفاقی حکومت کی محصولاتی آمدنی کے ذرائع میں یہ شامل ہیں:۔
درآمدی و برآمدی محصول، محصول آبکاری، محصول بکری، محصول آمدنی، محصول کارپوریشن، محصول دولت، محصول تحائف، محصول ترکہ، محصول بہبود محنت کاراں وغیرہ۔

(vi) غیر محصولاتی آمدنی جن ذرائع سے حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہیں:
تجارتی محکمے مثلاً ڈاک، تار، ٹیلیفون، حکومت کی تحویل میں لئے گئے بینک، صنعتی ادارے، سودی وصولیاں، سول انتظامیہ کے محکمے، دفاع، کرنسی و ٹیکسٹائل وغیرہ۔

(vii) محصولاتی آمدنی کے علاوہ حکومت کو ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر و تکمیل کے لئے اندرونی و بیرونی ذرائع سے قرضے اور امداد وغیرہ بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ قرضے وقتی طور پر تو حکومت کی آمدنی کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں لیکن بالآخر ان کی واپسی مع سود کرنا پڑتی ہے جسے کسی حد تک پہلے دو ذرائع یعنی محصولاتی اور غیر محصولاتی آمدنی سے پورا کیا جاتا ہے۔

(viii) وفاقی حکومت کے اخراجات دو طرح کے ہوتے ہیں: غیر ترقیاتی اخراجات اور ترقیاتی اخراجات
غیر ترقیاتی اخراجات وہ ہوتے ہیں جو حکومت کے عام نظم و نسق اور روزمرہ فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں برداشت کئے جائیں۔ ترقیاتی اخراجات وہ ہوتے ہیں جو ملک کے ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر و تکمیل کے سلسلہ میں برداشت کئے جائیں۔

(ix) وفاقی حکومت کے غیر ترقیاتی اخراجات کی اہم مدات یہ ہیں:۔
دفاع، انتظامیہ (سول ایڈمنسٹریشن)، مصارف قرضہ، قرضہ کی واپسی و سود کی ادائیگی، صوبائی حکومتوں کی امداد، رفاہ عامہ کے محکمے مثلاً تعلیم، صحت، سماجی بہبود وغیرہ۔

(x) وفاقی حکومت کے ترقیاتی اخراجات پانی و بجلی، صنعت و زراعت، نقل و حمل، خبر رسانی وغیرہ کی ترقی و توسیع کے منصوبوں پر برداشت کئے جاتے ہیں۔

(xi) صوبائی حکومت کی آمدنی کے اہم ذرائع یہ ہیں۔

وفاقی حکومت کی امداد، آبیانہ، مالیہ زمین (عشر کا نظام نافذ ہو جانے سے مالیہ زمین ختم ہو جائے گا) محصول آبکاری، عدالتی و غیر عدالتی اسٹیمپ (Stamps) رجسٹریشن فیس، جنگلات، موٹر گاڑیوں کے محصولات و جرمانے، سود کی وصولی، انتظامی محکموں سے آمدنی، زرعی آمدنی کا محصول۔

(xii) صوبائی حکومت کے اخراجات کی اہم مدات یہ ہیں:۔
محصولات کی فراہمی، انتظامی محکمے، معاشی خدمات کے محکمے، سماجی خدمات کے محکمے، قرضوں کی واپسی و سود کی ادائیگی۔

خود آزمائی

سوال نمبر 3 کیا آپ پاکستان کی وفاقی حکومت کی آمدنی کے اہم ذرائع کی وضاحت کر سکتے ہیں۔
(اپنے جواب کی سیکشن 2.1 میں دی گئی فہرست کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے)

سوال نمبر 4 صوبائی حکومت کی آمدنی کے اہم ذرائع کیا ہوتے ہیں پاکستان میں صوبائی حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ کونسا ہے؟
(اپنے جواب کی سیکشن 2.3 میں دی گئی فہرست کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے)

سوال نمبر 5 پاکستان کی مرکزی حکومت کے اخراجات کی اہم مدات کیا ہیں، سب سے زیادہ خرچ کس مد پر ہوتا ہے۔
(اپنے جواب کی سیکشن 2.2 کی فہرست کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے۔)

سوال نمبر 6 مندرجہ ذیل کی وضاحت مثالیں دیکر کیجئے۔
(i) محصولاتی آمدنی (ii) غیر محصولاتی آمدنی
(اپنے جواب کی پڑتال 2.1 سیکشن سے کیجئے۔)

سوال نمبر 12 ترقیاتی و غیر ترقیاتی اخراجات میں کیا فرق ہے۔ مثالیں دیکر وضاحت کیجئے۔
(اپنے جواب کی سیکشن 2.2 کی بحث کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے۔)

3۔ میزانیہ (Budget)

میزانیہ یا بجٹ حکومت کا ایسا گوشوارہ ہوتا ہے جس میں ایک سال کے لئے اس کی آمدنی اور خرچ کا تخمینہ لگایا جاتا ہے۔ وفاقی طرز حکومت میں مرکزی اور صوبائی حکومتیں ہر سال اپنا الگ الگ میزانیہ بناتی ہیں۔ جس میں ان کی آمدنی اور اخراجات کی مکمل تفصیل موجود ہوتی ہے۔

کسی حکومت کا میزانیہ اس کی معاشی حکمت عملی اور معاشی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے اسے اندرون ملک اور بیرون ملک ایک اہم دستاویز تصور کیا جاتا ہے۔ ملک کی معیشت پر اس کے گہرے اثرات پڑتے ہیں اور اس کے ذریعہ ملکی وسائل کا رخ متعین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تقسیم دولت کے نظام میں خاطر خواہ تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔ میزانیہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(الف) میزانیۂ محاصل

(ب) میزانیۂ سرمایہ

(الف) میزانیہ محاصل:۔

اس میں حکومت کے عام اخراجات اور آمدنی کا تخمینہ لگایا جاتا ہے۔ اس میزانیہ کی آمدنی عام طور پر محصولات (بالواسطہ و بلاواسطہ) کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے جبکہ اخراجات بالعموم حکومت کے روزمرہ فرائض کی انجام دہی پر برداشت کئے جاتے ہیں۔

(ب) میزانیۂ سرمایہ:۔

اس میں حکومت کی آمدنی زیادہ تر ملکی اور غیر ملکی قرضوں سے حاصل ہوتی ہے۔ میزانیۂ محاصل کی فاضل (Surplus) آمدنی بھی عام طور پر اس طرف منتقل کردی جاتی ہے۔ میزانیہ سرمایہ کا خرچ ملک کے طویل المدت اور دیر پا ترقیاتی منصوبوں پر ہوتا ہے مثلاً آبپاشی کے منصوبے اور بجلی کے منصوبے۔ میزانیہ سرمایہ کا تمام تر تعلق چونکہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں سے ہوتا ہے، اس لئے اسے ترقیاتی میزانیہ (Development Budget) بھی کہا جاتا ہے۔

3.1 میزانیہ کی اقسام

میزانیہ تین طرح کا ہوسکتا ہے۔

(الف) فاضل میزانیہ(Surplus Budget)

(ب) خسارہ میزانیہ(Defieit Budget)

(ج) متوازن میزانیہ(Balanced Budget)

(الف) فاضل میزانیہ

میزانیہ اس وقت فاضل کہلاتا ہے جب میزانیہ محاصل میں حکومت کی متوقع آمدنی اس کے متوقع اخراجات سے زیادہ ہو۔ میزانیہ محاصل کی فاضل آمدنی کو حکومت ترقیاتی میزانیہ میں منتقل کرکے اسے ملکی ترقی کے لئے استعمال کرتی ہے یا پھر اسے اپنے قرضوں کی واپسی وغیرہ کے لئے استعمال کرتی ہے۔

(ب) خسارہ میزانیہ

جب میزانیہ محاصل میں حکومت کے متوقع اخراجات اس کی متوقع آمدنی سے زیادہ ہوں اسے خسارہ میزانیہ کہا جاتا ہے۔ ان زائد اخراجات کو پورا کرنے کے لئے جہاں ایک طرف حکومت نئے محصولات عائد کرتی ہے اور پرانے محصولات کی شرح میں اضافہ کرتی ہے وہاں وہ قرضوں کا سہارا بھی لیتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ تمویل خاسر (Deficit Financing) کی پالیسی بھی اختیار کرتی ہے۔

(ج) متوازن میزانیہ

جب حکومت کی میزانیہ محاصل کی آمدنی اور خرچ برابر ہوں تو اسے متوازن میزانیہ کہا جاتا ہے۔ نظری طور پر متوازن میزانیہ کو بہترین پالیسی قرار دیا جاتا ہے لیکن عملی طور پر میزانیہ شاید ہی متوازن ہوتا ہے۔

3.2 میزانیہ کی تیاری

میزانیہ کی تیاری ایک فنی عمل ہے۔ حکومت کے تمام شعبے ایک خاص ضابطے کے تحت آئندہ سال کے لئے اپنی آمدنی اور خرچ کی مفصل رپورٹ تیار کرکے وزارت مالیات (Minstry of Finance) کو بھیج دیتے ہیں۔ آمدنی اور خرچ کے ان تخمینوں میں موجودہ ذرائع سے آمدنی اور معرض وجود میں آنے والے نئے ذرائع سے آمدنی شامل ہوتی ہے۔ اس طرح اخراجات کے زمرے میں موجودہ اخراجات اور نئے متوقع اخراجات کے عنوانات سے گوشوارے شامل کئے جاتے ہیں۔

میزانیہ میں تین قسم کے اعداد وشمار پیش کئے جاتے ہیں۔

(الف) اصل تخمینے

(ب) نظر ثانی شدہ تخمینے
(ج) میزانیہ کے تخمینے

(الف) اصل تخمینے

جب بھی میزانیہ تیار کیا جاتا ہے تو اس میں سال رواں کی آمدنی اور اخراجات کے اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار سال رواں کے میزانیہ کے ابتدائی تخمینوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر حکومت پاکستان کا 09-2008ء کا میزانیہ پیش کرتے وقت 08-2007ء کے میزانیہ کی آمدنی وخرچ کے ابتدائی اعداد و شمار دکھائے گئے ہیں۔ انہیں اصل تخمینے (Original Estimates) کہا جاتا ہے۔

(ب) نظر ثانی شدہ میزانیہ

اصل میزانیہ کے تخمینوں میں سال رواں کے دوران میں عملی اعتبار سے حالات اور ضروریات کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس کے پیش نظر آمدنی وخرچ کا نظر ثانی شدہ تخمینہ تیار کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں یہ گوشوارہ جولائی سے مارچ تک کے نو مہینوں کی آمدنی وخرچ کے حقیقی اعداد و شمار پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں باقی تین ماہ یعنی اپریل، مئی، جون کی آمدنی وخرچ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ نظر ثانی شدہ میزانیہ کے اعداد و شمار کافی حد تک سال رواں میں حکومت کی حقیقی آمدنی وخرچ کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اصل میزانیہ اور حقیقی میزانیہ کی آمدنی وخرچ کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حکومت پاکستان 80-1979ء کے (میزانیہ محاصل میں) اصل میزانیہ کی آمدنی وخرچ کا تخمینہ بالترتیب 32 ارب 46 کروڑ 19 لاکھ روپے اور 34 ارب 81 کروڑ 19 لاکھ روپے لگایا گیا تھا۔ لیکن نظر ثانی شدہ میزانیے میں آمدنی وخرچ بالترتیب 32 ارب 99 کروڑ 18 لاکھ روپے اور 34 ارب 87 کروڑ روپے تھا گویا حقیقی طور پر 80-1979ء کے دوران میں آمدنی اور خرچ دونوں اصل میزانیہ کے تخمینہ سے زیادہ ہوئے۔

(ج) میزانیہ کا تخمینہ

آئندہ سال کے لئے حکومت کی آمدنی وخرچ کا جو گوشوارہ تیار کیا جاتا ہے، اسے ''میزانیہ کا تخمینہ'' Budget Estimate کہا جاتا ہے۔ اس میں آئندہ سال میں حکومت کی متوقع آمدنی اور متوقع خرچ کے تخمینے پیش کئے جاتے ہیں۔

میزانیہ کی تیاری کے بعد اسے کابینہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ کابینہ کی منظوری کے بعد وزیر مالیات

اسے قومی اسمبلی میں پیش کرتا ہے اور ایک مفصل تقریر کے ذریعہ اس کے مختلف پہلوؤں کی توضیح کرتا ہے۔قومی اسمبلی میں اس پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے اور بالآخر اسے مناسب رد وبدل کے بعد منظور کرلیا جاتا ہے۔قومی اسمبلی کی عدم موجودگی میں وزیرخزانہ ریڈیو، ٹیلیویژن پر اسے قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔اس کے بعد صدر مملکت کی توثیق سے میزانیہ کو حتمی منظوری حاصل ہو جاتی ہے۔

3.3 اہم نکات

(i) میزانیہ ایک سال کے لئے حکومت کی متوقع آمدنی اور متوقع اخراجات کا گوشوارہ ہوتا ہے۔

(ii) میزانیہ دوحصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ میزانیہ محاصل اور میزانیہ سرمایہ۔
میزانیہ محاصل میں حکومت کے تمام روزمرہ اخراجات اور آمدنی کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور میزانیہ سرمایہ میں آمدنی زیادہ تر ملکی اور غیر ملکی قرضوں سے حاصل ہوتی ہے جبکہ اخراجات ترقیاتی منصوبوں پر برداشت کئے جاتے ہیں۔

(iii) میزانیہ کی تین اقسام ہوتی ہیں۔ فاضل، خسارہ والا اور متوازن میزانیہ
فاضل میزانیہ وہ ہوتا ہے جس میں حکومت کی متوقع آمدنی اس کے متوقع اخراجات سے زیادہ ہو۔اس کے برعکس خسارہ میزانیہ وہ ہوتا ہے جس میں حکومت کے متوقع اخراجات اس کی متوقع آمدنی سے زیادہ ہوں۔متوازن میزانیہ میں حکومت کی متوقع آمدنی اور متوقع اخراجات برابر ہوتے ہیں۔

(iv) میزانیہ تیار کرنا وزارت مالیات کی ذمہ داری ہوتی ہے۔حکومت کے تمام شعبے اور محکمے آئندہ سال کے لئے متوقع آمدنی اور خرچ کے تفصیلی گوشوارے تیار کرکے وزارت مالیات کو ارسال کرتے ہیں جو ان کا تفصیلی جائزہ لےکر اور مناسب ردوبدل کرکے میزانیہ تیار کرتا ہے۔

(v) میزانیہ میں تین قسم کے اعداد وشمار پیش کئے جاتے ہیں۔

(الف) اصل تخمینے یعنی میزانیہ کی آمدنی وخرچ کے ابتدائی اعداد وشمار۔

(ب) نظر ثانی شدہ تخمینہ عملی حقائق کی روشنی میں اصل میزانیہ کے اعداد وشمار میں کمی بیشی کرلی جاتی ہے۔اسے نظر ثانی شدہ تخمینے کہا جاتا ہے۔

(ج) میزانیہ کا تخمینہ آئندہ سال کے لئے حکومت کی متوقع آمدنی ومتوقع اخراجات کے اعداد وشمار

خود آزمائی

سوال نمبر 7　　میزانیہ محاصل اور میزانیہ سرمایہ کا فرق واضح کیجئے۔
(اپنے جواب کی سیکشن 3.1 کی بحث کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے۔)

سوال نمبر 8　　مندرجہ ذیل میں فرق کیجئے۔
(الف)　فاضل میزانیہ
(ب)　خسارہ میزانیہ
(ج)　متوازن میزانیہ
(اپنے جواب کی سیکشن 3.1 کی بحث کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے۔)

سوال نمبر 9　　میزانیہ کی تیاری کس طرح عمل میں آتی ہے؟ میزانیہ میں کس قسم کے اعداد وشمار پیش کئے جاتے ہیں؟
(اپنے جواب کا سیکشن 3.2 کی بحث کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجئے)

فرہنگ

1۔امداد قیمت پالیسی	صارفین یا ناظمین کے مفاد کی خاطر حکومت کا اشیا کی کم یا زیادہ قیمت مقرر کر کے خود نقصان اٹھا لینا۔
2۔اندرونی خود کار مستحکم کنندگان	وہ عوامل جو معاشی عدم استحکام کے رونما ہوتے ہی از خود حرکت میں آ کر استحکام کی بحالی کا کام شروع کر دیتے ہیں۔
3۔خسارہ بجٹ	میزانیہ محاصل میں آمدنی کا اخراجات سے کم ہونا
4۔صوابدیدی مالیاتی پالیسی	کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے بجٹ کے اندر اٹھایا گیا کوئی سوچا سمجھا قدم۔
5۔فاضل بجٹ	میزانیہ محاصل آمدنی کا اخراجات سے زیادہ ہونا۔
6۔مالیاتی مسلک	مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے بجٹ کے ذریعے انتظامات کرنا۔
7۔متوازن بجٹ	میزانیہ محاصل میں آمدنی اور خرچ کا برابر ہونا۔
8۔معاشی ترقی	قومی پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہونا۔
9۔میزانیہ سرمایہ	ترقیاتی مقاصد کے لئے بنایا ہوا بجٹ

10۔میزانیہ محاصل		حکومت کے عمومی فرائض کی انجام دہی کے لئے تیار کیا گیا بجٹ۔

BOOKS FOR PEFERENCE

1. Pakistan. A Developing Economy
   By Dr. S.M. Akhtar.
2. Economic Survey of Pakistan (1979-80, 1980-81 & 2007-08)
   By Ministry of Fiance, Goverment of Pakistan.
3. Federal Budget (1979-80, 1980-81 and 2008-09)
   By Ministry of Finance, Government of Pakistan.

یونٹ 17

سماجی شعبہ

تحریر
عبدالحمید ڈار

فہرست

یونٹ کے مقاصد	516
1۔تعلیم وتربیت و معاشی ترقی	517
1.1 معاشی ترقی میں تعلیم وتربیت کا کردار	517
1.2 پاکستان میں تعلیم وتربیت کے مسائل اور سہولتیں	518
1.3 پاکستان میں تعلیمی سہولتیں	519
1.4 تعلیم وتربیت کی سہولتوں کو بہتر بنانے کے لئے حکومت کے اقدامات	520
1.5 اہم نکات	522
خودآزمائی سوال نمبر 1 تا 4	523
2۔ٹیکنالوجی	524
2.1 معاشی ترقی میں ٹیکنالوجی کا کردار	524
2.2 پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت اور اہمیت	525
2.3 پاکستان کی معیشت پر جدید ٹیکنالوجی کے اثرات	527
2.4 جدید ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے حکومت کے اقدامات	528
2.5 اہم نکات	531
خودآزمائی سوال نمبر 5 تا 9	532
3۔صحت، سماجی بہبود اور روزگار	533
3.1 صحت کی اہمیت اور پاکستان میں صحت کے مسائل	533
3.2 معیارصحت کو بہتر بنانے کے لئے حکومت کے اقدامات	534
3.3 سماجی بہبود کی اہمیت	535
3.4 پاکستان میں سماجی بہبود کے سلسلہ میں حکومت کا کردار	535

3.5	روزگار کی اہمیت	538
3.6	معیار روزگار کو بہتر بنانے کے لئے حکومت کے اقدامات	539
3.7	اہم نکات	540
	خود آزمائی سوال نمبر 10 تا 14	541
	فرہنگ	542

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کر لینے کے بعد آپ کو اس قابل ہو جانا چاہیے کہ :

(i) معاشی ترقی کے عمل میں تعلیم و تربیت کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔

(ii) تعلیم و تربیت کی سہولتوں اور ان کی توسیع کے سلسلہ میں حکومت پاکستان کی مساعی سے واقف ہو سکیں۔

(iii) پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے جدید ٹیکنالوجی کی اہمیت اور مسائل سے آگاہ ہو سکیں۔

(iv) معاشی ترقی کے سلسلہ میں صحت اور سماجی بہبود کے کردار کو سمجھ سکیں اور اس سلسلے میں کی جانے والی حکومت کی کوششوں کو جان سکیں، اور

(v) روزگار کی اہمیت اور بے روزگاری کے نقصانات سے روشناس ہو سکیں اور اس مسئلہ سے عہدہ برآں ہونے کے لئے حکومت کی طرف سے کئے گئے اقدامات آپ کے علم میں آ سکیں۔

1۔ تعلیم و تربیت اور معاشی ترقی

1.1 معاشی ترقی میں تعلیم و تربیت کا کردار

معاشی ترقی ملک کے مادی اور افرادی قوت کے وسائل کو بروئے کار لاکر اشیاء خدمات کی پیداوار میں مسلسل اضافہ کرنے کا نام ہے۔تعلیم و تربیت کو معاشی ترقی کے عمل میں جو بنیادی اہمیت حاصل ہے وہ درج ذیل ہے۔

(i) احساس ذمہ داری

تعلیم انسانی ذہن اور دماغ کو جلاء بخشتی ہے۔ اس میں نیک و بد اور خوب و ناخوب کا احساس پیدا کرتی ہے۔ اس طرح تعلیم ملک کے شہریوں میں ذمہ داری کا احساس مستحکم کرکے انہیں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مستعد بنانے کا باعث بنتی ہے۔

(ii) ایثار

خواندہ افراد معاشی ترقی کی اہمیت اور قدر و قیمت کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں اور وہی قومی ترقی کی خاطر ذاتی مفاد قربان کرنے پر تیار ہوسکتے ہیں۔

(iii) تخلیقی صلاحیت

معاشی ترقی ایک تخلیقی عمل ہے اور انسانی وسائل کی بہتر تنظیم ہی معاشی ترقی کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ تخلیقی کام وہی افراد عمدگی اور کامیابی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔ جو تعلیم و تربیت کے ذریعہ اپنے اندر اعلیٰ درجہ کی استعداد پیدا کرچکے ہوں۔

(iv) ترقی کا جذبہ

جدید ٹیکنالوجی نے معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے میں اہم اور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ زود پیداواری اور کثیر پیداواری کا عمل جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح جدید ٹیکنالوجی کی تخلیق اور ترقی تعلیم و تحقیق کی مرہون منت ہے اسی طرح ٹیکنالوجی سے بھرپور استفادہ کرنے کے لیے بھی تعلیم و تربیت ناگزیر ہے۔

(v) نظم وضبط

تعلیم وتربیت کے ذریعہ افراد میں نظم وضبط پیدا کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس طرح وہ فکری وعملی انتشار کا شکارنہیں ہو پاتے۔ موجودہ پیدا آوری نظام میں ہڑتالوں اور دربندیوں کے ذریعہ جو تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کا ایک اہم سبب ڈسپلن کا بھی فقدان ہے۔

1.2 پاکستان میں تعلیم وتربیت کے مسائل اور سہولتیں

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے جو صدیوں کے غیرملکی استحصال کے چنگل سے نکل کر آزادی کی شاہراہ پر گامزن ہوا ہے۔ ملکی معیشت کے دوسرے شعبوں کی طرح تعلیم وتربیت کے میدان میں بھی پاکستان کو سنگین مسائل کا سامنا رہا ہے۔ درج ذیل مسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

(i) ناخواندگی

پاکستان میں تقریباً 45فیصد آبادی ناخواندہ ہے اس ناخواندہ آبادی کی غالب اکثریت دیہی علاقوں میں رہتی ہے۔ ان کی آبادی کو تعلیمی سہولتوں کے دائرے میں لانا ایک نہایت ہی کٹھن کام ہے۔

(ii) تعلیم اور معیشت کی بے تعلیمی

ہمارے ہاں تعلیمی منصوبوں کو ملکی معیشت کے تقاضوں سے مربوط بنانے کی مؤثر کوشش ہوتی رہتی ہے جن کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی منصوبوں کے کثیر اخراجات کا ملکی معیشت کی ترقی اور فروغ پر کوئی قابل ذکر اثر نہیں پڑتا۔

(iii) پست معیار تعلیم

درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد کی استعداد کا معیار بھی تسلی بخش نہیں۔ طلبا کی ایک بڑی اکثریت امتحانات میں ناکام ہو جاتی ہے۔ کامیاب ہونے والے طلبا کی معلومات اور اپنے مضامین پر ان کی دسترس اور مہارت بھی قابل اطمینان نہیں ہوتی۔

(iv) تعلیم کی محدود سہولتیں

تعلیم وتربیت کی سہولتیں بہت محدود ہیں۔ آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ ان سہولتوں سے محروم ہے۔ بالخصوص دیہی علاقوں میں تشویشناک حد تک ان سہولتوں کا فقدان نظر آتا ہے۔

1.3 پاکستان میں تعلیمی سہولتیں

پاکستان میں مندرجہ ذیل اقسام کے تعلیمی ادارے قائم ہیں۔

(i) عام تعلیمی ادارے (ii) پیشہ ورانہ تعلیم (iii) فنی یا ٹیکنیکل تعلیم
(iv) تربیت اساتذہ کے ادارے (v) تعلیم نسواں (vi) جسمانی تعلیم
(vii) تعلیم بالغاں (viii) معذور افراد کی تعلیم

(i) عام تعلیم

اس سے مراد ابتدائی، ثانوی اور یونیورسٹی کی تعلیم ہے۔ ہمارے ہاں تعلیمی ترقی کے منصوبوں میں زیادہ توجہ عام تعلیم پر ہی مرکوز رہی ہے اور اخراجات کا کثیر حصہ اس پر صرف ہوتا رہا ہے۔ اساتذہ کی کمی اور تدریسی ضرورتوں کے پیش نظر مناسب سازو سامان کی کمیابی بھی عام تعلیم کے اہم مسائل ہیں۔

(ii) پیشہ ورانہ تعلیم

اس تعلیم کا مقصد افراد کو کسی مخصوص پیشے کے لئے تیار کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً طب (ڈاکٹری)، قانون، تجارت (کامرس) زراعت وغیرہ پاکستان میں پیشہ ورانہ تعلیم کے ادارے اگرچہ موجود ہیں لیکن ان کی تعداد ملکی ضرورت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

(iii) فنی یا ٹیکنیکل تعلیم

یہ ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ صنعت، زراعت، نقل و حمل اور معاشی زندگی کے تمام شعبوں میں پیداواری عمل کو جاری رکھنے کے لئے جدید طریق ہائے پیدائش کا استعمال بہت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے مختلف درجوں کی فنی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ ان انتظامات میں پولی ٹیکنک ادارے کالج (Poly Technic Institutes) صنعتی و ویکیشنل ادارے (Vocational Institutes) شامل ہیں۔ اعلیٰ سطح پر ملک میں چار انجینئر نگ یونیورسٹیاں اور چار زرعی یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ کمرشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹ بھی مختلف حصوں میں فنی تربیت کی سہولتیں بہم پہنچا رہے ہیں۔ ان اداروں کی کارکردگی کا دائرہ ابھی بہت محدود ہے۔

(iv) تربیت اساتذہ کے ادارے

ہمارے ہاں اساتذہ کی تربیت کے ادارے بھی موجود ہیں۔ جہاں مختلف سطح کے اساتذہ کے لئے تربیت کا

انتظام کیا گیاہے۔ اداروں میں ملازمت سے قبل اور دوران ملازمت تربیت کا بندوبست بھی کیا گیاہے۔ اس وقت ملک میں اساتذہ کی تربیت کے 76 انڈر گریجویٹ اور 17 پوسٹ گریجویٹ ادارے قائم ہیں۔

(v) تعلیم نسواں

ہمارے ہاں ہر ضلع میں تعلیم نسواں کے سلسلہ میں لڑکیوں کے لئے الگ ابتدائی و ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سکول اور کالج قائم ہیں۔ البتہ خواتین کے لئے الگ یونیورسٹی ابھی تک موجود نہیں۔ نئی تعلیمی پالیسی میں ملک میں خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی قائم کرنے کا پروگرام بنایا گیاہے۔ تاہم بعض زنانہ کالجوں میں اعلیٰ تعلیم یعنی پوسٹ گریجویٹ کلاسز کا اجرا کردیا گیاہے۔ خواتین اساتذہ کی تربیت کے الگ ادارے بھی قائم ہیں فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور خواتین کی طبی تعلیم کا ادارہ ہے۔ کسی طرح خواتین کے لئے ہوم اکنامکس کالج اور سماجی تربیت کے ادارے بھی موجود ہیں۔

ملک میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا دائرہ بہت محدود ہے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ان کا تناسب بہت کم ہے۔ دیہی علاقوں میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے انتظامات بہت ہی کم ہیں۔

(vi) جسمانی تعلیم

ہمارے ہاں جسمانی تعلیم کے ادارے بھی موجود ہیں۔ جہاں طلبا کو جسمانی تعلیم و تربیت دینے والے اساتذہ کی تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے اب ان اداروں کی توسیع اور ان کے معیار کو بہتر بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

(vii) تعلیم بالغاں

ملک سے ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے تعلیم بالغاں کے ادارے بھی قائم کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں دیہی علاقوں پر زیادہ توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

(viii) معذور افراد کی تعلیم

ملک کے بڑے بڑے شہروں مثلاً لاہور، کراچی اور راولپنڈی وغیرہ میں معذور افراد کی تعلیم و تربیت کے لئے ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ ان اداروں میں نابینا، بہرے اور گونگے افراد کی تعلیم و تربیت کے خصوصی انتظامات کئے گئے ہیں۔ تاکہ معذور افراد تعلیم و تربیت کے لئے زیور سے آراستہ ہوکر باوقار روزی کے قابل ہوجائیں۔ ابھی افراد کی تعلیم کا دائرہ بہت محدود ہے۔

(ix) دینی تعلیم کے ادارے

ہمارا ملک ایک نظریاتی ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے اس لئے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ لیکن ہمارے ہاں دینی تعلیم کا انتظام نجی افراد اور اداروں کے ہاتھ میں ہے۔

1.4 تعلیم و تربیت کی سہولتوں کو بہتر بنانے کیلئے حکومت کے اقدامات

تعلیم و تربیت کی اہمیت کے پیش نظر حکومت پاکستان ابتدا ہی سے اس بات کے لئے کوشاں رہی ہے کہ ملک میں تعلیم و تربیت کی سہولتوں میں اضافہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکومت کے مندرجہ ذیل اقدامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

1۔ عام تعلیم کی سہولتوں میں اضافہ کرنے کے لئے ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ سطح پر نئے ادارے کھولے گئے ہیں۔ نئی یونیورسٹیاں بھی قائم کی گئی ہیں اس وقت ملک میں مجموعی طور پر 20 یونیورسٹیاں قائم ہیں۔

2۔ میٹرک کی سطح تک سرکاری اہتمام میں چلنے والے سکولوں میں تعلیم مفت کردی گئی ہے۔

3۔ ملک میں پیشہ ورانہ تعلیم کی سہولتوں میں اضافہ کیا گیاہے۔ نئے میڈیکل کالج، لاء کالج اور کامرس کالج کھولے گئے ہیں۔ اب اسلامی قانون کی تعلیم و تدریس کے لئے ایک الگ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں قائم کی گئی ہے۔ فنی تعلیم کو عام کرنے کے لئے خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ اعلیٰ سطح کی فنی تعلیم کے لئے ملک میں چار انجنیئر نگ یونیورسٹیاں اور چار زرعی یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

4۔ ملک کے مخصوص تقاضوں کے پیش نظر عام تعلیم کو زرعی فنی (Agro- technical) بنیاد پر استوار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

5۔ ملک میں اساتذہ کی تعلیم و تربیت کے لئے نئے ادارے کھولے گئے ہیں اور ان میں تعلیم و تربیت کی سہولتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سائنس کے اساتذہ کی تعلیم و تربیت کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔

6۔ سائنسی علوم کی تعلیم اور سائنسی تحقیق کو فروغ دینے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ عام تعلیم کو سیاسی رنگ دینے کے علاوہ سائنسی تعلیم اور تحقیق کے مخصوص ادارے بھی قائم کئے ہیں۔

7۔ تعلیم نسواں کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ عام تعلیم کے علاوہ

خواتین کے لئے فنی و پیشہ ورانہ تعلیم کے مخصوص ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ خواتین کو اعلیٰ تعلیم کی سہولتوں سے بہرہ ور کرنے کے لئے ملک میں ان کی الگ یونیورسٹیاں قائم کرنے کا بھی منصوبہ بنایا گیا ہے۔

8۔ طلباء کو جسمانی طور پر تنومند اور موزوں رکھنے کے لئے جسمانی تعلیم اور تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے درکار اساتذہ کی تربیت کے ادارے بھی قائم کئے گئے ہیں۔ طلبا میں عسکری جذبہ پیدا کرنے اور انہیں وطن عزیز کے تحفظ کے لئے تیار کرنے کی خاصر نیشنل کیڈٹ کور (NCC) کے نام سے ایک تربیتی پروگرام کا بھی اجراء کیا گیا ہے۔

9۔ نظام تعلیم کو قوم کی امنگوں اور اسلامی عقائد و نظریات سے ہم آہنگ بنانے کے لئے نئے سرے سے نصابات تیار کئے گئے ہیں اور نظام تعلیم میں ایسی تبدیلیاں لائی جارہی ہیں جو افراد کو اعلیٰ اخلاق و کردار کے اوصاف سے متصف کر کے ان میں سچے مسلمان اور سچے پاکستانی ہونے کا پروقار جذبہ پیدا کرسکیں۔

1.5 اہم نکات

(i) معاشی ترقی کے لئے تعلیم و تربیت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

(ii) تعلیم و تربیت کے ذریعہ افراد میں احساس ذمہ داری اور ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(iii) تعلیم سے تخلیقی قوتیں جلاء پاتی ہیں۔

(iv) تعلیم و تربیت افراد میں فکری و عملی ڈسپلن پیدا کرتی ہے۔

(v) پاکستان میں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کئی مسائل موجود ہیں۔
ان مسائل میں (1) ناخواندگی (2) تعلیم اور ملکی معیشت میں قریبی ربط کا موجود نہ ہونا (3) معیار تعلیم کا پست ہونا (4) تعلیمی سہولتوں کا محدود ہونا شامل ہیں۔

(vi) پاکستان میں تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل سہولتیں موجود ہیں۔ (1) عام تعلیم (2) پیشہ ورانہ تعلیم (3) فنی تعلیم (4) تربیت اساتذہ کے ادارے (5) تعلیم نسواں (6) جسمانی تعلیم (7) تعلیم بالغاں (8) معذور افراد کی تعلیم۔

(vii) حکومت نے تعلیم و تربیت میں اضافہ کرنے کیلئے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ مثلاً عام تعلیم کی سہولتوں میں اضافہ کے لئے ہر سطح پر نئے ادارے کھولے گئے ہیں۔ میٹرک کی سطح تک تعلیم مفت کردی گئی ہے۔ تعلیمی وظائف کی تعداد اور مالیت بڑھا دی گئی ہے۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم پر

خصوصی توجہ دی جارہی ہے اور زرعی فنی تعلیم کو عام کرنے اور اسے نظام تعلیم کا اہم جزو بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سائنسی علوم کی تعلیم و تدریس اور سائنسی تحقیق کوفروغ دینے پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ اساتذہ کی تربیت کے اداروں کی توسیع عمل میں لائی گئی ہے اور خواتین کی تعلیم کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے ہر سطح پر ادارے قائم کئے جارہے ہیں۔ خواتین کی الگ یونیورسٹیاں قائم کرنے کا بھی منصوبہ بنایا گیاہے۔ طلباء وطالبات کوعسکری تربیت دینے کا بھی بندوبست کیا گیاہے۔ معذور افراد کی تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کئے گئے ہیں۔

خودآزمائی

سوال نمبر1 کسی ملک کی معاشی ترقی کے لئے تعلیم و تربیت کی اہمیت پر روشنی ڈالئے۔

(اپنے جواب کی سیکشن 1.1 کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے۔)

سوال نمبر2 پاکستان کو افراد کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں کیا مسائل درپیش ہیں؟

(پڑتال کیلئے سیکشن 1.2 دیکھئے)

سوال نمبر3 پاکستان میں تعلیم و تربیت کی موجودہ سہولتوں کا مختصر جائزہ پیش کیجئے۔

(اپنے جواب کی پڑتال کیلئے سیکشن 1.2 سامنے رکھئے۔)

سوال نمبر4 پاکستان میں تعلیم و تربیت کی سہولتوں میں اضافہ کرنے کے لئے حکومت نے وقتاً فوقتاً جو اقدامات کئے ہیں ان پر روشنی ڈالئے۔

(اپنے جواب کی سیکشن 1.3 کی بحث سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے۔)

2۔ ٹیکنالوجی (Technology)

2.1 معاشی ترقی میں ٹیکنالوجی کا کردار

معاشی ترقی کے عمل کو تیز تر کرنے میں اشیاو خدمات کی پیدائش کے نئے طریقوں کی دریافت اور ان کا استعمال بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ٹیکنالوجی سے مراد وہ باضابطہ علم ہے جو اشیا و خدمات کی پیدائش کے فن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے یہ اشیا و خدمات تخلیق میں کام آنے والے تمام ذرائع و وسائل مثلاً مشینوں اور آلات کے استعمال انسان کے بنائے ہوئے خام مواد سے استفادہ کرنے کے طریق کار اور توانائی کے نو دریافت وسائل کے استحصال وغیرہ پر محیط ہے۔ معاشی ترقی کے عمل میں ٹیکنالوجی کی اہمیت کو مندرجہ ذیل نکات سے واضح کیا جاسکتا ہے:۔

(i) کثیر پیدا آوری

جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے اشیا و خدمات وسیع پیمانے پر پیدا کی جاسکتی ہیں۔ جدید مشینیں اور آلات پیدائش کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ اشیاء پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(ii) ایجادات

جدید ٹیکنالوجی کی بدولت انسان بحر و بر اور فضا و خلاء کی قوتوں کو مسخر کرنے کے قابل ہوگیا ہے۔ نئی نئی ایجادات معرض ظہور میں آرہی ہیں۔ نئے حقائق منکشف ہورہے ہیں۔

(iii) انسانی بوجھ میں کمی

جدید ٹیکنالوجی نے انسانی اعضاء پر کام کے بوجھ کو ہلکا کردیا ہے۔ بھاری بھرکم دیوہیکل کام مشینوں کی مدد سے محض بٹن دبانے سے انجام پاجاتے ہیں۔

(iv) لاگتوں میں کمی

جدید ٹیکنالوجی نے نہ صرف ذود پیدا آوری اور کثیر پیدا آوری کو ممکن بنایا ہے بلکہ اس کی بدولت اشیا و خدمات کے مصارف پیدائش بھی کم ہوگئے ہیں۔

(v) آسائشات میں اضافہ

جدید ٹیکنالوجی کی بدولت انسان کی زندگی میں سہولتوں اور آسائشات کا قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ اب موسموں کی شدت اور سفر کی صعوبت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا۔ فاصلوں کی دوری سمٹ گئی ہے۔

(vi) قوت کارکردگی میں اضافہ

جدید ٹیکنالوجی کی بدولت انسان کے حالات کار اور شرائط کار ماضی کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہوگئے ہیں۔ اس سازگار ماحول نے اس کی قوت کارکردگی پر بہت اچھا اثر ڈالا ہے۔

(vii) بین الاقوامی روابط میں اضافہ

جدید ٹیکنالوجی کے سامنے جغرافیائی فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اقوام عالم ایک دوسرے کے قریب آ گئی ہیں۔ نقل وحمل اور خبر رسانی کے ترقی یافتہ ذرائع نے انہیں باہم مربوط کردیا ہے۔

(viii) معیار تعلیم کا بلند ہونا

جدید ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس سے استفادہ کرنے کے لئے تعلیم وتربیت بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں ٹیکنالوجی اور تعلیم دوش بدوش چلتی ہیں۔

2.2 پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت اور اہمیت

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ عوام کی غالب اکثریت غربت اور افلاس کا شکار ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ اپنی روزی کے لئے زراعت پر انحصار کرتا ہے لیکن یہ بنیادی پیشہ شدید نوعیت کی پسماندگی اور طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہے۔ فی کس اور فی ایکڑ پیداوار ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس صورت حال کو بدلنے اور فی کس پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے جدید ٹیکنالوجی اہم اور مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔

پاکستان میں آبادی جس رفتار سے بڑھ رہی ہے اس کا بھی تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے طریق پیدائش میں تبدیلی لائیں اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے پیداوار میں کم سے کم وقت میں اضافہ کرکے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو برطریق احسن پورا کرسکیں۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک اس لحاظ سے بہتر حالت میں ہیں کہ انہیں ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ ممالک کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع حاصل ہیں۔ ہم مخصوص ماحول اور تقاضوں کے مطابق انہیں

ڈھال کر اپنی پیدا آوری استعداد میں اضافہ کریں۔

پاکستان میں سرمایہ کی قلت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے افرادی قوت کی دولت سے مالا مال کررکھا ہے۔ لیکن افرادی قوت باہمت ہونے کے باوجود بنیادی نوعیت کی تعلیم وتربیت سے بالعموم عاری ہے، جس کا نتیجہ کم پیدا آوری کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ اس صورت حال کا علاج فقط اس بات میں مضمر ہے کہ افرادی قوت کو جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے روشناس کرایا جائے۔

جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کی راہ میں رکاوٹیں

پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کے معاشی حالات کو بہتر بنانے اورعوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے اگرچہ جدید ٹیکنالوجی کو بہت اہمیت حاصل ہے لیکن اس راہ میں بہت سی مشکلات اور رکاوٹیں حائل ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(i)تعلیم وتربیت کی کمی

جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنے کے لئے کم سے کم بنیادی تعلیم ناگزیر ہے جبکہ پاکستان میں آبادی کا تقریباً 80 فیصد حصہ ناخواندہ ہے۔

(ii)فرسودہ خیالات

ناخواندگی کی وجہ سے یہاں کے عوام کی بڑی اکثریت قدامت پرست ہے۔ وہ نئے خیالات اور نئے انداز کار کو اپنانے کے لئے مشکل ہی سے تیار ہوتے ہیں۔

(iii)قلت سرمایہ

پیدائش کے جدید طریقے اپنانے پر کافی اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ جبکہ ہماری آبادی بالخصوص کاشتکار غریب اورکم وسیلہ ہے۔

(iv)افراط آبادی

پاکستان میں افرادی قوت باافراط موجود ہے۔ جدید ٹیکنالوجی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ''جاذب سرمایہ''(Capital Intensive) واقع ہوئی ہے۔ یعنی ان کے استعمال سے محنت کی کم سے کم ضرورت پڑتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے ملک میں بیروزگار افراد کی تعداد میں مزید اضافہ ہونے کا امکان ہے۔

(v)مقامی حالات سے مطابقت

جدید ٹیکنالوجی سے پوری طرح استفادہ حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسے پاکستان کے مخصوص معاشی، معاشرتی اور جغرافیائی حالات کے مطابق بنا کر زیر استعمال لایا جائے۔ اس کام کے لئے اعلیٰ درجہ کے منتظم، منصوبہ ساز اور فنی ماہرین کی ضرورت ہے لیکن پاکستان میں ایسے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد کی تعداد بہت کم ہے۔

2.3 پاکستان کی معیشت پر جدید ٹیکنالوجی کے اثرات

خوبیاں

جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے پاکستان کی معیشت پر بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

1۔ زرعی شعبہ میں کیمیاوی کھاد، کرم کش ادویات، عمدہ بیج کے استعمال، فصلوں کے بہتر ادل بدل، پانی کی بہم رسانی، بینکوں وغیرہ کے ذریعہ قرضہ جات کی مناسب فراہمی، سادہ آلات کاشتکاری اور مشینوں کی بدولت پیداوار میں مسلسل اضافہ عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

2۔ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے حیوانات پر بھی بوجھ کم ہوسکتا ہے اور انہیں گوشت کی پیداوار بڑھانے اور ڈیری فارمنگ کی ترقی کیلئے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

3۔ مشینی ذرائع نقل وحمل کی ترقی سے بھی باربرداری کے لئے استعمال کئے جانے والے حیوانات کی طاقت اور توانائی سے بہتر مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

4۔ صنعتی شعبہ میں جدید طریق پیدائش کے استعمال سے مصنوعات کی پیداوار کو بڑھایا جاسکتا ہے۔

5۔ بینکاری کے ادارے قدیم ساہوکارانہ نظام کے استبداد اور استحصال کو ختم کر کے پیداکنندگان کو قرضہ کی بہتر سہولتیں فراہم کرسکتے ہیں۔

6۔ نقل وحمل کے ذرائع اور ذرائع مواصلات کی ترقی کے ذریعے عاملین پیدائش کی حرکت پذیری اور پیدا آوری میں نمایاں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

نقائص:

پاکستان کی معیشت پر جدید ٹیکنالوجی کے ان اچھے اور خوشگوار اثرات کے ساتھ ساتھ برے اثرات بھی مرتب ہوسکتے ہیں۔

1۔ اس سلسلہ میں اولین بات یہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی جس کا آغاز اور ارتقاء مغربی ممالک میں ہوا

ہے بنیادی طور پر ''جاذب سرمایہ'' (Capital Intensive) ہے۔ اس کے استعمال سے ہمارے ہاں بیروزگاری میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

2۔ سرمایہ کی قلت، تعلیم و تربیت کی کمی اور منڈی کی محدودیت بھی پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کے امکانات کو بہت محدود کر دیتی ہے۔

3۔ جدید ٹیکنالوجی کے پہلو بہ پہلو بہت سے معاشی و معاشرتی مسائل معرض وجود میں آ جاتے ہیں۔ دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی طرف آبادی کی نقل مکانی سے کئی مسائل جنم لے سکتے ہیں۔

4۔ مزارع اور مالک کی کشمکش کا آغاز اسی ماحول میں ہوتا ہے۔

5۔ خاندانی نظام اور معاشرتی ڈھانچہ متزلزل ہونے لگتا ہے۔

6۔ جدید اور قدیم افکار و خیالات اور عقائد و اعمال میں تصادم سے فکری و ذہنی بے سکونی عام ہونے لگتی ہے۔ اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کو پاکستان کے مخصوص حالات کے مطابق ڈھالا جائے اور قدیم سے جدید طریق پیدائش کی طرف تبدیلی کو تدریج کے ساتھ اپنایا جائے۔

2.4 پاکستان میں ٹیکنالوجی کی موجودہ حالت اور حکومت کے اقدامات

پاکستان اس وقت جدید ٹیکنالوجی کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ ملک میں قدیم طریق ہائے پیدائش کا رواج اگرچہ بہت وسیع ہے بالخصوص زرعی شعبہ کافی حد تک روایتی انداز پر چل رہا ہے تاہم اب معیشت کے ہر شعبہ میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔

1۔ کاشتکاری کے سلسلے میں ٹریکٹر اور ٹیوب ویل کا استعمال مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ عمدہ بیج، کیمیاوی کھاد اور کرم کش ادویات کی طلب نمایاں طور پر بڑھ گئی ہے۔ فصلوں کی بوائی اور کٹائی میں بھی مشینوں سے کام لیا جانے لگا ہے۔

2۔ صنعتی میدان میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال روز افزوں ہے۔ چھوٹے، درمیانے اور بڑے پیمانے کی متعدد صنعتیں وجود میں آ گئی ہیں اور ملک کئی مصنوعات کے معاملہ میں نہ صرف خود کفیل ہو گیا ہے بلکہ ان کی برآمد پر بھی قادر ہو گیا ہے۔

3۔ بجلی، قدرتی گیس اور پٹرول کے بعد اب جوہری توانائی کو بطور قوت استعمال کرنے کی منزل آ گئی ہے۔

4۔ ملک میں سائنس، ٹیکنالوجی اور ریسرچ کی یونیورسٹیاں اور اعلیٰ ادارے قائم ہو چکے ہیں اور ان

کے دائرہ کار کو مسلسل وسعت دی جا رہی ہے۔

5۔ نقل وحمل اور خبر رسانی کے تیز رفتار ذرائع معرض ظہور میں آ گئے ہیں۔ جن کی بدولت عاملین پیداوار کی حرکت پذیری کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔

6۔ صحت کے شعبہ میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کا دائرہ بڑی سرعت سے وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ جدید معالجاتی اور انسدادی تدابیر کے نتیجہ میں ملک میں صحت کا معیار بلند ہو رہا ہے اور اس طرح اموات میں نمایاں کمی آ گئی ہے۔

7۔ گھریلو استعمال کی نئی نئی اشیاء نے لوگوں کی راحت اور آسائش میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ الغرض جدید ٹیکنالوجی کی بدولت پاکستان میں ایک خوشگوار انقلاب رونما ہو رہا ہے۔

حکومت کے اقدامات

حکومت نے ملک میں معیشت کے مختلف شعبوں میں جدید ٹیکنالوجی کو فروغ دینے اور اس کے استعمال کے دائرہ کو وسیع کرنے کیلئے متعدد اقدامات کئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1۔ زرعی مشینری مثلاً ٹریکٹر کثیر تعداد میں درآمد کئے گئے ہیں۔ یہ ٹریکٹر کاشتکاروں کو نقدی کے عوض اور قرضہ کی بنیاد پر بھی مہیا کئے جاتے ہیں۔ ٹیوب ویلوں کے استعمال کو مقبول بنانے کیلئے ان کی قیمت خرید پر نجی افراد کو اعانہ (Subsidy) دی گئی ہے۔

2۔ کیمیاوی کھاد، عمدہ بیج اور کرم کش ادویات کے استعمال کا دائرہ وسیع کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور کاشتکاروں کو ارزاں نرخوں پر یہ اشیاء مہیا کی گئی ہیں۔

3۔ فصلوں کے ادل بدل (Rotation) کے جدید اور بہتر طریقے آزمائے گئے ہیں اور اجناس کی نئی اور زیادہ بار آور اقسام (Productive Kinds) تیار کرنے کیلئے تحقیقاتی مراکز قائم کئے گئے ہیں۔

4۔ صنعتی شعبہ میں گھریلو، درمیانہ اور بڑے پیمانے کی صنعتوں میں جدید طریق پیدائش اور قوت متحرکہ سے چلنے والی مشینوں کے استعمال کا دائرہ وسیع کیا گیا ہے۔ صنعتی مشینری، آلات اور اوزاروں کی درآمد اور ملک میں تیاری کے لئے بھی متعدد اقدامات کئے گئے۔ مثلاً لانڈھی (کراچی) کی مشین ٹول فیکٹری، ٹیکسلا کا ہیوی میکینکل کمپلیکس (Heavy Mechanical Complex) اور ہیوی فونڈری اینڈ فورج (Heavy Foundary and Forge) اور پیپری (کراچی) کی پاکستان اسٹیل ملز (Pakistan Steel Mills) کے قیام سے

صنعتی شعبہ کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

5۔ نقل وحمل کے شعبہ میں ریل کے ڈبے ملک کے اندر تیار ہونے لگے ہیں۔ جدید طرز کی پختہ سڑکیں تعمیر کی گئی ہیں۔ بحری جہازوں کی تیاری کا کام شروع ہو چکا ہے۔ ٹیلیفون بنانے والی فیکٹری قائم ہوچکی ہے۔ مصنوعی سیاروں کے ذریعہ اندرون ملک و بیرون ملک مختلف مقامات کے ساتھ خلائی رابطے استوار کئے جاچکے ہیں۔

(6) برقی قوت کے بعد جوہری توانائی اور شمسی توانائی کی دریافت، تحقیق اور ترقی کے لئے کامیابی کے ساتھ اقدامات کئے گئے ہیں۔

7۔ فنی تعلیم وتربیت کی سہولتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ نئی انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی یونیورسٹیاں، کالج اور ادارے (انسٹی ٹیوٹ) قائم کئے ہیں۔ اعلیٰ فنی تعلیم کے لئے افراد کو بیرونی ممالک میں بھی بھیجا گیا ہے۔

8۔ حکومت نے سائنسی وفنی تحقیق اور ترقی کیلئے متعدد ادارے قائم کرر کھے ہیں جو اپنے اپنے دائرے میں بڑی کامیابی کے ساتھ مصروف کار ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل ادارے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(i) نیچرل سائنس کونسل آف پاکستان

(Natural Science Council of Pakistan)

(ii) پاکستان کونسل آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ

(Pakistan Council of Scientific and Industrial Research)

(iii) پاکستان سائنس فاؤنڈیشن

(Pakistan Science Foundation)

(iv) شمسی توانائی کا مرکز

(Solar Energy Centre)

(v) پاکستان جوہری توانائی کمیشن

(Pakistan Atomic Enegry Commission)

9۔ جدید ٹیکنالوجی کوملکی ضروریات کے مطابق ڈھالنے کے کام پر بھی حکومت مناسب توجہ دے رہی ہے تاکہ جدید ٹیکنالوجی کے منفی پہلوؤں سے بچا جاسکے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔

2.5 اہم نکات

(i) پاکستان میں عوام کے معیار کو بہتر بنانے کیلئے فی کس پیداوار میں اضافہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(ii) زرعی شعبہ کو متحرک اور پیدا آور بنانے کیلئے جدید ٹیکنالوجی مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔

(iii) پاکستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے بھی جدید ٹیکنالوجی کا استعمال ناگزیر ہے۔

(iv) پاکستان میں افراد کی قوت کو جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے قابل بنا کر مؤثر اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔

(v) پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال اور فروغ میں رکاوٹیں حائل ہیں۔ مثلاً (الف) تعلیم و تربیت کی کمی (ب) قدامت پسندی (ج) سرمایہ کی قلت (د) افرادی قوت کی افراط (ر) جدید ٹیکنالوجی کو مقامی حالات کے مطابق ڈھالنا

(vi) پاکستان میں معیشت کے مختلف شعبوں میں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے بہت سے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ زرعی و صنعتی پیداوار بڑھ گئی ہے۔ نقل و حمل آسان اور وسیع ہوگئی ہے۔ انسانوں اور حیوانوں پر کام کا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے اور بین الاقوامی روابط میں اضافہ ہوا ہے۔

(vii) جدید ٹیکنالوجی سے یہ نقصان پہنچا ہے کہ اس سے بیروزگاری بڑھنے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی سے بہت سی معاشی و معاشرتی الجھنیں اور کشیدگیاں بھی پیدا ہوئی ہیں۔

(viii) معیشت کے ہر شعبہ میں کسی نہ کسی سطح پر جدید ٹیکنالوجی کا استعمال شروع ہوچکا ہے بالخصوص زراعت اور صنعت وحرفت کے میدان میں۔

(ix) جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کو عام کرنے اور زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کے لئے حکومت بڑی مستعدی سے کوشاں ہے ۔ سائنسی تحقیق و ترقی اور فنی تعلیم و تربیت کے اداروں کے ذریعہ ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے مؤثر کوششیں کی جارہی ہیں۔

(x) جدید ٹیکنالوجی کو ملکی حالات کے مطابق ڈھالنے پر بھی توجہ دی گئی تاکہ اس کے مضر اثرات سے بچا جاسکے۔

خود آزمائی

سوال نمبر5 پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کے کردار پر روشنی ڈالئے۔

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 2.1 کی بحث کو سامنے رکھ کر کیجئے۔)

سوال نمبر6 پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت اور اہمیت واضح کیجئے۔

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 2.2 کو سامنے رکھ کر کیجئے)

سوال نمبر7 پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کو اپنے میں کیا رکاوٹیں حائل ہیں؟

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 2.2 کے آخری حصہ کو سامنے رکھ کر کیجئے)

سوال نمبر8 پاکستان کی معیشت پر جدید ٹیکنالوجی کے مثبت اور منفی اثرات کا جائزہ لیجئے۔

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 2.3 کی بحث کو سامنے رکھ کر کیجئے۔)

سوال نمبر9 پاکستان میں جدید ٹیکنالوجی کی موجودہ حالت اور اس کے فروغ کیلئے حکومت کے اقدامات پر روشنی ڈالئے۔

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 2.4 کے مباحث کو سامنے رکھ کر کیجئے۔)

3۔ صحت، سماجی بہبود اور روزگار

3.1 صحت کی اہمیت اور پاکستان میں صحت کے مسائل

1۔ صحت کی اہمیت

(i) صحت اور تندرستی افراد معاشرہ کے ذہنی سکون اور آرام کیلئے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا کسی ملک کی معیشت پر بھی اثر پڑتا ہے۔ جسمانی لحاظ سے صحت مند افراد ہی اپنے شہری فرائض کو بطریق احسن انجام دے سکتے ہیں۔

(ii) پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں سرمایہ کی قلت کی تلافی افرادی قوت کو مؤثر بنا کر ہی کی جاسکتی ہے۔ افرادی قوت کو مؤثر بنانے کیلئے صحت کے معیار کو بلند کرنا بے حد ضروری ہے۔

(iii) جسمانی صحت کے معیار کو بلند رکھنے سے ہی ہم اپنے ملک میں تخلیقی و دماغی قوتوں کو نشوونما دے سکتے ہیں۔

(iv) ہمارے ملک میں صحت کی اہمیت صرف معاشی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ اپنے ملک کے دفاعی استحکام کو بڑھانے کے لئے بھی ضروری ہے تاکہ ہمارے لوگ جسمانی لحاظ سے صحت مند اور توانا ہوں۔

2۔صحت کے مسائل

پاکستان میں صحت عامہ کا معیار تسلی بخش نہیں ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(i)پست معیار صحت

ملک میں صحت کا عمومی معیار پست ہے۔ لوگ بالعموم بیماریوں کا شکار رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً وبائیں بھی پھوٹتی رہتی ہیں۔

(ii)طبی سہولتوں کی کمی

ملک میں طبی سہولتوں کی بے حد کمی ہے طبی امداد مہیا کرنے کے ادارے اور ہسپتال آبادی کی ضرورت کے مقابلے میں بہت کم ہیں بالخصوص دیہی علاقوں میں شفاخانوں کی بڑی قلت ہے۔

(iii)تعلیم کی کمی

معیار صحت کے پست ہونے میں ناخواندگی کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ لوگ بالعموم صحت و صفائی کی اہمیت اور حفظان صحت کے طریقوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔ گھروں، گلیوں اور بازاروں میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔

3.2 معیار صحت کو بہتر بنانے کے لئے حکومت کے اقدامات

ملک میں صحت عامہ کے معیار کو بلند کرنے کیلئے حکومت مسلسل کوشاں رہی ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کے مندرجہ ذیل اقدامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1۔ہسپتالوں کا قیام

حکومت نے علاج معالجہ کی سہولت میں اضافہ کرنے کے لئے متعدد ہسپتال اور شفاخانے قائم کئے ہوئے ہیں اس کے علاوہ مخصوص امراض کے لئے الگ ہسپتال بھی قائم کئے گئے ہیں۔

2۔طبی تعلیم

حکومت نے ملک میں طبی تعلیم کا دائرہ وسیع کرنے اور اس کا معیار بلند کرنے کے لئے میڈیکل کالج اور پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سینٹر قائم کئے ہیں۔

3۔طبی تحقیق

حکومت نے ملک میں طبی تحقیق کو ترقی دینے کے لئے مؤثر انتظامات کئے ہیں۔ بیماری پر کنٹرول کے لئے گھر گھر جا کر ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔

4۔عام تعلیم:۔

ملک میں تعلیم کو عام کرکے بھی صحت کے مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت نے ملک کے طول وعرض میں اسکول اور کالج قائم کئے ہیں۔

5۔معیاری زندگی کو بلند کرنا:۔

حکومت ملک میں معاشی منصوبوں کے ذریعہ عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی مسلسل کوشش کررہی ہے

تا کہ عوام کو لباس، غذا، رہائش اور تفریح جیسی بنیادی سہولتیں معقول معیار کے مطابق دستیاب ہوں اور ان میں قوت مزاحمت زیادہ ہو۔

6۔سستا علاج:۔

عوام کو سستا علاج مہیا کرنے کے لئے حکومت دیسی طریق علاج اور ہومیوپیتھی کو رواج دینے اور مقبول بنانے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔

حکومت کے ان اقدامات سے ملک میں صحت کا معیار بتدریج بہتر ہو رہا ہے۔شرح اموات کم ہوگئی ہے اور اوسط عمر کا تناسب بھی بڑھ گیا ہے۔

3.3 سماجی بہبود کی اہمیت

ہر معاشرہ میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جو ذہنی، جسمانی اور معاشرتی مشکلات کی بنا پر اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔یتیم بچے اور بیوہ عورتیں، بوڑھے، اندھے، بہرے اور گونگے افراد بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ معاشی زندگی کے مسائل کو اپنے بل بوتے پر حل کر کے پرسکون اور آسودہ زندگی بسر کرسکیں۔ یہ معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان دکھی اور بے سہارا افراد کو سہارا دے۔

سماجی بہبود کا مفہوم اور دائرہ کار ان ہی افراد کو سہارا دینا اور ان میں عزت نفس اور خود اعتمادی پیدا کر کے معاشرہ ایک فرض شناس اور مستند شہری بنانا ہے۔

سماجی بہبود ایک اخلاقی تحریک کے علاوہ کسی ملک کی معاشی حالت کو بہتر بنانے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔سماجی بہبود کے ذریعہ معذور افراد کی قوتوں کو بحال کر کے انہیں معاشی کاموں کی انجام دہی کے قابل بنایا جاتا ہے۔

سماجی بہبود کے ذریعہ ابتدائی عمر سے ہی بچوں کی تربیت ایسے انداز اور ماحول میں کی جاتی ہے کہ وہ ملک وقوم کے لئے ایک پیدا آور اور قیمتی اثاثہ ثابت ہوں۔''سماجی بہبود'' کے ذریعہ افراد میں ''اپنی مدد آپ'' کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنے مسائل کو اپنے وسائل کے ساتھ حل کرنے کے قابل ہوجائیں۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر اور قلیل وسائل سے دوچار ملک کے لئے اپنی مدد آپ کے تحت عوام کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے کے طریق کار بے حد اہمیت کا حامل ہے۔سماجی بہبود کے ذریعہ لوگوں میں تعلیم وتربیت کے حصول کی تحریک پیدا کی جاسکتی ہے اور اس طرح انہیں خواندہ اور باشعور شہری بنا کر ملکی ترقی کے کاموں میں ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

3.4 پاکستان میں سماجی بہبود کے سلسلہ میں حکومت کا کردار

قیام پاکستان کے وقت ملک میں سماجی بہبود کا کام بالعموم رضا کارانہ ادارے انجام دے رہے تھے۔حکومت

کی سطح پر ملک میں سماجی بہبود کا کام باضابطہ طور پر 1951ء میں اقوام متحدہ کے تعاون سے شروع کیا گیا۔لیکن مؤثر طور پر سماجی بہبود کا کام 1963ء میں 'نظامت سماجی بہبود' کے قیام کے بعد شروع ہوا۔ ''نظامت سماجی بہبود'' نے ملک کے تمام حصوں میں سماجی بہبود کے کاموں کو منظم کیا اوران کے دائرہ کو وسیع کرنے کے منصوبے بنائے۔

1955ء میں صوبائی سطح پر سماجی بہبود کے محکمے قائم کئے گئے اور اس کے لئے ہر سال بھاری رقوم وقف ہونا شروع ہوئیں۔

پاکستان میں سماجی بہبود کے تین دائرے ہیں۔

1۔رضا کارانہ ادارے

سماجی بہبود کے سلسلہ میں رضا کارانہ ادارے بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں یہ ادارے اپنی مدد آپ کے تحت قائم ہوتے ہیں۔حکومت فقط ان کی رہنمائی اورنگرانی کا کام سرانجام دیتی ہے اور رضا کارانہ اداروں میں یہ ادارے شامل ہیں:

یتیم خانے، بچوں، نوجوانوں اور خواتین کی بہبود کے ادارے خواتین، کے لئے صنعتی مراکز، گونگے، بہرے، اندھے اور جسمانی لحاظ سے معذور افراد کی بحالی کے مراکز اور اسکول ، دارالمطالعے، لائبریریاں اور تفریح کے مراکز، زچہ و بچہ کے مراکز،تعلیم بالغان، دینی تعلیم، مریضوں کی دیکھ بھال اور پیشہ ورانہ تربیت وغیرہ۔

2۔اجتماعی ترقیاتی منصوبے

شہری اور دیہاتی علاقوں میں اجتماعی ترقیاتی منصوبے شروع کئے گئے ہیں۔ یہ منصوبے بھی ''اپنی مدد آپ'' کے اصول پر بنائے جاتے ہیں۔ ان کے لئے مخصوص علاقہ کومنتخب کرکے اس کے معاشرتی مسائل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ کام سماجی بہبود کے آفیسر انجام دیتے ہیں۔ اجتماعی منصوبوں کوجن مسائل کا سامنا ہے۔ان میں یہ مسائل شامل ہیں۔

تعلیم بالغاں، بچوں کے لئے کھیلوں کے پارک، زچہ و بچہ کے مراکز، پرائمری سکول وغیرہ۔

3۔ادارہ جاتی سماجی بہبود

صوبائی حکومت کا محکمہ سماجی بہبود بچوں، خواتین، بوڑھوں اور مریضوں وغیرہ کی بہبود کے لئے اپنے وسائل اور اپنی زیرنگرانی ادارے قائم کرتا ہے۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ادارے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(i)دارالفلاح

اس ادارے میں بیوہ عورتوں اور ان کے بچوں کو ایک سال کی مدت تک رکھا جاتا ہے۔ دوران قیام عورتوں

کو مختلف ہنر سکھائے جاتے ہیں تا کہ وہ اپنی روزی خود کمانے کے قابل ہو جائیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔

(ii) کاشانہ

اس ادارہ میں لاوارث خواتین، بے اولاد بیوہ عورتوں اور ایسی غیر شادی شدہ عورتوں کو رکھا جاتا ہے جن کا کوئی والی وارث نہ ہو۔ انہیں یہاں مختلف قسم کے ہنر اور فن سکھائے جاتے ہیں۔

(iii) دارالامان

اس ادارے میں ان عورتوں کو رکھا جاتا ہے جو مجرمانہ زندگی کا شکار ہو جاتی ہیں اور اپنے گھروں سے بھاگ جاتی ہیں یہاں ان عورتوں کی اخلاقی و ذہنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(iv) صنعت زار

اس ادارے میں عورتوں کو دستکاریوں کی تربیت دی جاتی ہے تا کہ وہ اپنی روزی کمانے یا اپنے گھر بار کو بہتر سلیقہ پر چلانے کے قابل ہو جائیں۔

(v) گوشہ بہبود

یہ ادارے تحصیل وغیرہ کی سطح پر قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں افراد کو مختلف قسم کے ہنروں اور فنون کی تربیت دی جاتی ہے۔ مثلاً مرغ بانی، سبزیاں اگانا، اچار مربے اور چٹنیاں بنانا وغیرہ ان اداروں میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کو مقامی خام مال سے اشیاء تیار کرنے کا طریقہ سکھایا جائے۔

(vi) گہوارہ

کم سن لاوارث بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ''گہوارہ'' کے نام سے راولپنڈی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ یہاں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ بے اولاد کنبے ان بچوں کو اپنی نگرانی اور سایہ شفقت میں لے لیں۔

(vii) غنچہ

یہ ادارہ ان بچوں کی دیکھ بھال کے لئے قائم کیا گیا ہے جن کی مائیں ملازمت پیشہ ہیں۔ اس ادارہ میں بچہ چھ سال کی عمر تک رکھا جاتا ہے۔ روزانہ کام سے فارغ ہو کر والدین بچے کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔

(viii) چمن

یہ ادارہ ان بچوں کے لئے بنایا گیاہے جو ذہنی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان بچوں کومعذور سمجھ کر انکی خصوصی دیکھ بھال اورتربیت کی جاتی ہے۔

(ix)مثالی دارالاطفال

اس ادارہ میں یتیم بچوں کو رکھا جاتاہے لیکن ان کی دیکھ بھال اور تربیت کا انتظام بڑے سائنسی انداز میں کیا جاتا ہے۔ ان بچوں کی تربیت کے لئے شفیق اور تربیت یافتہ خواتین رکھی جاتی ہیں۔ انہیں متبادل ماؤں کا نام دیا جاتا ہے۔ اس ادارہ میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ بچہ میں احساس کمتری پیدا نہ ہونے پائے۔

(x)طبی معاشرتی خدمت

بڑے بڑے ہسپتالوں میں حکومت کی طرف سے سماجی بہبود کے مرکز قائم کئے گئے ہیں جہاں طبی سماجی آفیسر (Medical Social Officer) مقرر کئے جاتے ہیں۔ یہ مرکز استطاعت نہ رکھنے والے مریضوں کی طبی امداد کے سلسلہ میں امداد اور رہنمائی کرتے ہیں۔ بے سہارا مریضوں کوادویات وغیرہ کی فراہمی کا بندوبست کرتے ہیں۔

(xi)عافیت

اس ادارہ میں 40 سال سے زائد عمر کے ان لاوارث بوڑھوں کو رکھا جاتا ہے جنہیں کوئی متعدی مرض لاحق نہ ہو یہاں ان افراد کوتاحیات کھانا، کپڑا اور دیگر ضروریات حکومت کی طرف سے مہیا کی جاتی ہیں۔

3.5 روزگار کی اہمیت

پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں روزگار کا مسئلہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں سرمایہ کی قلت ہے۔ اس کی تلافی کا ایک مؤثر ذریعہ یہ ہے کہ یہاں افرادی قوت کو روزگار کا مہیا کرکے اس کی صلاحیتوں اور توانائیوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

پاکستان میں اس وقت افراد کی ایک بڑی تعداد بے روزگاری اور نیم بیروزگاری کا شکار ہے۔ اس طرح افرادی قوت کا ایک مؤثر حصہ ضائع ہورہاہے۔ ایک اندازے کے مطابق ملک میں بیروزگاری کا تناسب 10 فیصد ہے۔ پاکستان اکنامک سروے 08-2007ء کی رو سے بے روزگاری کا تناسب 5.32 فیصد ہے۔

1۔ تعلیم یافتہ افراد میں بیروزگاری کا تناسب جس رفتار سے بڑھ رہاہے وہ حد درجہ تشویشناک ہے۔

شہری علاقوں میں بیروزگاری کا شکار زیادہ تر تعلیم یافتہ افراد ہیں۔

2۔ پاکستان میں آبادی کی غالب اکثریت زرعی شعبہ سے وابستہ ہے یہاں کئی لاکھ افراد بے روزگار ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے زرعی شعبہ سے نکال کر دوسرے غیر زرعی شعبوں کی طرف منتقل کیا جائے۔ یہ کام اسی صورت میں ممکن ہے کہ غیر زرعی پیشوں میں روزگار کے لئے مواقع پیدا کئے جائیں۔

3۔ پاکستان کے عوام کو مطمئن وخوشحال رکھنے اور ان کے معیار زندگی کو باوقار طریقہ پر بلند کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انہیں روزگار مہیا کیا جائے۔

3.6 معیار روزگار کو بہتر بنانے کیلئے حکومت کے اقدامات

پاکستان میں روزگار کو بہتر بنانے اور بے روزگاری کو کم کرنے کے سلسلہ میں حکومت نے متعدد اقدامات کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومت نے ایسے تمام پانچ سالہ منصوبوں(Five Year Plan) میں روزگار کے لئے مواقع پیدا کرنے کے اہداف مقرر کئے ہیں۔ ملک میں روزگار مہیا کرنے کیلئے حکومت نے جو خصوصی اقدامات کئے ہیں ان میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1۔ **اقتصادی ترقی کے منصوبے:** جب حکومت نے ملک میں اقتصادی و سماجی ترقی کے منصوبوں کے ذریعہ روزگار کے لئے مواقع پیدا کئے ہیں۔

2۔ **دفاتر روزگار کا قیام:** حکومت نے ملک کے مختلف حصوں میں دفاتر روزگار (Employment Exchange) قائم کئے ہیں جو بیروزگار افراد اور کارخانہ داروں اور حکومتی اداروں کے درمیان رابطہ کا کام انجام دیتے ہیں۔

3۔ **فنی تربیت کے اداروں کا قیام:** حکومت نے اندرون ملک فنی تربیت (Technical Training) کے کئی مراکز اور ادارے قائم کئے ہیں جو مختلف ہنروں اور علوم وفنون کی تربیت کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔

4۔ **افرادی قوت کے ادارے:** حکومت نے اندرون ملک افرادی قوت کو مؤثر بنانے اور اس کے مسائل کو حل کرنے کیلئے کئی ادارے قائم کئے ہیں۔ ان میں قومی روزگار کی کونسل (National Employment Council) وفاقی ٹریننگ بورڈ (Federal Training Board)، نیشنل ٹریننگ بیورو(National Training Bureau) وغیرہ شامل ہیں۔

5۔ **بیرون ملک روزگار کی فراہمی:** حکومت کے ایما اور حوصلہ افزائی سے گذشتہ چند سالوں میں پاکستان کے شہریوں کی ایک بڑی تعداد بیرونی ممالک بالخصوص مشرق وسطیٰ کے تیل پیدا کرنے والے ممالک میں روزگار کے حصول کے لئے بھیجی گئی ہے۔ بیرونی ممالک میں ملازمت اور روزگار کے معاملات کو بے ضابطگیوں سے پاک کرنے اور پاکستانی محنت کاروں کے مفادات کے تحفظ کیلئے حکومت نے ایک ادارہ (Overseas Employment Corporation) کے نام سے قائم کیا ہے۔

6۔ **اپنی مدد آپ:** حکومت دیہی آبادی کو زیادہ مؤثر اور فعال بنا کر مستور بے روزگاری (Disguied Unemployment) یانیم بیروزگاری (Under Employment) کوختم کرنے کی بھی کوشش کررہی ہے۔ اس سلسلہ میں اب دیہی ترقیاتی پروگرام (Rural Works Programmes) اور مربوط دیہی ترقیاتی پروگرام (Integrated Rural Development Programme)) کو مدغم کرکے ایک نئی تنظیم دیہی ترقیاتی تنظیم (Rural Development Orgranization) قائم کی گئی ہے۔

حکومت کے ان اقدامات سے ملک میں نہ صرف بیروزگاری کے مسئلہ پر قابو پانے میں مدد مل رہی ہے بلکہ افرادی قوت کے معیار کے بہتر ہو جانے سے اندرون ملک و بیرون ملک روزگار کا حصول بھی پہلے سے آسان ہو گیا ہے۔

3.7 اہم نکات

(i) پاکستان میں صحت وسماجی بہبود اور روزگار کو معاشی ترقی کے عمل کو تیز تر کرنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

(ii) پاکستان میں صحت کے شعبہ میں پست معیار صحت، طبی سہولتوں کی کمی اور تعلیم کی کمی کے مسائل درپیش ہیں۔

(iii) صحت کے معیار کو بہتر بنانے کیلئے حکومت نے ہسپتال قائم کئے ہیں۔ طبی و عام تعلیم کی سہولتوں کو وسعت دی ہے۔ مہلک ومتعدی بیماریوں کا سدباب کرنے کیلئے مؤثر اقدامات کئے ہیں اور عوام کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔

(iv) پاکستان میں سماجی بہبود کے شعبہ میں حکومت رضا کارانہ اداروں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور اجتماعی ترقیاتی منصوبے بنانے کی تحریک کرتی ہے۔

(v) سماجی بہبود کے سلسلہ میں یہ ادارے بنائے گئے ہیں۔

1۔ دارالفلاح 2۔ کاشانہ 3۔ دارالامان 4۔صنعت زار

5۔ گوشۂ بہبود 6۔ گہوارہ 7۔غنچہ 8۔ چمن 9۔ مثالی دارالاطفال 10۔ عافیت

(vi) پاکستان میں بیروزگاری سنگین مسئلہ کی شکل اختیار کرچکی ہے۔ بالخصوص تعلیم یافتہ افراد میں بیروزگاری کا تناسب مسلسل بڑھتا جارہا ہے۔

(vii) بیروزگاری کو دور کرنے اور نئی افرادی قوت کو روزگار مہیا کرنے کے لئے حکومت نے یہ اقدامات کئے ہیں۔

1۔ اقتصادی ترقی کے منصوبے 2۔ دفاتر روزگار کا قیام

3۔فنی تربیت کے اداروں کا قیام 4۔ افرادی قوت کو بتر بنانے کے ادارے

5۔ بیرون ملک میں روزگار کی فراہمی کی سہولتیں 6۔ دیہی تعمیر وترقی کے منصوبے۔

خود آزمائی

سوال نمبر10 پاکستان میں صحت کی اہمیت اور اس کے مسائل پر روشنی ڈالئے۔

(جواب کے لئے سیکشن 3.1 کی بحث کو سامنے رکھ کر پڑتال کیجئے۔)

سوال نمبر11 پاکستان میں صحت کے معیار کو بہتر بنانے کیلئے حکومت نے کیا اقدامات کئے ہیں؟

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 3.2 کی بحث کو سامنے رکھ کر کیجئے)

سوال نمبر12 پاکستان میں سماجی بہبود کی اہمیت واضح کیجئے؟

(سیکشن 3.3 کی بحث کو سامنے رکھ کر اپنے جواب کی پڑتال کیجئے۔)

سوال نمبر13 سماجی بہبود کے فروغ کیلئے حکومت پاکستان نے کیا اقدامات کئے ہیں؟

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 3.4 کی بحث کو سامنے رکھ کر کیجئے۔)

سوال نمبر14 پاکستان میں روزگار کی اہمیت پر روشنی ڈالئے اور بتایئے کہ حکومت لوگوں کو روزگار مہیا کرنے میں کیا اقدامات کررہی ہے؟

(اپنے جواب کی پڑتال سیکشن 3.5 کی بحث کو سامنے رکھ کر کیجئے۔)

کتابیات

1. Measures for the Economic Development of Under-developed countries. (United Nations Report)
2. The Five Year Plans of various Pesiods.

(Planning Commission, Government of Pakistan).

3. Pakistan Economic Survey
1978-79
1979-80
1980-81
2007-08
(Government of Pakistan)

فرہنگ

1۔افراط آبادی	آبادی کا ضرورت سے زیادہ ہو جانا۔
2۔بیروزگاری	کام کے قابل افراد کو کام نہ ملنا۔
3۔پیدا آوری صلاحیت	اشیا پیدا کرنے کی اہلیت۔
4۔تعلیم نسواں	عورتوں کی تعلیم
5۔جدید ٹیکنالوجی	پیدائش دولت کا ایسا نیا طریقہ جس سے مصارف میں کمی اور پیداوار میں اضافہ ہو۔
6۔چمن	ذہنی امراض کے شکار بچوں کی دیکھ بھال کا ادارہ
7۔دارالامان	مجرم عورتوں کی اصلاح کا ادارہ۔
8۔دارالفلاح	بیوہ عورتوں کی فلاح کا ادارہ۔
9۔دفتر روزگار	بیروزگار افراد اور روزگار دینے والے اداروں کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کا ذمہ دار ادارہ۔
10۔زرعی مشینری	ٹریکٹر، ٹیوب ویل، تھریشر وغیرہ۔
11۔صنعت زار	عورتوں کو دستکاریاں سکھانے والا ادارہ۔
12۔عافیت	لاوارث بوڑھوں کی دیکھ بھال کا ادارہ۔
13۔غنچہ	ملازمت پیشہ خواتین کے بچوں کی دیکھ بھال کا ادارہ۔
14۔کاشانہ	لاوارث عورتوں کی دیکھ بھال کا ادارہ۔
15۔گوشۂ بہبود	تحصیل کی سطح پر دیہی ضرورت کے ہنر سکھانے والا ادارہ۔
16۔گہوارہ	لاوارث بچوں کی نگہداشت کا ادارہ۔
17۔مثالی دارالاطفال	یتیم بچوں کی نگہداشت کا ادارہ

یونٹ 18

پاکستان کی معیشت کا جائزہ

(1947ء سے 2008ء)

تحریر
اکرم قادر طارق

فہرست مضامین

یونٹ کے مقاصد 546

1۔ابتدائی تین سال 547

1.1 ابتدائی مسائل 547
1.2 معاشی استحکام کے اقدامات 548
1.3 اہم نکات 550
1.4 خود آزمائی 551

2۔ پہلا عشرہ (1950 تا 1960) 552

2.1 معاشی افزائش کی صورتحال 552
2.2 افراط زر کی صورتحال 553
2.3 تقسیم دولت کی صورتحال 553
2.4 عشرہ کی کارگزاری 554
2.5 اہم نکات 555
2.6 خود آزمائی 556

3۔دوسرا عشرہ (1960ء تا1970ء) 558

3.1 معاشی افزائش کی صورتحال 558
3.2 افراط زر کی صورتحال 560
3.3 تقسیم دولت کی صورتحال 560
3.4 عشرہ کی کارگزاری 561
3.5 اہم نکات 562

3.6	خود آزمائی	562

4۔تیسرا عشرہ (1970ء تا1980ء) 564

4.1	معاشی افزائش کی صورتحال	564
4.2	افراط زر کی صورتحال	566
4.3	تقسیم دولت کی صورتحال	566
4.4	عشرہ کی کارگزاری	567
4.5	اہم نکات	567
4.6	خود آزمائی	568

5۔موجودہ عشرہ (2000 تا 2008ء) 575

5.1	معاشی افزائش کی صورتحال	575
5.2	زراعت	575
5.3	صنعت	576
5.4	بیرونی تجارت	576
5.5	افراط زر	577
5.6	تقسیم آمدنی دولت اور غربت	577
5.7	اہم نکات	578
5.8	خود آزمائی	578
5.9	جوابات	579
	گوشوارے	
	جوابات	580
	فرہنگ	581
	کتابیات	581

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کو پڑھنے کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ:۔

1۔ قیام پاکستان کے وقت معیشت کی صورتحال اور اس کے ابتدائی مسائل سے واقف ہوجائیں۔

2۔ پہلے تین سال میں رونما ہونے والی ترقی اور مسائل سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

3۔ 1950 تا 1960ء ، 1960ء تا 1970ء ، 1970ء تا 1980ء کے پہلے، دوسرے اور تیسرے عشروں کے دوران معاشی ترقی، افراط زر کی کیفیت اور تقسیم کی صورتحال سے روشناس ہوسکیں۔

4۔ تینوں عشروں کے دوران رونما ہونے والی معاشی صورتحال کا تقابل کرسکیں۔

5۔ موجودہ عشرہ 2000ء تا 2008ء میں رونما ہونے والی معاشی صورتحال کا جائزہ لے سکیں۔

1۔ ابتدائی تین سال

1.1 ابتدائی مسائل

قیام پاکستان کے فوراً بعد مملکت خدا داد کو جن ابتدائی مسائل کا سامنا تھا وہ یہ تھے:۔

1۔ماہرین کی منتقلی

ملک کی منضبط شیرازہ بندی کے لئے ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے مختلف محکموں کے مسلمان اہلکاروں اور انتظامی امور کے ماہرین کو کراچی تک جلد از جلد لانا اور محکموں اور ان کے ریکارڈ کی فوری منتقلی بے حد ضروری تھی تاکہ نئی مملکت اپنا نظام حکومت خوش اسلوبی سے چلا سکے۔

2۔مہاجرین کا مسئلہ

پاکستان کو اپنا وطن بنانے والے اور بھارت سے ہجرت کرکے آنے والے 80 لاکھ مسلمانوں کی رہائش، خوراک اور مناسب روزگار مہیا کرنا بہت بڑے مسائل تھے۔

3۔تربیت یافتہ عملے کا انخلاء

حکومت کے کاروبار کو چلانے والے عملے کی کمی بھی ایک مسئلہ تھی۔ یہ مسئلہ ان تارکین وطن نے پیدا کردیا تھا جو پاکستان کو چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے تھے۔

4۔ریزرو بینک آف پاکستان کا رویہ

پاکستان کو ریزرو بینک آف انڈیا نے معاہدے کے باوجود 55 کروڑ روپے ادا نہ کئے۔ اس بد معاملگی کو زیادہ دیر تک برداشت کرنا مشکل تھا۔ اس لئے جلد از جلد اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

5۔بیرونی منڈیوں کی تلاش

پاکستان ایک نئے نام سے دنیا کی نقشے پر ابھرا تھا، اس لئے بیرونی دنیا سے سیاسی روابط کے ساتھ ساتھ کاروباری روابط اور ساکھ قائم کرنا ضروری تھا۔ پاکستان کو اس سلسلے میں بھارتی رقابت کے علاوہ بھی زبردست

مشکلات کا سامنا تھا۔

6۔پونڈ کی تخفیف قدر

1949ء میں برطانیہ نے پونڈ سٹرلنگ کی بیرونی قدر میں 30 فیصد کمی کردی تو ہمارے لئے نئی آزمائش پیدا ہوگئی۔ دوسری طرف بھارت نے پاکستان کے ساتھ تمام تجارت منقطع کردی جس کے نتیجہ میں ہمیں اپنی پٹ سن اور دیگر برآمدات کے لئے فوری طور پر نئی منڈیاں تلاش کرنا بڑا مشکل ہوگیا۔

7۔جنگ کوریا کے اثرات

جنگ کوریا کے سبب خام مال کی قیمتیں چڑھ گئیں۔ پاکستان نے کافی زرمبادلہ کمایا مگر زرمبادلہ میں اضافہ عارضی ثابت ہوا اور خام مال کی قیمتیں بہت جلد گرنی شروع ہوگئیں۔

1.2 معاشی استحکام کے اقدامات

1۔اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا قیام

سٹیٹ بینک آف پاکستان کا قیام ملک کی معاشی بنیادوں کے سلسلے میں ایک عظیم قدم تھا۔ اس بینک نے زری اصلاحات کی غرض سے بہت نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس نے فی الفور مرکزی بینک کے فرائض ادا کرنے شروع کردیئے۔

2۔نیشنل بینک کا قیام

بینکاری کی ضرورتوں میں اضافے اور ایسے ادارے کی ضرورت کے پیش نظر جو سٹیٹ بینک آف پاکستان کی شاخ کی غیر موجودگی میں معاون کے طور پر خدمات انجام دینے کے لئے نیشنل بینک آف پاکستان کا قیام 1949ء میں عمل میں لایا گیا۔

3۔سینٹرل انجنیئر نگ اتھارٹی کا قیام

1947ء میں بجلی کی کل پیداوار صرف 400,000 کلو واٹ تھی جو ضرورت سے بہت کم تھی۔ اس کمی کے پیش نظر کراچی میں سینٹرل انجنیئر نگ اتھارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔
اس اتھارٹی نے رسول کے مقام پر بجلی گھر اور مالاکنڈ ہائیڈرو الیکٹرک پراجیکٹ وغیرہ کی تکمیل میں مدد دی۔

آج کل حب پاور سٹیشن کراچی بھی ملک کی بجلی کی ضرورت کو کافی پورا کرنے میں مدد کر رہا ہے۔

4۔سینٹرل سٹیٹسٹیکل آفس کا قیام

1950ء میں مرکزی ادارہ اعداد و شمار کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس ادارے کی ذمہ داریاں وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئیں۔

5۔اسلامی اقتصادی کانفرنس کا انعقاد

نومبر 1949ء میں کراچی میں تمام اسلامی ممالک کی ایک اقتصادی کانفرنس بلائی گئی جس میں اسلامی ممالک کے وسائل کو مشترکہ طور پر استعمال کرنے کے بارے میں غور و خوص، تجارت میں آسانی اور مختلف مشترکہ اہمیت کے اقتصادی معاملات کو زیر بحث لایا گیا۔

6۔پاکستان ریفیوجیز ری ہیبلیٹیشن فنانس کارپوریشن کا قیام

یہ کارپوریشن مئی 1948ء میں مہاجرین کی آباد کاری کی غرض سے قائم کی گئی اس کے تحت 4.5 فیصد سالانہ شرح سود پر قرضے جاری کئے گئے۔ 1953ء تک اس کارپوریشن نے 94000 مہاجرین کو بسانے میں مدد دی۔

7۔پاکستان سکیورٹی پرنٹنگ پریس کا قیام

فروری1919ء میں پریس برطانیہ کی ایک کمپنی کے تعاون سے قائم کیا گیا۔ اس میں بینک نوٹ، ڈاک خانہ ٹکٹ، رسیدی ٹکٹ، ڈاک کے لفافے، تجارتی بینکوں کے چیک، ڈرافٹ اور دیگر گورنمنٹ اسٹیشنری چھپنی شروع ہوگئی۔

8۔پاکستان اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ کا قیام

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی وساطت سے ملک میں سرمایہ کاری کی سطح بلند کرنے اور بازار زر کو منضبط و منظّم انداز میں چلانے کے لئے اسٹاک ایکسچینج مارکیٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

9۔پاکستان صنعتی مالیاتی کارپوریشن کا قیام

پاکستان صنعتی مالیاتی اور صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کا قیام 1949ء میں عمل میں آیا۔ ان کے قیام کا مقصد ملک میں گھریلو صنعت اور نئے صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔

10۔ڈیپارٹمنٹ آف سائینٹیفک انڈسٹریل ریسرچ کا قیام

یہ محکمہ 1950ء میں قائم کیا گیا اس میں ممتاز سائنس دان، صنعت کار اور حکومت کے سرکردہ نمائندے شامل تھے۔ اس کے ذمے صنعتی ریسرچ کا کام تھا۔ اس کے علاوہ نئی ایجادوں اور دریافتوں کے لئے سازگار فضا پیدا کرنا اور ریسرچ کے مقاصد کے لئے مالی وسائل مہیا کرنا تھا۔

11۔ترقیاتی بورڈ کا قیام

1948ء کے آغاز میں حکومت پاکستان نے پہلی بار پاکستان کو معاشی ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور موجودہ ملکی وسائل سے بھرپور استفادے کی غرض سے ایک ترقیاتی بورڈ قائم کیا۔

12۔کولمبو پلان میں شمولیت

'کولمبو پلان' دولت مشترکہ کے ان ارکان کی معاشی ترقی کے لئے ایک مشترکہ چند سالہ منصوبہ تھا جو یکم جون 1951ء کو شروع ہوکر 30 جون 1957ء کو مکمل ہونا تھا۔ پاکستان نے اس میں شمولیت کی اور محدود معاشی فوائد حاصل کئے۔

13۔سالانہ میزانیے پر مبنی منصوبہ بندی

اگست 1947ء سے 1950ء تک ابتدائی سالوں میں ہماری معیشت کی منصوبہ بندی کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ سالانہ میزانیے اس انداز سے بنائے جائیں کہ آزادی کے بعد پیش آمدہ مسائل حل ہوتے چلے جائیں۔ اس تمام عرصے کے دوران جو بھی ترقیاتی کام ہوئے ان میں عرصہ قلیل کے مسائل پر زیادہ زور دیا جاتا رہا۔

1.3 اہم نکات

1۔ پاکستان دنیا کے نقشہ پر ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے 14 اگست 1947ء کو ابھرا۔

2۔ 1947ء سے 1950ء کے ابتدائی تین سالوں میں جن مسائل نے معیشت پر بار ڈالے رکھا، ان میں یہ مسائل تھے ماہرین کی منتقلی، مہاجرین کی آمد، تربیت یافتہ عملہ کی کمی، ریزرو بینک آف انڈیا کا عدم تعاون، بیرونی منڈیوں کی تلاش، پاؤنڈ کی قیمت میں تخفیف اور جنگ کوریا کے اثرات۔

3۔ ابتدائی تین سالوں میں حکومت پاکستان نے معاشی استحکام کے لئے کئی اقدامات اٹھائے، ان اقدامات میں اسٹیٹ بینک اور نیشنل بینک آف پاکستان کا قیام، سینٹرل انجنیئر نگ اتھارٹی اور

ادارہ اعداد و شمار کا قیام، اسلامی اقتصادی کانفرنس کا انعقاد، اسٹاک ایکسچینج ، پاکستان صنعتی کارپوریشن، انڈسٹریل ریسرچ ڈیپارٹمنٹ، مہاجرین کی آبادکاری کی کارپوریشن، پرنٹنگ پریس کا قیام، ترقیاتی بورڈ کا وجود میں آنا اور پاکستان کی کولمبو پلان میں شرکت وغیرہ شامل ہیں۔

4۔ معاشی استحکام وترقی کے لئے کئی سالہ منصوبہ بندی اسکیم کی جگہ سالانہ میزانیوں پر مبنی لائحہ عمل اختیار کیا گیا۔

1.4 خود آزمائی

1۔ تربیت یافتہ عملہ کی کمی قیام پاکستان کے وقت شدت سے محسوس کی گئی۔کیا یہ بیان درست ہے۔

ہاں	نہیں

2۔ 1949ء میں پاؤنڈ کی قیمت میں تخفیف نے پاکستان کے لئے معاشی مسائل پیدا کردیئے۔کیا آپ متفق ہیں۔

ہاں	نہیں

3۔ جنگ کوریاکے اثرات پاکستان کے لئے دیرپا تھے ۔کیا آپ اتفاق کریں گے۔

ہاں	نہیں

4۔ پاکستان نے کولمبو پلان میں شرکت کی۔کیا یہ بات درست ہے۔

ہاں	نہیں

5۔ معاشی استحکام کے حصول کے سلسلے میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا قیام ایک عظیم کارنامہ تھا۔ کیا یہ تبصرہ درست ہے۔

ہاں	نہیں

6۔ پاکستان میں ترقیاتی بورڈ کا قیام معاشی ترقی کی سمت ایک صحیح قدم تھا۔کیا آپ اتفاق کریں گے۔

ہاں	نہیں

7۔ پاکستان میں ابتدائی تین سالوں میں معاشی ترقی کے پانچ سالہ منصوبہ بندی کو اختیار کیا گیا یا سالانہ میزانیوں کی پالیسی کو۔

پانچ سالہ منصوبہ بندی کو	سالانہ میزانیوں کو

2۔ پہلا عشرہ 1950ء تا 1960ء

2.1 معاشی افزائش کی صورتحال

1950ء تا 1960ء کے عشرے کے دوران شرح افزائش میں اگرچہ اضافہ کی رفتار سست رہی لیکن یہ دور معاشی لحاظ سے پاکستان کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دوران پاکستان کی معاشی ترقی کی بنیادیں رکھی گئیں۔ کولمبو پلان اور پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ شروع کر کے اختتام کو پہنچایا گیا۔ بیرونی سرمائے اور ملکی وسائل کو بروئے کار لانے کی عملی کوششیں کی گئیں جن کے نتیجے میں ملک میں روزگار کی سطح بلند ہوئی۔ اس عشرے کے دوران مقررہ لاگت عوامل (Constant Factor Cost) کی بنیاد پر 1950ء میں خام قومی پیداوار 1286 کروڑ روپے ہوگئی جو 3 فیصد کے اوسط اضافے کو ظاہر کرتی ہے۔ اس عشرے کے دوران فی کس آمدنی میں اوسطاً 4.7 فیصد اضافہ ہوا۔ اس عشرے کے آغاز میں فی کس آمدنی 356 روپے سالانہ تھی اور اس عشرے کے آخر میں 373 روپے سالانہ ہوگئی۔

اہم شعبہ ہائے معیشت میں صورتحال یہ رہ۔

(الف) زراعت

اس عشرے میں شعبہ زراعت تمام معاشی شعبوں میں سب سے اہم حیثیت کا حامل رہا۔ اس شعبے میں شرح افزائش اوسطاً 3 فیصد رہی۔ اس عشرے کے آغاز میں اس شعبہ پر بوجھ زیادہ تھا۔ اور خام قومی پیداوار کا تقریباً 60 فیصد کے برابر اسی شعبے سے حاصل ہوتا تھا۔ لیکن اس عشرے کے آخر تک قومی آمدنی میں زراعت کا حصہ 50 فیصد رہ گیا۔

(ب) صنعت

1950ء تا 1960ء کے عشرےکے دوران ہلکی صنعت اور اشیائے صرف کی صنعتوں نے کافی ترقی کی۔ 1950ء میں خام قومی پیداوار میں صنعت کا کل حصہ صرف 81 فیصد تھا جو اس عشرے کے اختتام پر 12 فیصد ہوگیا۔ اس عشرے کے دوران جو صنعتیں قائم کی گئیں وہ درج ذیل خصوصیات کی حامل تھیں۔

(i) ان کو محدود اور درمیانے درجے کے سرمائے سے شروع کیا جاسکتا تھا۔

(ii) ان کی تکنیک پیداواری (Production Technique) زیادہ پیچیدہ نہ تھی۔

(iii) ان کا عرصہ تکمیل (Gestation Period) زیادہ طویل نہیں تھا۔

(ج) بیرونی تجارت

اس عشرے کے ابتدائی سال میں برآمدات 256 کروڑ روپے کے برابر اور درآمدات 162 کروڑ روپے کے برابر تھیں یعنی برآمدات، درآمدات کا 158 فیصد تھیں جبکہ اس عشرے کے آخر تک برآمدات درآمدات کا 56 فیصد رہ گئیں۔ یہ کمی بھاری مشینری، صنعتی خام مال، اشیائے سرمایہ، ترقیاتی سامان اور دواؤں کی درآمد کی وجہ سے ناگزیر ہوگئی تھی۔

2.2 افراط زر کی صورتحال

(الف) پہلا دور

افراط زر کے لحاظ سے اس عشرے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ 1950ء تا 1955ء تک کا عرصہ ہے۔ اس عرصے کے دوران اشیا کی قیمتوں میں اضافے کا رجحان پیدا ہونے کی بجائے قیمتوں میں کمی کے آثار رہے۔ 52-1951ء کی بنیاد پر اس دور کے آخری حصے (55-1954ء) میں قیمتوں کا اعشاری عدد 70.2 تھا۔

(ب) دوسرا دور

اس عشرے کا نصف آخر 1955ء تا 1960ء تک کا ہے جس میں قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ 52-1951ء کو بنیادی سال تصور کرتے ہوئے اس عشرے کے مکمل ہونے تک قیمتوں کا اعشاری عدد 121.8 تک پہنچ گیا جبکہ اس دوران خام قومی پیداوار میں اضافہ 6.5 فیصد رہا۔

اس عشرے کے آخر میں پہلی بار تمویل خاسر کے ذریعے بینک دولت آف پاکستان (State Bank of Pakistan) سے 150 کروڑ روپے کی رقم حاصل کی گئی جس سے زر کی رسد میں اضافہ ہوا اور افراط زر میں بھی اضافہ ہونے لگا۔

2.3 تقسیم دولت کی صورت حال

تقسیم دولت کے بارے میں معیشت دانوں کی نظریاتی اختلافات سے قطع نظر یہ بات اپنی جگہ بہت اہم

ہے کہ آبادی کا سب سے بڑا حصہ معاشی لحاظ سے کس مقام پر کھڑا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں اس عشرے کے آغاز میں تقسیم دولت کی صورتحال بہت ابتر تھی۔ ایک غریب معیشت کے طور پر ابھرنے کی وجہ سے پاکستان میں جاگیردار طبقہ زمینوں کے ایک بڑے حصے پر قابض تھا۔ تجارت کے پیشہ میں دوسری طرف ایک مختصر اور مخصوص گروہ اپنے سابقہ کاروباری تجربات کی روشنی میں درآمدی اور برآمدی تجارت کو قابو میں رکھے ہوئے تھی۔ سب سے آخر میں آبادی کا وہ بہت بڑا حصہ آتا تھا جو مزدوروں، مزارعوں اور مقررہ اور محدود آمدنی کمانے والے لوگوں پر مشتمل تھا۔

اگرچہ معاشی لحاظ سے اس عشرے کے دوران حالات پہلے سے بہتر ہوئے لیکن معاشی افزائش کا ثمر صرف زمیندار، تاجر اور صنعت کار کو ملا جن کے لئے ایک طرف تو پاکستان بننے کے بعد ہر قسم کا بازاری مقابلہ (Competition) ختم ہوگیا تھا اور دوسری طرف حکومت کے فیاضانہ رویے سے ہر قسم کے ٹیکسوں سے چھوٹ نے ان کے منافع جات میں غیر معمولی اضافہ کیا جس کے دو متضاد نتائج برآمد ہوئے یعنی: تقسیم دولت کی صورتحال میں کم آمدنی والے طبقوں کی آمدنی میں مزید کمی اور معیار زندگی میں مزید پستی جو آئندہ معیشت کے لئے ضرر رساں تھی۔

2.4 عشرہ کی کارگزاری

اس عشرے کے دوران میں شرح افزائش کو تیز کرنے، قیمتوں کے استحکام اور تقسیم آمدنی کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے سرکاری طور پر درج ذیل اقدامات کئے گئے۔

(i) بنیادی اہمیت کے منصوبوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے ذرائع آبپاشی، بجلی گھروں، بندرگاہوں، سڑکوں، پلوں، ریلوے لائنوں اور ذرائع مواصلات کے منصوبے پایۂ تکمیل تک پہنچائے گئے۔

(ii) زراعت کی ترقی اور اس عشرے کے آغاز میں غلے کی پیداوار میں کمی واقع ہونے کے مسئلے پر قابو پانے کے لئے کراچی میں 31 جولائی 1952ء (Grow More Food) کے نام سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں غلے کی پیداوار بڑھانے کے لئے اہم فیصلے کئے گئے اور بعد میں ان پر عملدرآمد کیا گیا۔

(iii) ملکی صنعتکاروں کو سرمایہ کاری کے لئے بہتر مواقع فراہم کئے گئے۔ ٹیکس کی چھوٹ اور تامین کی پالیسی کی بدولت انہیں بیرونی مقابلے کے مضر اثرات سے محفوظ رکھا گیا۔ عشرے کے آغاز میں اوپن جنرل لائسنس کی اسکیم کے نفاذ سے غیر ملکی تجارت میں اضافہ کیا گیا اور بعد میں حالات

کے تبدیل ہونے سے درآمدات کے بارے میں (Restriction) اور برآمدات کے بارے میں (Expansion) کی پالیسی کو نصب العین بناتے ہوئے برآمدی اوپن جنرل لائسنس اسکیم کے تحت فری لسٹ پر برآمدی اشیا کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ نیز بارٹر ٹریڈ پالیسی 1953ء کے اجراء سے زرمبادلہ جانے کیلئے اہم اقدامات کئے گئے ہیں۔

(iv) اشیا صرف کی درآمد میں اس عشرے سے قبل جو کھلی چھٹی تھی ختم کرکے اس عشرے کے آغاز میں سخت پالیسی اختیار کی گئی۔

(v) اس عشرے کے اختتام میں نئی فوجی حکومت نے معاشی حالات کو بہتر کرنے کیلئے رشوت خور افسروں کو برطرف کردیا۔ ایسے صنعت کاروں اور آجرین کو قید و بند کی سزائیں دی گئیں جو چور بازاری (Black Marketing) ذخیرہ اندوزی (Hoarding) اور اسمگلنگ کے مجرم پائے گئے۔

(vi) ضروری اشیا وخدمات کی قیمتیں مقرر کردی گئیں اور ان پر سختی سے عمل کروایا گیا۔ نیز اشیا کی قلت کے مصنوعی رجحان کو ختم کرنے کے لئے سخت سزائیں دی گئیں۔

(vii) اصلاحات اراضی اور اقتصادی اصلاحات کے لئے مختلف کمیشن قائم کئے گئے اور ان کی سفارشات کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

(viii) منصوبہ بندی کی مشینری کو از سر نو مرتب کرکے براہ راست سربراہ مملکت کی نگرانی میں دے دی گئی۔

(ix) نجی شعبہ کو صنعتی پیداوار بڑھانے اوربرآمدات میں اضافہ کرنے کیلئے کئی محرکات (Incentives) دیئے گئے۔

(x) مختلف زری، مالیاتی اور درآمدی اور برآمدی اقدامات کے ذریعے عارضی بحرانوں کا مقابلہ کیا جاتا رہا۔ جس میں جزوی طور پر کامیابی حاصل ہوسکی۔

2.5 اہم نکات

(i) پہلے عشرے کے دوران ملکی صنعت اور اشیائے صرف کی صنعت نے نمایاں ترقی کی۔

(ii) صنعت پر اس توجہ کی وجہ سے زراعت پر توجہ کم ہوگئی۔

(iii) زرعی خام مال کی برآمدی آمدنی سے ہلکی صنعتوں کے قیام اور اشیائے صرف کی صنعت کو فائدہ پہنچا اور ہلکی صنعتوں مثلاً کپڑے کی صنعت سے حاصل شدہ منافع جات کی مدد سے کیمیکل،

چینی، کاغذ اور سیمنٹ کی صنعتوں کا قیام وقوع پذیر ہوا۔

(iv) پہلے عشرے کے دوران ذرائع آبپاشی، ذرائع توانائی، ذرائع آمدورفت اور مواصلات میں اضافہ کیا گیا جس سے آئندہ معاشی ترقی کی راہیں ہموار ہوگئیں۔

(v) معاشی منصوبہ بندی کی داغ بیل رکھی گئی اور کولمبو پلان اور پہلا پانچ سالہ منصوبہ اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اس عشرے کے دوران اختتام پذیر ہوئے۔

(vi) پہلے عشرے کے ابتدائی حصے میں معاشی سرگرمی کی کمی، سابقہ پسماندگی اور عدم تخفیف قدرت زر سے قیمتوں میں کمی کا رجحان رہا۔

(vii) پہلے عشرے کے ابتدائی حصے میں معاشی سرگرمی کی کمی، سابقہ پسماندگی اور عدم تخفیف قدر زر سے قیمتوں میں کمی کا رجحان رہا۔

(vii) اس عشرے کے دوسرے نصف میں قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا۔

(viii) اس عشرے کے آخر میں کی گئی تحویل خاسر نے بھی قیمتوں کی سطح کو بلند کیا۔ جس سے افراط زر پیدا ہوا۔

(ix) سابقہ کاروباری اور صنعتی تجربہ رکھنے والے آجرین نے ملکی منڈی کے اپنے حق میں سازگار ہونے، حکومت کی موافق پالیسی اور بیرونی مقابلے سے بے نیاز ہوکر ابتدائی دور میں غیر معمولی منافع جات کمائے جس سے دولت کی تقسیم ان کے حق میں رہی۔

(x) اس عشرے کے آخر میں زرعی اصلاحات کی بدولت دولت کی صورتحال بہتر کرنے کی کوشش کی گئی۔

2.6 خود آزمائی

8۔ پہلے عشرے (1950-60ء) کے دوران پاکستان میں زرعی ترقی کی سالانہ رفتار کتنے فیصد رہی۔

3 فیصد	30 فیصد

9۔ پہلے عشرے کے آغاز میں خام قومی پیداوار کا 60 فیصد انحصار زراعت پر تھا، اس عشرے کے آخر میں یہ انحصار کتنے فیصد رہ گیا۔

50 فیصد	10 فیصد

10۔ 1950ء سے 1960ء تک پھیلے ہوئے عشرے کے آخر میں ہماری خام پیداوار کا کتنا انحصار

صنعتی شعبے پر تھا۔

12 فیصد	82 فیصد

11۔ 1950ء سے 1960ء تک کے عرصہ پر محیط عشرے کے اختتام پر اسٹیٹ بینک آف پاکستان سے پہلی بار تحویل خاسر (خسارہ کی سرمایہ کاری) کرائی گئی۔ تحویل خاسر کی مالیت کتنی تھی۔

ڈیڑھ ارب روپے	10 ارب روپے

12۔ پہلے عشرے کے دوران رونما ہونے والی صنعتی ترقی کی بدولت کس طبقے کو زیادہ فائدہ ہوا۔

محنت کش طبقے کو	آجر حضرات کو

3۔ دوسرا عشرہ 1960ء تا 1970ء

3.1 معاشی افزائش کی صورتحال

اس عشرے کا آغاز دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی ابتداء کے ساتھ ہوا۔ اس عشرے کو معاشی افزائش کی رفتار کے لحاظ سے دو ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دور میں صنعت افروزی کی رفتار اتنی تیز رہی کہ اس دوران پاکستان کو ایشیا میں جاپان کے بعد دوسرے نمبر پر شمار کیا جانے لگا جبکہ دوسرے دور کے آغاز میں رن کچھ کا تنازعہ، پاک بھارت جنگ 1965ء اور آخری ڈیڑھ سال میں سیاسی افراتفری اور مارشل لاء کے نفاذ سے معاشی ترقی کی سابقہ رفتار برقرار نہ رکھی جاسکی۔

مجموعی طور پر یہ عشرہ پاکستان کی معاشی تاریخ میں ترقیاتی دور کی حیثیت سے مانا جاتا ہے اور اس میں پاکستان کی معاشی افزائش کی رفتار سابقہ اور آئندہ دونوں عشروں سے زیادہ رہی۔ اس عشرے کے دوران خام قومی پیداوار میں اوسطاً 5.7 فیصد سالانہ اضافہ ہوا۔ خام قومی پیداوار کی کل مالیت اس عشرے کی ابتدا میں 1762 کروڑ روپے کے برابر تھی جو 70-1969ء میں عشرے کے اختتام پر 3233 کروڑ روپے ہوگئی جبکہ فی کس آمدنی 373 روپے سالانہ (جو پچھلے عشرے کے اختتام پر) تھی بڑھ کر اس عشرے کے اختتام پر 542 روپے ہوگئی اس طرح فی کس آمدنی میں شرح افزائش اوسطاً 4.5 فیصد سالانہ رہی۔ مختلف اہم شعبوں کی صورتحال ذیل میں درج کی گئی ہے۔

(الف) زراعت:

زراعت میں مشینی کاشت کا رواج اس عشرے کی نمایاں خصوصیت ہے۔ سابقہ عشرہ کے اختتام پر زراعت سے حاصل ہونے والی کل آمدنی 771 کروڑ روپے تھی جو اس عشرے میں بڑھ کر 1257 کروڑ روپے کے برابر ہوگئی۔ یہ اضافہ اوسطاً 6.3 فیصد سالانہ کے برابر رہا۔ اس عشرے کے دوران میں زرعی پیداوار بڑھانے کیلئے بلڈوزرز، ٹیوب ویل، ٹریکٹر اور دوسری زرعی مشینری درآمد کی گئی۔ سیم وتھور پر قابو پانے کیلئے امریکی تعاون سے (SCARP) کا منصوبہ شروع کیا گیا جس نے زمین سے سیم وتھور کے اثرات زائل کرنے اور نئی زمین کو اس کے اثرات سے بچانے کیلئے کئی عملی صورتیں اختیار کیں۔ زراعت پر مبنی صنعتیں (Agro-based Industries) کی طرف توجہ دی گئی۔ چاول اور گندم کے اعلیٰ بیج میکسی پاک (Maxi Pak) اور اری پاک (Irri Pak) کے نام

سے میکسیکو اور فلپائن سے درآمد کئے گئے جن سے فی ایکڑ پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس ترقی کے باوجود خوردنی اجناس میں خود کفالت حاصل نہ کی جاسکی۔

(ب) صنعت:

پچھلے عشرے کے مقابلے میں اس عشرے کے آخر میں صنعتی پیداوار کی مالیت 200 کروڑ روپے سے بڑھ کر 518 کروڑ روپے ہوگئی۔ یہ اضافہ اوسطاً 16 فیصد سالانہ رہا۔ قومی آمدنی میں صنعت کا حصہ سابقہ عشرے کے اختتام پر 12 فیصد تھا جو اس عشرے کے اختتام پر بڑھ کر 16 فیصد ہوگیا۔ بھاری صنعت میں ڈیڑھ فیصد سے 9 فیصد تک اضافہ ہوا دوسرے عشرے کے دوران قابل ذکر قسم کی 22 صنعتیں کام کر رہی تھیں جن میں سگریٹ، چینی، وارنش، ایمونیم، سلفیٹ، سپر فاسفیٹ، سلک اور ریان وغیرہ میں اول سے آخر تک اضافے کی شرح 300 فیصد سے 1000 فیصد تک پہنچ گئی۔ یوریا کھاد کی پیداوار صرف اسی عشرے میں شروع ہوئی۔ کپڑے کی صنعت جو سابقہ عشرے میں ہی بہت ترقی کر چکی تھی اس عشرے میں بھی اس میں افزائش کا عمل جاری رہا اور عشرے کے اختتام پر اس میں شرح افزائش 30 فیصد کے برابر رہی۔

چمڑے اور چمڑے کی مصنوعات، کیمیکل صنعت میں سوڈا ایش کاسٹک سوڈا، گندھک کے تیزاب، رنگ پینٹ اور جراثیم کش ادویہ کے سلسلے میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ نیشنل شپنگ کارپوریشن کے تحت جہاز سازی کی صنعت کا قیام بھی اسی عشرے میں عمل میں لایا گیا جس نے اس عشرے کے آخر تک 2 جہاز تیار کئے۔

(ج) بیرونی تجارت:

1959-60ء کے مقابلے میں 1969-70ء میں برآمدات 67 کروڑ روپے سے بڑھ کر 160 کروڑ روپے ہوگئیں جبکہ درآمدات 180 کروڑ روپے سے بڑھ کر 328 کروڑ روپے ہوگئیں۔ اس عشرے کے اختتام پر برآمدات درآمدات کے صرف 49 فیصد کے برابر رہیں۔

اس عشرے کے دوران پاکستان برآمدات میں ایک نئے زمرے (Category) یعنی اشیائے خوردنی کا اضافہ تھا۔ اس عشرے کے دوران بیرونی تجارت میں برآمدات کو بڑھانے، درآمدات کو کم کرنے، نئی منڈیاں تلاش کرنے اور درآمدی بدل دریافت کرنے کے لئے بہت کام کیا گیا۔ ان مقاصد کی خاطر جو اقدامات کئے گئے ہیں ان میں یہ شامل ہیں۔

برآمدی بونس اسکیم کا اجراء، بین الاقوامی میلوں کا انعقاد اور شرکت، ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان کا قیام، برآمدی اشیا کی کوالٹی کی ضمانت اور برآمدی کریڈٹ گارنٹی اسکیم کا نفاذ اور تجارتی دفاتر وغیرہ۔

3.2 افراط زر کی صورتحال

1959-60ء کی بنیاد پر دوسرے عشرے کی ابتداء میں تھوک قیمتوں کا اعشاری عدد 103 تھا جو اس عشرے کے آخر میں 143 ہو چکا تھا اور اس میں اشیائے خوردنی میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا تھا جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(i) بھاری صنعت کے قیام میں سرمائے کی لامحدود ضروریات پوری کرنے کیلئے زر کی رسد میں پھیلاؤ اور اضافے سے ملک میں افراط زر بڑھنے لگی۔

(ii) درآمدی صنعتی خام مال پر مبنی صنعتی خام مال کی عدم دستیابی کی بنا پر اکثر بحران کا شکار ہوتی رہیں اور قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتی رہیں مثلاً بناسپتی گھی۔

(iii) صنعتی یونٹوں کی پیداواری استعداد (Production Capacity) سے کم پر چلنے کی وجہ سے فی اکائی لاگت میں اضافہ ہوتا رہا جو صارفین پر ڈالا جاتا رہا۔

(iv) برآمدی بونس سکیم بھی افراط زر میں اضافے کا موجب بن۔

(v) اس عشرے کے دوران 373 کروڑ روپے کی برابر تمویل خاسر (Deficit Financing) کی گئی جس نے افراط زر کی شدت میں کافی اضافہ کیا۔

3.3 تقسیم دولت کی صورتحال

دوسرے عشرے کے ابتدائی سالوں میں تقسیم دولت کی صورتحال پہلے عشرے سے بہت بہتر تھی کیونکہ قیمتوں میں اضافہ ابھی حد سے نہیں بڑھا تھا۔ سابقہ عشرے کے آخر میں قیمتوں میں کمی کی جو سرکاری کوشش کی گئی تھی اس کے اثرات دوسرے عشرے کے آغاز تک باقی تھے۔ عوام کی قوت خرید زر کی مناسب قدر کی بنا پر معقول حد پر تھی۔ نیز اصلاحات اراضی (Agricultural Reforms) کی بدولت زرعی شعبہ میں ملکیت اراضی میں تبدیلیوں اور اشتمال اراضی (Consolidtion of Holding) کی وجہ سے تقسیم دولت میں صحت مند تبدیلیاں آئیں اور مختلف طبقوں کے درمیان معاشی عدم مساوات (Economic Disparity) میں نمایاں کمی واقع ہوئی اور غیر حاضر زمینداروں (Absentee Landlords) کی حوصلہ شکنی ہونے اور اراضی کے بے شمار چھوٹے چھوٹے کفالتی قطعات (Subsistance Holdings) کو بڑے بڑے معاشی قطعات اراضی (Economic Holdings) میں تبدیل کرنے سے زرعی پیداوار اور زرعی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا اور تقسیم دولت میں بھی بہتری پیدا ہوئی۔

تاہم دوسرے عشرے کے آخر تک صورتحال دوبارہ دگرگوں ہوچکی تھی جس کی وجہ سے معیشت کے مجموعی وسائل کے ایک بڑے حصے پر ان چند خاندانوں کا اختیار حاصل کرلینا تھا جو قیام پاکستان سے پہلے میدان صنعت میں موجود تھے بدقسمتی سے اصلاحات اراضی 1959ء کے تحت بھی ملک سے جاگیرداری کے نظام کا خاتمہ نہ کیا جاسکا۔ اس طرح عوامی محرومیوں میں زیادہ کمی واقع نہ ہوئی اور ملک میں مزدوروں اور مقررہ آمدنی پانے والے عوام اور ملازمین معاشی ترقی کے ثمرات میں اپنا حصہ نہ پاسکے اور ان کے معیار زندگی میں کوئی قابل قدر اضافہ نہ ہوسکا۔

3.4 دوسرے عشرے کی کارگزاری

(i) منڈیوں میں ناکاملیات (Imperfetions) کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے پیداواری مراکز کے قریب جدید منڈیاں قائم کی گئیں جن کے ساتھ گوداموں اور کولڈ اسٹوریج کی سہولتیں بھی مہیا کی گئیں۔

(ii) زراعت کی ترقی کیلئے تحریک 'امداد باہمی' کو از سرنو جلا بخشی گئی۔

(iii) مشینی کاشت کو متعارف کرایا گیا نیز بڑے پیمانے پر کیمیاوی کھاد درآمد شدہ اعلیٰ بیجوں اور جدید زرعی دواؤں کے ہوائی سپرے کے ذریعے نہ صرف فی ایکڑ پیداوار کو بڑھایا گیا بلکہ رقبہء کاشت میں بھی نمایاں اضافہ کیا گیا۔

(iv) سیم و تھور کے خاتمے کے لئے نہایت اہم اقدامات کرتے ہوئے اسکارپ اسکیم (Scarp Scheme) کے تحت متاثرہ علاقوں کے بہت بڑے رقبے کو بنجر ہونے سے بچانے کے اقدامات کئے گئے۔

(v) بھارت کے ساتھ سندھ طاس منصوبے پر عمل کرکے آبپاشی کے دیرینہ مسئلے کو حل کرلیا گیا۔ بجلی اور آبپاشی کی استعداد کو بڑھانے کے لئے منگلا ڈیم جیسا عظیم کثیر المقاصد منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچایا گیا۔

(vi) دوسرے عشرے کے اختتام تک ہلکی صنعت میں خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ بھاری صنعت کو اپنانے کیلئے پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن (PIDC) کو زیادہ بااختیار بنایا گیا۔

(vii) مختلف شہریوں میں صنعتی اسٹیٹس (Industrial Estates) کے قیام کی بدولت گھریلو صنعتوں اور ہلکی صنعتوں کو تحفظ دیا گیا۔

(viii) پاکستان زرعی ترقیاتی بینک (ADBP) پاکستان صنعتی ترقیاتی بینک (IDBP) پاکستان سرمایہ

کاری کارپوریشن (ICP) اور دیگر مالی ادارے قائم کرکے زرعی، صنعتی اور برآمدی استعداد کو بڑھایا گیا۔

(ix) تقسیم دولت میں خرابیوں کو دور کرنے اور افراط زر کے کنٹرول کے لئے مختلف زری (Monetary) مالیاتی (Fiscal) اور (تجارتی برآمدی درآمدی) پالیسیاں (Policies) اختیار کرکے سالانہ میزانیوں کے عارضی بحرانوں پر قابو پانے کی کوششیں کی جاتی رہیں جن میں جزوی طور پر کامیابی حاصل ہوئی۔

3.5 اہم نکات

(i) اس عشرے کا آغاز دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی ابتداء کے ساتھ شروع ہوا اور پہلے پانچ سالوں کے دوران توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

(ii) خام قومی پیداوار اور فی کس آمدنی میں اضافے کی شرح سابقہ عشرے سے تیز رہی۔

(iii) زراعت کی طرف توجہ دیتے ہوئے مشینی کاشت کورواج دیا گیا اور فی ایکڑ پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ زرعیر قبے میں بھی اضافہ کیا گیا۔

(iv) سیم تھور کے خاتمے کیلئے بیرونی امداد سے اسکارپ اسکیم کوشروع کیا گیا جس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

(v) صنعتی ترقی کی رفتار سابقہ عشرے سے تیز رہی۔ بھاری صنعت کی طرف توجہ دی گئی۔

(vi) بیرونی تجارت میں برآمدات کو بڑھانے کے لئے مؤثر اقدامات کئے گئے۔

(vii) معاشی ترقی میں اضافے اور روزگار کی سطح بلند ہونے سے افراط زر میں اضافہ ہوا۔

(viii) تقسیم دولت کی صورتحال بہتر بنانے کے لئے زرعی اصلاحات پر عمل درآمد جاری رہا لیکن غیر مربوط صنعتی افزائش سے آمدنی اور دولت کی تقسیم پر مضر اثرات مرتب ہوئے۔

3.6 خود آزمائی

13۔ 1960ء سے 1970ء تک پھیلے ہوئے عشرے میں پاکستان کی خام قومی پیداوار میں کتنے فیصد اضافہ ہوا۔

57 فیصد	11.4 فیصد

14۔ دوسرے عشرے کے اختتام پر پاکستان کی فی کس آمدنی کتنی ہوگئی؟

542 روپے	942 روپے

15۔ زراعت میں مشینی کاشت کو کس عشرے میں رواج دیا گیا؟

پہلے عشرے میں	دوسرے عشرے میں

16۔ 1970ء تک پہنچ کر ہماری قومی آمدنی کا حصہ کتنے فیصد ہوگیا؟

16فیصد	36فیصد

17۔ دوسرے عشرے کے اختتام پر ہماری برآمدات ہماری درآمدات کا کتنے فیصد تھیں۔

49 فیصد	29فیصد

18۔ خسارہ کی سرمایہ کاری کے لئے دوسرے عشرے کے دوران کتنی مالیت کے نئے نوٹ جاری کئے گئے؟

373 کروڑ روپے	700 کروڑ روپے

4۔ تیسرا عشرہ 1970ء تا 1980ء

4.1 معاشی افزائش کی صورتحال

1970ء تا 1980ء کا عشرہ اپنے اندر بہت سے موڑ لئے ہوئے ہے۔ اس عشرے کے آغاز میں ملکی حالت سخت خراب تھی۔ پاکستان کو سقوط ڈھاکہ کا صدمہ برداشت کرنا پڑا پھر اس کے بعد تیسرے سال سے ساتویں سال تک مخلوط معیشت (Mixed Economy) کے سابقہ نہج سے ہٹ کر صنعتوں کو قومیانے کی پالیسی پر عمل کیا گیا جس میں کامیابی ہونے کی بجائے معاشی ارتقاء کا عمل سست ہوگیا۔ اسی دوران پاکستان کی تاریخ میں سب سے بڑی تخفیف قدر زر (Devaluation) کی گئی۔ مختلف قسم کی پالیسیاں وضع کی گئیں لیکن ان پر عمل درآمد نہ ہوسکا اس کی جگہ پہلے سات سال تک سالانہ عارضی منصوبہ (Annual Development Programme) نے لئے رکھی۔ اس عشرے کے آخری سالوں میں عرصہ طویل کی منصوبہ بندی کا از سرنو آغاز کرتے ہوئے پانچواں پانچ سالہ منصوبہ (1978ء تا 1983ء) سے شروع کیا گیا۔ نقصان میں جانے والی صنعتوں کو واگزار کردیا گیا۔ معاشی افزائش کی رفتار سابقہ سالوں سے بہتر علامات دکھانے لگی۔

اس عشرے کے آغاز میں فی کس آمدنی 526 روپے سالانہ تھی۔ جو اس عشرے کے مکمل ہونے پر 663 روپے ہوگئی۔ اس طرح اس دوران فی کس آمدنی میں کل اضافہ 26 فیصد ہوا۔ جو اوسطاً 2.6 فیصد سالانہ بنتا ہے۔

ذیل میں ہم اس عشرے کے دوران اہم معاشی شعبوں کی کارکردگی پر بحث کریں گے۔

(الف) زراعت:

اس عشرے کے آغاز میں زراعت کا حصہ 1257 کروڑ کے برابر تھا جو اس عشرے کے اختتام پر 1585 کروڑ روپے کے برابر ہوگیا۔ اس طرح زراعت میں اوسط اضافہ 3 فیصد سالانہ رہا۔ اس عشرے کے دوسرے سال کے دوران 1972ء مین زرعی اصلاحات کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق بارانی زمین کی حد ملکیت 1000 ایکڑ سے گھٹا کر 300 ایکڑ کردی گئی اور نہری حد ملکیت 150 ایکڑ کردی گئی۔ کئی ایک دیگر اقدامات بھی کئے گئے لیکن زرعی پیداوار میں اضافے کی شرح سابقہ عشرے کی نسبت گر گئی جس کے نتیجے میں خود کفالت کا جو اندازہ دوسرے عشرے کے اختتام کے بعد لگایا گیا تھا پورا ہونا مشکل نظر آنے لگا، جس کے نتیجے میں غذائی قلت کا بحران پیدا ہوگیا جو اس عشرے کے پہلے نصف پر زیادہ سخت رہا۔ بعد کے سالوں میں خوردنی اجناس کی پیداوار میں اضافے کی طرف

خصوصی توجہ سے اس عشرے کے آخری سالوں کے دوران گندم کی پیداوار میں اضافہ ہوتا چلا گیابالآخر اس عشرے کے اختتام پر ملک خوراک کے معاملے میں خودکفیل ہوگیا اور گندم کی پیداوار ایک کروڑ 9 لاکھ ٹن ہوگئی۔ اس عشرے کے اختتام تک کپاس کی پیداوار 44000 گانٹھ کو پہنچ گئی۔

(ب) صنعت:

اس عشرے کے آغاز میں صنعتی شعبہ کی کل پیداوار 518 کروڑ روپے کے برابر تھی۔ جو بتدریج بڑھتے بڑھتے تیسرے عشرے کے آخر میں 774 کروڑ روپے تک پہنچ گئی۔ اس عشرے کے دوران کل اضافہ 46 فیصد اور اوسطاً 4.6 فیصد رہا۔

2 جنوری 1972ء کو جن صنعتوں کو قومیایا گیا، ان میں سے 3 سیمنٹ کی صنعت سے،4 کیمیکل اور پیٹرو کیمیکل سے،6 آٹو موبائل اور ٹریکٹر سے، 2 سٹیل ری رولنگ اور 4 ہلکی صنعت اور فونڈری سے متعلقہ تھیں۔ وقتاً فوقتاً قومیائے ہوئے مجموعی طور پر 54 صنعتی یونٹوں سے 15 نفع بخش طریقے پر رہے اور باقی 39 مختلف اسباب کی بنا پر خسارے کا شکار رہے۔ نقصان برداشت کرنے والے اکثر یونٹوں کو اس عشرے کے اختتام تک دوبارہ نجی شعبہ کے حوالے کردیا گیا۔ تیسرے عشرے کے اختتام تک پاکستان نے کئی صنعتوں میں نمایاں مقام حاصل کیا ہے مثلاً شیشے کی صنعت کے میدان میں ملک خودکفالت کے قریب پہنچ چکا ہے۔ شیخوپورہ میں شیشے کی مصنوعات بنانے والے کارخانے کے تیار ہونے کے بعد زرمبادلہ پر یہ بوجھ بہت حد تک کم ہوجائے گا۔ جہاز سازی میں بہت کامیابی حاصل ہوئی اور پاکستان نے چین کوریا اور ایران کے لئے 30 سے زیادہ چھوٹے قسم کے جہاز تیار کئے ہیں اور بنگلہ دیش کے لئے ریلوے کی بوگیاں اور ویگنیں بنا کردیں۔

(ج) بیرونی تجارت:

اس عشرے کے آغاز میں برآمدات کی کل مالیت 160 کروڑ روپے تھی جبکہ درآمدات 328 کروڑ روپے کے برابر تھیں۔ اس طرح کل خسارہ 168 کروڑ روپے کے برابر تھا۔ جو بڑھتے بڑھتے 81-1980ء تک 21 ارب تک پہنچ گیا۔ 73-1972ء اس پورے عشرے میں واحد ایک سال تھا جس میں ادائیگیوں کا توازن پاکستان کے حق میں رہا۔ اس عشرے کی ابتدا میں درآمدات میں52 فیصد اشیائے سرمایہ، 37 فیصد صنعتی خام مال اور 11 فیصد اشیائے صرف شامل تھیں جبکہ اس عشرے کے آخر میں ہماری درآمدات میں 33 فیصد اشیائے سرمایہ 46 فیصد صنعتی خام مال اور 21 اشیائے صرف پر مبنی تھیں۔

4.2 افراط زر کی صورت حال

اس عشرے کے آخر میں ہماری معیشت نے بعض بھاری صنعتوں میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ مثلاً ریل کے بوگیاں اور ویگنیں، بسوں کی باڈیاں، چھوٹے جہاز، چینی کے کارخانے کی مشینری، دفاعی نوعیت کی بھاری صنعت، لوہے اور فولاد کی درمیانے درجے اور بھاری قسم کی مصنوعات وغیرہ۔ اگر 70-1969ء ہی کو بنیادی سال کے طور پر لیا جائے تو تیسرے عشرے کی ابتداء میں اشیاء کی تھوک قیمتوں کا اعشاری عدد 106 تھا جس میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ 80-1979ء کا اعشاری عدد 316 بنتا ہے۔

افراط زر کی وجوہات میں اہم وجہ زر کی رسد میں اضافہ ہے۔ اس کے علاوہ اس عشرے میں سکے کی قیمت کو 144 فیصد کم کرنا بھی قیمتوں میں اضافہ کا سبب بنا۔ نیز 4 دفعہ سرکاری ملازمین اور مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ سے بھی افراط زر کا مسئلہ رونما ہوا۔ صنعتی جھگڑوں کے سبب پیداوار میں کمی رونما ہوئی اور قیمتیں بڑھ گئیں۔ تیل اور پٹرول کی عالمی قیمتوں سے بھی ہمارے ہاں قیمتوں میں اضافہ ہوا۔ بیرون ملک کام کرنے والے پاکستانیوں کی طرف سے بھیجی ہوئی رقوم کے سبب بھی قیمتوں میں اضافہ کا رجحان پیدا ہوا ہے سرمایہ کاری کے منصوبوں اور تعمیراتی کاموں کے طفیل بھی قیمتیں بہت بڑھیں۔

4.3 تقسیم دولت کی صورتحال

تیسرے عشرے کے پہلے آٹھ سالوں کے دوران تقسیم دولت کو منصفانہ طریق پر تقسیم کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن وہ کوششیں زیادہ بارآور ثابت نہ ہوئیں۔ مزدور اصلاحات 1972ء اور اصلاحات اراضی 1972ء میں بنیادی نقطۂ نظر سماجی انصاف کی دادرسی اور تقسیم آمدنی و دولت کو زیادہ منصفانہ بنانا تھا لیکن متوقع نتائج سامنے نہ آسکے اور نہ ہی عوام کی اکثریت کے معیار زندگی میں کسی قسم کا کوئی اضافہ ہوا۔ اور نہ ہی طبقاتی منافرت میں کمی آئی بلکہ سرمایہ دار اور غیر سرمایہ دار کے لیبل نے طبقاتی کشمکش کو اور ہوا دی۔

اس دوران مالیاتی پالیسی کے مختلف اوزاروں (Tools) کو بھی آزمایا گیا۔ ٹیکسوں کا زیادہ حصہ باثروت لوگوں سے وصول کرنے اور کم آمدنی والے لوگوں پر اس کے بوجھ کو کم کرنے، قیمتوں پر کنٹرول کرنے، سرمایہ کاری میں کم آمدنی والے لوگوں کو شریک کرنے سے لے کر مختلف اعانے دینے، اشیائے صرف کی قیمتوں میں رعائتیں دینے وغیرہ کے باوجود امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا گیا۔

تیسرے عشرے کے آخر میں ایک طرف زکوٰۃ کا نظام نافذ کیا گیا تو دوسری طرف ملک کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کیلئے مساوی شراکت نفع و نقصان کی بنیاد پر بچت اکاؤنٹ کھولے گئے۔ اس عشرے کے آخر میں بینکوں

نے کھاتے داروں کوزیادہ منافع ادا کیا۔ نیز حکومت نے زکوٰۃ کی تقسیم کو مؤثر بنانے کے اقدامات کئے۔ اس طرح تیسرے عشرے کے اختتام پر تقسیم دولت کے تفاوت (Disparity) کو کم کرنے کے سب سے زیادہ قابل عمل طریقوں کو اپنانے کے آغاز سے ہوا۔

4.4 تیسرے عشرے کی کارکردگی

1۔ اس عشرے کی ابتداء میں پیش آنے والے حادثہ سقوط ڈھاکہ کے اثرات زائل کرنے کیلئے پوری کوششوں کے باوجود مکمل کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

2۔ ابتدائی سالوں میں سماجی انصاف دلانے کے لئے زرعی، لیبر اور صنعتوں کو قومیانے کی پالیسیوں کا نفاذ کیا گیا۔ جن کے نتائج دیرپا ثابت نہ ہوسکے اور الٹا افراط زر اور تقسیم دولت میں خرابیاں بڑھ گئیں۔

3۔ ابتدائی سالوں ہی میں تخفیف قدر زر کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے برآمدات میں ہونے والے اضافے سے وقتی طور پر توازن ادائیگی میں بہتری ہوئی لیکن اس کے نتائج ملک کے لئے آئندہ مزید خرابیوں کے پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

4۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد معیشت میں بہت سی ساختی (Structural) تبدیلیاں لائی گئیں۔ کپاس اور چاول کی فصلوں پر از سر نو توجہ دیتے ہوئے ان کی پیداوار اور برآمدی مقدار میں اضافہ کرنے کیلئے نئی منڈیاں تلاش کی گئیں اور دیگر ضروری اقدامات کئے گئے۔

5۔ خوراک کی قلت اور ترسیل کے مسائل پر قابو پانے کیلئے پاکستان لاجسٹک سیل کے نام سے ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا، جس نے خوراک کی قلت اور بروقت فراہمی نیز نقل وحمل کیلئے بیش قیمت خدمات انجام دیں۔

6۔ بھاری صنعتوں کے قیام کے سلسلے میں کافی پیش رفت ہوئی۔ کراچی، ٹیکسلا ، واہ اور ضلع اٹک کے نواح میں بھاری صنعت کے کئی ایک منصوبے شروع کرکے تکمیل تک پہنچائے گئے۔

7۔ ملک نے پہلی بار عشرے کے آخری سال گندم میں خود کفالت حاصل کی اور خوراک کا مسئلہ بطریق احسن حل کرنے کے اقدامات میں کامیابی ہوئی۔

4.5 اہم نکات

1۔ مخصوص ملکی حالات کی بنا پر اس عشرے کا آغاز معاشی بدحالی کی صورت میں ہوا۔

2۔ اس عشرے کے ابتدائی سالوں میں زرعی اصلاحات کا دوبارہ نفاذ کیا گیا اور حد ملکیت کی کم از کم شرح کو اور گھٹا دیا گیا۔

3۔ انہی ابتدائی سالوں میں مختلف صنعتوں کو قومیانے کی پالیسی پر عمل کیا گیا اور بینک اور بیمہ کمپنیاں بھی سرکاری تحویل میں لے لی گئیں۔

4۔ تخفیف قدر زر کی وجہ سے اس عشرے کے دوران 1973ء میں ادائیگیوں کا توازن معمولی طور پر پاکستان کے حق میں رہا لیکن اس کے بعد غیر موافق ہی رہا۔

5۔ اس عشرے کے آغاز میں افراط زر کی صورتحال سنگین ہو گئی جس کی اہم وجوہات سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور اجرتوں میں بار بار اضافہ، زر کی رسد میں اضافہ۔ تخفیف قدر زر، پٹرولیم اور تیل کی قیمتوں میں اضافہ تھیں۔

6۔ اس عشرے میں تقسیم دولت کی صورتحال میں اس وقت بہتری کے آثار نظر آنے لگے جب آخری سالوں میں زکوٰۃ فنڈ کی بنیاد رکھی گئی اور کم آمدنی والے مفلوک الحال طبقوں کی معاشی بدحالی کو کم کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔

4.6 خود آزمائی

19۔ 1971ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد پاکستان میں کونسی منصوبہ بندی اختیار کی گئی؟

طویل عرصے کی منصوبہ بندی	سالانہ منصوبہ بندی

20۔ تیسرا عشرہ جو 1970ء سے 1980ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے دوران پاکستان میں فی کس آمدنی کہاں تک پہنچ گئی۔

663 روپے تک	963 روپے

21۔ 1972ء کی زرعی اصلاحات کے مطابق اراضی کی حد ملکیت کتنی رکھی گئی۔

150 ایکڑ	500 ایکڑ

22۔ تیسرے عشرے کے آخر میں گندم کی پیداوار کہاں تک پہنچی؟

ایک کروڑ 9 لاکھ ٹن	85 لاکھ ٹن

23۔ تیسرے عشرے کے دوران صنعتی ترقی کی سالانہ رفتار کیا رہی؟

4.6 فیصد	10.6 فیصد

24۔ صنعتوں کو قومیانے کی پالیسی کا آغاز کس عشرے میں ہوا؟

پہلے عشرے میں	تیسرے عشرے میں

25۔ تیسرے عشرے میں قیمتوں میں اضافہ کی ایک وجہ عالمی سطح پر تیل اور پٹرول میں اضافہ بھی تھا۔ کیا یہ بات درست ہے؟

نہیں	ہاں

26۔ تیسرے عشرے میں کیا پاکستان کا توازن ادائیگی کبھی مثبت بھی رہا؟

نہیں	ہاں

27۔ 1970ء سے 1980ء تک کے عشرے میں بیرون ملک سے پاکستان میں آنے والی رقومات سے بھی افراط زر کا مسئلہ سنگین ہوگیا۔ کیا آپ متفق ہیں؟

نہیں	ہاں

28۔ نظام زکوٰۃ کے نفاذ اور سود کے خاتمہ سے دولت کی تقسیم میں مدد ملنے کی توقع ہے۔ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں؟

نہیں	ہاں

تقابلی گوشوارے

تینوں عشروں کے دوران پاکستان کی معاشی حالت کا مطالعہ کرنے کے بعد آیئے ان عشروں کے دوران رونما ہونے والی صورتحال کا باہمی تقابل کرتے ہیں۔ ذیل میں دو گوشوارے دیئے جارہے ہیں۔ پہلے گوشوارہ میں 1950ء تا 1960ء والے عشرہ کا۔ 1960ء تا 1970ء والے عشرہ سے مقابلہ کیا گیا۔ اور دوسرے گوشوارہ میں 1960ء تا 1970ء والے عشرہ کا 1970ء تا 1980ء والے عشرہ سے تقابل پیش کیا گیا ہے۔

گوشوارہ نمبر 1

پہلے اور دوسرے عشرے کا موازنہ

عنوان	1950ء تا 1960ء	1960ء تا 1970ء	کیفیت
(الف) معاشی شرح افزائش	1۔ ملکی صنعت کی بنیاد رکھی گئی	1۔ بھاری صنعت کا آغاز کیا گیا	دوسرے عشرے کے دوران معاشی شرح افزائش ہر لحاظ سے پہلے عشرے سے بہتر رہی
	2۔ معاشی منصوبہ بندی شروع کی گئی	2۔ معاشی منصوبہ بندی میں سابقہ تجربات کی روشنی میں مقررہ اہداف سے بڑھ کر صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوا۔	
	3۔ بنیادی اہمیت کے بڑے بڑے منصوبے مکمل کیے گئے	3۔ بنیادی ہیکل اثاثی سے متعلقہ مزید منصوبوں پر کام مثلاً منگلا ڈیم بنا۔	
(ب) افراط زر کی صورتحال میں	1۔ عشرے کے ابتدائی سالوں میں قیمتیں گرنے کا رجحان رہا۔	1۔ معاشی منصوبہ بندی پر سرگرمی سے عمل کی وجہ سے آغاز عشرہ سے ہی قیمتوں میں اضافے کا رجحان رہا۔	پہلے عشرے کی نسبت دوسرے عشرے میں افراط زر میں زیادہ اضافہ ہوا۔

	2۔عشرے کے آخری سالوں میں قیمتیں بڑھنے لگیں۔	2۔ روزگار کی سطح بلند ہونے اور معیارصرف میں اضافے سے قیمتیں عشرے کے تمام سالوں میں بلند ہوتی رہیں لیکن آخری سالوں میں ان میں تیزی سے اضافہ ہوا۔	
عنوان	1950ء تا 1960ء	1960ء تا 1970ء	کیفیت
	3۔عشرے کے اختتام پر قیمتوں پر سخت کنٹرول قائم کر کے ان میں اضافہ روک دیا گیا۔	3۔ قیمتوں پر کنٹرول مؤثر طور پر نہ کیا جاسکا اور عشرے کے آخری سالوں میں قیمتوں میں اضافے سے افراط زر میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔	
	4۔ 150 کروڑ روپے کی تمویل خسار کی گئی	4۔ 37 کروڑ روپے کے برابر تمویل خسار کی گئی۔	
(ج)تقسیم دولت کی صورتحال	1۔ پہلے عشرے کے دوران دولت کی تقسیم کچھ زیادہ بہتر نہ ہوسکی۔	1۔ دوسرے عشرے کے ابتدائی سالوں میں دولت کی تقسیم کی صورتحال تسلی بخش رہی لیکن بعد کے سالوں میں چند خاندانوں میں دولت کا ارتکاز ہونے لگا۔	دونوں عشروں کے دوران کم آمدنی والے لوگوں اور مردوں کو معاشی افزائش کے ثمر میں بہت کم ملا اور ان کے معیار زندگی پر بہتر اثرات ظاہر نہ ہوئے۔
	2۔ عشرے کے آخری سالوں کے دوران روزگار کی سطح بلند ہوئی۔	2۔ دوسرے عشرے کے تمام سالوں کے دوران روزگار میں اضافہ جاری رہا۔	
	3۔عام آدمی کے معیار زندگی پر کوئی خاص خوشگوار اثر نہ پڑا۔	3۔ عام آدمی کے معیار زندگی پر زیادہ اچھا اثر نہ پڑا۔ البتہ سابقہ معیار بود و باش کی سطح میں اس عشرے کے دوران کچھ اضافہ ہوا	

گوشوارہ نمبر 2

دوسرے اور تیسرے عشرے کا موازنہ

عنوان	1960ء تا 1970ء	1970ء تا 1980ء	کیفیت
1۔ معاشی افزائش کی صورتحال	1۔ بھاری صنعت کا آغاز کیا گیا	بھاری صنعت کی ترقی کی رفتار بہت سست پڑ گئی	دوسرے عشرے کے دوران معاشی افزائش کی رفتار تیسرے عشرے سے بہتر تھی
	2۔معاشی منصوبہ بندی میں سابقہ تجربات کی روشنی میں مقررہ اہداف سے بڑھ کر صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوا	ابتدائی سالوں میں معاشی منصوبہ بندی کا کوئی ہدف بھی پورا نہ کیا جاسکا۔ درمیانی سالوں میں منصوبہ بندی کے تعطل سے پیداوار گھٹنے لگی تاہم اس عشرے کے آخری سالوں میں خوراک میں پہلی دفعہ خود کفالت حاصل کر لی گئی۔	
	3۔ بنیادی بھاری منصوبوں سے متعلقہ مزید منصوبوں پر کام جاری رہا اور اس عشرے میں منگلا ڈیم کی تکمیل ہوئی	بنیادی بھاری منصوبوں سے متعلقہ منصوبوں پر کام جاری رہا اور اس دوران تربیلا ڈیم کی تکمیل ہوئی۔	
(ب) افراط زر کی صورتحال	1۔ معاشی منصوبہ بندی پر سرگرمی سے عمل کرنے کی وجہ افراط زر کے آثار پیدا ہوگئے	عشرے کی ابتداء میں پیش آنے والے حالات اور تخفیف قدر زر کی وجہ سے افراط زر کی صورتحال زیادہ خراب ہوگئی	تیسرے عشرے کے اختتام پر افراط زر کے بڑھتے ہوئے آثار کو کنٹرول کرلیا گیا اور قیمتوں میں اضافے کا وہ رجحان جو دوسرے عشرے کے آخر سے شروع ہوکر تیسرے عشرے کی ابتدا تک تیزی سے بڑھ رہا تھا قابو کرلیا گیا۔

عنوان	1960ء تا 1970ء	1970ء تا 1980ء	کیفیت
	2۔ قیمتوں پر مؤثر کنٹرول حاصل نہ کیا جاسکا جس سے افراط زر کی سطح بلند ہوتی رہی	ابتدائی سالوں میں قیمتوں پر کنٹرول کی صورتحال مزید خراب ہوگئی جس سے افراط زر میں اضافے کی شرح میں پچھلے دونوں عشروں سے زیادہ اضافہ ہوا	
	3۔افراط زر کی بڑی وجوہ معاشی ترقی میں تیزی اور تمویل خاسر تھیں	افراط زر کی بڑی وجوہ تخفیف قدر زر، تمویل خاسر اور ملازمین کی تنخواہوں اور اجرتوں میں اضافہ	
(ج)تقسیم دولت کی صورتحال	1۔ دولت کی تقسیم میں زیادہ حصہ صنعت کاروں کو ملا	ابتدائی سالوں کے دوران تقسیم دولت میں فرق کم کرنے کی کوششوں میں وقتی کامیابی حاصل ہوئی لیکن منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے اور بدعنوانی کے رجحان کی وجہ سے اس کی اثرات پائیدار ثابت نہ ہوسکے۔	دولت کی منصفانہ تقسیم زکوٰۃ کے نظام کے نفاذ کی بدولت دوسرے عشرے کی نسبت تیسرے عشرے کے اختتام تک زیادہ تسلی بخش رہی۔
	2۔ روزگار میں اضافہ معاشی ترقی کی بدولت پہلے عشرے سے زیادہ ہوا۔	روزگار میں اضافے کا رجحان جاری رہا۔	
	3۔عام آدمی کے معیار زندگی پر کوئی اچھا اثر نہ پڑا۔	عشرے کے آخری سالوں میں زکوٰۃ کے نظام کو مؤثر طور پر جاری کرنے سے معاشی تفاوت کو کم ہونے لگا اور عام آدمی کے معیار زندگی میں بھی اضافے کے آثار نظر آنے لگے۔	

5۔موجودہ عشرہ 2000ء تا 2008ء

5.1 معاشی افزائش کی صورت حال

موجودہ عشرہ کے آغاز میں صنعتی، مالیاتی اور دیگر شعبہ نے کافی ترقی کی ہے۔ زراعت کا حصہ پاکستان کی GDP میں اگرچہ کم ہوا ہے مگر اب بھی 8-2007ء کے اعداد وشمار کے مطابق یہ پاکستان کی معیشت کا سب سے بڑا شعبہ ہے جو تقریباً GDP کا 21 فیصد بنتا ہے اور جمعیت محنت (Labour Force) کا 44 فیصد حصہ اس شعبہ میں کھپا ہوا ہے جبکہ مالیاتی حالات اس عشرے کے شروع میں کافی بہتر تھے اور فارن ریزرو (Foreign Reserve) تیزی سے پھیل رہے تھے اور پاکستان نے IMF سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ نائن الیون کے واقعہ کے بعد غیر ممالک میں مقیم پاکستانیوں کا اپنا پیسہ پاکستان میں بھیجنا اور پاکستانی حکومت کا امریکہ کا حلیف بننے کا فیصلہ تھا۔ تاہم سال 2008-2007ء میں صنعتی شعبہ کی نشوونما کی شرح صرف 5.4% رہ گئی جبکہ اس نشوونما کی شرح 10.9% متوقع تھی۔ صنعت، زراعت اور دوسرے شعبہ جات میں یہ کمی سیاسی رسہ کشی، امن و امان میں نقص، بجلی و گیس کی کمی اور زر کی کمی کے ساتھ کاروباری لاگت میں زیادتی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ذیل میں مختلف شعبوں کی صورت حال درج کی گئی ہے۔

5.2 زراعت

پاکستان کی تقریباً دو تہائی آبادی دیہی علاقوں میں رہائش پذیر ہے۔ اور ان کا روزگار زراعت اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں سے ہے۔

زراعت کے شعبہ میں نشوونما کی رفتار پچھلے سات آٹھ سالوں میں 1.5 فیصد سے 6.5 فیصد کے درمیان رہی ہے۔ زراعت کی نشوونما کی شرح میں یہ غیر مستقل مزاجی زیادہ تر خراب فصلوں کی مرہونِ منت ہے جس کی وجہ غیر معیاری زرعی ادویات کا استعمال اور مختلف بیماریوں کا فصلوں پر حملہ کرنا ہے۔

08-2007ء میں زراعت کے شعبہ نے بہت کمزوری دکھائی اور صرف 1.5 فیصد نشوونما کی شرح حاصل کر سکی۔ جبکہ متوقع نشوونما کی شرح 4.8 فیصد تھی۔ تاہم لائیو سٹاک و چھوٹی فصلوں اور ماہی گیری نے زراعت کے شعبے کو کافی سہارا دیا اور بڑی فصلوں میں کمی کا کافی حد تک تدارک کیا اور نشوونما کی شرح کو 1.5 فیصد تک پہنچانے میں مدد دی۔ موجودہ مالیاتی سال 08-2007ء میں خریف کی فصلوں جیسے چاول، گنا اور کپاس کے لیے پانی کی

مقدار 5.5 فیصد نارمل سپلائی سے زیادہ ہے اور 12.2 فیصد پچھلے سال کی خریف سے زیادہ ہے۔ جبکہ ربیع کی فصلوں جیسے گندم کے لیے مارچ 2008ء کے اختتام تک پانی کی مقدار 23.4 فیصد نارمل سپلائی سے کم ہے اور پچھلے ربیع سال سے 10.5 فیصد کم ہے۔ نتیجتاً گندم کی فصل ان حالات میں بُری طرح متاثر ہونے کی توقع ہے۔

5.3 صنعت

موجودہ عشرہ کے آغاز میں صنعتی شعبہ نے ریکارڈ ترقی کی ہے۔ پچھلے سال (07-2006) تک اس میں نشوونما کی شرح 8.1 فیصد تھی مگر موجودہ مالیاتی سال 08-2007ء میں صنعتی نشوونما کی شرح پورے عشرہ کے مقابلہ میں سب سے کم رہی ہے۔ جو کہ پہلے نو (9) ماہ میں صرف 5.4 فیصد رہی جبکہ مطلوبہ ہدف 10.9 فیصد تھا۔ پیمانہ کبیر کی صنعت جو کل صنعت کا 70 فیصد ہے 08-2007ء میں صرف 4.8 فیصد نشوونما کی شرح حاصل کر سکی جبکہ اس کا مطلوبہ ہدف 12.5 فیصد تھا۔ جس کی وجہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکی ہے امن و امان کی خراب صورت حال، سیاسی ابتری، بجلی اور گیس کا بحران وغیرہ تھی۔

08-2007ء میں چھوٹی اور درمیانی طرز کی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے ایک نئی SMEs پالیسی 2007ء وضع کی گئی ہے تاکہ ان صنعتوں کو انتظامی، مالیاتی اور تجارتی لحاظ سے اچھا ماحول مل سکے اور پاکستان میں روزگار کے نئے مواقع پیدا ہو سکیں جس کے نتیجہ میں غربت کا خاتمہ ہو سکے۔

5.4 بیرونی تجارت

اس عشرہ میں پاکستان کی برآمدات 16 فیصد سالانہ کی شرح سے بڑھ رہی ہیں جس کی وجہ حکومت کی کامیاب پالیسیاں اور سال 03-2002ء سے 06-2005ء تک عالمی تجارتی ماحول کا موافق ہونا ہے۔ مگر برآمدات کی اس امید افزا نشوونما کو سال 07-2006ء میں بڑا دھچکا لگا جب اس کی نشوونما کی شرح صرف 4 فیصد رہ گئی۔ تاہم مالیاتی سال 08-2007ء کے پہلے دس ماہ (جولائی۔اپریل) میں برآمدات کی نشوونما کی شرح بڑھ کر 10.2 فیصد ہو گئی جبکہ پچھلے سال اس عرصہ میں یہ شرح صرف 3.6 فیصد تھی یعنی ہماری برآمدات 13847.3 ملین ڈالر سے بڑھ کر 15255.5 ملین ڈالر ہو گئیں۔ اگرچہ یہ نشوونما کی شرح سال 03-2002ء کی شرح 16 فیصد سے کم ہے لیکن پچھلے سال کی شرح کے مقابلہ میں کافی حوصلہ افزا ہے۔

پاکستان کی درآمدات کی نشوونما اس عشرہ میں 29 فیصد کی شرح سے بڑھی ہیں۔ مالیاتی سال 08-2007ء کے پہلے 10 ماہ (جولائی۔اپریل) میں ان کی نشوونما کی شرح 28.3 فیصد رہی ہے جو 07-2006ء کی شرح 6.9 فیصد سے کافی زیادہ ہے جس کی وجہ پٹرولیم کی مصنوعات، خوراک اور خام مال کی درآمد

کا اچانک بڑھ جانا ہے۔ پٹرولیم گروپ کی درآمدات غیر معمولی طور پر 47 فیصد سے زیادہ ریکارڈ کی گئی جبکہ خوراک اور خام مال نے بالترتیب 16 فیصد اور 21 فیصد کی شرح سے اضافہ ظاہر کیا۔ پاکستان کا کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ 2007-08ء میں بڑھ کر 11.6 بلین ڈالر تک پہنچ گیا ہے جبکہ 2006-07ء میں یہ خسارہ 6.6 بلین ڈالر تھا۔

6۔ غیر ملکی اعانے (Remittances) میں نشوونما کی شرح سال 20078-08ء میں 19.5 فیصد رہی جبکہ یہ شرح پچھلے سال 22.7 فیصد تھی۔ ورکرز کے اعانے 2007-08ء (جولائی۔اپریل) کے مالیاتی سال میں 5.3 بلین ڈالر رہے بکہ پچھلے سال پر 4.4 بلین ڈالر تھے۔ سال 2007-08ء کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان کے فارن ایکسچینج ریزرو اپریل کے اختتام تک 12,344 ملین ڈالر ہیں جبکہ یہ ریزرو پچھلے سال 2007ء میں ماہ جون کے اختتام تک 15646 ملین ڈالر تھے۔ اکتوبر 2007ء میں یہ ریزرو سب سے زیادہ یعنی 16443 ملین ڈالر تھے جبکہ نومبر تا اپریل 2008ء میں 4.1 بلین ڈالر کی بے انتہا کمی ان ریزرو میں مشاہدہ کی گئی۔

5.5 افراطِ زر

اس عشرہ میں افراطِ زر کی شرح 6 سے 7 فیصد سالانہ رہا ہے مگر سال 2007-08ء (جولائی۔اپریل) میں یہ شرح ایک دم بڑھ کر 10.3 فیصد تک ہو چکی ہے جبکہ پچھلے سال یہ 7.9 فیصد تھی۔

2007-08ء میں خوراک کی قیمتوں میں افراطِ زر کا تخمینہ 15 فیصد تک لگایا گیا ہے جبکہ پچھلے سال یہ 10.2 فیصد تھا۔ جبکہ 2007-08ء میں غیر خوراک افراطِ زر کی شرح 6.8 فیصد رہی اور یہ شرح پچھلے سال 6.2 فیصد تھی۔ اس اعداد وشمار سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے جبکہ غیر طعام وشراب اشیاء کی قیمتیں تقریباً مستقل رہی ہیں۔

5.6 تقسیم آمدنی و دولت اور غربت

پاکستان کا سماجی اور رہائشی معیار (PSLM) کا سروے جو آمدن اور خرچ پر مشتمل ہے پاکستان میں تقسیم دولت اور غربت کی کیفیت کو سمجھنے کے لیے کافی مدد کرتا ہے۔2005-06 میں PSLM کے سروے کے مطابق غربت کا اندازہ 22.32 فیصد ہے جبکہ یہ اندازہ 2000-01ء کے سروے کے مطابق 34.5 فیصد تھا ان پانچ سال کے عرصے میں تقریباً 12.18 فیصد غربت میں کمی آئی ہے۔

غربت میں کمی کے مقابلہ پر پاکستان میں تقسیم آمدنی و دولت کی صورتحال غریب طبقہ کے خلاف ہے جیسا کہ جینی کوافیشنٹ (Gini Coefficent) میں اضافہ سے ظاہر ہے اور 2000-01ء سے اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے یعنی 2000-01ء میں اس کی قیمت 0.2752 تھی جبکہ 2007-08 میں اس کی قیمت 0.3018

تک پہنچ چکی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ پاکستان میں غربت کی شرح میں کمی آئی ہے مگر تقسیم آمدنی و دولت کا رجحان امیر طبقہ کی طرف زیادہ رہا ہے جس سے غریب طبقہ میں محرومی کی فضا پیدا ہو رہی ہے۔

5.7 اہم نکات

1۔ اس عشرہ کے آغاز میں صنعت، زراعت اور دیگر شعبوں نے کافی ترقی کی۔
2۔ موجودہ سال 08-2007ء میں صنعت، زراعت، افراطِ زر، غربت اور آمدنی کے تقسیم کی صورتحال اُمید افزا نہیں ہے۔
3۔ بڑے پیمانہ کی صنعتی اشیاء کی نشوونما کی شرح میں موجودہ سال میں کافی کمی آئی ہے۔
4۔ زراعت کے شعبہ میں نشوونما کی کمی بڑی فصلوں میں کمی کی وجہ سے واقع ہوئی۔
5۔ پاکستان میں افراطِ زر کی صورتحال موجودہ سال میں خوراک کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ کی مرہونِ منت ہے۔
6۔ غیر خوراک کی اشیاء میں افراطِ زر قابلِ برداشت ہے۔
7۔ اس عشرہ میں غربت کی شرح میں کمی آئی ہے جبکہ تقسیم آمدنی و دولت کی صورتحال امیروں کے حق میں رہی ہے۔

5.8 خود آزمائی

1۔ موجودہ عشرہ کے آغاز میں صنعت نے کافی ترقی کی۔

ہاں	نہیں

2۔ موجودہ سال 08-2007ء میں صنعت نے بے پناہ ترقی کی۔

ہاں	نہیں

3۔ اس عشرہ میں زراعت کے شعبہ میں نشوونما کی شرح میں کمی کی وجہ لائیو سٹاک اور چھوٹی فصلیں ہیں۔

ہاں	نہیں

4۔ پاکستان کے فارن ایکسچینج ریزرو اپریل 08-2007ء تک کتنے تھے۔

16443 ملین ڈالر	12344 ملین ڈالر

5۔ برآمدات کی نشوونما کی شرح کو سال 07-2006ء میں بڑا دھچکا لگا جب یہ شرح صرف 2 فیصد رہ گئی۔

ہاں	نہیں

6۔ 06-2005ء (PSLM) کے سروے کے مطابق غربت کا اندازہ 22.320 فیصد ہے جبکہ یہ اندازہ 01-2000 ء کے سروے کے مطابق 34.5 فیصد تھا۔

درست	غلط

7۔ 01-2000ء میں جینی کوفیشنٹ (Gini Coefficient) .... کے برابر تھا جبکہ 08-2007ء اس کی قیمت .... تھی۔

5.9 جوابات

1۔ہاں 2۔نہیں 3۔نہیں 4۔ 12344 ملین ڈالر

5۔غلط 6۔درست 7۔ 0.2752, 0.3018

جوابات

1۔ ہاں
2۔ ہاں
3۔ نہیں
4۔ ہاں
5۔ ہاں
6۔ ہاں
7۔ سالانہ میزانیوں کو
8۔ 3%
9۔ 50%
10۔ 12%
11۔ ڈیڑھ ارب روپے کی
12۔ آجر حضرات کو
13۔ 57%
14۔ 542 روپے
15۔ دوسرے عشرے میں
16۔ 16%
17۔ 49%
18۔ 373 ایکڑ
19۔ سالانہ منصوبہ بندی
20۔ 663روپے تک
21۔ 150 ایکڑ
22۔ ایک کروڑ نو لاکھ ٹن
23۔ 4.6%
24۔ تیسرے عشرے میں
25۔ ہاں
26۔ ہاں
27۔ ہاں
28۔ ہاں

فرہنگ

1۔ اشتمال اراضی	مختلف علاقوں میں بکھری ہوئی ملکیتوں کا ایک جگہ اکٹھا کر دینا
2۔ جمیعت محنت	کارکنوں اور محنت کشوں کی تعداد۔
3۔ زراعت پر مبنی	چینی سگریٹ اور کپڑے وغیرہ کی صنعتیں
4۔ صنعت افروزی	صنعتوں کا قیام اور ترقی ۔
5۔ غیر حاضر زمینداری نظام	ایسا نظام اراضی جس میں مالک زمین کو بغیر محنت کے پیداوار کا حصہ ملتا ہے ۔
6۔ کفالتی قطعات	ایسا قطعہ جس کی پیداوار ایک خاندان کی کفالت کر سکے ۔
7۔ مخلوط معیشت	نجی اور سرکاری شعبوں پر مشتمل معیشت ۔
8۔ معاشی قطعات	ایسا قطعہ جس کی پیداوار سے خاندان کی کفالت بھی ہو سکے اور مزید پیداوار کو فروخت کر کے منافع کمایا جا سکے ۔

Books for reference

1. Economic Survey of Pakistan — 1980-81,2007-08
Government of Pakistan

2. Economy of Pakistan
Dr. S. M . Akhtar

3. Econonucs of Pakistan
Sh. Manzoor Ali

4. Economy of Pakistan
Government of Pakistan — 2007-08